انا خاتم النبیین لا نبی بعدی ۔ الحدیث
عقیدۂ ختم نبوت پر علمائے اسلام کی تحقیقی کتب و رسائل کا انسائیکلوپیڈیا
عقیدۃ
ختم النبوۃ
جلد چہارم
الناشر
الادارۃ لتحفظ العقائد الاسلامیۃ
کراتشی باکستان

ختمِ نبوت پر علمائے اسلام کی تحقیقی کتب و رسائل کا انسائیکلوپیڈیا

عقیدہ ختمِ نبوت

جلد چہارم

ناشر: الادارۃ لتحفیظ العقائد الاسلامیۃ

آفس نمبر 5، پلاٹ نمبر Z-111، عالمگیر روڈ، کراچی

www.aqaideislam.com/org/net

www.khatmenabuwat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ

وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

الآیۃ ۴۰ سورۃ الاحزاب

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَاخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

قصیدہ بردہ شریف
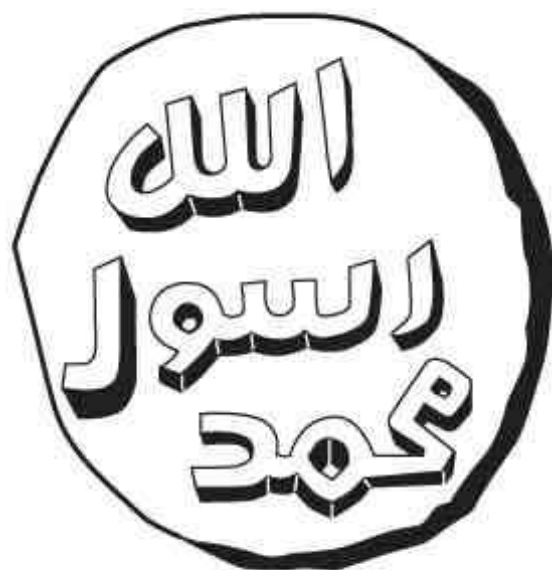
از: شیخ العرب والعجم امام محمد شرف الدین بوصیری مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

اے میرے مالک و مولیٰ درود و سلامتی نازل فرما ہمیشہ ہمیشہ تیرے پیارے حبیب پر جو تمام مخلوق میں افضل ترین ہیں۔

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سردار اور ملجاء ہیں دنیا و آخرت کے اور جن و انس کے اور عرب و عجم دونوں جماعتوں کے۔

فَاقَ النَّبِیّٖنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ یُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمِ

آپ ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر حسن و اخلاق میں فوقیت پائی اور وہ سب آپ کے مراتب علم و کرم کے قریب بھی نہ پہنچ پائے۔

وَکُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ

تمام انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں ملتمس ہیں آپ کے دریائے کرم سے ایک چلو یا باران رحمت سے ایک قطرے کے۔

وَكُلُّ اٰیٍ اَتَی الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

تمام معجزات جو انبیاء علیہم السلام لائے وہ دراصل حضور ﷺ کے نور ہی سے انہیں حاصل ہوئے۔

وَقَدَّمَتْكَ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَآءِ بِهَا
وَالرُّسُلِ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰی خَدَمِ

تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ ﷺ کو (مسجد اقصیٰ میں) مقدم فرمایا مخدوم کو خادموں پر مقدم کرنے کی مثل۔

بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ

اے مسلمانو! بڑی خوشخبری ہے کہ اللہ ﷻ کی مہربانی سے ہمارے لئے ایسا ستون عظیم ہے جو کبھی گرنے والا نہیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یارسول اللہ ﷺ آپ کی بخششوں میں سے ایک بخشش دنیا و آخرت ہیں اور علم لوح وقلم آپ ﷺ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ
اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِیْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

اور جسے آقائے دو جہاں ﷺ کی مدد حاصل ہو اسے اگر جنگل میں شیر بھی ملیں تو خاموشی سے سر جھکا لیں۔

لَمَّا دَعَا اللّٰهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهٖ
بِاَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّا اَكْرَمَ الْاُمَمِ

جب اللہ ﷻ نے اپنی طاعت کی طرف بلانے والے محبوب کو اکرم الرسل فرمایا تو ہم بھی سب امتوں سے اشرف قرار پائے۔

سلامِ رضا

از: امام اہلسنت مجدد دین و ملت حضرت علامہ مولانا مفتی قاری حافظ
امام احمد رضا محقق محدث قادری برکاتی حنفی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شبِ اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود
نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

حجرِ اسود و کعبۂ جان و دل
یعنی مُہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

نام کتاب عَقِيدَة خَتمِ النُّبُوَّة

ترتیب و تحقیق حضرت علامہ مفتی محمد امین قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

سن اشاعت (اول) 2006ء / 1427ھ (دوم) 2012ء / 1433ھ

قیمت 350/-

14 جلدوں میں مطبوعہ کتب کی فہرست اور مکتبوں کے ایڈریس کتاب کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ: ''عقیدہ ختم نبوت'' کے سلسلے میں حتی الامکان سنین کے اعتبار سے کتابوں کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مگر طباعت کے تقاضوں کے پیش نظر بعض کتب میں اس ترتیب کو برقرار نہیں رکھا جا سکا ہے۔ (ادارہ)

ناشر الادارة لتحفيظ العقائد الاسلامية

آفس نمبر 5، پلاٹ نمبر Z-111، عالمگیر روڈ، کراچی

www.aqaideislam.com/org/net

www.khatmenabuwat.com

فہرست

از

فاتحِ قادیانیت شیخ الاسلام

سید پیر مہر علی شاہ چشتی حنفی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

شَمسُ الھِدایۃ

فِی

اِثباتِ حیاۃِ المسیح

(سنِ تصنیف : ۱۳۱۷ھ / 1899/1900ء)

تصنیفِ لطیف

فاتح قادیانیت شیخ الاسلام

سید پیر مہر علی شاہ چشتی حنفی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

اجمالی فہرست شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

اجمالی فہرست شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے بنی نوع انسان کی دینی ہدایت کا جو سلسلہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ حضرت ابو البشر آدم ؑ سے شروع فرمایا۔ وہ سیّد الاوّلین و الآخرین خاتم النبیین سیّدنا محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی کی بعثت کے ساتھ تکمیل کے انتہائی مراتب پر پہنچ گیا۔ جس کے بعد کسی نئی آسمانی کتاب کی ضرورت نہ رہی نہ کسی نئے رسول دینی کی بعثت کا انتظار۔ خلافت راشدہ کے مبارک دور سے لے کر آج تک اسلامی تاریخ کے اوراق اس پر گواہ ہیں کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد بنی نوع انسان میں سے جس کسی نے بھی کسی دور میں ان حدود کو توڑنے کی کوشش کی حق تعالیٰ کی قدرت قاہرہ نے ایسے اسباب پیدا فرمادیے جن سے باطل کی تمام ابلہ فریبیاں نیست و نابود ہو کر رہ گئیں۔ شاید اسی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے پہل دعویٰ نبوت کرنے سے گریز کیا اور اس دعویٰ سے قبل ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۰ء کے عشرہ میں اپنی جماعت تیار کرنے کے لیے اپنے آپ کو پہلے تدریجاً مجدّد، پھر مثیل مسیح اور پھر مسیح موعود ثابت کرنے پر پورا زورِ قلم صرف کر دیا۔ جس سے بعض سادہ لوح اردو خواں لوگ اور عوام متاثر ہونے لگے۔ اس پر مجدّدِ ملت، رہبر شریعت و طریقت حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۹۹ء۔ ۱۹۰۰ء میں بمطابق شعبان، رمضان ۱۳۱۷ھ اپنی دیگر دینی مصروفیات سے کچھ وقت نکال کر زیرِ نظر کتاب ''شمس الہدایہ'' تحریر فرمائی۔ جس میں متعدد قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام نہ قتل ہوئے اور نہ سولی پر چڑھائے گئے بلکہ جسمانی طور پر زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے اور قیامت سے پہلے جب دجال ظاہر ہوگا جو یہود میں سے ایک شخص ہوگا اور امام مہدی ؑ اس سے جہاد میں مصروف ہوں گے اس

وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں آسمان سے نزول فرما کر حضرت امام مہدی علیہ السلام سے مل کر جہاد کریں گے اور دجال کو فلسطین کے ایک مقام ''باب لد'' پر قتل کریں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد یاجوج ماجوج زمین پر پھیل جائیں گے جو بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ہلاک ہو جائیں گے جس کے بعد مسلمان پورے امن وسکون سے رہیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاکر حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ عالیہ میں مدفون ہوں گے۔

حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب برصغیر کے علمی طبقہ میں نہایت مقبول ہوئی حتیٰ کہ اختلاف مسلک کے باوجود اہل حدیث کے مشہور عالم مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی نے امرتسر سے آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا کہ ''شمس الہدایۃ'' کے مطالعہ سے نہایت محظوظ ومستفید ہوا۔ امرتسر کے ایک مولوی حبیب اللہ صاحب نے لکھا کہ ''شمس الہدایۃ'' کے مطالعہ سے بعض مرزائی تائب ہو کر سیدھی راہ پر آگئے وہ خود بھی پہلے مرزائی تحریروں سے کچھ متاثر تھے۔ مگر حضرت مؤلف کی کتاب نے انہیں صراط مستقیم پر قائم رہنے میں مدد دی۔ اور پھر وہ اپنے شکوک کے ازالہ کے لیے حضرت مؤلف سے رجوع کرتے رہے۔ جس کی تفصیل حضرت کے ''فتاویٰ مہریہ'' میں موجود ہے۔ خدا کی شان کہ پھر انہی مولوی حبیب اللہ صاحب نے ردِ مرزائیت میں ایسی مفید کتابیں لکھیں کہ دیوبندی مکتب فکر کے مشہور علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی انہیں اپنے حواشی قرآن میں سورۃ ''اَلْمُؤمِنُون'' آیت نمبر ۵۰ کی تشریح کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ اس چیز کا قادیانی حلقہ میں سخت ردِ عمل ہوا۔ اور اس رسوائی کا داغ مٹانے کے لیے ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب کی طرف سے ایک اشتہار تمام ہندوستان میں تقسیم کیا گیا جس میں برصغیر کے تمام مشائخ وعلماء کرام کو عموماً اور حضرت مؤلف ''شمس الہدایۃ'' کے ساتھ ساتھ چھیاسی (۸۶) جید علماء حضرات کو خصوصاً لاہور میں ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو مناظرہ کی دعوت

دی گئی۔ اس کھلے چیلنج کو سب سے پہلے حضرت مؤلف نے قبول کرتے ہوئے اپنی طرف سے ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو اشتہار شائع کر دیا اور حسب وعدہ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور تشریف لے گئے لیکن مرزا صاحب میدان مناظرہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکے جس سے مرزائیوں کو نہایت خفت اُٹھانی پڑی۔

مناظرہ لاہور میں شکست فاش کھانے کے بعد بھی مرزا صاحب نے اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لیے بہتیرے جتن کیے۔ پہلے سورہ فاتحہ کی عربی تفسیر کو "اعجاز المسیح" کے نام سے شائع کروایا۔ پھر سال بھر بعد نومبر ۱۹۰۱ء میں اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا۔ اور مزید ایک سال بعد اپنے ایک تنخواہ دار محمد حسن امروہی سے "شمس بازغہ" کے نام سے ایک کتاب لکھوائی جو بظاہر تو "شمس الہدایہ" کی تردید میں تھی لیکن درحقیقت بے سروپا مضامین اور مؤلف "شمس الہدایہ" کے خلاف بیہودہ گوئی کا مجموعہ تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۲ء میں حضرت مؤلف نے اس موضوع پر اپنی مشہور کتاب "سیف چشتیائی" شائع کرائی جس پر برصغیر کی علمی دنیا نے آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اس کتاب میں مرزا صاحب کی کتاب "شمس بازغہ" کا منہ توڑ جواب دیا گیا تھا۔ اور ان کی اعجازی تفسیر پر ایک سو کے قریب اتنے زوردار اعتراضات کیے گئے کہ نیم خواندہ عربی دانوں نے بھی اس اعجازی تفسیر پر آوازے کسے۔ ان سب چیزوں کی تفصیل تو حضرت کی مذکور تصانیف اور آپ کے حالاتِ زندگی راقم الحروف کی مؤلفہ کتاب "مہر منیر" سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ ذیل میں مؤلف شمس بازغہ کے بعض ناشائستہ عربی اشعار کے جواب میں راقم اپنے چند عربی اشعار ہدیہ ناظرین کرتا ہے جن میں اس تفصیل کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

حضرت مؤلف کے وصال کے بعد آپ کے عظیم فرزند حضرت سیّد غلام محی الدّین شاہ صاحب المعروف حضور بابوجی اپنی تمام زندگی ہمیشہ تحریک ختم نبوت میں

سرگرم حصہ لیتے رہے ۱۹۵۳ء میں مسلم لیگی حکومت کے اس رویہ سے سخت شاکی رہے جو اس نے تحریک کے کچلنے کے لیے اختیار کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو ملک محض حضور خاتم النبیین ﷺ کی نظر کرم کے صدقے میں معرض وجود میں آیا اس کے قائدین حضور کی ختم نبوت کے شیدائیوں سے کیسا بے دردانہ سلوک کر رہے ہیں۔ لاہور ختم نبوت کانفرنس میں آپ نے تمام مکاتب فکر کے راہنماؤں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور جلسے جلوس میں اصولاً احتراز کے باوجود اس کانفرنس کے کئی اجلاس میں شریک ہوئے۔ علاوہ ازیں اس وقت کے گورنر جنرل غلام محمد، وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اور دوسرے زعمائے حکومت سے اس مسئلہ کے مناسب اور مستقل حل کے سلسلہ میں ملاقاتیں کیں۔

جن دنوں رابطہ عالم اسلام کی کانفرنس مکہ شریف میں ۱۹۷۴ء میں منعقد ہوئی۔ ان دنوں حضرت بابوجی بوجہ علالت ہسپتال میں تھے، رابطہ عالم اسلام کانفرنس نے ایک قرار داد پاس کی تھی جس میں تمام اسلامی ممالک سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ جب حضور بابوجی نے یہ خبر سنی تو آبدیدہ ہو کر فرمایا خدا کرے پاکستان میں تو اس پر جلد عمل ہو۔ بیماری کی شدت کے باوجود روزانہ تحریک ختم نبوت کے متعلق استفسار فرماتے تھے اور یہی آرزو لے کر ۲۲ جون ۱۹۷۴ء کو واصل بحق ہوئے۔ جولائی ۱۹۷۴ء میں راولپنڈی میں ایک عظیم مشائخ کانفرنس ہوئی۔ جس میں دربار عالیہ گولڑا شریف کی نمائندگی راقم الحروف نے کی۔ اس کانفرنس میں بھی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پاس کی گئی۔ دوسرے ہی دن اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر بھٹو، سپیکر قومی اسمبلی اور حکومت کی طرف سے اس سلسلہ میں مقرر کردہ رہبر کمیٹی کے ممبران کو علیحدہ علیحدہ مہر منیر کے نسخے بمعہ خطوط ارسال کیے گئے جن میں اس مطالبہ کی پرزور حمایت کی گئی۔ اتفاق دیکھئے کہ ۱۹۷۴ء کے اگست ہی کے مہینہ میں عوامی مطالبہ کے پیش نظر پاکستان کی قومی

اسمبلی نے اس مسودۂ قانون کو پاس کرنے کی سفارش کردی۔ جس کی رو سے مرزائی خواہ قادیانی ہوں یا لاہوری، اپنے مخصوص غیر اسلامی عقائد کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور پھر دس سال بعد ۱۹۸۴ء کے اگست کے مہینہ ہی میں حکومت پاکستان کی مقرر کردہ شرعی عدالت نے لاہور میں مرزائیوں کی اپیل مسترد کردی جو انہوں نے صدارتی آرڈیننس کے خلاف کی تھی جس میں مرزائیوں کو اپنے آپ کو کسی طرح سے بھی مسلمان ظاہر کرنے اور اپنے عبادت خانوں کو مساجد کا نام دینے سے منع کیا گیا تھا۔ اس طرح سے منکرین ختم نبوت کے خلاف حضرت مؤلف نے جو خاص مہم اگست ۱۹۰۰ء میں شروع فرمائی تھی وہ اگست ۱۹۸۴ء میں اپنے منطقی نتیجہ پر پہنچ گئی۔ اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے خلاف کام کرنے والوں کا پردہ پوری طرح سے چاک ہوگیا۔

اگست ۱۹۸۵ء
ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

راقم الحروف
فیض احمد فیض عفی عنہ
متوطن بستی بختاور، ضلع بھکر
حال مقیم دربار عالیہ گولڑا شریف

اَلتَّقْدِیْمُ الْمَنْظُوْم

بِحَمْدِ اللّٰهِ بُشْریٰ لِلْاِمَام مُجَدِّدِ مِلَّةٍ قُطْبِ الْاَنَام

بحمد اللہ کہ امام اور مجدد ملت قطب انام کے لیے خوشخبری اور بشارت ہے۔

اَریٰ شَمْسَ الْهِدَایَةِ طَالِبِیْهَا وَاَذْهَبَ نُوْرُهَا کُلَّ الظَّلَامَ

اس کتاب کے ذریعہ سے امام موصوف نے ہدایت کے طلبگاروں کو ہدایت کا سورج دکھادیا جس کے نور نے سب تاریکی کو زائل کردیا۔

بِهَا خَجِلَ الْکَذُوْبُ الْقَادِیَانِیْ وَاَیْنَ الْکِذْبُ مِنْ صِدْقِ الْکَلَام

اس شمسِ ہدایت سے جھوٹا قادیانی شرمندہ ہوگیا۔ بھلا سچ کے مقابلہ میں جھوٹ کی کیا مجال۔

فَلَمَّا اَنْ رَاٰی ذُلًّا صَرِیْحًا تَفَاخَرَ بِالدَّعَاوِیْ فِی الْعَوَام

پھر جب قادیانی نے واضح ذلت دیکھ لی۔ تو جمہور عوام میں مختلف قسم کے بلند بانگ دعووں پر اترانے لگا۔

فَفِیْ لَاَ هَوْرَ بَارَزَهٗ وَلِیٌّ نَجِیْبٌ سَیِّدٌ فَخْرُ الْکِرَام

جس کے فوراً بعد ایک خدا کے ولی نجیب الطرفین فخر کرام سیّد نے اسے لاہور میں مباحثہ کے لیے للکارا۔

شَهِیْرٍ بِاسْمِ مِهْرِ عَلِی شَرِیْفٍ فَلَمْ یَاتِ الْکَذُوْبُ اِلَی الْمَقَام

جو مہر علی کے نام گرامی سے مشہور ہیں لیکن جھوٹا مدعی مقام مباحثہ تک آنے کی جرأت بھی نہ کرسکا۔

بِهَا اُمِرَ الْمُجَدِّدُ مِنْ رَّسُوْلٍ عَلَيْهِ صَلٰوةُ رَبِّىْ بِالسَّلَامْ

اس مبارزہ اور مباحثہ کے لیے مجدد موصوف حضور رسالت مآب ﷺ کی طرف سے مامور کیے گئے تھے۔

وَبُشِّرَ مِنْهُ بِالتَّائِيْدِ غَيْبًا وَمِنْ شَيْخٍ[1] لَدَالْبَيْتِ الْحَرَام

اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے اور بیت الحرام میں ایک معتکف بزرگ کی جانب سے آپ کو غیبی تائید کی بشارت ملی۔

وَصَنَّفَ سَيْفَ جِشْتِيَةٍ كِتَابًا لِقَطْعِ مَتِيْنِ مُتَنَبِّىَ اللِّئَام

اور آپ نے (شمس الہدایہ کے بعد) مشہور کتاب سیف چشتیائی تالیف فرمائی۔ تاکہ جھوٹے نبی کی شہ رگ کاٹی جائے۔

فَمَا اسْطَاعُوْا لِرَدِّ الْحَقِّ لٰكِنْ اَتَوْا سَفَهًا بِسَبٍّ وَاتِّهَام

مرزائی حق بات کی تردید کی طاقت تو نہیں رکھتے تھے۔ ہاں حماقت سے دشنام طرازی اور الزام تراشی کرتے رہے۔

وَذَا مِنْ عَادَةِ الْجُهَّالِ طُرًّا اِذَا بُهِتُوْا هَذَوْا عِنْدَ الْكَلَامْ

اور جاہلوں کی عام عادت ہے کہ جب حیران اور لاجواب ہو جاتے ہیں تو بے ہودہ گوئی پر اتر آتے ہیں۔

فَمَنْ شَاءَ اطِّلَاعَ عَلٰى مَزِيْدٍ فَمِهْرُ مُنِيْر كَشَّافُ الْمَرَام

جو شخص اس سے مزید تفصیل کا خواہش مند ہو تو راقم کی مؤلفہ کتاب مہر منیر اس مقصد کے لیے کافی ہے۔

---

[1] یعنی الحاج حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعِتْرَتِہٖ وَصَحْبِہٖ

اَمَّا بَعْدُ۔ حضرات ناظرین پر پوشیدہ نہ رہے کہ آج کل مواد فطرتِ انسانی تعصب کی ہواؤں اور جہالت کے بخارات سے متعفن اور گندے ہورہے ہیں اور ایسا ہی ہونا تھا کیونکہ ہدایت اور استقامت کا سورج قریب ڈوبنے کے آگیا۔ استواء کا زمانہ جس سے **خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ** حکایت ہے۔ دور رہ گیا۔ بسبب فقدانِ تقویٰ کے نہ تو اشراق نوری اور انشراح صدری ہے تاکہ وعدہ **اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا** کا تحقق ہوکر فارق بین الحق والباطل نصیب ہو اور نہ لیاقت علمی جس کے ذریعہ سے مرادِ شارع کو سمجھ کر عمل نہ سہی اعتقاد کو تو مطابق **مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ** کے درست رکھیں۔ بغیر ظاہر پرستی اور سخن سازی، ہوس بازی اور فتنہ پردازی کے اور کچھ نہیں۔ سادہ پنی اور راستی سے جو منجملہ شعائر اسلام و اوضاع صحابہ کرام ہیں نفرت تصنع اور ناراستی و ہوس بازی سے جواز کمالاتِ تعلیم لندن ہیں محبت معہذا ابنائے زمان ہر دو فن مذکورۃ الصدر۔ یعنی اشراق نوری اور لیاقت علمی میں اپنے زعم میں خود ہی یکتا۔ زمانہ اور متفرد ہیں۔ گو کہ مکاشفاتِ انبیاء عظام صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین میں بزعم ان کے غلطی فی الکشف یا فی التعبیر میں واقع ہو۔ مگر ان حضرات کے معاتیات میں تاویل تک بھی ناممکن ہے۔ ایسا ہی علماء سلف شکر اللہ سعیہم کے اجتہادات اور ملتِ مرحومہ کا اجماع گو کہ **لَنْ تَجْتَمِعَ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ** بھی اس کی شان میں وارد ہو۔ تاہم یہ سب ان کے نزدیک نادانوں کے خیالات اور کورانہ اجماع جن کو سوائے عرب اونٹ چرانے والوں کے **اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ** کوئی فرقہ مہذبین یعنی تعلیم یافتگان لندن سے تسلیم نہ کرے۔ (صفحہ ۲۶۸۔ ازالہ اوہام)۔ کوئی وجہ ان کی صحت کے لیے نہیں **اِلَّا** در صورتے کہ ان حضرات کی رائے اور استنباط پر منطبق کیے جائیں دیکھو ازالہ اوہام و ایام الصلح۔ **اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ ﷺ**۔

علماء زمان عرصہ سے اس ہیچمدان خوشہ چین علماء کرام کو بھی ایسے حقائق و معارف سے جو تالیفات مرزا صاحب ازالہ اوہام و دافع الوساوس و ایام صلح میں مندرج ہیں مطلع فرماتے تھے راقم الحروف ان کو لعن طعن سے بخیال اس کے کہ خلاف شعائر اسلام ہے اور عکس ارشاد مشائخ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی روکتا رہا۔ آخر الامر جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر محفل میں اظہار حقیقت عقیدۂ مرزائیہ اور تکذیب و تجہیل بلکہ تکفیر علماء کرام کی جن کا اعتقاد مطابق سلف کے تھا، ہونے لگی تو اس اثناء میں چند احباب نے مجھے کچھ مضامین مرزا صاحب کی تالیفات کے سنائے۔ گوکہ میں بھی ابناء زمان کی طرح بسبب کم علمی اور محروم ہونے اشراق نوری سے قابل اس امر کے نہ تھا کہ ناظرین کو آج کل کے دھوکوں سے بچاؤں۔ مگر تحقیر اور تجہیل سلف و مشائخ زمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سننے کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکی۔ اور عقیدہ حقہ کا یوماً فیوماً اضمحلال گوارا نہ کر سکا۔ لہٰذا یہ چند مضامین متعلق آیات رفع و احادیث نزول محض حسبۃً لِلّٰہ بغیر اس کے کہ محرک اس کا عناد یا حسد یا بغض کسی مسلمان بھائی سے ہو حسب رائے ناقص کے لکھے گئے تاکہ ابناء زمان اتنی جرأت سے باز آئیں اور معانی جو مراد ہیں آیات اور احادیث سے ان کو واضح ہو جائیں اور چند اعتراضات ابلہ فریب سے جو استشہاد آیات و احادیث ازالہ اوہام وغیرہ وغیرہ میں مذکور ہیں خوف کھا کر عقیدۂ اجماعیہ اہل اسلام سے انحراف کیا بلکہ آیت اور احادیث کو کچھ اور ہی نہ سمجھ لیویں۔ کیونکہ اصول ان کے ایسے ہیں جو عنقریب بلحاظ تعلیم یافتگانِ لندن باقی آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بھی ہاتھ ڈالیں گے۔

آج کل کے اردو خوانوں اور زعمی مولویوں فاضلوں کا قصور نہیں۔ ان بے چاروں کو جب مثلاً کہا جائے کہ بتاؤ میاں آیہ **یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ** اور ایسے ہی **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ** جس قرآن کے ساتھ تمہارا

ایمان ہے اس میں موجود ہے یا نہیں۔ اور لفظ توفیٰ کا تئیس (۲۳) جگہ قرآن کریم میں معنی موت ہی میں مستعمل ہے۔ اور افقہ الناس عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی یہی معنی لیا۔ بخاری اور عباسی تفسیر ابن کثیر وغیرہ وغیرہ تو حسب **قولہٗ تعالیٰ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ** کے وعدۂ وفات اور بمقتضاے **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** الخ تحقیق موت عیسیٰ ابن مریم اور رفع روحانی کا ہو چکا۔ اور آیت **قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ**، اور ایسے **فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ** اور ایسے ہی احادیث صحیحہ سب شہادت دے رہی ہیں کہ ارواحِ مقربین بعد الوفات جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور بعد دخولِ جنت کے پھر نکلنا اس سے بحکم آیۃ **وَمَا ھُمْ مِنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ** کے ناممکن۔ اور مستلزم ہے وقوع کذب کو آیۃ مذکورہ میں۔ ایک **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** کیا بلکہ آیت **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ** اور **اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ** اور **اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ** بتمامہا اور **وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ** اور **مَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ** اور **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** اور **فِیْھَا تَحْیَوْنَ وَفِیْھَا تَمُوْتُوْنَ** اور **وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ** اور **کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ** اور **وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا** اور **قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا** اور **ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ** اور **ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ تَاْتِیَھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّکَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِھَا خَیْرًا۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ مَلَکٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ○ وَلَوْ جَعَلْنٰہُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰہُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ** اور حدیث صحیح **کما قال العبد الصّالح** اور حدیث صحیح **لَا یَاْتِیْ مِائَۃُ سَنَۃٍ عَلَی الْاَرْضِ نَفْسٌ مَّنْفُوْسَۃٌ** الْیَوْمَ۔ یہ سب آیات اور

احادیث صحیحہ بآواز بلند موتِ ابن مریم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر دے رہی ہیں۔ علاوہ اس کے عقلِ انسانی اور قصہ عودِ ایلیا بھی جو انجیل میں مذکور ہے صعود اور نزولِ مسیح سے بعینہٖ بجسدہ العنصری منکر ہیں۔ احادیثِ نزول ابن مریم اور خروج دجال وغیرہ من جملہ مکاشفاتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ہیں۔ اور کشفِ اجمالی مثل دیکھنے آنحضرت ﷺ کے عورت پراگندہ بالوں والی کو کہ گرداگرد مدینہ طیبہ کے گھوم رہی تھی وغیرہ وغیرہ تعبیر طلب ہوتا ہے بحالتِ خواب دیکھنے میں کچھ اور آتا ہے اور ظہور میں کچھ اور ہوتا ہے جیسا کہ خواب میں آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو دیکھا اور تعبیر اس کی وباء مدینہ سے (زادھا اللہ شرفا) فرمائی۔ معہذا تعبیر میں وقوع خطا بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ خواب میں آپ نے یہی سمجھا کہ امسال مکہ معظمہ زادھا اللہ تکریما جانا ہوگا۔ اور بعد مراجعت فرمانے کے حدیبیہ سے معلوم ہوا کہ تعبیر تخصیص امسال کی غلطی ہوئی۔ الغرض آیات اور احادیث صحیحہ متذکرہ بالا باعث شدید ہیں ماؤل ٹھہرانے پر احادیث نزول مسیح وخروج دجال وغیرہ کے کیا معنی۔ احادیث نزول سے مراد ظہور اس شخص کا ہے جو مماثل ہو ابن مریم کا جیسا کہ ایلیا کے دوبارہ آنے سے مثیل ایلیا یعنی ظہور یحییٰ کا شبہات مسیح ابن مریم کے تھا۔ وہ شخص مثیل ابن مریم کا کون ہے؟ میں ہوں۔ یعنی مرزا صاحب۔ کیونکہ الہام منجملہ براہین قاطعہ اور حجج ساطعہ کے ہے اور فتوحاتِ مکیہ اور میزان عبدالوہاب شعرانی وغیرہ۔

بعد استماع اس کے بالضرور اردو خوان اور نام کا مولوی تقریر مذکور کو جس کی بناء کی تشیید اور ترصیص کتاب اللہ اور سنت اور انجیل اور عقل سے ہو چکی ہے لامحالہ طوعاً و کرہاً مسلّم اور قبول کرے گا۔ نہ کرے تو کیا کرے۔ قرآن اور حدیث سے کیسے منکر ہو۔ لہٰذا یہ خزف ریزہ چند ہدیہ ناظرین کرتا ہوں تا کہ اس تقریر کے دھوکے میں نہ آجائیں۔ اور اسی پیٹے پائے راستہ پر چلیں جو مراد اس حدیث سے **لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ مَا تَمَسَّکْتُمْ بِاَمْرَیْنِ**

كِتَابِ اللهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ (موطا امام مالک) اور قسمیہ کہتا ہوں کہ جناب مرزا صاحب سے کسی قسم کا حسد یا عناد باعث تحریر اس رسالہ کا نہیں ہوا۔ بالتخصیص اگرچہ مرزا صاحب عرصہ سے ان مشائخ عظام کو جن کے ساتھ یہ بے ہیچ بھی اَلْحُبُّ فِي الله کا تعلق رکھتا ہے بآواز بلند اپنی تالیفات میں القاب مکروہہ سے پکار رہے تھے۔ اس وجہ سے جناب موصوف کو کچھ اگر لکھا بھی جاتا تو بمقابلہ آپ کی اس جرأت کے محلِ شکایت اور موجب گستاخی میں شمار نہ ہوتا مگر تاہم بخیال اس کے الحمدللہ کوئی شخص اہل اسلام سے بمقابلہ اعداء دین ہنود اور نصاریٰ کے کھڑا ہوا ہے۔ گوکہ ہم کو بُرا ہی کہے۔ ہم نے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ لعن وطعن والوں کو بھی کسی نہ کسی وجہ سے روکنا ہی چاہا۔ ہم تو خود قائل ہیں۔ بیت:

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند
تُو برونِ درچہ کردی کہ درُونِ خانہ آئی

اور خاموشی بمقابلہ ہتک مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس وجہ سے نہ تھی کہ اس کے سننے کو ہم مکروہ اور موذی نہ سمجھتے تھے بلکہ موجب اس کا اتباع مشائخ عظام ہی تھا۔ جو فی الحقیقت اتباع ہے سیّد الاوّلین والآخرین ﷺ کا۔ سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ وعن سائر المشائخ کا مقولہ ہے۔ بیت:

آنہا کہ بجائے من بدی با کردند
گردست رسد بجز نکوئی نکنم

مرزا صاحب ایام الصلح کے صفحہ ۱۳۲ میں لکھتے ہیں ''اس وقت زیر سقف نیلگوں ہیچ متنفس قدرت ندارد لاف برابری من زند من آشکارمی گویم و ہرگز باک ندارم۔ اے اہالی اسلام درمیان شما جماعتے مے باشند کہ گردن بدعوئی محدثیت و مفسریت برمے فرازند و طائفہ اندکہ از نازش ادب پا برزمین نگذارند و گروہے اند کہ دم بلند از خدا شناسی زنند و خود را چشتی و

قادری ونقشبندی وسہروردی وچہا چہا گویند۔ ایں جملہ طوائف رانزد من بیارید۔'' الخ

آپ نے بجا فرمایا۔ وہ لوگ چونکہ مفسر اور محدث اور خدا شناس ہیں تو پھر کیسی لاف زنی اور گردن فرازی ان سے ظاہر ہو۔ بلکہ وہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی لافوں سے بچائے اور **فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ** اور بلی عبدنا خضر کی طرف توجہ دلائے۔ بیت:

خاکساران جہاں رابحقارت منگر
تُوچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

بخدائے لایزال ولم یزل اپنی چشم دید عرض کرتا ہوں کہ مشاہیر اور مستورین کو بھی گروہ اہل اللہ سے دیکھا کہ کمالات باطنیہ ازقسم مکاشفات وغیرہ ان کے نفوس مطہرہ سے **صِبْغَةَ اللہِ** کی رنگت اور **کُنْتُ سَمْعَہٗ بِیْ یَسْمَعُ وَبَصَرَہٗ بِیْ یَبْصُرُ** کا تماشا دکھلا رہے تھے۔ مگر کیا ممکن کہ نظر بر قدم اور ہوش در دم سے گردن اٹھا کر کسی طرح کا دعویٰ یا لاف زنی کریں۔

اس گستاخی کے بعد معروض خدمت ہے کہ طالب عرفان کو خصوصیت چہاو چہا سے کیا غرض حصول مطلب چاہیے، جس سے ہو۔ آپ ہی معنی کلمہ طیبہ کا جو اصل ایمان اور عرفان کا ہے۔ فقط ظاہری طور پر فرمادیویں۔ محاورۂ قرآن کریم میں لفظ الٰہ کا درحالت اتصاف بالوحدۃ مثل **اِلٰہٌ وَّاحِدٌ** کے۔ اور ایسا ہی وقت اضافت موحدین کی طرف مثل **اِلٰھُکُمْ وَاِلٰہُ اٰبَائِکُمْ** مراد اس سے معبود حقیقی ہوتا ہے اور وقت استغراق کے مثل **وَمَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ** اور جمعیت کی مثل **لَوْ کَانَ ھٰؤُلَآءِ اٰلِھَةً مَّا وَرَدُوْھَا** اور ایسا ہی وقت اضافت کے مشرکین کی طرف مراد اس سے معبودات ممکنہ مثل اصنام وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ بناءً علیہ لفظ **اِلٰہ** جو **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ** میں واقع ہے مراد اس سے **اٰلِھَہ** ممکنہ ہوں گے۔ اور نیز

تقریب بھی اسی صورت میں تام ہوتی ہے کیونکہ براہین خمسہ میں مراد **الِھَہ** سے اصنام ہی ہیں۔ مثلاً **لَوْ کَانَ فِیْھِمَا اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا** بعد تعیین ارادہ اصنام کے الٰہ سے کلمہ طیبہ میں تقدیر امکان یا وجود کی مستلزم ہے وقوعِ کذب کو (العیاذ باللہ) اصل اسلام میں جو کلمہ طیبہ ہے کیونکہ اس وقت معنی یہ ہوگا کہ کوئی فرد افراد معبودات ممکنہ سے یعنی اصنام وکواکب وغیرہ۔ ممکن نہیں یا موجود نہیں۔ اور استیلاء صفاتی بعضہا علی بعض۔ جیسا کہ منافی للوجوب بر تقدیر وحدت وجوب نہیں۔ ایسا ہی بر تقدیر تعدد بھی نہ ہوگا۔ بناءً علیہ اگر ارادہ استحقاق للعبادۃ کا حقیقی طور پر جو صادق للوجوب ہے عنوان موضوعی یا محمولی سے بھی کیا جائے تو مستلزم **لَمَا کَانَتَا** یا **لَفَسَدَتَا** کو نہیں ہوسکتا اور ازلیت امکان چونکہ مستلزم ہے امکانِ ازلیت کو مادۂ وجوب میں۔ لہٰذا ممکنہ عامہ موجبہ جزئیہ جو نقیض ہے ضرور یہ سالبہ کلیہ کی۔ یعنی لا الٰہ موجود بالضرورۃ کی (العیاذ باللہ) صادق ہوگا۔ الغرض تقدیر ممکن یا موجود یا مستحق زعمی کی مستلزم ہے وقوعِ کذب کو مدعیٰ میں۔ اور ارادہ استحقاق واقعی کا مقتضی ہے بطلانِ براہین کو۔

اس تقریر سے ناظرین پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ جواب تفتازانی اور شیخ اکبر وغیرہ علماء کا دفع اشکال مذکور میں مفید نہیں۔ جواب اس کا حسب محاورۂ قرآنیہ چاہیے۔ اور یہ بھی معلوم ہو کہ فرق کرنا تعاوق فیما بین الذوات اور تعاوق فیما بین الصفات میں بعد اشتراک فی الوجوب کے مفید نہ ہوگا جیسا کہ وجوب بالذات اور بالغیر میں۔ کیونکہ یہ مجوز ہے سلب صفات کو ذاتِ واجبیہ سے فی مرتبۃ من المراتب ایسی گفتگو کہ جس سے خود نمائی کی بُو آئے۔ شانِ عیسویت اور وضع مہدویت کو ہرگز شایان نہیں۔

حضرات ناظرین پر مخفی نہ رہے کہ دوبارہ متوجہ ہونا اس بے پیچ کا اس امر غیر معتاد کی طرف جس کو آج کل بڑا کمال سمجھا جاتا ہے مشروط ہے بایں شرط کہ اگر کوئی صاحب برخلاف مضامین مسطورہ رسالہ ہٰذا کے اپنے مسلک کو یا تو تفاسیر معتبرہ سے مثل ابن جریرو

ابن کثیر کے جن میں روایات صحابہ کرام بالاسناد مذکور ہوں اور احادیث صحیحہ سے ثابت کرے اور یا فقط قرآن کریم سے حسب استنباط اپنے کے مدعیٰ کو مدلل کرے جس کو علماء ثقات فصحاء و بلغاء قبول فرمائیں نہ کہ مثل ازالہ اور ایام صلح وغیرہ کے جن کی نقل اور استنباط دونوں میں غلطی اور سقم ہے۔ **وَمَا اُبَرِّیءُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَ مَّارَةٌ بِالسُّوْءِ. اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَفْرِجْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاغْفِرْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلَی الْمَظْهَرِ الْاَتَمِّ لِاسْمِکَ الْاَعْظَمِ سَیِّدِالْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ سَیِّدِنَا اَبِی الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔**

سوال: کیا ہے عقیدہ اجماعیہ اہلِ اسلام کا دربارہ مرفوع ہونے یعنی اُٹھائے جانے مسیح ابن مریم کے آسمان پر۔

جواب: کافۂ اہلِ اسلام مسیح ابن مریم کو مرفوع الی السماء بجسدہ العنصری مانتے ہیں الّا بعض اہل تحقیق کہ جسم برزخی کے قائل ہیں۔ مگر نزول مسیح پر سب ہی اتفاق رکھتے ہیں۔

سوال: یہ عقیدہ محض اجماع کورانہ اور **لَا اَصْلَ لَهٗ** ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں لکھا ہے یا کوئی دستاویز قرآن اور حدیث سے بھی رکھتا ہے۔

جواب: آیۃ کریمہ **مَاقَتَلُوْهُ یَقِیْنًاo بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** ۔ نص صریح ہے رفع جسمی میں۔

سوال: **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** سے رفع روحانی مراد ہے بشہادۃ محاورۂ قرآنیہ **یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً.**

جواب: کلمہ بَلْ آیۃ مذکورہ میں جس کا ترجمہ ''بلکہ'' ہوتا ہے ابطال ماقبل کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ زعم یہود کو جو عیسیٰ ابن مریم کی مقتولیت اور مصلوبیت کے قائل تھے باطل کرتا ہے اور ماقبل اور مابعد بل اضرابیہ ابطالیہ کے متضاد ہوتے ہیں یعنی دونوں معاً متحقق نہیں ہوتے۔

فائدہ جلیلہ

قولہٗ تعالیٰ وَمَاقَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ من جملہ واقسام قصر الموصوف علی الصفۃ کی ایک قسم ہے یعنی قصر قلب کلمہ **بَلْ** کا مفرد میں اضراب یعنی اعراض کے لیے ہوتا ہے۔ اگر بعد امر یا اثبات کے واقع ہو تو اثبات حکم کا مابعد کے لیے کرے گا۔ اور معطوف علیہ کو کالمسکوت عنہ کر دے گا اور بعد نفی یا نہی کے حکم اوّل یعنی منفی یا منہی کو بر حالِ خود رکھے گا اور ضد اس حکم کی مابعد کے لیے ثابت کرے گا۔ جیسے **قَامَ زَيْدٌ بَلْ عَمْرٌو** اور **لِيَقُمْ بَكْرٌ بَلْ خَالِدٌ** پہلی مثال میں قیام کا اثبات عمرو کے لیے ہوگا نہ زید کے لیے کیونکہ عمر **بَلْ** کے مابعد واقع ہوا ہے اور ماقبل اس کے **قَامَ زَيْدٌ** مقولہ غلطی پر مبنی ہے اور دوسری مثال **لِيَقُمْ بَكْرٌ** میں طلب قیام خالد سے ہے نہ بکر سے وغیرہ۔ اور نفی نہی کی صورت میں ماقبل کے لیے حکم نفی کا بحال رہے گا اور مابعد کے لیے اثبات کا جیسا کہ

لم اکن فی مربع بل یتھما لا تضرب زیداً بل عمروا

اور جس صورت میں مابعد بَلْ کے جملہ ہو تو ابطال جملہ اولیٰ اور اثبات جملہ ثانیہ کے لیے ہوگا۔ **قولہ تعالیٰ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ** یا انتقال من غرض الی غرض آخر پر دال ہوگا۔ **قولہٗ تعالیٰ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** یہ بھی معلوم ہو کہ **بَلْ** دونوں صورتوں یعنی مفرد و جملہ میں عطف کے لیے ہوتا ہے۔ بنابر تحقیق اور مشہور عند النحاۃ عاطفہ ہونا اس کا مختص بالمفرد ہی ہے یعنی جس صورت میں کہ بعد اس کے مفرد واقع ہو۔ اور جملہ میں حرف ابتدا کا ہوگا۔ بنابر مشہور بَلْ مشترک ٹھہرا عطف اور ابتداء میں۔ اور ظاہر ہے ذکی ماہر پر کہ عدم

اشتراک صحیح ہے۔ بہ نسبت اشتراک کے۔ فقط بودے لوگ سرسری جو امتیاز درمیان معنی وضعی اور اس کے افراد میں نہیں کر سکتے جب استعمال لفظ کا افراد میں بھی معنی وضعی مطلق کی طرح پاتے ہیں تو ان کو دھوکا اشتراک اللفظ بین المطلق والافراد کا لگ جاتا ہے بلکہ فرد معیّن ہی کو بلحاظ کثرت استعمال کے موضوع سمجھ لیتے ہیں جیسا کہ آج کل اردو خوانوں کو لفظ توفّی میں دھوکا لگا ہوا ہے۔ بیان اس کا عنقریب آئے گا۔ کلمہ بَلْ کا موضوع لہٗ فقط اعراض ہے پہلے کا مسکوت عنہ کرنا یا تقریر اس کی۔ علیٰ ہذا القیاس انتقال ذات پہلے کی یا انتقال غرض سے۔ یہ سب انواع ہیں اعراض کے لیے جو معنی وضعی ہے (بحر العلوم مسلم الثبوت) الغرض کلمہ بَلْ کا بنا بر تحقیق ہذا آیۃ مذکورہ میں حرف عطف ٹھہرا ابطال جملہ اولیٰ یعنی قَتَلُوْهُ کے لیے۔ اور منجملہ طرق قصر کے قصر بالعطف بھی ہے۔ جس میں متکلّم پر واجب ہے کہ نص علی المثبت والمنفی کرے۔ کیونکہ مطلق کلام قصری کو متکلّم تمیز بین الخطاء والصواب کے لیے بولتا ہے تا کہ مخاطب کے اعتقاد میں جو خلط بین الصواب والخطاء ہے نکل جاوے اور بالخصوص قصر بالعطف میں کسی طرح ترک کرنا تصریح کا جائز نہیں۔

مَا نَحْنُ فِيْهِ میں یہود کا افتراء دو وجہ سے تھا۔ ایک مسیح کا بذریعہ صلیب کے مقتول کہنا۔ دوسرا اس کی مقتولیت کو محقق بولنا۔ یعنی اِنَّا قَتَلْنَا سے تعبیر تاکیدی کرنی۔ وجہ اوّل کو متکلّم بلیغ نے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ سے ردّ کیا۔ دوسرے کو وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے۔ اب اگر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کو کنایہ اعزاز و اکرام سے کہا جاوے جیسا کہ مرزا صاحب وَرَافِعُكَ اِلَیَّ میں فرماتے ہیں تو بمقتضائے قصر قلب کے چاہیے کہ مابعد بَلْ یعنی اعزاز اور ماقبل اس کا یعنی مقتولیت مجتمع نہ ہوں مع آنکہ مقتول مؤمنین میں سے اعلیٰ درجہ کا معزز و مکرم عند اللہ ہوتا ہے۔ قصر قلب میں اگرچہ تنافی بین الوصفین بنا بر تحقیق ضروری نہیں مگر احد الوصفین کا ملزوم نہ ہونا دوسری وصف کے لیے نہایت ضروری ہے تا کہ

مخاطب کا اعتقاد برعکس **ما یذکرہ المتکلم** کے متصور رہو۔ اور اگر رفع سے مراد موت طبعی بعد واقعہ صلیب بعرصہ دراز مثل مزعوم مرزا صاحب کے لی جاوے تو بحسب مضمون بالا کے تصریح **بل بقی حیا ثم توفہ اللہ و رفعہ الیہ** کی ضروری ہے ورنہ فصاحت اور بلاغت قرآن کریم میں جو اعلیٰ وجوہ اعجاز اس کے سے ہیں خلل واقع ہوگا متکلم بلیغ کی شان سے بالکل بعید ہے کہ مقتضائے مقام یعنی تمیز ضروری کو چھوڑ کر مزید براں ایسی کلام بولے جس کا معنی بحسب التبادر مخالف ہو معنی مراد سے۔ کیونکہ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے تحقیق رفع در وقت واقعہ صلیب یا قبل اس کے بحسب محاورۂ قرآنیہ وغیرہ مفہوم ہوتا ہے۔ دیکھو **بَلْ جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ** جو بعد **اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ** کے واقع ہے اور ارادہ موت طبعی کا **رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے مع زعم تحقق اس کے قبل از واقعہ صلیب مستلزم ہے وقوع کذب کو کلام الٰہی میں (**العیاذ باللہ لا نتفاء المحکی عنہ**) بعد از قطع احتمالات مذکورہ آیۃ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کی محکم ٹھہری رفع جسمی مسیح میں۔ لہٰذا اہل لسان اور محاورہ دان صحابہ اور سلف سے (رضوان اللہ علیہم اجمعین) رفع جسمی کو آیۃ ہذا سے ایسے سمجھے ہوئے تھے کہ کسی سے اس آیت کے معنی میں اختلاف مروی نہیں۔ اور اسی وجہ سے چونکہ محکم ہے رفع جسمی میں تو مخصص ہوگی واسطے ان آیات اور احادیث کے جو باعتبار عموم اپنے کے دال ہیں وفات مسیح پر مثل **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** اور **مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ** الخ وغیرہ وغیرہ اور یہی قرینہ صارفہ ہے ارادہ کرنے معنی موت کے **تَوَفَّيْتَنِيْ** سے اور **مُتَوَفِّيْكَ** سے برتقدیر عدم تقدیم وتاخیر کے۔ اور یہی آیت بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ **شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ** میں **حَيًّا** ملحوظ نہیں ہے۔ اور یہی آیۃ قرینہ ہے حدیث **فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ** الخ میں **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** سے معنی غیر موت کا لینے کے اور یہی آیۃ قرینہ ہے حدیث **لَوْ كَانَ مُوْسٰی وَعِيْسٰی حَيَّيْنِ** الخ میں برتقدیر صحت کے حیات سے حیات فی الارض مراد لینے کی۔ اور یہی آیۃ بعد از قطع

احتمالاتِ مذکورہ کے استبعاد عقلِ انسانی کو جو دربارہ مرفوع ہونے جسم مسیح کے بجسدہ العنصری آسمان پر تھا زائل کر رہی ہے۔

ھذہ الآیۃ تکفی جوابا لجمیع السوالات وان اجبنا لکل سوال تبرّعًا. محاورۂ قرآن کریم اور عرف بغیر تخصیص بلغۃ دون لغۃ اس پر شاہد ہیں۔ **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ**o ولدیت اور عبودیت تنافی ہیں تحقق میں۔ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ.** مجنونیت اور اتیانِ بالحق یعنی منجانب اللہ حق کو عباد کی طرف لانا متضاد نہیں۔ مثلاً زید کو میں نے مارا نہیں بلکہ اس کو عزت دی۔ عمرو کو میں نے بھوکا نہیں چھوڑا بلکہ پیٹ بھر کر کھلایا۔ مارنا اور عزت دینی۔ ایسا ہی بھوک اور سیری باہم متضاد ہیں۔

بعد تمہید ہٰذا آیت **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا**o **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** میں بھی حسب مقتضی کلمۂ **بَلْ** مقتولیت اور مرفوعیت یعنی مسیح کے مارے جانے اور اٹھائے جانے میں منافات اور عدم اجتماع فی التحقیق چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ مابین[1] مارے جانے اور اُٹھائے جانے روح کے آسمان کی طرف کچھ منافات نہیں۔ دونوں امر معًا پائے جاتے ہیں۔ مقربین میں

---

[1] **قولہ مابین الخ** توضیح مقام آنکہ **رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** یا تو کنایہ ہوگا اعزاز اور رفع منزلت سے جیسا کہ مرزا صاحب بشہادت محاورہ اور حوالہ کتب لغت لیتے ہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ قتل اور قرب الٰہی میں تضاد نہیں بلکہ قتل اور شہادت موجب مستقل ہے رفع منزلت عنداللہ کے لیے سوائے نبوت کے۔ اور یا مراد اس سے رفع روحی بطریق موت طبعی کے ہوگا بقرینہ وعدہ **توفی** یعنی **یا عیسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ** فقط لفظ **مُتَوَفِّيْكَ** اگرچہ مطلق موت پر دال ہے عام اس سے کہ اپنے آپ ہو یا بمباشرت قتل کے۔ لیکن حصر جو مستفاد ہے ضمیر متکلم کے مسند الیہ اور صیغہ مشتق کے مسند بنانے سے مفید ہے موت طبعی کا۔ اس تقریر پر اگرچہ تضاد متحقق ہے مگر بلحاظ اس کے کہ ماضویت **توفی** اور رفع کی۔ **بَلْ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَرَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** میں بہ نسبت ماقبل کلمۂ **بَلْ** کے ہوتی ہے چاہیے کہ موت طبعی مسیح کی قبل از واقعہ قتل وصلیب زعمی متحقق ہو۔ حالانکہ کوئی مؤرخ نہ اسلامی اور نہ غیر اسلامی (جاری)

سے جو قتل کیا جاتا ہے ان کی ارواح بھی عالم علوی کو اُٹھائی جاتی ہیں۔ اب بالضرور رفع جسمانی لینا پڑے گا کیونکہ مسیح کے قتل جسمی اور رفع جسمی دونوں میں تضاد اور تنافی ہے۔ اگر جسم مسیح یہود کے ہاتھ مقتول ہوتو وہی جسم عالم بالا کی طرف مرفوع نہ ہو۔ اور اگر مسیح بجسدہ العصری بحفظ و امان اُٹھائے گئے تو یہود کے ہاتھ میں مقتول نہیں ہوسکتے۔ اور یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ **رَّفَعَهُ اللّٰهُ** میں **رَفَعَ** جو صیغہ ماضی ہے اس کی ماضویت کس کی نسبت ہے۔ اس کا ماضی ہونا بہ نسبت ماقبل **بَلْ** کے ہے جس کو باطل کرنا منظور ہے۔ وہ کیا۔ **قَتَلُوْهُ**. اس امر کو ہم قرآنی شہادت سے ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو **بَلْ جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ** لانا آیات قرآنی کا منجانب اللہ پہلے ہوا۔ بعد ازاں نسبت جنون کی کفار نے آپ کی طرف کی۔ اب

(بقیہ) اس کی شہادت نہیں دیتا۔ بلکہ ابن عباس اور سائر اہل اسلام **قاطبة الی یومنا هذا** رفع جسمی مسیح کے قبل از واقعہ صلیب کے قائل ہیں تفسیر نقلی صحابی کی چونکہ حکم مرفوع میں ہوتی ہے۔ بناءً ہر مسلمان کے لیے واجب التسلیم اور ضروری القبول ہوگی کیسے نہ ہو۔ رفع جسمی قبل از واقعہ صلیب کا مضمون جو اثر ابن عباس میں عنقریب آئے گا نہ تو معتقد بہ یہود اور نصاریٰ کا تھا تا کہ احتمال روایت ابن عباس کا اہل کتاب سے ہو اور نہ خود ابن عباس اس مضمون کو اپنے اختراع سے پیدا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہی ماننا پڑے گا کہ بالضرور ابن عباس نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔ اور مؤرخ غیر اسلامی یعنی یہود و نصاریٰ۔ موت بالقتل والصلیب مسیح کے قائل ہیں۔ اور مرزا صاحب موت طبعی بعد از واقعہ صلیب کے معتقد ہیں۔ حسب زعم ان کے **بَلْ بَقِیَ حَیًّا ثُمَّ تَوَفّٰهُ اللّٰهُ وَرَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** چاہئے تھا۔ الحاصل تقدیر مذکور مستلزم ہے فقدان تحکی عنہ کی وجہ سے وقوع کذب کو۔ العیاذ باللہ۔ آیت مذکور میں بعد بطلان احتمالات مذکورۃ الصدر کے یہی متعین ہوا کہ مراد **رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** سے رفع جسمی ہے اور **تَوَفّٰهُ اللّٰهُ** سے جو قبل از **رَفَعَهُ اللّٰهُ** کے بقرینہ وعدہ مقدر ہے معنی **قَبَضَهُ اللّٰه** کا۔ آیہ مذکور جیسا کہ نص ہے ابطال افتراء یہود اور رفع جسمی مسیح میں ایسے ہی قرینہ صارفہ ہے ارادہ معنی موت کے لیے **مُتَوَفِّیْکَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** سے اور یہی وجہ ہے قول بالتقدیم والتاخیر کی۔ آیہ **یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ** میں بر تقدیر ارادہ معنی موت کے **مُتَوَفِّیْکَ** سے۔ باقی رہا یہ زعم کہ لفظ **توفّی** کا قرآن کریم میں فقط معنی موت ہی میں مستعمل ہے یہ صرف سادہ لوحوں اور بودوں کا خیال ہے۔ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ **ان شآء اللّٰہ**۔ ۱۲

بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ اِلَیْهِ سے ثابت ہوا کہ تحقق رفع قبل از تحقق قتل زعمی یہود کے ہوا ہے یعنی پہلے جسم مسیح بحفظ وامان آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ بعد ازاں یہود نے ان کی شبیہ کو قتل کیا۔ اور **بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ اِلَیْهِ** کو قیاس **یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ** الخ پر کرنا بے جا ہے۔ کیونکہ اس میں خطاب نفس کی طرف ہے نہ جسم مع الرُّوح کو۔ بخلاف **رَفَعَهُ اللهُ اِلَیْهِ** کے۔ کہ مرجع ضمیر منصوب متصل کا یعنی رفع میں جو ضمیر ہے وہ ہی مرجع ہے جو ماقبل اس کے **مَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ** کے لیے ہے یعنی جسم مع الرُّوح۔

یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اصل واقعہ میں یا اس کے علم میں تغیر کا ہونا اس امر کو نہایت مدخل ہے کلام کے حقیقت یا مجاز ہونے میں۔ ایک ہی کلام کبھی حقیقت ہوتی ہے معنی مراد میں جب اصل واقعہ اعتقاداً یا بحسب نفس الامر ایک طرح ٹھہرایا جائے اور اسی کلام کو بعینہ افراد مجاز میں سے شمار کیا جاتا ہے جس حالت میں کہ اصل واقعہ دگر گوں قرار دیا جائے۔ مثلاً **اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ** یعنی موسم ربیع نے ترکاری اُگائی جس حالت میں کہ قائل اس کا مومن ہو، مجاز ہوگا کیونکہ وہ اسناد ہے **الٰی غیر ما ھولهٗ عندا لمتکلم**۔ اور یہی قول حقیقت کی امثلہ میں شمار کیا جائے گا جبکہ قائل اس کا جاہل ہو یعنی وہ شخص جس کے اعتقاد میں فی الواقع اُگانے والی موسم ربیع ہے کیونکہ حسب اعتقاد اس کے اسناد فعل کی **اِلٰی مَا ھُوَلَهٗ** اس کلام میں واقع ہے۔ اقسام اس بحث کے بہت ہیں۔ ناظرین کی ملالت اور تشویش کے باعث اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ایسے **کشف فلان عن ساقه** فلانے نے اپنی پنڈلی سے پردہ اُٹھایا۔ جس حالت میں کہ فلانے نے فی الواقع اپنی ساق کو بروقت گزرنے کے پانی سے یا کسی اور تقریب سے برہنہ کیا، یہ کلام حقیقت ہوگی یعنی لفظ کشف اور ساق اپنے اپنے معنی حقیقی میں مستعمل ہوں گے۔ اور درحالتے کہ فلانے نے پنڈلی کو برہنہ نہیں کیا بلکہ کسی کام کی تیاری

میں مصروف ہو رہا ہے۔ اس وقت یہی کلام کشف فلان عن ساقہ کنایہ ہوگی مستعد ہونے سے اس کام پر۔

اب اگر کوئی ظاہر بین اردو خوان[1] نام کا مولوی کسی کتاب میں دوسرے معنی کو جو حسب محاورہ ہے معنی کنائی اور کلام مذکور کو کنایہ لکھا ہوا دیکھ کر منحصر ہونا اس کلام کا معنی استعداد ہی میں بشہادت محاورہ سمجھ لے تو منشاء اس کا بجز جہالت کے اور کیا ہے۔ لفظ رفع کا صلہ جب اِلٰی واقع ہو تو بہرحال اس کو اسی معنی میں یعنی کسی کو کسی کے ساتھ نزدیک کرنا اور مرتبہ دینا۔ منحصر سمجھنا بشہادت محاورہ جس کو اہل لغت نے بھی بیان کیا ہے اسی قبیل سے ہے جو بیان کر چکا ہوں یعنی جہالت ہے۔ حدیث شریف میں یہی محاورہ ہے **فرفعهٗ الی یدہٖ. ای رفعه الی غایة طول یده لیراه الناس فیفطرون** (مجمع البحار) رفع جسمی میں وارد ہے بغیر رفع منزلت کے۔ ایسا ہی **یرفع الحدیث الی عثمان** اور **یرفعه الی النبی** ﷺ۔ اور ایسا ہی **یرفع الیه عمل اللیل قبل عمل النّهار. ای الی خزائنه لیضبط الی یوم الجزاء** (مجمع البحار) ان سب میں یہی محاورہ اٹھانے چیز میں بعینہٖ جو ہر ہو یا عرض مدخول اِلٰی کی طرف مستعمل ہے بغیر ارادہ رفع مرتبہ کے۔ **مانحن فیه** میں جب اثر صحیح ابن عباس وغیرہ کا دربارہ مرفوع ہونے جسم مسیح کے اور نص **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** کی جو کئی وجوہ سے

---

[1] حضرت مؤلف قدس سرہ چونکہ حکیم الامت تھے اس لیے آپ نے خداداد نگاہ بصیرت سے آنے والے دور میں گمراہی کے دو بڑے سبب بیان فرمائے۔ ایک دینی علوم اور ان کے موقوف علیہ لازمی علوم سے بے بہرہ ہونا اور فقط سرسری طور پر اردو تراجم پڑھ کر ہمچوں ما دیگرے نیست کا دعویٰ جسے آپ موجودہ اردو خوان اور زعمی مولویوں کا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ دوسرا مروجہ مغربی سائنس اور فلسفہ کے اصول کو قطعی سمجھ کر قرآن و احادیث متواترہ سے انکار جس کا بانی تعلیم یافتگان لندن کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ برطانوی دور کا عروج تھا۔ ورنہ اسلامی شعائر و احکام اور دین کے اصول کے خلاف نظریات رکھنے والے سب اس میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ فیض عفی عنہ

شہادت رفع جسمی مسیح پر دیتی عنقریب بیان ہوں گے۔ پھر اصل واقعہ کو خیال نہ کرنا اور رفع کو فقط رفع بحسب المرتبہ میں منحصر سمجھ لینا خطا در خطا ہے۔ ایک تو صاحب صراح وغیرہ کی غرض نہ سمجھی۔ انہوں نے تو استعمال رفع کا درحالت صلہ واقع ہونے اِلٰی کے معنی رفع منزلت اور علوِ قدر میں ذکر کیا یعنی لفظ رفع کا اس حالت میں معنی مذکور میں استعمال ہوتا ہے یعنی بشرط مطابقت اصل واقعہ اور ارادہ اس معنی کے نہ یہ کہ جہاں رفع کا صلہ ہو اِلٰی ہو بالضرور رفع منزلت بغیر رفع جسمی کے مدلول لفظ رفع کا ہوگا۔ اگرچہ ارادہ متکلم کا ادا کرنے معنی رفع جسمی کا بعبارتِ مذکورہ بھی ہو **کشف عن الساق** کو جو کنایۃً[1] بحسب محاورہ تیار ہونے سے ٹھہراتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی وقت معنی حقیقی پر دال نہ ہوگا۔

الغرض صلہ الی قرینہ صارفہ ارادہ معنی رفع جسمی سے نہیں بلکہ مجوزہ ہے ارادہ معنی رفع منزلت کے لیے بروقت موجود ہونے قرینہ صارفہ کے یعنی لفظ رفع سے مراد رفع بحسب المرتبہ نہ ہوگا۔ مگر اسی صورت میں کہ صلہ اس کا کلمہ اِلٰی واقع ہو نہ بالعکس یعنی یہ نہیں کہ جس جگہ صلہ اس کا اِلٰی ہو اس جگہ بغیر اس رفع منزلت کے رفع جسمی پر دال نہ ہوگا۔ مطلقہ عامہ کو محصورہ کلیہ سمجھ لیا۔ دوسری خطا یہ ہے کہ رفع جسمی اور رفع بحسب الدرجہ میں تبائن کلی اور منافاۃ فی التحقق سمجھ لی۔ حالانکہ **ما نحن فیه** میں تو رفع جسمی کی صورت میں رفع بحسب القدر بالاولی اور بالاحسن معلوم ہوتا ہے۔

اس تحقیق سے ناظرین کو اچھی طرح مرزا صاحب اور ان کے مخلصین کا دھوکا کھانا معلوم ہوسکتا ہے۔ القول الجمیل تصدیق المثیل کے صفحہ ۵۹ و ۶۰ کو ملاحظہ کریں۔ مرزا صاحب اور ان کے اتباع فرماتے ہیں کہ قرآن یا حدیث میں لفظ **سَمَاء** جس کا معنی آسمان ہے متعلق رفع اور نزول مسیح کے نہیں آیا، یعنی **رفعه الله الی السماء** اور **ینزل من**

[1] معنی کنائی حقیقی کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے نہ مجازی۔ ۱۲ مطول

السماء۔ بھلا صاحب یہ تو فرمایئے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ جس کا مدلول خدا کی طرف مرفوع ہونا ہے۔ رفع روحانی ہی سہی کس طرح متحقق ہوگا۔ اور ایسا ہی اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ اپنے رب کی طرف رجوع نفس کی صورت کیا ہوگی۔ اور اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ میں چڑھ جانا کلماتِ طیبہ اور عملِ صالح کا مرفوع ہونا خدا کی طرف کیسے ہوگا۔ یہی تو فرمائیں گے جیسا احادیث میں وارد ہے کہ خدا کی طرف مرفوع ہونا یا رجوع ہونا یا چڑھ جانا۔ اس کی یہی صورت ہے کہ آسمان کو جو محل ہے عباد مکرمین کا قرارگاہ ان کی بنائی جائے۔ نہ کہ سوائے آسمان کے زمین میں یا آسمان اور زمین دونوں سے باہر رکھ دیا جائے۔ ایسا ہی رفع جسمی کی صورت میں بھی لفظ اِلَيْهِ کا ملاحظہ فرما کر سماء کو مذکور سمجھیں۔ پس رفع الی اللہ اور رفع الی السماء. ایسا ہی رجوع الی الرب اور صعود الی السّماء تساوق فی المعنٰی ہیں۔ احادیث میں تو صراحۃً بھی آ گیا ہے۔ اور رسالہ ہٰذا میں عنقریب ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

آیۃ مذکورہ یعنی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ جیسا کہ اثبات رفع جسمی مسیح اور ابطال افتراء یہود کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ کہتے تھے۔ اور تردید عقیدۂ نصاریٰ باتباع یہود فرما رہی ہے۔ ایسا ہی تکذیب عقیدہ فرقہ نیچریہ اور مرزائیہ کی بشہادت سیاق و آثار صحابہ و احادیث صحیحہ کر رہی ہے۔ احادیث صحیحہ کے نام لینے میں میں بھول گیا ہوں۔ حضرت سائل تحقیق اور استفسار سے ہی نہ رہ جائیں۔ کیونکہ ان کے اصول موضوعہ میں سے تقابل قرآن اور حدیث صحیح بھی ہے۔ اس مغالطہ سے بڑے کام نکلتے ہیں جب عوام کالانعام سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ میاں خداوند کریم کی کلام پاک مقدم ہے یا بندہ کی۔ ناچار مخاطبین حسب لیاقت اپنی کے یہی بول اٹھتے ہیں کہ خدا کی کلام اور بندہ کی کلام میں اتنا فرق ہے جس قدر کہ دونوں متکلموں کا آپس میں یعنی خدائے عزوجل اور بندہ میں۔ یعنی خدا

خدا اور بندہ بندہ۔ یہ کوئی نہیں کہتا۔ اجی حضرت! آپ سوال تقدیم وتاخیر من حیث العظمہ والمنزلۃ سے فرما رہے ہیں یا من حیث التفصیل والبیان سے۔ اگر من حیث العظمۃ ہے تو سب اہل اسلام کلامِ الٰہی کو زائد العظمۃ مانتے ہیں۔ لہٰذا نماز کا رکن کلام الٰہی [1] ہو سکتی ہے نہ حدیث اور اگر بجہت التفصیل وتشریح فرماتے ہیں تو حدیث شریف مقدم ہے۔ کیا معنی کہ پہلے مضمون تفصیلی حدیث شریف ہمارے اذہان میں آئے گا تب اجمالِ آیت کو ہم سمجھیں گے۔ ہاں صحت میں غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس رحمۃ للعلمین خاتم النبیین ﷺ کو حکیم مطلق **لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ** نے اسی لیے برزخ مابین اپنے اور ہمارے قرار دیا ہے کہ برزخ کی پرلی طرف کی بات برزخ ہی کے منہ مبارک سے بمعہ تشریح سن لیویں۔ کیونکہ جیسا کہ **قولہٗ تعالٰی اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا** اور **اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰکَ اللّٰهُ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا** اور **وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَهُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ.** اور **وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ.** اور حدیث شریف **الا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ** یعنی **السُّنَّۃَ** اسی برزخ سے مخصوص ہے۔ ایسا ہی ذمہ داری **اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ** اسی کو شایان ہے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ خَلَقَهٗ وَاَجْمَلَهٗ وَاَکْمَلَهٗ وَعَلَّمَهٗ وَاَدَّبَهٗ فَاَحْسَنَ تَادِیْبَهٗ ﷺ

فرقہ مرزائیہ عیسٰی بن مریم کے مصلوب ہونے یعنی صلیب پر چڑھانے کے یہود اور نصارٰی کی طرح معتقد ہیں۔ فقط صلیب پر مر جانے میں باہم مختلف ہیں۔ یہود اور نصارٰی کہتے ہیں کہ مسیح صلیب پر مر گئے۔ اور مرزائیہ صلیب سے زندہ اتار کر بعد ۸۷ سال کے کشمیر خاص سری نگر میں دفن کرتے ہیں۔ ایام الصلح صفحہ ۱۱۲، اس کا بطلان **رَفَعَهُ اللّٰهُ** کی

---

[1] یعنی بلحاظ عظمت کلام الٰہی مقدم ہے۔ اسی لیے نماز میں قرآن پڑھنا رکن ہے حدیث پڑھنا نہیں۔ فیض عفی عنہ

ماضویّت سے جو بہ نسبت ماقبل بَلْ یعنی مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ کے ثابت کی گئی ہے۔ اصل کتاب سے اور فائدہ جلیلہ سے جو منہیہ میں لکھ چکا ہوں۔ بخوبی ناظرین معلوم کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ مراد ماقبل بَلْ سے نفس قتل اور صلب ہے قطع نظر منفی ہونے اس کے سے کیونکہ نفی حکایت میں ہے نہ محکی عنہ میں۔ اس تقریر سے جو صراحۃً نظم قرآنی سے سمجھی جاتی ہے۔ ظاہر ہوگیا کہ سیّد احمد صاحب اور مرزا صاحب اور مصنف تفسیر حضرت شاہی کو مَاصَلَبُوْہُ کے معنی میں جو ان صاحبوں نے روایات اناجیل کے ملاحظہ سے لیا ہے سخت دھوکا ہوا۔ کہتے ہیں مَا صَلَبُوْہُ یعنی یہود نے مسیح کی ہڈیوں کو نہ توڑا۔ ازالہ اوہام صفحہ ۳۷۸ سے صفحہ ۳۸۲ تک تفسیر حضرت شاہی صفحہ ۹ افتامّل۔ ایسا ہی استشہاد میں معنی مذکور پر ساتھ عبارت قاموس کے وَالْعِظَامَ اِسْتَخْرَجَ وَدَكَهَا۔ اور اس حدیث کے لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ اَتَاهُ اَصْحَابُ الصُّلُبِ بِسُكُونِ اللَّامِ و ضمّها و فتحها ای الذین یجمعون العظام ویستخرجون ودکھاویأتدمون به کیونکہ قاموس کی عبارت کا مفہوم چکنائی کا نکالنا اور شوربا بنانا ہے۔ اور اگر ہڈیوں کا توڑنا بخیال اس کے کہ شوربا بغیر اس کے نہیں بن سکتا۔ صلب کا معنی قرار دیا جائے تو چاہیے کہ موت طبعی اس جانور کی یا ذبح اس کا بھی مدلول اس کا ٹھہرایا جائے۔ اور حدیث میں لفظ اصحاب الصلب سے معنی مذکور سمجھا گیا۔ کیونکہ صلب کا معنی چکنائی اور اصحاب الصلب کا معنی چکنائی والے لوگ۔ ہڈیوں کا توڑنا نہ تو لفظ اصحاب کا مدلول ہے اور نہ صلب کا۔ دیکھو قاموس اور مجمع البحار۔ صلیب پر چڑھانے میں تو نظم قرآنی اور احادیث نزول کو جو استلزاماً رفع جسمی سے خبر دے رہی ہیں ان سب کو سلام کہہ کر روایات اناجیل سے کام لیا۔ بعد از واقعہ صلیب مسیح کا زندہ رہنا اور عرصہ دراز کے بعد کشمیر[1] میں مدفون ہونا۔ اس میں اناجیل کو بھی چھوڑا۔

---

[1] سچ ہے "دروغ گورا حافظہ نہ باشد" مرزاجی ازالہ اوہام میں تو لکھتے ہیں کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں فوت ہوا مگر ایام الصلح میں سری نگر یاد آ گیا۔ بہرحال اس دروغ کا پردہ علمائے اسلام نے اپنی تصانیف میں اچھی طرح چاک کیا۔ اور حضرت مؤلف نے اس کا سیف چشتیائی میں پوری طرح رد فرمایا ہے۔ فیض عفی عنہ۔

وجوہاتِ بُطلانِ مذہب مرزائیہ دربارہ رفع عیسیٰ علیہ السلام

بُطلان اس مذہب خانہ زاد کا آیۃ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے بشہادت کلمہ بَلْ ایک وجہ سے تو ظاہر ہو چکا ہے۔

دوسری وجہ بُطلان کی اتحاد مرجع ہے دونوں ضمیروں منصوب متصل کا جو واقع ہیں مَاقَتَلُوْهُ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں۔ مَاقَتَلُوْهُ میں مرجع ضمیر کا چونکہ جسم مع الروح ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں بھی نظر بہ اتحاد وہی مجموع مرجع ہوگا نہ فقط روح۔

تیسری وجہ بُطلان کی یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ سلک جرائم یہود میں فقط افتراء اور بہتان ان کا ذکر فرماتا ہے یعنی وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ فرمایا۔ اور فقط ذکر قتل یا صلیب پر چڑھانے کا بغیر انضمام قول کے نہیں کیا یعنی وَقَتَلَهُمُ الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وصلبهم نہیں فرمایا۔ صلیب پر چڑھانا اور کوچہ بکوچہ رسوا کرنا اور مار پیٹ سے تکلیف دینا یہ تو بڑا سنگین جرم اور موجب غضب الٰہی ہے بہ نسبت اس کے کہ فقط افتراء یا جھوٹ بول دیا ہو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع مسیح مقتول اور مصلوب نہ تھے بلکہ ایک اور شخص مسیح کے حواریوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ یعنی یہود نے مشورہ مسیح کے قتل کرنے کا کیا تھا۔ مگر ہم بڑے اسباب بچاؤ کے جانتے ہیں۔ مسیح کو تو ہم نے اٹھا لیا اور اس کی شبیہ کو مقتول اور مصلوب کرایا۔ یہود نے حسب زعم اپنے کے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم نے مسیح ابن مریم کو جو رسول منجانب اللہ کہلاتا تھا مصلوب کر کے مار ڈالا۔ مگر یہود اس قتل مسیح کے بارہ میں مشکک تھے اور نصاریٰ بھی باتباع یہود مسیح کی مقتولیت اور مصلوبیت کے قائل ہوئے بغیر ان چند حواریوں کے جو اس گھر میں جس میں سے مسیح مرفوع الی السماء ہوئے موجود تھے۔ القصہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کو اس

واقعہ سے خبر دی کہ یہود اس قول میں کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللهِ مفتری ہیں اور یقینی طور پر اِنَّا قَتَلْنَا نہیں کہتے بلکہ اس میں بھی مشکک ہیں۔ اور واقعی امر تو یہ ہے کہ مسیح کو انہوں نے مقتول اور مصلوب نہیں کیا بلکہ اس کے شبیہ کو۔ اور مسیح کو تو ہم نے ان کی ایذا سے بچانے کے لیے آسمان پر اٹھالیا۔ اس کے بعد فرمایا وَكَانَ اللهُ عَزِيزاً یعنی یہ خیال مت کرو کہ جسم عنصری آسمان پر کس طرح جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارا نام عزیز ہے باعزت اور باغلبہ اور ہم اس رفع جسمی پر غالب ہیں۔ ہمارے سامنے کوئی بڑی بات نہیں۔ حَكِيمًا یعنی ہم باحکمت ہیں۔ کوئی کام ہمارا حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ اس مسیح کے اٹھانے اور بقیہ ایامِ حیٰوۃ پورے کرنے میں بھی ایک حکمت ہے۔ وہ کیا؟ ان کو ہم اپنے حبیبِ ازلی اور شاہدِ لم یزلی ﷺ کے خدام اور خلفاء سے بنائیں۔ کیونکہ اس نے یہ منصب ہماری بارگاہ سے بہ نالہائے نیم شبی اور دعاہائے سحری مانگا ہوا ہے۔ گوکہ ہم زمین میں بھی اس کے محفوظ رکھنے اور بچانے پر ایذا یہود سے قادر ہیں۔ مگر ہماری حکمت کا مقتضٰی یہی ہے کہ ہر چیز کے ساتھ معاملہ حسب استعداد مادہ فطرتی اس کے کیا جائے۔ نفخ روح القدس مریم کے گریبان میں چونکہ منجملہ اس کے اسباب فطرتی کے تھا۔ اور تشبہ بالملائکہ ممتاز طریق پر اس کو حاصل تھا۔ لہٰذا آسمان پر رہنا اس کا موجب تعجب اور خلاف حکمت نہیں۔ یہاں تک تو حاصل ہے اس آیت کریمہ کا۔ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۔ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ٥ بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ اِلَيْهِ ۔ وَكَانَ اللهُ عَزِيْزاً حَكِيْمًا ٥

احادیث مبارکہ

قال ابن ابی حاتم حدثنا احمد بن سنان حدثنا ابو معاویۃ عن الاعمش عن المنہال ابن عمرو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما ارادالله ان یرفع عیسٰی الی السماء خرج علی اصحابہٖ فی البیت اثنا عشر رجلا من الحواریّین. یعنی فخرج علیہم من عین فی البیت ورأسہ یقطر ماء فقال ان منکم من یکفر بی اثنا عشر مرۃ بعد ان امن بی قال ثم قال ایکم یلقی علیہ شبہی فیقتل مکانی ویکون معی فی درجتی فقام شاب من احدثہم سِنًّا فقال لہ اجلس ثم اعادعلیہم فقام ذالک الشاب فقال اجلس ثم اعاد علیہم فقام ذالک الشاب فقال انا فقال ہو انت ذاک فالقی علیہ شبہ عیسٰی ورفع عیسٰی من روزنۃ فی البیت الی السماء قال وجاء الطلب من الیہود فاخذوا الشبہ فقتلوہ ثم صلبوہ فکفر بہ بعضہم اثنی عشر مرۃ بعد ان اٰمن بہ وافترقوا ثلاث فرق فقالت فرقۃٌ کَانَ الله فینا ماشاء ثم صعد الی السماء وھٰؤلآ ء الیعقوبیۃ. وقالت فرقۃٌ کان فینا ابن الله ما شاء ثم رفعہ الله الیہ و ھٰؤلآءِ النسطوریۃ وقالت فرقۃٌ کان فینا عبدُ اللہِ وَرَسُوْلُہٗ ما شاء الله ثم رفعہ الله الیہ و ھٰؤلآ ء المسلمون. فتظاھرت الکافرتان علی المسلمۃ فقتلوھا فلم یزل الاسلام طا مساحتیؒ بعث الله محمّدا ﷺ. وھذا اسناد صحیح الی ابن عباس ورواہ النسائی عن ابی کریب عن ابی معاویۃ بنحوہ وکذا ذکر غیر واحد من السلف انہ قال لھم ایّکم یُلقی علیہ شبھی فیقتل مکانی وھو رفیقی فی الجنۃ. (انتہی تفسیر ابن کثیر)

ترجمہ: فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جب خداوند کریم نے عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر

اٹھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام، مکان میں جو چشمہ تھا اس سے باہر نکل کر اس حال میں کہ آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اپنے بارہ حواریوں کے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ بے شک تم میں سے ایک شخص مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ کافر ہوگا۔ بعد ازاں فرمایا کہ کون شخص ہے تم میں سے جس پر میری شباہت ڈالی جائے اور میری جگہ وہ مقتول ہو اور میرے درجہ میں میرے ساتھ رہے۔ پس ایک نوجوان شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ میں ہوں یا رسول اللہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو فرمایا کہ تو بیٹھ جا۔ اور آپ نے دوبارہ پھر اسی لفظ کا اعادہ فرمایا پھر وہی شخص کھڑا ہوا۔ غرض چوتھی مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ہی وہ شخص ہے پھر عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت اس شخص پر ڈالی گئی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام مکان کے روشندان سے آسمان کی طرف اُٹھائے گئے۔ بعد ازاں یہود کے جاسوس آئے اور اس شبیہ کو پکڑا اور اسی شبیہ کو مقتول اور مصلوب کیا۔ پھر بعض اشخاص بارہ مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام سے پھر گئے بعد ایمان کے۔ اور اس کے بعد تین فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ اس امر کا قائل ہوا کہ ہم میں خدا رہا جب تک چاہا۔ پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ اس فرقہ کو یعقوبیہ کہتے ہیں۔ دوسرے فرقے نے کہا کہ خدا کا بیٹا جب تک چاہا ہم میں رہا۔ بعدہٗ خداوند کریم نے اس کو اٹھالیا۔ اس گروہ کا نام نسطوریہ ہے۔ تیسرے فرقے کا یہ مذہب تھا کہ خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہمارے گروہ میں رہا جب تک خداوند کریم نے چاہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ اس گروہ کو مسلمان کہتے ہیں۔ پھر دونوں فرقے کافروں کے فرقہ مسلمہ پر غالب آئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر ہمیشہ اسلام معدوم رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور یہ اسناد صحیح ہے ابن عباس کی طرف اور روایت کیا اس اثر کو نسائی نے ابی کریب سے اس نے ابی معاویہ سے مثل طریق مذکور کے۔ اور اسی طرح ذکر کیا بہتیروں علماء سلف نے اس امر کو کہ فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نے تم میں سے

جس پر ڈالی جائے شباہت میری اور قتل کیا جائے میری جگہ وہ رفیق میرا ہوگا جنت میں۔ انتہی۔

ایضاً اخراج کیا اس اثر کو عبد بن حمید اور ابن مردویہ نے۔ **واخرج عبدبن حمید وابن جریر و ابن المنذر عن مجاھدٍ فی قوله تعالٰی شُبِّهَ لَهُمْ. قال صلبوا رجلاً غیر عیسٰی شبھوہ بعیسٰی یحسبونه ایاہ ورفع الله الیه عیسٰی حیًّا.**

ترجمہ: فرمایا مجاہد نے صلیب یعنی دار پر چڑھایا یہود نے شبیہ عیسٰی علیہ السلام کو اس حال میں کہ گمان کرتے تھے اس شبیہ کو مسیح اور اُٹھالیا اللہ نے مسیح کو زندہ آسمان پر۔

واخرج عبد ابن حمید وابن جریر وابن المنذر عن قتادہ وَقَولِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا۔ قَال اُولٰئک اَعداء الله الیهود افتخروا لقتل عیسٰی علیه السلام وزعموا انهم قتلوہ و صلبوہ وذکرلنا انه قال لاصحابه ایکم یقذف علیه شبهی فانهٗ مقتول قال رجل من اصحابه آنا یانبی الله فقتل ذٰلک الرجل ومنع الله نبیّهٗ ورفعه الیه. (درمنثور)

ترجمہ: فرمایا قتادہ تابعی جلیل نے یہود نے جو دشمن اللہ کے ہیں فخر کیا اور گمان کیا ساتھ قتل اور صلب عیسٰی علیہ السلام کے۔ فرماتے ہیں قتادہ یہ گمان غلط ہے اس لیے کہ پہنچی ہے ہم کو یہ بات کہ فرمایا عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو۔ کون ہے تم میں سے جس پر شباہت میری ڈالی جائے اور قتل کیا جائے۔ عرض کی ایک نے میں ہوں اے رسول اللہ کے۔ پس قتل کیا گیا وہ شخص اور باز رکھا اللہ نے عیسٰی علیہ السلام کو قتل ہونے سے بایں طور کہ اُٹھالیا اللہ نے ان کو زندہ آسمان پر۔

واخرج ابن جریر عن السدی قال ان بنی اسرائیل حصروا عیسٰی وتسعة عشر رجلا من الحواریین فی بیت فقال عیسٰی لا صحابه من یأ خذ صورتی فیقتل وله الجنة فاخذھا رجل منهم و صعد بعیسٰی الی السماء فذالک قوله و مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللهُ وَاللهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۝

ترجمہ: اور اخراج کیا ابن جریر نے سدی سے۔ فرمایا سدی نے محاصرہ کیا یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کا بمعہ حواریوں کے بیچ ایک مکان کے پس فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تم میں سے کون قبول کرتا ہے صورت میری تا کہ قتل کیا جائے بجائے میرے۔ اور واسطے اس کے جنت ہو پس قبول کیا ان میں سے ایک نے اور اُٹھائے گئے عیسیٰ علیہ السلام طرف آسمان کی۔ یہی ہے مضمون خداوند کریم کے قول **وَمَكَرُوْا مَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ**o کا۔

واخرج ابن جرير عن ابی مالک وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ قَالَ ذَالِکَ عند نزول عيسٰی ابن مَرْيَمَ لايبقیٰ احد من اهل الْكِتٰبِ الا امن به اور اخراج کیا ابن جریر نے ابی مالک سے بیچ تفسیر قول خداوند کریم **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** کے فرمایا انہوں نے یہ نزدیک نزول عیسیٰ ابن مریم کے یعنی اس زمانہ میں جو اہل کتاب ہوگا ایمان لائے گا ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے۔

واخرج عبد ابن حميد وابن المنذر عن شهر ابن حوشب فی قولهٖ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ عن محمد بن علی بن ابی طالب هو ابن الحنفية قال ليس من اهل الكتب احد الاّ اتته الملئكة يضربون وجههٗ ودبره ثم يقال يا عدو الله ان عيسٰی روح الله و كذبت علی الله وزعمت انه الله. ان عيسٰی لم يمت وانه رفع الی السماء وهو نازل قبل ان تقوم الساعة فلا يبقی يهودی ولا نصرانی الا امن به.

ترجمہ: روایت ہے محمد بن علی بن ابی طالب سے بیچ تفسیر آیۃ مذکور کے۔ ہر ایک اہل کتاب کو ملائکہ ماریں گے اور کہیں گے کہ جھوٹ بولا تم نے کہ مسیح خدا ہے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام روح اور کلمہ خدا کا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے اور وہ اُٹھائے گئے آسمان پر

پھر نازل ہوں گے پہلے قیامت کے پس کُل اہلِ کتاب ایمان لائیں گے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے۔

وکان من خبر الیھود علیھم لعائن اللہ وسخطہ وغضبہ وعقابہ انہ لما بعث اللہ عیسیٰ ابن مریم بِالْبَیِّنٰتِ والھدیٰ حسدوہ علی ما اٰتاہ اللہ تعالیٰ من النبوۃ والمعجزات الباھرات التی کان یبرء بھا الاکمہ والابرص ویحی الموتیٰ باذن اللہ ویصور من الطین طائرا ثم ینفخ فیہ فیکون طائرا یشاھد طیرانہ باذن اللہ عزوجل الی غیر ذٰلک من المعجزات التی اکرمہ اللہ بھا واجراھا علی یدیہ و مع ھذا کذبوہ و خالفوہ و سعوا فی اذائہٖ بکل ما امکنھم حتی جعل نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام لایساکنھم فی بلدۃ بل یکثر السیاحۃ ھوو اُمّہٗ علیھما السلام ثم لم یقنعھم ذٰلک حتی سعو الی ملک دمشق فی ذٰلک الزمان وکان رجلا مشرکا من عبدۃ الکواکب وکان یقال لا ھل ملتہ الیونان وانھو الیہ ان فی بیت المقدس رجلا یفتن الناس ویضلھم ویفسد علی الملک رعایاہ فغضب الملک من ھذا وکتب الی نائبہ بالقدس ان یحتاط علی ھذا المذکور وان یصلبہ ویضع الشوک علی رأسہ ویکف اذاہ عن الناس فلما وصل الکتاب امتثل والی بیت المقدس ذٰلک وذھب ھووطائفۃ من الیھود الی المنزل الذی فیہ عیسیٰ علیہ السلام وھو فی جماعۃ من اصحابہ اثنی عشر اوثلاثۃ عشرو قیل سبعۃ عشر نفرا وکان ذٰلک یوم الجمعۃ بعد العصر لیلۃ السبت فحصروہ ھنالک فلما احس بھم وانہ لا محالۃ من دخولھم علیہ او خروجہ الیھم قال لا صحابہ ایکم یُلقیٰ علیہ شبھی وھو رفیقی فی الجنۃ فانتدب

لذالک شابٌ منهم فکانه استصغره عن ذٰلک فاعاده ثانیة و ثالثة وکل ذٰلک لاینتدب الا ذٰلک الشاب فقال انت هو والقی الله علیه شبه عیسٰی حتی کانه هو وفتحت روزنة من سقف البیت واخذ ت علیه السلام سنة من النوم فرفع الی السماء و هو کذالک کما قال الله تعالٰی اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ. الآیة. فلما رفع خرج اولٰئک النفر فلما رای اولٰئک ذٰلک الشاب ظنوا انه عیسٰی فاخذوه فی اللیل وصلبوه ووضعو الشوک علی رأسه واظهر الیهود انهم سعوا فی صلبه وابتهجوا بذٰلک وسلّم لهم طوائف من النصارٰی ذٰلک لجهلهم وقِلة عقلهم ما عدا من کان فی البیت مع المسیح فانهم شاهدوا رفعه واما الباقون فانهم ظنوا کما ظن الیهود انّ المصلوب هو المسیح ابن مریم حتیّٰ ذکر وا ان مریم جلست تحت ذٰلک المصلوب وبکت ویقال انه خاطبها والله اعلم. وهذا کله من امتحان الله عباده لما له فی ذٰلک من الحکمة البالغة وقد اوضح الله الامر و جلاه وبینه واظهره فی القران العظیم الذی انزله علی رسوله الکریم المؤید بالمعجزات والبیّنات والد لا ئل الواضحات فقال تعالٰی وهواصدق القائلین ورب العٰلمین المطلع علی السرائر والضمائر الذی یعلم السرّ فی السمٰوات والارض العالم بما کان وما یکون ومالم یکن لو کان کیف یکون وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ای را وا شِبْهَهٗ فظنوا انه ایاه. ولهذا قال وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ. یعنی بذالک من ادعیٰ انه قتله من الیهود ومن سلمه الیهم من جهال النصارٰی کلهم فی شک من ذالک وحیرة وضلال وسعر ولهذا قال وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا

ای و ما قتلوہ متیقنین انه هو بل شاکین متوهمین بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا ای منيع الجناب لا يرام جنابه ولا يضام من لا ذببابه حَكِيْمًا. ای فی جميع ما يقدره و يقضيه من الامور الَّتِیْ يخلقها وله الحكمة البالغة والحجة الدامغة والسلطان العظيم والامر القديم.

وقوله تعالٰی وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِه قَبْلَ مَوْتِه وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً. قال ابن جرير اختلف اهل التأويل فی معنی ذٰلک فقال بعضهم معنی ذٰلِک وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِه قَبْلَ مَوْتِه يعنی قبل موت عيسٰی يوجه ذٰلک الی ان جميعهم يصدقون به اذانزل لقتل الدجال فتصير الملل كلها واحدة وهی ملة الاسلام الحنيفية دين ابراهيم عليه السلام. ذكر من قال ذٰلک حدثنا ابن حدثنا ابن بشارحد ثنا عبدالرحمن عن سفيان عن ابی حصين عن سعيد بن جبير عن ابن عباس وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِه قَبْلَ مَوْتِه قال قبل موت عيسٰی ابن مريم عليه السلام. وقال العوفی عن ابن عباس مثل ذٰلک.

قال ابو مالک فی قوله اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِه قَبْلَ مَوْتِه قَالَ ذٰلک عند نزول عيسٰی بن مريم عليه السلام لا يبقی احد مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِه.

وقال ابن جرير حد ثنی يعقوب حدثنا ابن علية حدثنا ابو رجاء عن الحسن وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِه قَبْلَ مَوْتِه قال قبل موت عيسٰی والله انه لحیّ الأن عندالله ولكن اذانزل امنوا به اجمعون.

وقال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا علی ابن عثمان اللاحقی حدثنا جويرية ابن بشير قال سمعت رجلا قال للحسن يا ابا سعيد قول الله عزوجل وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِه قَبْلَ مَوْتِه قال قبل موت عيسٰی ان الله رفع اليه عيسٰی وهو باعثه قبل يوم الْقِيٰمَةِ مقامًا يؤمن به البرّ والفاجر و كذا.

قال قتادہ و عبدالرحمن ابن زید بن اسلم و غیر واحد وھذا القول ھو الحق کما سنبینہ بالدلیل القاطع ان شآء اللہ۔

قال ابن جریر القول الصحیح فی تفسیر الأیۃ انہ لا یبقی احد من اھل الکتٰب بعد نزول عیسٰیؑ الا اٰمن بہ قبل موتہٖ ای قبل موت عیسٰیؑ ولا شک ان ھذا الذی قالہ ابن جریر ھو الصحیح لا نہ المقصود من سیاق الآیۃ فی تقریر بطلان ما ادعتہ الیھود من قتل عیسٰی وصلبہ وتسلیم من سلم لھم من النصارٰی لجھلہ ذٰلک فاخبر اللہ انہ لم یکن الامر کذٰلک وانما شبہ لھم فقتلوا الشبہ وھم یتبنّون ذٰلک ثم انہ رفعہ اللہ الیہ وانہ باق حیّ وانہ سینزل قبل یوم القیامۃ کما دلّت علیہ الاحادیث المتواترۃ التی سنوردھا ان شاء اللہ قریبًا فیقتل مسیح الضلالۃ ویکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ یعنی لا یقبلھا من احد من اھل الادیان بل لا یقبل الا الاسلام اوالسیف فاخبرت ھذہ الآیۃ الکریمۃ انہ یؤمن بہ جمیع اھل الکتب حینئذ ولا یتخلف عن التصدیق بہ واحد منھم و لھٰذا قال وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ ای قبل موت عیسٰیؑ الذی زعم الیھود و من وافقھم من النصارٰی انہ قتل وصلب وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا ای باعمالھم التی شاھد ھا منھم قبل رفعہ الی السماء وبعد نزولہ الی الارض فاما من فسر ھذہ الایۃ بان المعنی ان کل کتابی لا یموت حتی یؤمن بعیسٰی او بمحمد علیھما السلام فھذا ھو الواقع وذٰلک ان کل احد عند احتضارہ ینجلی لہ ما کان جاھلا بہ فیؤمن بہ ولکن لا یکون ذٰلک ایما نا نافعالہ اذا کان قد شاھد الملک کما قال تعالٰی فی اوّل ھذہ السورۃ وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ۔ الآیۃ۔ وقال تعالٰی فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْا اٰمَنَّا بِاللہِ وَحْدَہٗ۔ (الأیتین) افقہ النّاس عبداللہ ابن عباس وان روی عنہ

فی تفسیر هذه الآیة ما یفهم منه ان ضمیر قَبْلَ مَوْتِهٖ راجع الٰی اهل الکتٰب لکنه لیس مذهبه ومراده بهذه الأیة بل هو من جملة المباحث الیومیّه وبیان امر واقعی لا نه روی عنه ایضًا فی تفسیر هذه الأیة ما یدل علی ان الضمیر المذکور راجع الٰی عیسٰی علیه السلام کما عرفت و ستعرفه ایضاً و مذهبه ومراده بهذا الأیة هذا لانه یؤیّده السیاق ویؤیّده ماروی عنه فی تفسیر وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ای نزول عیسٰی علیه السلام قبل یوم القیمٰة فی جمیع الطرق وماروی عنه فی تفسیر هذه الأیة غیر هذافعلم من هذا ان الاحتمال الاوّل لیس مرادا ههنا کما قال الحافظ ابن کثیر لکن لا یلزم منه ان یکون المراد بهذه الأیة هذا بل المراد بها ما ذکرنا ہ من تقریر وجود عیسٰی علیه السلام و بقاء حیاته فی السماء وانه سینزل الی الارض قبل یوم القیمه لیکذب هؤلآء و هؤلآء من الیهود و النصارٰی الذین تباینت اقوالهم فیه وتصادمت وتعاکست وتناقضت وخلت عن الحق ففرط هؤلآء الیهود وافرط هؤلآء النصارٰی تنقصه الیهود بما رموه به وامه من العظائم واطراه النصارٰی بحیث ادعوا فیه ما لیس فیه فرفعوه فی مقابلة اولئک عن مقام النبوة الی مقام الربو بیة تعالٰی الله عما یقول هؤلآء و هؤلآ ء علوا کبیرا و تنزه و تقدس لآ اِلٰهَ اِلاّ هوا.

یہاں تک آیت مذکورہ اوران کی مستند تفسیروں سے یہ ثابت کیا گیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یہود نے نہ تو سولی پر لٹکایا نہ قتل کیا بلکہ وہ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے اور ان کے ایک صحابی کو سولی پر لٹکایا گیا جس کی شکل حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرح ہوگئی تھی اور اس بات کا علم فقط آپ کے ساتھیوں کو تھا جو اسی کمرہ میں تھے۔ باقی یہود اور بعض نصاریٰ ان کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں محض گمان ووہم ہے۔ اس کے بعد احادیث صحیحہ سے اسی مقصد کی تائید پیش کی گئی ہے جس کا خلاصہ ترجمہ آخر میں درج ہے۔ فیض عفی عنہ

ذکر الاحادیث

الواردۃ فی نزول عیسٰی بن مریم الی الارض من السماء فی اخر الزمان قبل یوم القیمۃ وانہ یدعو الی عبادۃ اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ.

قال البخاری رحمۃ اللّٰہ علیہ فی کتاب ذکر الانبیاء من صحیحہ الملتقی بالقبول نزول عیسٰی بن مریم علیہ السلام حدثنا اسحٰق ابن ابراھیم حدثنا یعقوب بن ابراھیم عن ابی صالح عن ابن شھاب عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسرالصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی یکون السجد ۃ خیرالہ من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابو ھریرۃ اقرء وا ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا.

او کذا رواہ مسلم عن الحسن الحلوانی وعبد بن حمید کلا ھما عن یعقوب بہ واخرجہ البخاری و مسلم ایضا من حدیث سفیان ابن عیینۃ عن الزھری بہ واخرجاہ من طریق اللیث عن الزھری بہ.

ورواہ ابن مردویہ من طریق محمد ابن ابی حفصۃ عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یوشک ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا یقتل الدجال ویقتل الخنزیر و یکسر الصلیب ویضع الجزیۃ ویفیض المال وتکون السجدۃ واحدۃ للّٰہ رب العلمین قال ابو ھریرۃ اقرأو ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ موت عیسٰی ابن مریم.

ثم یعیدها ابوهریرة ثلاث مرات. طریق اخریٰ عن ابی هریرة قال الامام احمد حدثنا روح حدثنا محمد بن ابی حفصة عن الزهری عن حنظلة بن علی الاسلمی عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال لیهلن عیسیٰ ابن مریم بفج الروحاء بالحج و العمرة اوبنیتهما جمیعا وکذا رواه مسلم منفردا به من حدیث سفیان بن عیینة واللیث بن سعید ویونس بن یزید ثلا ثتهم عن الزهری به.

وقال احمد حدثنا یزید حدثنا سفیان هو ابن حسین عن الزهری عن حنظلة عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ینزل عیسیٰ بن مریم فیقتل الخنزیر و یمحی الصلیب وتجمع له الصلوٰة ویعطی المال حتی لا یقبل ویضع الخراج وینزل الروحاء فیحج منها او یعتمر او یجمعهما قال وتلا ابوهریرة وَاِنْ مِّنْ اَهلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ.الآیة.

فزعم حنظلة ان ابا هریرة قال یؤمن به قبل موت عیسیٰ علیہ السلام فلا ادری هذا کله حدیث النّبی ﷺ اوشئی قاله ابوهریرة وکذارواه ابن ابی حاتم عن ابیه عن ابی موسیٰ محمد بن المثنی عن یزید ابن هٰرون عن سفیان بن حسین عن الزهری به طریق اخریٰ.

قال البخاری حدثنا ابوبکر حدثنا اللیث عن یونس عن ابن شهاب عن نافع مولٰی ابی قتادة الا نصاری ان ابا هریرة قال قال رسول الله ﷺ کیف بکم اذا نزل فیکم المسیح بن مریم وامامکم منکم تابعه عقیل والاوزاعی وهکذا.

رواه الامام احمد عن عبدالرزاق عن معمر عن عثمان ابن عمر عن ابن ابی ذئب کلا هما عن الزهری به واخرجه مسلم من روایة یونس

والاوزاعی وابن ابی ذئب به (طریق اخریٰ) قال الامام احمد حدثنا عفان حدثنا همام انبأنا قتادة عن عبدالرحمن عن ابی هریرة قال النبیﷺ قال الانبیاء اخوت العلات امها تهم شتیٰ ودینهم واحد وانی اولی الناس بعیسٰی ابن مریم لانه لم یکن نبیٌّ بینی وبینه وانه نازل فاذا رأیتموه فاعرفوه رجل مربوع الی الحمرة والبیاض علیه ثوبان ممصران کان رأسه یقطروان لم یصبه بلل فیدق الصلیب ویقتل الخنزیر و یضع الجزیة ویدعو الناس الی الاسلام ویهلک الله فی زمانه الملل کلها الا الاسلام ویهلک الله فی زمانه المسیح الدجال ثم تقع الامانة علی الارض حتی ترتع الاسود مع الابل والنمار مع البقر والذئاب مع الغنم ویلعب الصبیان بالحیات لا تضرهم فیمکث اربعین ثم یتو فی ویصلی علیه المسلمون و کذا.

رواه ابو داؤد عن هدیة بن خالد عن همام بن یحییٰ ورواه ابن جریر ولم یورد عند هذه الآیة سواه عن بشر بن معاذ عن یزید بن هٰرون عن سعید بن ابی عروبة کلاهما عن قتادة عن عبدالرحمن بن ادم وهو مولیٰ ام برثن صاحب السقایة عن ابی هریرة عن النبیّ ﷺ وذکر نحوه وقال یقاتل الناس علی الاسلام وقد روی البخاری عن ابی الیمانی عن شعیب عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول انا اولی الناس بعیسیٰ ابن مریم والانبیاء اولاد علات لیس بینی وبینه نبّی.

ثم رواه محمد بن سنان عن فلیح بن سلیمان عن هلال بن علی عن عبدالرحمن بن ابی عمرة عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ انا اولی الناس بعیسٰی ابن مریم فی الدنیا والأخرة الانبیاء العلات اُمّهٰتهم شتیّ ودینهم واحد.

وقال ابراهیم ابن طهمان عن موسیٰ ابن عقبة عن صفوان بن سلیم قال قال رسول اللهﷺ.

حدیث اخر قال مسلم فی صحیحه حدثنی ظهیربن حرب حدثنا یعلی بن منصور حدثنا سلیمان بن بلال حدثنا سهیل عن ابیه عن ابی هریرةان رسول الله ﷺ قال قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة حتی تنزل الروم بالاعماق او بدابق فیخرج الیهم جیش من المدینة من خیار اهل الارض یومئذ فاذا تصافوا قالت الروم خلوا بیننا وبین الذین سبوا منا نقاتلهم فیقول المسلمون لا والله لا نخلی بینکم و بین اخواننا فیقاتلو نهم فیهزم ثلث لایتوب الله علیهم ابدا ویقتل ثلث هم افضل الشهداء عند الله ویفتح الثلث لا یفتنون ابدا فیفتحون قسطنطنیة فبینما هم یقسمون الغنا ئم قد علقوا سیوفهم بالزیتون اذصاح فیهم الشیطان ان المسیح قد خلفکم فی اهلیکم فیخرجون وذلک باطل فاذا جاؤ الشام خرج فبینما هم یعدون للقتال یسوون الصفوف اقیمت الصلوٰة فینزل عیسیٰ ابن مریم فیؤمهم فاذاراه عدوالله ذاب کما یذوب الملح فی الماء فلو ترکه لذاب حتی یهلک ولکن یقتله الله بیده فیریهم دمه فی حربته.

حدیث اٰخر قال احمد حدثنا هشیم عن العوام بن حوشب عن جبلة بن سحیم عن موثربن غفارة عن ابن مسعود عن رسول الله ﷺ قال لقیت لیلة اسریٰ بی ابراهیم و موسیٰ وعیسیٰ علیهم السلام فتذاکروا الساعة فردوا امرهم الیٰ ابراهیم فقال لا علم لی بها فردواامرهم الی موسیٰ فقال لا علم لی بها فردوا امرهم الیٰ عیسیٰ فقال اما وجبتها فلا یعلم بها احد

الااللہ وفیما عھد الی ربی عزوجل ان الدجال خارج ومعی قضیبان فاذا راٰنی ذاب کما یذوب الرصاص قال فیھلکہ اللہ اذارآنی حتّی ان الحجر والشّجر یقول یا مسلم ان تحتی کافرافتعال فاقتلہ قال فیھلکھم اللہ ثم یرجع الناس الی بلاد ھم واوطانھم فعند ذلک یخرج یأجوج ومأجوج وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُوْنَ. فیطئون بلادھم فلا یأتون علی شیئی الا اھلکوہ ولا یمرون علی ماءٍ الا شربوہ قال ثم یرجع الناس یشکونھم فادعواللہ علیھم فیھلکم ویمیتھم حتی تجری الارض من نتن ریحھم وینزل اللہ المطر فیجترف اجساد ھم حتی یقذفھم فی البحر ففیما عھد الی ربی عزوجل ان ذلک اذا کان کذالک ان الساعۃ کالحامل المتم لا یدری اھلھا متی تفاجئھم بولا دھا لیلا اونھاراً رواہ ابن ماجۃ عن محمد بن بشار عن یزید بن ھٰرون عن العوام ابن حوشب بہ نحوہ۔

حدیث اخر قال الامام احمد حدثنا یزید بن ھٰرون حدثنا حماد بن سلمۃ عن علی ابن زید عن ابی نضرۃ قال اتینا عثمان بن ابی العاص فی یوم الجمعۃ لنعرض علیہ مصحفالنا علی مصحفہ فلما حضرت الجمعۃ امرنا فاغتسلنا ثم اتانا بطیب فیطیبنا ثم جئنا المسجد فجلسنا الیٰ رجل فحدثنا عن الدجال ثم جاء عثمان بن ابی العاص فقمنا الیہ فجلسنا فقال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول یکون للمسلمین ثلاثہ امصار مصر بملتقی البحرین و مصر بالحیرۃ و مصر بالشام ففزع الناس ثلاث فزعات فیخرج الدجال فی اعراض الناس فیھزم من قبل المشرق فاول مصریردہ المصر الذی بملتقی البحرین فیصیر اھلھا ثلاث فرق فرقۃ تقول نقیم نشامہ فننظر

ما هو و فرقة تلحق بالاعراب وفرقة تلحق بالمصر الذى يليهم و مع الدجال سبعون الفًا عليهم التيجان واكثر من معه اليهود والنساء و ينحاز المسلمون الى عقبة انيق فيبعثون سرحالهم فيصاب سرحهم فيشتد ذٰلک عليهم ويصيبهم مجاعة شديدة وجهد شديد حتى ان احد هم ليحرق وترقوسه فيا كله فبينا هم كذالک اذنادىٰ مناد من البحر يا ايها الناس اتا كم الغوث ثلاثًا فيقول بعضهم لبعض ان هذا الصوت رجل شبعان و ينزل عيسٰى بن مريم عليهم السلام عند صلوٰة الفجر فيقول له اميرهم يا روح الله تقدم صلّ فيقول هٰذه الامة امراء بعضهم علىٰ بعض فيتقدم اميرهم فيصلى حتى اذا قضىٰ صلوٰته اخذ عيسٰى عليه السلام حربته فيذهب نحوالد جال فاذا راٰه الدجال ذاب كما يذوب الرصاص فيضع حربته بين ثندوتيه [1] فيقتله ويهزم اصحابه فليس يومئذ شئ يوارى منهم احدا حتى ان الشجرة تقول يا مؤمن هٰذا كا فرو يقول الحجر يا مؤمن هٰذا كا فر تفرد به احمد من هٰذا لوجه.

حديث اخر قال ابو عبدالله محمد بن يزيد بن ماجة فى سننه حدثنا على بن محمد حدثنا عبدالرحمن المحاربى عن اسمٰعيل بن رافع عن ابى زرعة اليمانى يحيىٰ بن ابى عمرو عن ابى امامة الباهلى قال خطبنا

---

[1] ثندوتیہ۔ پستانِ مرد۔ صراح یعنی جب عیسٰی علیہ السلام نازل ہوں گے تو اپنا خنجر دجال کے دو پستانوں کے درمیان ماریں گے۔ اور اسے ہلاک کردیں گے۔ پھر تو اس کے لشکری جو ستر ہزار یہودی ہوں گے ہزیمت اٹھا کر بھاگنے کی کوشش کریں گے اور مسلمان ان کا تعاقب کریں گے۔ یہاں تک کہ اگر یہودی کسی درخت کی آڑ میں چھپا ہوگا تو درخت سے آواز آئے گی اے مسلم یہ کافر ہے اسے قتل کر۔ فیض عفی عنہ

رسول الله ﷺ فکان اکثر خطبته حدیثا حدثناه عن الدجال وحذرنا ہ فکان من قوله ان قال لم تکن فتنة فی الارض منذ ذرأ الله ذریة ادم علیہ السلام اعظم من فتنة الدجال وان الله لم یبعث نبیًّا الاّ حذر اُمّته الدجال وانا اخر الانبیاء وانتم اخر الامم وهو خارج فیکم لا محالة فان یخرج وانا بین ظهرا نیکم فانا حجیج کل مسلم وان یخرج من بعدی فکل حجیج نفسه وان الله خلیفتی علی کل مسلم وانه یخرج من خلة بین الشام والعراق فیعیث یمینا ویعیث شما لا الا یا عبادالله ایها الناس فاثبتوا وانه ساصفه لکم صفة لم یصفها ایاه نبی قبلی انه یبدأ فیقول انا نبی فلا نبّی بعدی ثم یثنی فیقول انا ربکم ولا ترون ربکم حتی تموتوا وانه اعوروان ربکم عزوجل لیس باعوروانه مکتوب بین عینیه کافرٌ یقرأهُ کل مؤمن کاتب وغیر کاتب وان من فتنته ان معه جنة ونارافناره جنة وجنته نار فمن ابتلی بناره فلیستغث بالله ولیقرأ فواتح الکهف فتکون علیه برداً وسلاما کما کانت النار برداً وسلاما علی ابراهیم وان من فتنته ان یقول لاعرابی رأیت ان بعثت لک امک واباک اتشهد انی ربک فیقول نعم فیتمثل له شیطان فی صوره ابیه وامه فیقو لان یا بنی اتبعه فانه ربک. وان من فتنته ان یسلط علےٰ نفس واحدة فینشر ها بالمنشار حتی یلقی شقین ثم یقول انظروا الیٰ عبدی هذا فانی ابعثه الاٰن ثم یزعم ان له ربّا غیری فیبعثه الله فیقول له الخبیث من ربک فیقول ربی الله وانت عدوالله الدجال والله ما کنت بعد اشد بصیرة بک منی الیوم.

قال ابوالحسن الطنافسی حدثنا المحاربی حدثنا عبیدالله بن

الولید الوصافی عن عطیة عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ ذلک الرجل ارفع امتی درجة فی الجنة قال قال ابو سعید واللہ ما کنا نریٰ ذلک الرجل الا عمر بن الخطاب حتی مضی لسبیله ثم قال المحاربی رجعنا الی حدیث ابی رافع قال وان من فتنته ان یأمر السماء ان تمطر فتمطر و یأ مر الارض ان تنبت فتنبت و ان من فتنته ان یمر بالحی فیکذ بونه فلا یبقی لهم ساعة الاهلکت وان من فتنته ان یمر بالحی فیصد قونه فیأ مرالسماء ان تمطر فتمطرویأمرالارض ان تنبت فتنبت حتی تروح مواشیهم من یومهم ذلک اسمن ما کانت واعظمه وامده خوا صروادره ضروعا وانه لا یبقی شئی من الارض الا وطئه وظهر علیه الامکة والمدینة فانه لا یأتهما من نقب من نقابها الا لقیته الملئکة بالسیوف صلتة حتی ینزل عن الضریب الاحمر عند منقطع السبخة فترجف المدینة باهلها ثلاث رجفات فلا یبقی منافق ولا منافقة الاخرج الیه فینفی الخبث منها کما ینفی الکیر خبث الحدید ویدعی ذلک الیوم یوم الخلاص فقالت ام شریک بنت ابی الفکر یا رسول الله فاین العرب یومئذ قال هم قلیل وجلهم یومئذ ببیت المقدس وامامهم رجل صالح قد تقدم یصلی بهم الصبح اذ نزل عیسیٰ بن مریم علیهما السلام فرجع ذلک الامام یمشی القهقری لیتقدم عیسیٰ علیه السلام فیضع یده عیسیٰ بین کتفیه ثم یقول تقدم فصل فانها لک اقیمت فیصلی بهم اما مهم فاذا انصرف قال عیسیٰ افتحوا الباب فیفتح ووراه الدجال معه سبعون الف یهودی کلهم ذوسیف محلی و تا ج فاذا انظر الیه الدجّال ذاب کما یذوب الملح فی الماء وینطلق هاربا فیقول عیسیٰ ان لی فیک

ضربة لن تسبقنی بها فسيدركه عند لد الشرقی فيقتله ويهزم الله اليهود فلا تبقى شئى مما خلق الله يتوارى به يهودى الا انطق الله ذٰلک الشئى لا حجرو لاشجرو لاحائط ولادابة الاالغرقدة فانها من شجرهم لا تنطق الا قال يا عبدالله المسلم هذا يهودى فتعال فاقتله قال رسول الله ﷺ وان ايّامه اربعون السنة كنصف السنة والسنة كالشهر والشهر كالجمعة واخر ايامه كالشزرة يصبح احد كم على باب المدينة فلا يبلغ بابها الاخر حتى يمشى فقيل له كيف نصلى يا نبى الله فى تلک الايام القصار قال تقدرون الصلوٰة كما تقدرون فى هٰذه الايام الطوال ثم صلوا قال رسُول الله ﷺ فيكون عيسٰى بن مريم فى امتى حكما عدلا واما ما مقسطا يدق الصليب ويذبح الخنزير ويضع الجزية ويترک الصدقة فلا يسعىٰ على شاة ولا بعيرو ترتفع الشحناء والتباغض وتنزع حمة كل ذات حمةٍ حتى يدخل الوليد يده فى الحية فلا تضره ويقرب الوليد من الاسد فلا يضره ويكون الذئب فى الغنم كانه كلبها وتملاء الارض من السلم كما يملاء الا ناء من الماء وتكون الكلمة واحدة فلا يعبد الاّ الله و تضع الحرب اوزارها و تسلب قريش ملكها وتكون الارض لها نور الفضة وتنبت نباتها كعهد اٰدم حتى يجتمع النفر على القطف من العنب فيشبعهم ويجتمع النفر على الرمانة فتشبعهم ويكون الثور بكذا وكذا من المال ويكون الفرس بالدريهمات قيل يا رسول الله وما يرخص الفرس قال لا يركب لحرب ابدا قيل له فما يغلى الثور قال لحرث الارض كلها وان قبل خروج الدجال ثلاث سنوات شدادا يصيب الناس فيها جوع شديد ويأمر الله

السمآء فی السنة الاولی ان تحبس ثلث مطرها ویأمر الارض فتحبس ثلث نباتها ثم یأمر الله السمآء فی السنة الثانیة فتحبس ثلثی مطرها و یأمر ا لله الارض فتحبس ثلثی نباتها ثم یأمرالله عزوجل السمآء فی السنة الثالثة فتحبس مطرها کله فلا تقطر قطرة ویأ مر الارض ان تحبس نباتها کله فلا تنبت خضراء فلا تبقی ذات ظلف الاهلکت الاّ ما شاء الله قیل فما یعیش الناس فی ذٰلک الزمان قال التهلیل والتکبیر والتسبیح والتحمید یجری ذٰلک علیهم مجری الطعام.

قال ابن ماجة سمعت ابا الحسن الطنا فسی یقول سمعت عبدالرحمن المحار بی یقول ینبغی ان یرفع هذالحدیث الی المؤدب حتی یعلمه الصبیان فی الکتٰب هذا حدیث غریب جدا من هذا الوجه ولبعضه شواهد من احادیث اُخر ولنذکر حدیث النواس بن سمعان ههنا لشبهه بهٰذا الحدیث.

قال مسلم فی صحیحه حدثنا ابو خیثمة زهیر بن حرب حدثنا الولید بن مسلم حدثنی عبدالرحمن بن یزید بن جابر حدثنی یحییٰ بن جابر الطائی قاضی حمص حدثنی عبدالرحمن بن جبیر عن ابیه جبیر بن نفیر الحضرمی انه سمع النواس بن سمعان الکلابی وحدثنا محمد بن مهران الرازی حدثنا الولید بن مسلم حدثنا عبدالرحمن بن یزید بن جابر عن یحییٰ بن جابر الطائی عن عبدالرحمن بن جبیر عن ابیه جبیر بن نفیر عن النواس بن سمعان قال ذکر رسول الله ﷺ الدجال ذات غداة فخفض ورفع حتی ظنناه فی طائفة النخل فلما رجعنا الیه عرف ذٰلک فی وجوهنا

فقال ماشأ نكم قلنا یارسول اللہ ذکرت الدجال فخفضت فیه ورفعت حتی ظنناه فی طائفة النخل قال غیر الدجال اخوفنی علیکم ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجه دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرؤ حجیج نفسه واللہ خلیفتی علیٰ کل مسلم انه شاب قطط عینه طافیة کانی اشبههُ بعبد العزی بن قطن من ادرکه منکم فلیقرأ علیه فواتح سورة الکهف انه خارج من خلة بین الشام والعراق فعاثٍ یمینا وعاثٍ شما لا یا عباداللہ فاثبتوا قلنا یارسول اللہ فما لبثه فی الارض قال اربعون یوما یوم کسنة ویوم کشهر ویوم کجمعة وسائرایامه کایامکم قلنا یارسول اللہ وذٰلک الیوم الذی کسنة ایکفینا فیه صلوة یوم قال لا اقدرواله قدره قلنا یارسول اللہ وما اسراعه فی الارض قال کالغیث استد برته الریح فیأتی علی قوم فید عوهم فیؤمنون ویستجیبون له فیأمر السمآء فتمطر والارض فتنبت فتروح علیهم سارحتهم اطول ما کانت ذریً واسبغه ضروعا وامده خواصر ثم یأتی القوم فید عوهم فیردون علیه قوله فینصرف عنهم فیصبحون ممحلین لیس بایدیهم شئی من اموالهم ویأمر بالخربة فیقول لها اُخرجی کنوزک فتتبعه کنوزها کیعا سیب النحل ثم یدعو رجلاً ممتلئا شابًا فیضربه بالسیف فیقطعه جزلتین رمیة الغرض ثم یدعوه فیقتل و یتهلل وجهه ویضحک فبینما هو کذٰلک اذبعث اللہ المسیح بن مریم علیه السلام فینزل عند منارة البیضاء شرقی دمشق بین مهرُودتین واضعا کفیه علی اجنحة ملکین اذا طا طأ رأسه قطر واذا رفعه تحدر منه جمان کا للؤ لؤ ولا یحل لکافر یجد ریح نفسه الامات وینتهی طرفه فیطلبه حتی یدرکه بباب

لدّ فیقتله ثم یأتی عیسٰی علیه السلام قومًا قد عصمهم الله منه فیمسح عن وجوههم ویحدثهم بدرجا تهم فی الجنة فبینما هو کذالک اذاوحی الله عزوجل الی عیسٰی انی قد اخرجت عبادا لی لا یدان لاحد بقتالهم فحرز عبادی الی الطور ویبعث الله یأجوج ومأجوج وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ فیمرأولهم علی بحیرة طبریة فیشربون ما فیها ویمر اخرهم فیقولون لقد کان بهذه مرة فیحصر نبی الله عیسٰی واصحابه حتی یکون رأس الثور لاحد هم خیرٌ من مائة دینار لاحدکم الیوم فیرغب نبی الله عیسٰی واصحابه فیرسل الله علیهم النغف فی رقابهم فیصبحون فرسیٰ کموت نفس واحدة ثم یهبط نبی الله عیسٰی و اصحابه الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبر الا ملأه زهمهم ونتنهم فیرغب نبیّ الله عیسٰی واصحابه الی الله فیرسل الله طیرا کاعناق البخت فتحملهم فتطرحهم حیث شاء الله ثم یرسل الله مطرا لایکن منه مدرولا وبر فیغسل الارض حتی یترکها کالزلفة ثم یقال للارض اخرجی ثمرک وردی برکتک فیومئذ تاکل العصابة من الرمانة ویستظلون بقحفها ویبارک الله فی الرسل حتی ان اللقحة من الابل لتکفی الفئام من الناس فبینما هم کذالک اذ بعث الله ریحا طیبة فتأخذهم تحت اباطهم فیقبض الله روح کل مؤمن وکل مسلم ویبقی شرار الناس یتهارجون فیها تهارج الحمر فعلیهم تقوم الساعة.

ورواه الامام احمد واهل السنن من حدیث عبدالرحمن بن یزید بن جابر به وسنذکرهٗ ایضاً من طریق احمد عند قوله تعالٰی فی سورة الانبیاء حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ الآیة.

حدیث اخر قال مسلم فی صحیحہ ایضاً حدثنا عبداللہ بن معاذ العنبری حدثنا ابی حدثنا شعبة عن النعمان بن سالم قال سمعت یعقوب بن عاصم بن عدوة بن مسعود الثقفی یقول سمعت عبداللہ بن عمرو وجاء ہ رجل ما ھذا الحدیث الذی تحدث بہ تقول ان الساعة تقوم الٰی کذا و کذا فقال سبحان اللہ اولآ الہ الا اللہ اوکلمة نحوھما لقد ھممت ان لا اُحدث احد ا شیئا ابدا انما قلت انکم سترون بعد قلیل امراعظیما یحرق البیت ویکون ویکون ثم قال قال رسول اللہ ﷺ یخرج الدجال فی امتی فیمکث اربعین لا ادری اربعین یومًا او اربعین شھرا او اربعین عاما فیبعث اللہ تعالٰی عیسٰی بن مریم کانہ عروة بن مسعود فیطلبہ فیھلکہ ثم یمکث الناس سبع سنین لیس بین اثنین عداوة ثم یرسل اللہ ریحا باردة من قبل الشام فلا یبقی علی وجہ الارض احد فی قلبہ مثقال ذرة من خیر ایمان الا قبضتہ حتی لو ان احدکم دخل کبد جبل لدخلتہ علیہ حتی تقبضہ قال سمعتھا من رسول اللہ ﷺ قال فیبقی شرار الناس فی خفة الطیرواحلام السباع لا یعرفون معروفًا ولا ینکرون منکراً فیتمثل لھم الشیطان فیقول الا تستجیبون فیقولون فما تأمرنا فیأمرھم بعبادة الاوثان وھم فی ذٰلک داررزقھم حسن عیشھم ثم ینفخ فی الصور فلا یسمعہ احد الا اصغی لیتا ورفع لیتا قال واول من یسمعہ رجل یلوط حوض ابلہ قال فیصعق ویصعق الناس ثم یرسل اللہ او قال ینزل اللہ مطر کانہ الطل او قال الظل نعمان الشاک فتنبت منہ اجساد الناس ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَاھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ثم یقال یا ایھا الناس ھلموا الٰی ربکم وَقِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَّسْئُوْلُوْنَo ثم یقال

اخرجوا بعث النار فیقال منکم فیقال من کل الف تسع مائة وتسعة وتسعین قال فذالک یَوْمَ یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا وَ ذٰلِکَ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ ثم رواہ مسلم والنسائی فی تفسیرہ جمیعا عن محمد بن بشار عن غنذر عن شعبة عن نعمان بن سالم بہ.

حدیث اٰخر قال الامام احمد اخبرنا عبدالرزاق اخبرنا معمر عن الزهری بن عبدالله بن ثعلبة الانصاری عن عبدالله بن زید الانصاری عن مجمع بن جاریة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول یقتل ابن مریم المسیح الدجال بباب لدّاوالٰی جانب لدّ ورواہ احمد ایضا عن سفیان بن عیینة من حدیث اللیث والاوزاعی ثلا ثتهم عن الزهری عن عبدالله بن عبیدالله بن ثعلبة عن عبدالرحمن بن یزید عن عمه مجمع بن جاریة عن رسول الله ﷺ قال یقتل ابن مریم الدجال بباب لدّ وکذا رواہ الترمذی عن قتیبة عن لیث بہ وقال هذا حدیث صحیح.

قال وفی الباب عن عمران بن حصین ونافع بن عیینة وابی برزة و حذیفة بن اسید و ابی هریرة وکیسان و عثمان بن ابی العاص و جابر وابی امامة وابن مسعود وعبدالله بن عمرو وسمرة بن جندب والنواس بن سمعان و عمرو بن عوف وحذیفة بن الیمان رضی الله عنهم ومرادہ بروایة هٰؤلآءِ ما فیه ذکر الدجال وقتل عیسٰی بن مریم علیهما السلام له فامّا احادیث ذکر الدجال فقط فکثیرة جدّا وهی اکثر من ان تحصٰی لانتشارها وکثرة روایتها فی الصحاح والحسان والمسانید وغیر ذٰلک.

حدیث اٰخر قال الامام احمد حدثنا سفیان عن فرات عن ابی

الطفیل عن حذیفة بن اسید الغفاری قال اشرف علینا رسول اللہ ﷺ من عرفة ونحن نتذا کر الساعة فقال لا تقوم السّاعة حتی ترد عشرایات (۱)طلوع الشمس من مغربھا (۲)والدخان (۳)والدابة (۴)وخروج یأجوج وماجوج (۵)ونزول عیسٰی بن مریم (۶)والدجال، وثلثة خسوف (۷)خسف بالمشرق و (۸)خسف بالمغرب و (۹)خسف بجزیرة العرب و (۱۰)نار تخرج من قعر عدن تسوق او تحشر الناس تبیت معھم حیث باتوا و تقیل معھم حیث قالوا و ھکذا رواہ مسلم واھل السنن من حدیث القراز بہ ورواہ مسلم ایضاً من روایة عبدالعزیز بن رفیع عن ابی الطفیل عن ابی شریحة عن حذیفة بن اسید الغفاری موقوفا. واللہ اعلم.

فھٰذہ احادیث متواترہ عن رسول اللہ ﷺ من روایة ابی ھریرة وابن مسعود و عثمان بن ابی العاص وابی امامة والنواس بن سمعان و عبداللہ بن عمرو بن العاص ومجمع بن جاریة وابی شریحة و حذیفة بن اُسید رضی اللہ عنہم و فیھا دلا لة علی صفة نزولہ ومکانہ من انہ بالشام بل بدمشق عند المنارة الشرقیة وان ذٰلک یکون عند ا قامة صلوٰة الصبح وقد بنیت فی ھٰذہ الاعصار فی سنة احدی واربعین و سبع مائة منارة للجامع الاموی بیضاء من حجارة منحوتة عوضا عن المنارة التی ھدمت بسبب الحریق المنسوب الٰی صنیع النصاریٰ علیھم لعائن اللہ المتتابعة الٰی یوم القیامة وکان اکثر عماراتھا من اموالھم و قویت الظنون انھا ھی التی ینزل علیھا المسیح بن مریم علیھما السّلام فیقتل الخنزیر ویکسر الصلیب ویضع الجزیة فلا یقبل الا الاسلام کما تقدم فی الصحیحین وھذا من اخبار النبی

ﷺ بذالک وتقریر و تشریع و تسویغ له علی ذٰلک فی ذٰلک الزمان حیث تنزاح عللهم وترفع شبهھم من انفسهم ولهذا کلهم یدخلون فی دین الاسلام متابعین لعیسٰی علیه السلام وعلی یدیه ولهذا قال تعالٰی وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ الآیة وَهذه الآیة کقوله وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ وقرىء لَعَلَمٌ بالتحریک ای امارة ودلیل علی اقتراب الساعة وذٰلک لانه ینزل بعد خروج المسیح الدجال فیقتله الله علیٰ یدیه کما ثبت فی الصحیح ان الله لم یخلق داءً الا انزل له شفاءً ویبعث الله فی ایامه یأجوج ومأجوج فیهلکهم الله تعالٰی ببرکة دعائه وقد قال تعالٰی حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ۔ الآیة.

حاصل اس عربی عبارت کا بطریق اختصار یہ ہے کہ

قتل اور صلب عیسیٰ علیہ السلام کا نہیں ہوا جیسا کہ زعم یہود اور اکثر نصاریٰ کا تھا بلکہ اس حواری نوجوان کا جس پر شباہت مسیح علیہ السلام کی ڈالی گئی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اور دونوں ضمیریں بِهٖ اور مَوْتِهٖ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہیں۔ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الآیة میں کیونکہ ماقبل میں ذکر انہی کا ہے۔ یا ضمیر بِهٖ مضمون بالا کی طرف یعنی مرفوع ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا اور آثارِ صحابہ اور تابعین مثل ابن عباس وابی ہریرہ وعبداللہ بن مسعود ومجاہد وقتادہ وغیرہم کے اسی پر دال ہیں۔ اور ضمیر بِهٖ کی محمد ﷺ یا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھیرنی اور موتہ کی اہل کتاب کی طرف یہ احتمال واقعہ میں درست ہیں لیکن آیت مذکورہ سے اس مقام میں مراد نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے آسمان سے قبل قیامت کے حاکم عادل توڑیں گے صلیب کو یعنی دین اسلام کے سوا اور دینوں کو باطل کریں گے دفع کرائیں گے خنازیر کو

یعنی حکم قتل کا دیں گے۔ اہل کتاب سے سوا دین اسلام کے اور کچھ قبول نہ کریں گے۔ مال اس قدر ہوگا کہ کوئی قبول نہ کرے گا۔ لذّت عبادت کی ایسی ہوگی کہ ایک سجدہ کل دنیا سے زیادہ لذیذ ہوگا حسد، بُغض، عداوت اور باقی صفاتِ ذمیمہ نہ رہیں گی۔ شیر، اونٹ، چیتا، گائے، بھیڑیا، بکری، سانپ، لڑکے ایک دوسرے کے ساتھ چریں گے اور کھیلیں گے۔ ضرر نہ دیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام حج و عمرہ ادا کریں گے۔ مسیح سے قبل دجال کے زمانہ میں سخت قحط سالی ہوگی۔ اس زمانہ میں طعام کی جگہ تہلیل، تکبیر اور تسبیح سے حیات بسر کریں گے۔ جب آسمان سے نازل ہوں گے تو امام مہدی علیہ السلام کو نماز میں آگے کھڑا کریں گے اور خود بھی بعد کو امام ہوں گے۔ قتل کریں گے دجال کو جو ایک شخص معین ہے۔ اور ہلاک ہوگی قوم یاجوج ماجوج ان کی برکت سے۔

واخرج البخاری فی تاریخه والطبرانی عن عبدالله بن سلام قال یدفن عیسیٰ بن مریم مع رسول الله ﷺ و صاحبیه فیکون قبره رابعا۔ اخراج کیا بخاری نے بیچ تاریخ اپنی کے اور طبرانی نے عبداللہ بن سلام سے۔ فرمایا عبداللہ بن سلام نے دفن کیے جائیں گے عیسیٰ بیٹے مریم کے ساتھ محمد ﷺ اور شیخین کے پس ہوگی قبر مبارک ان کی چوتھی۔

واخرج الترمذی و حسّنه عن محمد بن یوسف بن عبدالله بن سلام عن ابیه عن جده قال مکتوب فی التوراة صفة محمد و عیسیٰ بن مریم یدفن معهٗ۔ اور اخراج کیا ترمذی نے ساتھ تحسین کے فرمایا عبداللہ بن سلام نے کہ صفت محمد ﷺ کی تورات میں موجود ہے اور یہ بھی تورات میں ہے کہ عیسیٰ ابن مریم خاتم النّبیّین ﷺ کے ساتھ مدفون ہوں گے۔

عن عائشة قالت قلتُ یا رسول الله انی اری انی اعیش بعدک

فتاذن لی ان اُدفن الی جنبک فقال وانی لی بذلک الموضع ما فیه الا موضع قبری وقبرا بی بکر و عمرو عیسٰی بن مریم. فرمایا حضرت عائشہ نے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں عرض کی کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کے بعد زندہ رہوں گی۔ اگر اجازت ہوتو میں آپ کے پاس مدفون ہوں۔ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ میرے پاس تو ابوبکر اور عمر اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی قبر کے سوا اور جگہ نہیں ہے۔

عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ینزل عیسٰی بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له یمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت ویدفن معی فی قبری فاقوم انا و عیسٰی بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر. رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء. روایت کیا ابن جوزی نے بیچ کتاب وفا کے عبداللہ بن عمرو سے کہا انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اُتریں گے عیسیٰ بن مریم آسمان سے۔ پس نکاح کریں گے اور صاحب ولد ہوں گے۔ جب فوت ہوں گے مدفون ہوں گے ساتھ میرے پس کھڑے ہوں گے ہم دونوں ایک قبر (یعنی مقبرہ) درمیان ابوبکر اور عمر کے۔

اور روایت کیا ترمذی نے بعض اس حدیث کا جس میں روایت کیا بعض راویوں سے **وقد بقی فی البیت موضع قبر.** یعنی قبر مبارک کے پاس جگہ خالی ہے واسطے عیسیٰ علیہ السلام کے۔ محقق ابن جرزی فرماتے ہیں پاس عمر کے مدفون ہوں گے۔ کیونکہ ہم کو خبر دی ہے بہتیروں نے حجرہ شریف کے اندر جانے والوں میں سے کہ خالی جگہ عمر کی جب میں ہے۔

آثار دربارہ مرفوع ہونے جسم مسیح اور احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام کی سوا ان کے جو بیان کر چکا ہوں اور بھی بکثرت موجود ہیں جس کا جی چاہے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر دُر منثور اور تفسیر ابن جریر کو ملاحظہ فرمائے۔ اگر ان سے بھی اطمینان حاصل نہ ہوتو کنز العمال و مسند امام احمد وغیرہ کتب احادیث کو مطالعہ فرمائے۔ مگر مومن فہیم کے واسطے اس قدر آثار اور

احادیث سے جو بیان کر چکا ہوں۔ یہ احادیث متواترہ ہیں۔ نزول مسیح کا جو مستلزم ہے رفع کو سب میں اتفاق ہے زیادہ بیان ہونا افعال اور صفات کا بعض حدیثوں میں اور بعضوں میں کم۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جس قدر اوصاف بذریعہ وحی آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوئے ان کو بیان فرمایا۔ سامع نے ان کو یاد رکھا پھر جب اور معلوم ہوئے ان کو پھر بیان فرمایا۔ علیٰ ہذا لقیاس وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ یہی وجہ ہے کہ بعض راویوں میں سے بعض صفات اور احوال مروی ہیں دوسرے سے کچھ اور کبھی ایک راوی کی روایت میں کمی بیشی ہوا کرتی ہے۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے۔

احادیث نزول مروی ہیں ان اصحاب کبار وغیرہم سے ابو ہریرہ، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابی امامہ، نواس ابن سمعان، عبداللہ بن العاص، مجمع بن جاریہ، ابی شریحہ، حذیفہ بن اسید، جابر، سمرۃ بن جندب، عمرو بن عوف، عمران بن حصین، کیسان، حذیفہ بن یمان، عائشہ، عبداللہ بن عباس، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

توضیح۔ معنی آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ کا یہ ہے کہ اہل کتاب موجودہ میں سے وقت نزول مسیح کے قبل از موت ان کے ہر ایک ایمان لائے گا ساتھ واقعیت مضمون بالا کے۔ یعنی اُٹھایا جانے ان کے آسمان کی طرف۔ اور ساتھ اس کے کہ وہ نبی صادق گذرے ہیں اپنے وقت میں۔ یہود گذشتہ ہمارے مفتری اور کافر بہ نبی صادق تھے۔ یہی مراد ہے آیۃ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ یا ابو ہریرہ وقت بیان حدیث بخاری **والذی نفسی بیدہ لیوشکن** الخ کے آیۃ مذکورہ کو نزول مسیح ابن مریم پر شاہد لاتے ہیں۔ اور اس استشہاد سے ہر ایک عاقل ادنیٰ تدبر سے معلوم کر سکتا ہے کہ اس حدیث مذکور میں جس کا مضمون یہ ہے۔ قسم ہے مجھ کو اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور ہی اُتریں گے تم میں مریم کے بیٹے حاکم بشرع محمدی

ﷺ منصف ہو کر اور خنزیر کو حلال جاننا اور صلیب پرستی یہ سب امور جو ان کے پیچھے ان کی شرع میں داخل سمجھے گئے ہیں ان سب کو موقوف کریں گے۔ یہاں تک کہ ان کے عہد میں ملتِ اسلام ہی باقی رہے گی اور محبت عبادت اور اعراض دنیا سے ایسا ہو گا کہ ایک سجدہ بہتر سمجھا جائے گا سب دنیا اور دنیوی اشیاء سے۔ مراد وہی ابن مریم ہے جو نبی وقت اور صاحبِ انجیل ہے۔ ورنہ بیان حدیث مذکور کے وقت استشہاد آنحضرت ﷺ یا ابو ہریرہ کا بآیت مذکورہ کیا معنی رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آیت مذکورہ میں اس نبی وقت کا ذکر ہے تو حدیث میں بھی ضرور اسی کے نزول سے حلفی طور پر خبر دی گئی ہے۔ جیسا کہ استشہاد بآیت مذکورہ وقت بیان حدیث کے ارادہ مثیل مسیح کو باطل کرتا ہے ایسا ہی عدم وقوع اُن امور کا زمانہ حال میں جو حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ جناب مرزا صاحب اس حدیث شریف کا مصداق بتاویل مثیل اپنے زعم میں تو ہے مگر موقوف کرنا صلیب پرستی اور خنزیر خوری کا اور سب ملتوں کا ایک ملّت اسلام ہی ہو جانا اور کثرت مال کی یہاں تک کہ اس کو کوئی قبول نہ کرے۔ اور ایک سجدہ کا عزیز تر ہونا سب دنیا سے یہ علامات نزول مسیح کہاں؟ اور نیز اگر آپ مراد ہیں حدیث مذکور سے تو آپ کے پیدا ہونے میں کسی کو حضار مجلس نبوی ﷺ سے تعجب اور استعظام ہی کیا تھا تا کہ آپ ﷺ اُٹھا کر بعد از اں نزول اور قرب کو لام تاکید اور نون ثقیلہ سے مؤکد کر کے یعنی **لَيُوْشِكَنَّ** فرما کر حاضرین کا تردّد دفع فرماتے رہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ معنی آیۃ **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** کا جو لکھ چکا ہوں یہی معنی کیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے۔ اور ایک روایت میں عبداللہ بن عباس نے بھی۔ اور اسی معنی کو ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بشہادت سیاق کلام یعنے چسپاں ہونے اس معنی کے ماقبل سے ترجیح دی ہے۔ اور دوسرا معنی جو ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ بیان ایک وجہ کا ہے وجوہ آیت میں سے۔ اور واقعی ہونا اس معنی کا مقتضی اس کا نہیں کہ مراد آیۃ

سے وہی ہو۔ واقعیت مضمون اور ہے اور مراد ہونا کلام سے اور۔ وہ معنی یہ ہے کہ ہر ایک اہل کتاب اپنی موت سے پہلے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ جب عند الموت متجلی ہوں گے ایمان لائے گا۔

چوتھی وجہ بطلان اس مذہب کی یہ آیت یعنی **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ** الخ بھی ہے کیونکہ بمنطوقہ دال ہے نزول مسیح بن مریم پر جو مستلزم ہے رفع جسمی کو۔

پانچویں وجہ بطلان کی وعدہ فرمانا اللہ تعالیٰ کا ہے مسیح بن مریم سے کہ میں تجھ کو یہود کے ہاتھ سے بچاؤں گا۔ تو پھر تعجب ہے کہ بعد تسکین بخشی کے اس قول سے **يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ** ۔ یہود کے ہاتھ میں گرفتار کرا کر کو بکو رسوا کرنا اور مار پیٹ کے بعد صلیب پر انہی کے ہاتھ سے دلانا اتنی تکلیف کے بعد صلیب سے زندہ اتارنا۔ آیا یہی ثمرہ ایفاء عہد خداوندی اور اثر اجابت دعاؤں مسیحیہ کا نکلا جو رات بھر روتے چلاتے مانگی جاتی تھیں۔

چھٹی وجہ بطلان کی اتصال رفع کا ساتھ کلمہ بَلْ کے یعنی **بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ اِلَيْهِ** کہنا اور حسب مزعوم جناب مرزا صاحب یوں چاہیے تھا **بَلْ بقى حيًا ثم توفّه الله ورفعه اليه.**

ساتویں وجہ آیۃ **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** ہے یعنی بالتحقیق نزول مسیح ابن مریم اسباب علم قیامت میں سے ہے۔ **اخرج الفريابى و سعيد بن منصور و مسدد و عبد بن حميد وابن ابى حاتم والطبرانى من طرق عن ابن عباس** رضی اللہ تعالی عنهما **فى قوله وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قال خروج عيسٰى قبل يوم القيٰمة واخرج عبد بن حميد عن ابى هريرة** رضی اللہ عنہ **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قال خروج عيسٰى يمكث فى الارض اربعين سنة تكون تلك الاربعون اربع سنين يحج ويعتمر. واخرج عبد بن حميد وابن جرير عن مجاهد** رحمہ اللہ **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ**

لِلسَّاعة قال اٰية الساعة خروج عيسٰى بن مريم قبل يوم القيامة واخرج عبد بن حميد وابن جرير عن الحسن رضی اللہ عنہما وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قال نزول عيسٰى واخرج ابن جرير من طرق عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قال نزول عيسٰى۔ (تفسیر درمنثور)

حاصل یہ ہے کہ عبداللہ ابن عباس اور ابو ہریرہ اور مجاہد اور حسن رضی اللہ عنہم سے بطرق متعددہ مروی ہے کہ ضمیر اِنَّهٗ جو آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ میں ہے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی طرف پھرتی ہے وقال الاحمد حدثنا ھا شم بن القاسم حدثنا شيبان عن عاصم بن النجود عن ابى رزين عن ابى يحيىٰ مولٰى بن عقيل الانصارى قال قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لقد علمت اٰية من القراٰن الخ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قال هو خروج عيسٰى بن مريم علیہ السلام قبل يوم القيٰمة و قوله سبحانه وتعالٰى وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ تقدم تفسير ابن اسحاق ان المراد من ذٰلک ما يبعث به عيسٰى علیہ السلام من احياء الموتٰى وابراء الاكمه والابرص و غير ذٰلک من الاسقام و فى هذا نظروابعد منه ما حكاه قتادة عن الحسن البصرى و سعيد بن جبير ان الضمير فى انه عائد على القراٰن بل الصحيح انه عائد علىٰ عيسٰى علیہ السلام فان السياق فى ذكره ثم المراد بذٰلک نزوله قبل يوم القيٰمة كما قال تبارک و تعالٰى وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اى قبل موت عيسٰى علیہ السلام ثم يوم القيٰمة يكون عليهم شهيدا ويؤيد هذا لمعنى القراۃ الاخرىٰ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ اى امارة و دليل على وقوع الساعة. قال مجاهد وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ خروج عيسٰى ابن مريم عليهما السلام قبل يوم القيٰمة. وهكذا روى عن ابى هريرة وابن عباس وابى

العالیة وابی مالک وعکرمة والحسن و قتادة والضحاک و غیرھم وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انه اخبر بنزول عیسٰی علیہ السلام قبل یوم القیامة امامًا عادلاً الخ (تفسیر ابن کثیر)

حاصل روایت کی امام احمد نے عبداللہ ابن عباس سے اسناد صحیح کے ساتھ کہ فرمایا انہوں نے **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** اے خروج عیسیٰ علیہ السلام یعنی نزول ان کا قبل قیامت کے۔ یہی مروی ہے مجاہد۔ابوہریرہ۔ابو عالیہ ابو مالک۔عکرمہ۔حسن۔قتادہ۔ضحاک و غیرہم سے۔اور یہی صحیح ہے۔ بنظر ماقبل کے اور اسی کو تائید دیتی ہے دوسری قرأۃ۔اور آیۃ **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** الخ احادیث نزول کی بطریق تواتر بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔پس ضمیر اِنَّهٗ کی قرآن کی طرف پھیرنی غیر صحیح ہے۔سیاق اور اقوال صحابہ اور تابعین کی رو سے۔اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھیرنی باعتبار زندہ کرنے ان کے مردوں کو وغیرہ وغیرہ یہ بھی غیر صحیح ہے بلحاظ تفسیر صحابہ اور تابعین کے اور بلحاظ سیاق ایضاً بنظرِ دقیق۔اعلم بالقرآن ابن عباس بروایت ابی صالح بھی اس آیت میں یونہی فرماتے ہیں۔

اب بخوبی واضح ہو چکا کہ مرزا صاحب ازالہ اوہام میں اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع قرآن لکھتے ہیں غیر صحیح ہے۔ سیاق آیۃ اور تفاسیر صحابہ و تابعین کی رو سے **قولهٗ تعالٰی وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ** الخ اس آیۃ میں مِنْهُ کی ضمیر اور ایسا ہی **اَمْ هُوَ** اور **اِنْ هُوَ** اور **اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ** اور **جَعَلْنٰهُ** یہ سب ضمائر ابن مریم کی طرف ہی راجع ہیں۔مرزا صاحب اگر وَاِنَّهٗ کی ضمیر کو قرآن کی طرف پھراتے ہیں تو ان ضمائر مذکورۃ کو بھی قرآن کی طرف راجع فرمائیں۔تا کہ تحریف مضمون قرآن کریم کی بخوبی ہو جائے۔نزول مسیح سے مستلزم ہے رفع جسمی اور حیات مسیح الی الآن اور بطلانِ مذہب مذکور کو۔

آٹھویں وجہ **مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** ہے۔

آنحضرت ﷺ نے من جملہ علاماتِ قیامت کے خروج شخص معین مسمی بہ دجال یہود میں سے اور مسیح ابن مریم کا بعد نزول اس کو قتل کرنا بیان فرمایا بمقتضائے آیت مذکورہ ہم کو ایمان **بما جاء به الرسول** ﷺ واجب اور انکار اس کا موجب کفر ہے۔ خیال رکھنا چاہیے کہ رفع جسمی مسیح اور نزول کا ثبوت چونکہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ متواترہ سے نہایت واضح طریق پر ہوگیا تو بعد اس کے مومن **بما جاء به الرسول** ﷺ کو ہرگز ہرگز متوجہ ہونا اناجیل کی طرف بباعث دھوکا کھانے یہود اور نصاریٰ کے اس مقام میں بوجہ القاء شبہ جائز نہیں۔ اسی دھوکا کھانے اور تشکیک کی وجہ سے تواتر ان کا بھی قابل اعتبار نہیں کیونکہ اجتماع شکوک سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ واقعہ قتل اور صلب مسیح جو اناجیل میں مذکور ہے اور ایسا ہی افتراء یہود کہ **اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ** کہتے تھے ان کی تکذیب نص **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** اور **مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًاo بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** سے ہوچکی جیسا کہ مسیح ابن مریم نے خود برنباس کو فرمادیا تھا کہ اے برنباس چونکہ حواری اور والدہ ہماری دنیاوی محبت سے مجھے ابن اللہ کہتے تھے یعنی اس معنی سے جو کسی کے لائق نہیں۔ خداوند نے چاہا کہ قیامت کے دن مجھ پر ہنسی نہ ہو۔ تو دنیا میں یہود کی مصلوبیت اور موت سے مجھے بدنام نہ کرنا۔ لیکن یہ غلطی تاوقت شریف آوری محمد رسول اللہ ﷺ کے ہوگی۔ جب وہ تشریف لائیں گے تو اس غلطی کو دفع فرمائیں گے۔ انجیل برنباس ادریس کا قول نامہ یہود ایں اسی مضمون پر دال ہے کہ لوگ صاحب یعنی مسیح پر ہنسیں گے اور جب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوں گے تب لوگوں کو سزا دیں گے۔ مطابق اس پیشین گوئی مسیح کے قرآن کریم نے برأت مسیح کی تہمت قتل اور مصلوبیت سے بیان فرمائی جیسا کہ اصل واقعہ یعنی رفع مسیح علی السماء کو ذکر کیا۔ کیونکہ **رفع اِلَی اللّٰهِ** اور رفع علی السماء مساوق ہیں۔

الغرض کتب سابقہ میں سے جس مضمون کی تکذیب قرآن کریم یا احادیث صحیحہ

متواترہ سے ہوگئی ہو ہرگز قابلِ اعتبار نہیں۔ اور جس مضمون کا مصدق قرآن کریم ہو اس کی نقل بطریق استشہاد لا من حیث الاعتضاد جائز ہوگی جیسا کہ حدیث بخاری **بلّغوا عنی ولو اٰیۃ وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج** کے محمل کی یہی صورت ہے اور جس کی تصدیق اور تکذیب دونوں سے قرآن کریم ساکت ہو۔ اس کے بارہ میں مومن کو چاہیے کے مطابق حدیث شریف **لا تصدقوھم ولا تکذبوھم** کے نہ تصدیق اس کی کرے اور نہ تکذیب۔ (تفسیر ابن کثیر) بناء علیہ جس مقام میں روایت اناجیل کے مطابق نص قرآن کریم یا احادیث متواترہ کے ہو نقل اس کی جائز ہے جیسا کہ رسولوں کے اعمال۔ پہلا باب۔ ۹ درس۔ اور وہ یہ کہہ کے ان کے دیکھتے ہوئے اوپر اُٹھالیا گیا اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپالیا۔ اور اس کے جاتے ہوئے جب وے آسمان کی طرف تک رہے تھے دیکھو دو مرد سفید پوشاک پہنے ان کے پاس کھڑے تھے۔ اور کہنے لگے۔ اے جلیلی مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو۔ یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اُٹھالیا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے آسمان کو جاتے دیکھا پھر آوے گا اس میں فقرہ (پھر آوے گا) مطابق آیۃ **وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ** اور آیۃ **وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ** اور احادیث نزول کے ہے۔

سوال: افقہ الناس ابن عباس نے **مُتَوَفِّیْکَ** کا معنی **مُمِیْتُکَ** کا لیا ہے بناءً علیہ **یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** کا معنی یہ ہوا کہ اے عیسیٰ میں تجھے مارنے والا ہوں۔ اسی طرح **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ** میں بھی۔ اس سے جب وفات مسیح بن مریم ثابت ہو چکی تو بالضرور **بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ** میں رَفْع سے رَفْع روحانی لینا پڑے گا۔ اور احادیث نزول مسیح واجب التاویل ہوں گی۔ کیونکہ مرنے کے بعد ارواح مقربین بشہادت **قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ** اور **فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ** اور احادیث صحیحہ کے جنت

میں داخل ہوتی ہیں۔ بعدازاں بموجب آیۃ **وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ** جنت سے نکالی نہیں جاتیں۔ بناءً علیہ مسیح ابن مریم بعد مرجانے کے دوبارہ دنیا میں ہرگز نہیں آسکتے۔

جواب: افقہ الناس ابن عباس کا فیصلہ ہم کو بسروچشم منظور ہے۔ مگر پہلے آپ علی روس الاشہاد اقرار کرلیویں کہ ہم بھی افقہ الناس کے قول سے منحرف نہ ہوں گے۔ انسان معاملہ سے پہچانا جاتا ہے۔ ناظرین ازالہ اور ایام الصلح سے معلوم کرسکتے ہیں۔ کیا آپ نے قصہ عود ایلیا سے جو کتاب سلاطین میں مذکور ہے اپنے دعویٰ پر تمسک نہیں پکڑا اور اسی کتاب میں صعود ایلیا بجسدہ العنصری جو مذکور ہے پھر اس سے منحرف نہیں ہوئے۔ یا مسیح کے مصلوب ہونے میں پہلے اناجیل اربعہ سے کام لے کر بعدازاں رفع جسمی سے جو کتاب اعمال میں صراحۃً مذکور ہے منحرف نہیں ہوئے۔ یا **تَوَفِّیْ** کے معنی لینے میں ابن عباس کو اعلم بالقرآن سمجھ کر مقتدیٰ بناکے اور ان کی اتباع کا دم بھر کے بعدازاں آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** اور ایسا ہی **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ** اور **قَبْلَ مَوْتِهٖ** کے معنی میں جو **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ** میں مذکور ہے۔ اور ایسا ہی **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** ان سب میں قول افقہ الناس ابن عباس کو سلام نہیں کہا۔ یا اجماع امت مرحومہ کو عقیدہ رفع جسمی مسیح پر پہلے اجماع کورانہ ازالہ اوہام میں اور اہل اجماع کو حزب نادان اور بےحیا ایام الصلح میں قرار دے کر پھر سب کے عقیدہ کو مطابق اپنے عقیدہ کے بدلائل واہیہ ازالہ اور ایام الصلح میں ثابت نہیں کیا۔ اور احادیث نزول اور ظہور دجال کو پہلے بعض کو ضعیف اور بعض کو مضطرب اور بعض کو مخالف توحید ٹھہرا کر بعدازاں انہیں کا مصداق خود ہی نہیں بن گئے۔

بعد اس کے اوّلاً تو یہ معروض ہے کہ اثر مذکور ابن عباس کا علی بن ابی طلحہ سے مروی ہے۔ اور اہل الجرح والتعدیل کو اس میں کلام ہے۔ چنانچہ قسطلانی نے تضعیف اور عدم ثبوت ملاقات اس کی کو ساتھ ابن عباس کے ذکر کیا ہے۔ اور تقریب میں ہے۔ علی بن

ابی طلحۃ سالم مولی بنی العباس سکن حمص ارسل عن ابن عباس ولم یرہ من السادسۃ صدوق قد یخطی. انتہیٰ. وفی الخلاصۃ قال احمد لہ اشیاء منکرات. وفی المیزان قال احمد بن حنبل لہ اشیاء منکرات. قال دحیم لم یسمع علی ابن ابی طلحۃ التفسیر عن ابن عباس.

اور ثانیاً برتقدیر صحت کے مثبت اس امر کا نہیں ہوسکتا کہ معنی مذکور کو یعنی **مُمِیْتُکَ** مذہب ابن عباس کا قرار دیا جائے۔ بلکہ جائز ہے کہ من جملہ دیگر مباحثات یومیہ صحابہ کرام کے بطریق بیان احتمال ہو۔ پہلے مفسرین کے زمانہ میں چونکہ اسالیب تقریر منقح ہونے میں نہیں آئے تھے۔ لہٰذا تحریر احتمالی ان کی تقریر بالجزم سے مشتبہ ہوجاتی ہے۔ مثلاً ابن عباس آیت **فَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ** کے متعلق فرماتے ہیں **لا اجد فی کتاب اللہ الا المسح لکنھم ابوا الا الغسل** یعنی قرآن کریم میں بغیر مسح پاؤں کے میں نہیں پاتا ہوں لیکن یہ لوگ یعنی صحابہ کرام نہیں مانتے مگر غسل کو۔ اب جو شخص حقیقت روزمرہ مباحثہ صحابہ سے واقف ہوگا وہ مسح قدموں کو مذہب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سمجھ لے گا۔ حالانکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک اشکال کی تقریر کرنی منظور ہے تاکہ امتحان کریں کہ علماء عصر اس اشکال کے دفع میں کیا کہتے ہیں۔ مذہب آپ کا وہی غُسل قدمین ہے۔ مانحن فیہ میں بھی محتمل ہے کہ تفسیر **مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ** کے ساتھ اسی قبیل سے ہو اور یہ کوئی خیال نہ فرمائے کہ اس تقریر پر نقل سے امان اُٹھ جائے گا کیونکہ محتمل مذکور پر آثار صحیحہ ابن عباس کے جو متعلق **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** اور **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** الخ اور **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** کے بالاسناد لکھ چکا ہوں شاہد ہیں۔ ماسوا ان کے احادیث نزول مرویہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی مؤید احتمال مذکور ہیں۔ **وذکر العینی. وروی ابو نعیم فی کتاب الفتن من حدیث ابن عباس ان عیسٰی اذ ذک یتزوج فی الارض**

فیقیم بھا تسع عشرة سنة الی ان قال وعن ابن عباس یتزوج الی قوم شعیب و ختن موسیٰ علیہ السلام وھم جذامٌ فیولد لہٗ فیھم ویقیم تسع عشرة سنة۔ انتھیٰ۔

اور ثالثاً اگر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب بھی مانا جائے تاہم عقیدہ اجماعیہ اسلامیہ کو مضر نہیں کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلحاظ نص بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ جس میں موت طبعی کا معنی لینا ممکن نہیں۔ جیسا پہلے گزر چکا ہے۔ آیت یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں بعد ارادہ معنی مُمِیتُکَ کے قائل بہ تقدیم و تاخیر ہے۔ اخرج اسحٰق بن بشرو ابن عساکر من طریق جو ھر عن الضحاک عن ابن عباس فی قوله اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ یعنی رَافعک ثم متوفیک فی اخر الزمان۔ (در منثور) حاصل۔ ابن عباس سے قول اللہ تعالیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں تقدیم و تاخیر مروی ہے یعنی یوں عبارت آئی ہے کہ رافعک ثم متوفیک فی اخر الزمان اور ایسا ہی تفسیر عباسی میں بھی۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی باعث قول تقدیم و تاخیر کا آیۂ مذکورہ میں سوائے تطبیق کے مابین نصوص کے نہیں۔ شواہد تقدیم و تاخیر کے آیاتِ قرآنیہ میں یہ ہیں۔ قول باری تعالیٰ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً میں بھی ابن عباس سے تقدیم و تاخیر مروی ہے یعنی انہوں نے یوں تفسیر کی فقالوا جھرة ارنا اللہ اور ابن حاتم نے قتادہ سے قوله تعالیٰ فَلَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا میں تقدیم و تاخیر روایت کی ہے۔ یعنی فرمایا کہ اصل عبارت اس طرح ہے فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم فی الحیوة الدنیا انّما یرید اللہ لیعذ بھم بھا فی الأخرة. اور مجاہد سے قوله تعالیٰ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَیِّمًا یعنی انزل علیٰ عبده الکتٰب قیّمًا ولم یجعل له عوجًا مروی ہے۔ اور قتادہ سے قوله سبحانه اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ

اِلَیَّ میں اِنِّیۡ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُتَوَفِّیۡکَ مروی ہے۔ اور عکرمہ سے قول باری عزّ اسمہ۔ **لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ** میں **لهم عذاب شديد يوم الحساب بما نسوا** مروی ہے۔ اگر زیادہ مرویات صحابہ کرام وتابعین وغیرہ دربارہ تقدیم وتاخیر دیکھنے منظور ہوں تو بالتفصیل تفسیر اتقان سے ملاحظہ فرمائیں۔ و نیز **فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَذٰلِكَ يُوْحِيْ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ. اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ** ان میں معطوف باعتبار تحقق خارجی کے معطوف علیہ سے مقدم ہے۔ اور قرآن شریف میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ جن میں معطوف معطوف علیہ سے تحقق میں مقدم ہے۔

الغرض آپ کو قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا **مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ** مفید نہیں ہوسکتا جب تک قول ان کا متعلق **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** کے ہیں ساقط عن الاعتبار ٹھہرائیں۔ یا ہم قول ابن عباس کا متعلق **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** کے جو دال ہوا رادہ معنی غیر موت پر بیان کرتے ہیں۔ **اخرج ابوالشيخ عن ابن عباس اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ يقول عبيدك قد استوجبوا العذاب بمقالتهم وان تغفرلهم اى من تركت منهم ومد فى عمره** (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) **حتى اهبط من السمآء الى الارض يقتل الدجال فنزلوا عن مقالتهم ووحدوك واقروا انا عبيدٌ وان تغفر لهم حيث رجعوا عن مقالتهم فانك انت العزيز الحكيم.** (جلال الدین سیوطی۔ درمنثور)

ایسا ہی تفسیر عباسی میں **تَوَفَّيْتَنِيْ** کا معنی **رفعتنى** مذکور ہے۔ اگر آپ کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسلک لینا ضروری ہے تو قبول فرماویں یہ تو نہ ہو کہ تارکِ صلوٰۃ نے تمسک آیۃ **وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ** سے پکڑا۔ دوسرے نے کہا میاں ابھی مضمون پورا نہیں ہوا۔

وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى کو بھی ساتھ ملاحظہ کرو۔ جس کا مضمون یہ ٹھہرا کہ ''حالتِ نشہ میں نماز مت پڑھو'' تو متمسک (اوّل) نے کہا کہ ''سارے قرآن پر تمہارا باپ عمل کرتا ہوگا۔ ہم سے اگر ایک آیت پر بھی ہو تو بڑی بات ہے۔ قول ابن عباس اگر قابل احتجاج ہے تو اس کو اوّل سے آخر تک ملاحظہ فرماویں۔ پھر دیکھئے رفع جسمی کس طرح کھلے کھلے طور پر بشہادت تفسیر ابن عباس ثابت ہوتا ہے۔

اب ناظرین بانصاف سمجھ چکے ہوں گے کہ تفسیر ابن عباس کا پیرو اور متبع کون ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوگیا ہوگا کہ مرزا صاحب نے اتباع ابن عباس کو تو بجائے خود چھوڑا الٹا بہتان صحابی پر باندھا۔ جیسا کہ امام بخاری کے اوپر کہ وہ بھی حدیث نزول ابن مریم میں مثیل ابن مریم مراد لیتے ہیں بلکہ سب ائمہ سلف کا یہی اعتقاد تھا یعنی وفات مسیح ابن مریم۔

میں کہتا ہوں امام بخاری تو احادیث نزول کے تراجم میں آیات سورہ مریم اور آلِ عمران کو لا کر بعد ازاں بیان احادیث فرماتے ہیں۔ اب ہر ایک منصف سمجھ سکتا ہے کہ اگر آیات قرآنی میں ذکر مسیح بن مریم کا ہے جو نبی وقت تھے تو ان احادیث میں بھی ان کا ذکر ہوگا۔ اور اگر آیات میں ذکر خیر جناب مرزا صاحب کا ہے تو احادیث میں بھی مثیلِ بن مریم مراد ہوگا۔ میں نہایت متعجب ہوں کہ مرزا صاحب ازالہ اوہام میں بڑے زور سے علماء اسلام پر اعتراض کرتے ہیں (کہ حدیث بخاری **والذی نفسی بیدہ**[1] میں مولوی صاحبان فقرہ **یکسر الصلیب** اور ایسا ہی **یقتل الخنزیر** میں تو تاویل سے کام لیتے ہیں اور ابن مریم سے مثیل ان کا مراد لینے میں ماؤل کو ملحد قرار دیتے ہیں)۔ معروض خدمت ہے

---

[1] دوسری وجہ بہتان کی امام بخاری پر وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری نے تاریخ میں بیان کیا ہے جس کو میں لکھ آیا ہوں۔ تیسری وجہ بہتان کی کہنا بخاری کا باب نزول عیسیٰ بن مریم۔ اگر مذہب امام بخاری کا مثیل عیسیٰ ہوتا تو استعارہ کے طور پر بیان کرتا۔ بلکہ تصریح بہ مذہب خود ضروری تھی۔ ۱۲ منہ۔

کہ علماء اسلام کس طرح پر تاویل کر سکیں۔ بعدازاں کہ نصوص قرآنیہ سے بہ تفسیر ابن عباس رفع جسمی اور نزول مسیح صاحب انجیل کے ساتھ ایمان لا چکے ہوں۔ اور پیشن گوئیاں حلفی اور تاکیدی طور پر اسے مسیح کے بارہ میں آنحضرت ﷺ سے بطریق تواتر معنوی سن چکے ہوں جس میں امکان تاویل بہ مثیل بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ مثلاً شب معراج مسیح ابن مریم کا بوقت گفتگو ہونے کے قیام قیامت کے بارہ میں فرمانا کہ تعیین وقت تو میں نہیں کر سکتا مگر میرے ساتھ میرے رب نے عہد کیا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تو زمین پر اتر کر دجال اور قوم یاجوج ماجوج کو ہلاک نہ کرے گا۔ الخ (تفسیر در منثور اور ابن کثیر اور خازن) **اخرجه احمد** جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اسناد اور متن اس حدیث کا احادیث نزول میں۔ جس کا اوّل یہ ہے **قال احمد حدثنا هشيم عن العوام بن حوشب عن جبلة بن سحيم عن مؤثر بن غفارة عن ابن مسعود عن رسول الله ﷺ قال لقيت ليلة اسرى بى ابراهيم و موسىٰ وعيسىٰ عليهم السّلام.** اور بھی روایت کیا اس حدیث کو ابن ماجہ نے ساتھ اسناد دوسرے کے۔ شاید مرزا صاحب ہی نے شب معراج میں بیان معاہدہ رب کا جواب مذکور ہوا ہے کیا ہو۔ اس مضمون کا اقرار کرنا بہ نسبت باقی افترا آت کے ان کے سامنے کچھ بڑی بات نہیں۔

الغرض علماء اسلام بعد ایمان **بما جاء به الرسول** ﷺ کس طرح حدیث مذکور میں ابن مریم سے مثیل ان کا مراد لیں اور ایمان اپنا ضائع کریں اور دنیا میں بھی مولوی کے مولوی رہیں۔ جناب مرزا صاحب کو اتنا فائدہ تو ہے کہ لقب عیسویّت اور شانِ مہدویّت چند سادہ لوحوں کے سامنے حاصل کیا۔ علماء بے چاروں کو کیا فائدہ؟ جناب عالی! یہی وجہ ہے کہ علماء کی ابن مریم سے مثیل ان کا نہ لینے کی۔ باقی رہا فقرہ **ويكسر الصليب** اور ایسا ہی **ويقتل الخنزير** میں تعذر حقیقت دلیل ہے ارادہ مجاز کی۔ شاید آپ کے

نزدیک وقوع مجاز ایک فقرۂ کلام میں دلیل ہے سب کے سب فقرات کلام کے مجاز ہونے پر۔ ایسے خانہ زاد اصول کے ایسے ہی نتائج ہوا کرتے ہیں۔ اور **رابعًا** تطبیق بین الآیات میں بعد اس کے کہ استشہاد بہ محاورہ قرآنیہ وعرف قرنِ اوّل ولغت کے ہو کچھ ضرور نہیں کہ وجہ تطبیق ایک ہی معنی اور احتمال میں منحصر رکھی جاوے۔ ابن عباس اور سائر مفسرین صحابہ میں سے بعد مراعاۃ مذکور کے وجوہ تطبیق میں اقوال متعددہ بیان فرماتے ہیں۔ بلکہ **بحسب لا یکون الرجل فقیھا کل الفقه حتیٰ یریٰ للقران وجوھًا کثیرۃ** کے کمال تفسیر دانی کا معیار عدم حصر کو ٹھہرایا گیا ہے۔

اب ہم لفظ **توفّی** کا معنی سوائے معنی موت کے قرآن کریم اور لغت سے ثابت کرکے وجہ تطبیق بین الآیات بیان کرتے ہیں۔ **توفّی** ماخوذ ہے وَفا سے۔ وفا کا معنی پورا ہونا کہتے ہیں۔ فلانی شے کافی وافی ہے یعنی پوری۔ ایفاء کا معنی پورا کرنا۔ اور **توفّی تفعُّل** ہے بمعنی استفعال کے یعنی استیفاء جس کا ترجمہ پورا لینا۔ لغت کی کتابیں مثل صحاح اور صراح اور قاموس وغیرہ۔ اور ایسا ہی تفاسیر سب متفق ہیں معنی مذکور پر۔ اور یہ امر بھی نہایت ہی قابل غور ہے کہ لغت اور تفاسیر میں مستعمل فیہ کو بیان کرتے ہیں۔ گو کہ موضوع لہٗ نہ بھی ہو۔ بلکہ فرد ہی اس کا ہو۔ یا کسی نوع کا علاقہ معنی موضوع لہٗ سے رکھتا ہو۔ جیسا کہ لفظ الٰہ جس کا معنی معبود مطلق ہے واجب ہو یا ممکن اور **الٰھه** بمعنی معبودات مطلقہ کے۔ کواکب ہوں یا بت یا آدمی۔ حالانکہ بہت اہل لغت اور مفسرین بھی تفسیر الٰہ کی اصنام کے ساتھ کردیتے ہیں۔ صراح وغیرہ کتب لغت کو الٰہ کے متعلق دیکھیں۔ اور تفسیر ابن عباس کو متعلق **اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ** کے ملاحظہ فرمائیں کہ **اَمْوَاتٌ. اَصْنَامٌ** لکھتے ہیں۔ ہر سلیم الطبع پر ظاہر ہے کہ اَصْنام یعنی بُت معنی موضوع لہٗ لفظ الٰہ کا نہیں بلکہ ایک فرد ہے معنی موضوع لہٗ کا جو معبوداتِ مطلقہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ بودے لوگ اردو خوان زعمی مولوی ایسے مقامات کو دیکھ کر دھوکا

کھا جاتے ہیں۔ یعنی یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بھی بیان معنی وضعی کا ہے بلکہ اسی کو حصر کے طور پر یہ نسبت اس مطلق کے موضوع لہٗ قرار دیتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مطلق کو فرد سے ممتاز نہیں کر سکتے۔ الغرض۔ الفاظ مشتقہ میں معنی حقیقی کبھی اور ہوتا ہے اور مستعمل فیہ اور۔ ماٰنحن فیہ میں بھی مرزا صاحب اور ان کے اتباع کو یہی دھوکا لگا ہوا ہے۔ لغت کی کتابوں میں جو دیکھا کہ **تَوَفّی** کا معنی موت بھی ہے۔ اور صحیح بخاری میں **مُتَوَفِّیکَ** کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے **مُمِیتُکَ** سے کی تو اس اشتباہ مذکور میں پڑ گئے۔

میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ الٰہ اور اموات کا معنی اصنام ہی خیال کرتے ہوں گے۔ ورنہ **تَوَفّی** سے معنی موت ہی کا لینے میں ایسے مستحکم نہ ہوتے۔ فی الواقع یوں ہے کہ **توفّی** اور استیفاء میں بجز پورا لینے کے اور کچھ ماخوذ نہیں۔ **تَوَفّیٰ** نے جس کے ساتھ تعلق پکڑا ہے دیکھا جائے گا وہ کیا چیز ہے۔ روح ہوگی یا غیر روح۔ اگر روح ہے تو پکڑنا روح کا پھر منقسم ہے دو قسموں پر۔ ایک تو اس کا پکڑنا مع الامساک یعنی پکڑنے کے بعد نہ چھوڑنا اس کا نام تو موت ہے۔ موت کے مفہوم میں دو امر **تَوَفّیٰ** کے مفہوم سے علاوہ اعتبار کیے گئے۔ ایک روح دوسرا امساک۔ دوسرا قسم **تَوَفّیٰ** کا نیند ہے جس کے مفہوم میں قید روح اور ارسال یعنے چھوڑ دینا ماخوذ ہے۔ الحاصل۔ موت اور نیند دونوں فرد ہوئے **تَوَفّی** کے (تفسیر کبیر، ابن کثیر، شرح کرمانی صحیح بخاری) اور متعلق **تَوَفّی** کا اگر غیر روح ہو تو وہ بھی یا جسم مع الرُّوح ہوگا جیسا کہ **اِنِّیْ مُتَوَفِّیکَ** یا اور چیز جیسا کہ **توفیت مالی** (قاموس) بیان اس امر کا جو مذکور ہو چکا ہے یعنی **تَوَفّیٰ** کا معنی فقط کسی شے کا پورا لے لینا ہے۔ عام اس سے کہ وہ شے روح ہو یا غیر روح اور بر تقدیر روح ہونے کا مقید بارسال ہو یا بامساک نص سے بھی ثابت ہے یعنی قرآن کریم کی اس آیت سے جس سے خداوند کریم کو اظہار تصرّف اور قدرت اپنی کا اسی پیرایہ میں منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو بعد القبض کہیں تو بند کر رکھتا ہے اور کبھی چھوڑ دیتا

ہے۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا آیۃ اللہ تعالیٰ قبض فرماتا ہے ارواح کو حالت موت اور نیند میں فقط اتنا ہی فرق ہے کہ موت میں امساک اور نیند میں ارسال ماخوذ ہے۔ اس آیت میں تو استعمال لفظ توفی کا مشترک میں ظاہر ہے یعنی فقط قبض اور ارواح مدلول ہے لفظ انفس کا اور آیت وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ میں مستعمل ہے نیند میں جو فرد ہے مفہوم تَوَفّی کا یعنی قبض کا۔ اور آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وغیرہ آیات میں مدلول اس کا موت ہے جو جملہ افراد اس تَوَفّی کے ہے یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں اور ایسا ہی فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں بھی معنی موت کا مطابق بعض نظائر قرآنیہ اور غیر قرآنیہ کے جیسا کہ توفی اللہ زیدا توفی اللہ عمرو اتوفی اللہ بکرا وغیرہ وغیرہ لیا جاتا۔ اگر نص بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کی رفع جسمی مسیح بن مریم پر شہادت نہ دیتی جیسا کہ لکھ چکا ہوں۔ یا آیات وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اور وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ۔ اور احادیث صحیحہ جو دال ہیں اسی رفع جسمی پر استلزاما وارد نہ ہوتیں۔ کیونکہ جب ایک شخص کا بخصوصہ نص سے حکم معلوم ہو جائے تو عموم آیات میں جو برخلاف اس حکم کے ہوں داخل نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ لفظ جو مستعمل اس کے بارہ میں ہے محمول ہوتا ہے اپنے نظائر پر۔ دیکھو آدم علیہ السلام کی پیدائش کا حال جب نص خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ سے معلوم ہو چکا تو پھر اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ اور ایسا ہی خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ سے مستثنیٰ ہے اور قول قائل کا خلق اللہ ادم محمول نہ ہوگا اپنے نظائر پر یعنی خَلَقَ اللّٰہُ زیداً خَلَقَ اللّٰہُ بَکْراً وغیرہ وغیرہ جو کروڑہا سے زائد ہیں۔ یعنی یہ نہ کہا جائے گا کہ کیفیت خلقت آدم وغیرہ بنی نوع یکساں ہے۔ ایک معنی کا بکثرت مستعمل فیہ ہونا دلیل ارادہ اس کی در صورت قیام قرینہ صارفہ کے جو یہاں پر نص بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کی ہے نہیں ہو سکتی۔ اب ہر ایک صاحب فہم اور منصف پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ

وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور ایسا ہی فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں تَوَفِّیْ سے معنی موت کا لینا اور تقدیم تاخیر نہ کہنی اور معنی موت کے ارادہ پر شہادت نظائر مثل وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنکُمْ وغیرہ وغیرہ پیش کرنی۔ منشا اس کا بغیر از جہالت اور کیا قرار دیا جائے۔ تعجب ہے کہ جناب مرزا صاحب ازالہ اوہام اور ایام الصلح میں کہیں تو استعمال لفظ تَوَفِّیْ کو حسب محاورہ قرآن کریم کے معنی موت ہی میں منحصر کہتے ہیں اور کہیں وجہ اطلاق تَوَفِّیْ کی نیند پر النوم اخ الموت کو قرار دیتے ہیں۔ ایک تو دھوکا موضوع لہٗ کے فرد کو عین موضوع لہٗ سمجھنے کا کھایا۔ اور دوسرا اطلاق المطلق علی بعض افرادہ کو از قبیل اطلاق الفرد علی الفرد سمجھ لیا۔ (ازالہ ص ۳۳۲) اور پھر بعد دعویٰ حصر مذکور کے قائل باستعمال تَوَفِّیْ نیند میں بھی حسب محاورہ قرآن کریم ہوئے۔

الغرض۔ آیہ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ میں یا تو معنی موت کا لے کر مع قول بہ تقدیم تاخیر فی الآیہ اور فَلَمَّا تَوَ فَّیْتَنِیْ سے معنی رفع کا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح لینا پڑے گا۔ یا ہر دو جگہ معنی قبض کا لیں گے۔

پھر مکرر عرض کرتا ہوں کہ جب حسب نص بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کے رفع جسمی اور حیات الی الآن مسیح کی ثابت ہو چکی تو پھر آپ کو تاویل احادیث پر کون سا باعث رہا۔ کیونکہ باعث تاویل تو یہی تھا کہ آپ مُتَوَ فِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ سے موت مسیح ثابت کر کے رفع کو قرب منزلت اور نزول کو ظہور پر محمول فرماتے تھے۔ اور مسیح بن مریم سے بطریق استعارہ مثیل مسیح لیتے تھے۔ تشریح سب آیات کی حسب محاورہ قرآن کریم و شہادت سیاق سے اثباتِ حقیت عقیدہ اجماعیہ کا کامل طور پر ہو گیا لکھ چکا ہوں۔ بعد عدم تعذر معنی حقیقی بلکہ واجب الارادہ ٹھہرنے اس کے وقوع استعارات کی اگر لاکھوں نظیریں آپ بیان فرما دیں تو بھی ما نحن فیہ میں دلیل ارادہ مجاز نہیں ہو سکیں گی۔

مرزا جی اور ان کے مریدوں سے ایک دلچسپ واجبی مطالبہ

میں کہتا ہوں آپ علماء کرام سے بڑے اصرار سے ہر معنی پر شہادت محاورہ قرآنیہ طلب فرماتے ہیں آپ لفظ عیسیٰ بن مریم سے مثیل ان کا مراد لینے پر محاورہ قرآنی یا سوائے ما نحن فیہ یعنی احادیث نزول کی کوئی حدیث صحیح بتلاویں ہرگز نہیں بتلا سکتے۔ نہایت حیرت انگیز تو یہ امر ہے کہ آج تک مسیح موعود یعنی آپ نے فقرہ **یَقْتُلُ الْخِنْزِیرَ وَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ** کے سارے کرۂ زمین کے اوپر سے فقط اپنے معتقدوں کو مسلمان کیا۔ کیا بغیر ان کے یہود ونصاریٰ وہنود سب حق پر ہیں۔ اور یہی بے چارے خنزیر خور اور صلیب پرست علاوہ تمام دنیا کے تھے جن کو آپ ہی نے قتل اور کسر فرما کر موحّد بنایا؟ ہرگز نہیں۔ یہ لوگ تو اوّل ہی سے موحّد تھے۔

سوال: ابن عباس کی تفسیر جو متعلق **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** اور **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** اور **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** کے ہے۔ بخاری میں تو مذکور نہیں۔ اس میں فقط **مُتَوَفِّیْکَ** کی تفسیر **مُمِیْتُکَ** مذکور ہے۔

جواب: عدم ذکر بخاری دلیل عدم صحت کی نہیں ہو سکتی۔ امام بخاری خود فرماتے ہیں۔ **ما ادخلت فی کتاب الجامع الا ما صح وترکت کثیر امن الصحاح لحال الطول** یعنی بہتیری حدیثیں صحیحہ میں نے ذکر نہیں کیں اپنی کتاب جامع یعنی صحیح بخاری میں۔ نہایت تعجب ہے کہ اگر عدم ذکر امام بخاری دلیل صحیح نہ ہونے کی ہے تو پھر آپ استدلال ان احادیث سے جو بخاری میں نہیں کیوں پکڑتے ہیں۔ مثلاً **لَا مَهْدِیَّ اِلَّا عِیْسٰی. لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی** الخ وغیرہ وغیرہ۔ یا بغیر بخاری کے اور کوئی کتاب قابل استشہاد نہیں تو ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۴۱ میں آپ کشاف اور معالم اور تفسیر رازی اور ابن کثیر اور مدارک اور فتح البیان کے حوالے کیوں دیتے ہیں ہم بھی اسی ابن کثیر کو پیش کرتے ہیں۔

سوال: آیۃ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں تقدیم تاخیر کہنا اور ترتیب قرآنی کو بگاڑنا اور ایسا ہی فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ سے معنی رفع کا مرد لینا یہ الحاد اور تحریف ہے۔ قرآن شریف میں اوّل سے آخر تک بلکہ صحاح ستہ میں بھی انہی معنی کا یعنی موت کا التزام ہے۔ ازالہ اوہام کے ص ۶۰۱ اور ص ۹۲۲ کا خلاصہ یہ ہے۔

جواب: میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ آپ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اتباع سے آخر کار منحرف ہوں گے۔ اب ویسا ہی ظاہر ہوا۔ مزید برآں (العیاذ باللہ) ان کو ملحد اور محرف بھی ٹھہرایا۔ جیسا کہ باقی مفسرین اہل اسلام کو سلف سے خلف تک جنہوں نے معنی قبض یا رفع کا لیا ہے۔ جناب عالی! اتنی جرأت اور گستاخی ایک عامی مسلمان کے بارہ میں نہ چاہیے چہ جائے کہ صحابہ کرام اور آئمہ سلف کے حق میں۔

ناظرین! آیات قرآنیہ کو جن میں وقوع تقدیم وتاخیر سب کے نزدیک واجب التسلیم ہے جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں ملاحظہ فرمائیں[1] اور معنی رفع اور قبض توفّی سے مراد لینا بشہادت قرآن کریم پہلے اسی رسالہ میں ثابت ہو چکا ہے۔ آپ ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۳ میں فرماتے ہیں۔ غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور اسی جسم کے ساتھ اترے گا۔ نہایت لغو اور بے اصل بات ہے۔ صحابہ کا ہرگز اس پر اجماع نہیں۔ بھلا اگر ہے تو کم سے کم تین سو (۳۰۰) یا چار سو (۴۰۰) صحابہ کا نام لیجئے جو اس بارہ میں اپنی شہادت ادا کر گئے ہیں۔ ورنہ ایک یا دو آدمی کے بیان کا نام اجماع رکھنا سخت بددیانتی ہے''۔

میں عرض کرتا ہوں قرآن اور حدیث اور اجماع امت مرحومہ تو اس بیان کی شہادت دے رہے ہیں۔ پھر معلوم نہیں لغو اور بے اصل کیوں ٹھہرایا جاتا ہے۔ ہاں۔ آپ کے مسیح موعود ہونے میں بے شک خلل انداز ہیں۔ اسی خلل اندازی کی وجہ سے سب اہل

---

[1] فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰہَ جَہۡرَۃً کے تفسیر ابن عباس وغیرہ وغیرہ۔ ۱۲ منہ

اسلام سلف سے خلف تک ملحد قرار دیئے گئے۔ (**يَاهَادِیْ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ**)

جناب! آپ پہلے کسی مسئلہ اجماعیہ میں روایات صحابہ باسانید اور بقید اسامی تین چار سو تک بیان فرماویں بعد ازاں ہم تین چار ہزار تک بیان کریں گے۔ اجی حضرت! آپ ایسے مغالطوں اور دھوکا دینے سے اردو خوانوں اور عوام کو کس لیے گمراہ کرتے ہیں۔ صحابہ کرام کے نام رسالہ ہذا میں آپ دیکھ چکے ہوں گے۔ پھر جب تک آپ پانچ دس کا بھی انکار ثابت نہ کریں تو اجماع منقوض نہ ہوگا حضرت من! صحابہ کو قرآن کریم کے واقعات منصوصہ کے ساتھ ایمان تھا۔ اور چونکہ اہل لسان اس مضمون کو آیت مذکورہ سے بلا تکلف اور بلا احتمال غیر رفع جسمی کے سمجھ چکے تھے تو پھر کیا ضرورت واقع ہوئی جو موجب ذکر اس مضمون کا بین الصحابہ اختلافیات کی طرح ہو۔ بلکہ یہی بڑی دلیل ہے اس کے مجمع علیہ ہونے پر۔ آپ ہی کسی قصہ میں قصص قرآنیہ سے جو صریح طور پر سمجھے گئے ہیں مثلاً قصۂ اصحاب کہف میں اقوال صحابہ کے دس تک بھی ذکر فرمائیں۔ پانچ سو کی آپ کو معافی ہے۔ اسی لیے آج تک ذکر نزول مسیح نص محکم قرآنی سے علماء کرام تلاش کرتے آئے۔ بخلاف صعود جسمی کے کہ وہ تو صراحۃً مذکور تھا۔

سوال: ہم نے مانا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیۃ **يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ** میں تقدیم اور تاخیر کے قائل ہیں مگر وجہ تقدیم ما حقہ التاخیر کی کیا ہے یعنی مقدم ذکر کرنا متوفی کا جس کا وقوع بعد نزول کے ہوگا۔

جواب: مسیح ابن مریم کے ذہن میں بعد مشورہ یہود کے یہی امر موجب قلق و اضطراب ہوا کہ یہود ہی حسب تشاور میرے متوفی اور ذریعہ وفات ہوں گے۔ لہٰذا پہلے ہی سے اللہ جل شانہ نے بہ تقدیم لفظ **مُتَوَفِّيْكَ** سے دفع مرکوز خاطر ان کا بصیغہ حصر فرما کر پھر **رَافِعُكَ** سے تسلی بخشی۔ اگرچہ **مُتَوَفِّيْكَ** تحقیق میں مؤخر ہے۔

جاننا چاہیے کہ فرق ہے مابین سَاتَوَفَّکَ اور اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ میں ضمیر متکلم کا مسند الیہ اور مشتق یعنی متوفی کا مسند بنانا مفید حصر ہے یعنی میں ہی تیرا متوفی ہوں۔ ایسا نہیں جیسا تمہارے ذہن نشین ہوا ہے کہ میرے توفی کا ذریعہ یہود ہوں گے۔ بلاغت کا مقتضی یہی ہے کہ حسب حال مخاطب القاء کلام کیا جائے۔ بخلاف سَاتَوَفَّکَ کے کہ وہ مطابق حال مخاطب نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا ہی فرق ہے مابین اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ بصیغۂ مشتق اور اِنِّیْ سَاتَوَفَّکَ میں کہ مضارع فقط حدوثِ فعل توفی سے خبر دیتا ہے بخلاف صیغۂ مشتق کے کہ مزید براں صفت مختصہ پر حسب محاورہ دلالت کرتا ہے یعنی تمہارا مارنا میری ہی صفت مختصہ اور میرے ہی ذمہ پر ہے۔ مثلاً یہ کہ میں ہی تجھ کو دوں گا۔ اس میں اور اس قول میں کہ میں ہی تیرا دینے والا ہوں فرق ہے کہ پہلا فقط وعدہ دینے پر مشتمل ہے اور دوسرا مزید برآں افادہ اس مضمون پر کہ دینا تمہارا میرا ہی کام اور میری ہی شان ہے الغرض اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ سے وہ اطمینان ذہنی مستفاد ہوتی ہے جو دوسرے صیغوں میں نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ معنی قبض کو بھی حسب تقریر مذکور خیال فرماویں۔ اسی طرح یہود کا کہنا اِنَّا قَتَلْنَا مفید اختصاص اور حصر ہے جو ان کے فخر کا موجب حسب زعم ان کے قرار دیا گیا۔ یعنی ہم نے ہی یہ بڑا کام کیا نہ کسی اور نے۔ لہٰذا قَتَلْنَا پر بغیر اِنَّا کے کفایت نہیں کی۔ اور پھر متعلق فعل یعنی مسیح کو موصوف بنا کر ذکر کیا ہے۔ یعنی اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ کہا اور اِنَّا قَتَلْنَا پر اکتفا نہ کی۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ مناطِ افتراء اور موجب خوشی ان کا فقط صدور فعل نہیں بلکہ وقوع قتل کا محل خاص پر یعنی مسیح بن مریم جو رسول خدا کہلاتے ہیں۔ بعد تمہید ہذا اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید اور تکذیب میں جو وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ فرمایا۔ بعد ادنیٰ تامل کے ناظرین کی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کی یعنی وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ کی مناط بھی اسی نسبتِ وقوع پر ہے یعنی مسیح کو انہوں نے قتل نہیں کیا نہ نسبت

صدوری پر یعنی صدور نفس قتل پر۔ اس تقدیر سے بعد غور کے محاورہ دان عقلمند پر بطلانِ تقریر جناب مرزا صاحب کا جو ازالہ اوہام میں متعلق **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ** کے انہوں نے لکھی ہے ظاہر ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مناط تردید کی نسبت صدوری کو سمجھا ہے اور آیاتِ مذکورہ کی تفسیر میں روایات ان لوگوں سے لی ہیں جن کی تکذیب اور تضلیل قرآن کریم انہیں آیات سے فرماتا ہے۔

افسوس! جہالت ایسی مرض ہے کہ ہزاروں اردوخوانوں سادہ لوحوں کے لیے **یومًا فیومًا** مُہلک ہو رہی ہے۔ نہ تو مثل صحابہ کی مہارت لسانی اور اشراق نوری ہے کہ راہ راست پر فہم مراد میں چلیں اور نہ استعداد علمی کی فصاحت اور بلاغت اور سیاق اور مقتضی حال کے ملاحظہ کرنے کے بعد معنی مراد کو سمجھیں فقط مشعلِ راہ ایک شخص خانہ زاد کو جو مسمّی بقانونِ قدرت ہے بنا رکھا ہے۔ اللہ کریم اپنے فضل وکرم سے ہدایت فرماوے۔

سوال: بیضاوی تفسیر کبیر تفسیر ابن کثیر معالم التنزیل۔ کشاف وغیرہ نے توفّی سے معنی موت کا لیا ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۳۱ میں استشہاد ذکر کیا ہے۔

جواب: یہ استشہاد ان کا ویسا ہی ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے پکڑا تھا۔ سب تفاسیر کے دیکھنے سے ناظرین اس دھوکا سے بھی مطلع ہو سکتے ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ اِلَيْهِ** کے حکم کو زیر نظر رکھ کر **اِنِّیْ مُتَوَفِّيْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ** کے معنی میں دو مسلک اختیار کرتے ہیں۔ ایک تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یعنی تقدیم تاخیر بر تقدیر ثبوت اور ارادہ معنی **مُمِيْتُکَ** کا **مُتَوَفِّيْکَ** سے۔ یعنی اے عیسیٰ میں تجھے بالفعل اُٹھانے والا ہوں اور بعد نزول تجھے مارنے والا ہوں۔ اور دوسرا **مُتَوَفِّيْکَ** سے معنی قبض اور رفع کا لینا یعنی اے عیسیٰ میں تجھے پکڑنے والا اور اٹھانے والا ہوں۔ اور بعض مثل صاحب کشاف کے **مُتَوَفِّيْکَ** کو کنایہ ٹھہراتے ہیں عصمت اور بچا لینے سے یعنی اے عیسیٰ میں تجھے یہود کے ایذا سے بچانے والا ہوں۔

جناب مرزا صاحب[1] نے مُمِیْتُکَ کو (جو تفسیر معنی کنائی کے ضمن میں صاحب کشاف کے قول میں واقع ہے معنی مُتَوَفِّیْکَ کا سمجھ لیا ہے۔ یہ نہیں خیال فرمایا کہ اس احتمال کو یعنی مُتَوَفِّیْکَ سے معنی مُمِیْتُکَ لینے کو تو خود صاحب کشاف بعد اس کے تضعیف کر رہا ہے۔ عبارت کشاف کی یہاں پر نقل کی جاتی ہے تاکہ ناظرین دھوکا سے بھی مطلع ہو جائیں۔

مُتَوَفِّیْکَ ای مستوفی اجلک و معناہ انی عاصمک من ان یقتلک الکفار و مؤخرک الی اجل کتبتہ لک و ممیتک حتف انفک لاقتلاً بایدیھم وَرَافِعُکَ اِلَیَّ الی سمائی و مقرملا تکتی و مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا من سوء جوارھم وخبث صحبتھم و قیل مُتَوَفِّیْکَ قابضک من الارض من توفیت مالی علی فلان اذ استوفیتہ. وقیل ممیتک فی وقتک بعد النزول من السماء ورافعک الآن. وقیل متوفی نفسک بالنوم من قولہٖ وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا وَرَافِعُکَ وانت نائم حتی لایلحقک خوف وتستیقظ وانت فی السماء. انتہیٰ

رفع جسمی مسیح کا چونکہ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** اور **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ** الخ اور **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** اور احادیث متواترہ صحیحہ سے استلزاماً ثابت اور مؤمن بہ اہل اسلام کا سلف سے خلف تک ہو چکا۔ اور بظاہر آیت **یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ**

---

[1] مرید مخلص مرزا صاحب کی عبارت (**مستوفی اجلک ومؤخرک الی اجل مسمّی**) کو دلالت کنندہ غیر معنی موت پر ٹھہرا رہے ہیں۔ دیکھو سطر تیسری ص ۶۱۰ کی اور مرزا صاحب ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۴۱ کی سطر اخیر پر کشاف کو شاہد معنی موت کا قرار دے رہے ہیں۔ معلوم نہیں مرید مخلص بڑھ گئے ہیں۔ یا امام الزمان یہ موروثی امر ہے۔ مرزا صاحب ازالہ اوہام میں متعلق تفسیر سورہ القدر نزول ملائکہ کے قائل ہیں۔ لیام الصلح میں قریب اختتام کے اس سے منکر ہو گئے۔ القول الجمیل کے صفحہ ۶۱ سطر پانچویں میں مرید مخلص علماء سلف رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں فرماتے ہیں (سبحان اللہ مفسر ہوں تو ایسے ہوں) حیا بھی نہیں آتی۔ خود پھسلنا اور دوسروں پر ہنسی و تمسخر کرنا بلکہ مشرک کہنا کیا مہدی اور اس کے مصداق کی یہی شان ہے۔ ۱۲ منہ

منافی اس کی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ مفاد اس کا یہ نکلتا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھ کو مار کر بعد ازاں اُٹھانے والا ہوں۔ لہٰذا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رفع منافات یوں فرمائی کہ آیت میں تقدیم تاخیر ہے یعنی میں تجھ کو اوّل اُٹھانے والا ہوں آسمان کی طرف اور بعد نزول تجھ کو مارنے والا ہوں۔ اور باقی مفسرین میں سے کسی نے تو توفی سے معنی قبض کا لیا ہے اور کسی نے نیند کا۔ سب کا مقصود یہی تھا کہ یہ آیت مخالف نہ ہو اس نص **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے جس کا مدلول آنحضرت ﷺ سے بھی بوضاحت تامہ استلزاماً بیان ہو چکا ہے۔ صاحب کشاف نے ان سب مسلک کو ضعیف سمجھ کر حتیٰ کہ **مُمِيْتُكَ** کو بھی جیسا کہ **قيل مميتک فی وقتک** [1] سے تمریض اور تضعیف اس کی ظاہر ہے۔ ایک اور راستہ پکڑا۔ وہ کیا **اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ** کنایہ ہے **عَاصِمُكَ** سے یعنی میں تمہارا بچانے والا ہوں شر یہود سے۔ استیفاء اجل اور عصمت لازم ہیں توفی کو بعد ملاحظہ حصر کے جو مستفاد ہے ضمیر متکلم کی مسند الیہ اور مشتق کے مسند بنانے سے یعنی جب اللہ ہی ان کا مارنے والا ہو بغیر مداخلت ایذاء یہود کے تو ضرور ہی معنی استیفاء اجل اور عصمت کا متحقق ہوگا۔ اس معنی کنائی کی تشریح میں صاحب کشاف نے **ومعناه انی عاصمک** [1] ذکر کیا۔ اب قول اس کا **ومميتک حتف انفک**۔ یہ معنی کنائی کے ضمن میں داخل ہوا نہ یہ کہ مراد **مُتَوَفِّيْكَ** سے **مُمِيْتُكَ** ہے۔ اس کو تو خود صاحب کشاف **و قيل مميتک فی وقتک** [1] سے تضعیف کر رہا ہے۔ اور وجہ تضعیف کی یہ ہے کہ استیفاء اجل بسبب مشتمل ہونے اس کے تاخیر اجل پر منافی حیات اور زندگی بسر کرنی مسیح کی آسمان پر نہیں بخلاف ممیتک کے کہ بغیر انضمام قیود خارجہ عن المدلول کے یعنی الآن اور بعد النزول دفع منافاۃ میں مفید نہ ہوگا۔

---

[1] اس تحقیق سے غرض ہماری بیان کرنا مقصود صاحب کشاف کا ہے اور غلطی مرزا صاحب کی۔ نہ کہ یہ مسلک مختار ہمارا ہے۔ ۱۲ منہ

سوال: اِنِّیْ مُتَوَفِّیکَ سے معنی مُمِیتُکَ بشہادت محاورہ قرآنیہ کیوں نہ لیا جائے اور ایسا ہی فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ سے رفع روحانی جیسا کہ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً اور آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ الخ کا معنی جو تفسیروں میں لکھا ہے وہ بالکل غلط اور مستلزم وقوع کذب ہے کلام الٰہی میں۔ کیونکہ جب مفاد آیت یہ ٹھہرا کہ ہر ایک یہود بعد نزول مسیح اس کے ساتھ ایمان لاوے گا تو جو یہود قبل از نزول اس کے فوت ہو چکے ہیں وہ تو اس آیت کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر استغراق آیت کا جو وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ سے مستفاد ہے صحیح نہ ہوا۔ معنی صحیح اس کا یہ ہے کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر جو ہم نے اہل کتاب کے خیال کی نسبت ظاہر کیا ہے ایمان نہ رکھتا ہو۔ قَبْلَ مَوْتِهٖ یعنی قبل اس کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لائے جو مسیح اپنی طبعی موت سے مرگیا۔ یہ معنی مرزا صاحب نے ازالہ اوہام کے ص ۳۷۲ پر بیان کیا ہے اور اس کے بعد اس معنی کا اسی وقت الہام ہونا حلفاً بیان کیا ہے اور بڑے شکر اور محامد اس کے ہونے پر کیے ہیں۔ اور علماء زمان کو ''نادان مولویوں'' کا لقب دے کر ایسے راز سربستہ سے ان کا محروم ہونا ذکر فرمایا ہے انہیں صفحات پر ناظرین ملاحظہ کر لیویں۔

جواب: پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ نص بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کی قطعی طور پر دلیل صارف ہے اور ارادہ کرنے سے معنی موت کے مُتَوَفِّیکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ سے۔ ہاں صرف **متوفیک** سے بعد التزام قول بہ تقدیم وتاخیر فی الآیۃ کے لے سکتے ہیں۔ اور یہ مانع ہونا اس نص کا ارادہ معنی مذکور سے بوجہ ثلثہ ثابت ہے۔

وجہ اوّل: اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق اس نص کے جس میں احتمال اسرائیلی ہونے کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اہل کتاب قبل از واقعہ صلیب مرفوع ہونے مسیح کے قائل ہی

نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی رائے سے بھی نہیں فرماتے کیونکہ یہ مضمون اثر مذکورہ بالا محض نقلی ہے۔ بعد دفع احتمالات یہی ثابت ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔

وجہ دوئم: مستفاد ہے **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** سے۔ کیونکہ بعد تعیین معنی (صلیب پر نہ چڑھانے کے) **مَا صَلَبُوْهُ** سے بشہادت لغت جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں صورت تشبیہ یا التباس کی یہی ٹھہری کہ مصلوب پر مسیح کا حلیہ ڈالا گیا۔ نہ یہ کہ التباس فی القتل ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسیح کو بکلیۂ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایذا یہود سے بچا کر اپنی طرف اُٹھالیا۔ یعنی آسمان پر۔

تیسری وجہ: ہونا آیۃ **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ** [1] از قبیل قصر قلب من جملہ اقسام قصر الموصوف علی الصفۃ کے اور تنافی الوصفین اگرچہ بناء بر تحقیق شرط نہیں قصر قلب کے لیے۔ مگر احد الوصفین کا ملزوم نہ ہونا دوسری وصف کے لیے بالاتفاق ضروری ہے تاکہ مخاطب کا اعتقاد برعکس **ما یذکرہ المتکلم** کے متصور ہو۔ اور ظاہر ہے کہ مانحن فیہ میں رفع عزت لازم ہے موت بالقتل کو درصورت ہونے مقتول کے من جملہ عباد مقربین کے۔ اور ارادہ رفع روح کا موت طبعی کے طور پر مستلزم ہے جمع کو بین الحقیقۃ والمجاز حسب زعم آپ کے۔ کیونکہ آپ درصورت ہونے کلمہ اِلیٰ کے صلہ رفع کا اس ترکیب کو مجاز فی التقرب ٹھہراتے ہیں اور

---

[1] اور مخاطب بکلام قصری چونکہ اعتقاد اس کا صواب اور خطاء سے ملا ہوا ہوتا ہے اور غرض متکلم کی اثبات صواب اور نفی خطاء کی ہوتی ہے اور بالخصوص بطریق العطف وجوبا نص علی المثبت والمنفی کا مقتضی ہوتا ہے۔ بناءً علیہ آیۃ میں بر تقدیر ارادہ موت طبعی کے تصریح بحیٰوۃ مسیح بعد از واقعہ صلیب ضروری تھی۔ بعد ازاں ذکر موت طبعی چاہیے تھا یعنی یوں کہا جاتا **بَلْ بَقِیَ حَیًّا ثُمَّ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَرَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ**۔ والا فصاحت وبلاغت قرآن کریم جو اعلیٰ مرتبہ اعجاز کا اس میں خلل واقع ہوگا۔ یہاں تک کلام بر تقدیر عاطفہ ہونے کلمۂ بَل کے ہے جیسا کہ مذہب صحیح ہے اور اگر اس کو حروف ابتداء کا کہا جائے تو بھی ارادہ معنی موت طبعی کا مُخل ہوگا فصاحت بلاغت میں کیونکہ متکلم پر وقت تمیز خطاء وصواب اور دھوکا نکالنے کی تصریح بہ مثبت ومنفی ضروری ہے۔ ۱۲ منہ

نیز مقتضی ہے وقوع کذب کو آیۃ مذکورہ میں (العیاذ باللہ) کیونکہ محکی عنہ منتفی ہے بعد ملاحظہ ماضویت اضافیہ[1] کے۔

اس تقریر سے ظاہر ہوا بطلان قول بعض نحاۃ کا جو قائل ہیں بانحصار کلمۂ **بَلْ** کے معنی انتقال ہی میں جس وقت مابعد اس کے جملہ ہو کیونکہ آیۃ مذکور منجملہ افراد قصر قلب سے ہے جس میں متکلم کو مزعوم مخاطب کا ابطال مقصود ہوتا ہے۔ آپ جو بڑے زور شور سے شہادت نظائر لفظ **توفّی** سے ارادہ معنی موت پر پیش فرماتے ہیں بعد مانع ہونے نص مذکور کے ارادہ مذکور سے مسموع نہیں ہوسکتی۔ بلکہ میں عرض کرتا ہوں کہ بالفرض اگر نص مذکور مانع نہ بھی ہو، تاہم شہادت مذکور علت موجبہ ارادہ معنی موت کے لیے **مُتَوَفِّيکَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي** سے نہیں ہوسکتی۔ ایک لفظ ہزار جگہ اگر ایک ہی معنی میں مستعمل ہو۔ تو بھی بعد قیام قرینہ صارفہ کے اس سے اور معنی مغائر معنی اوّل کے لے سکتے ہیں۔ وہ قرینہ اگرچہ حدیث ہی ہو اخبار احاد میں سے یا کوئی اور۔ ذرا غور سے ملاحظہ کیجئے کہ ہر جگہ قرآن کریم میں بعل کا معنی زوج ہے مگر **اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا** میں بعل سے مراد بت ہے۔ اور ہر جگہ قرآن کریم میں اَسَف کا معنی حزن ہے۔ مگر **فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا** کا معنی **فَلَمَّا اَغْضَبُوْنَا** یعنی غصہ دلایا انہوں نے ہم کو۔ اور ہر جگہ قرآن کریم میں مِصْبَاح سے مراد کوکب ہے مگر مصباح جو سورۂ نور میں ہے اس سے مراد چراغ ہے۔ ہر جگہ قرآن کریم میں صلوٰۃ سے مراد عبادت یا رحمت ہے مگر **بِيَعٌ وَّ صَلَوَاتٌ وَّ مَسَاجِدُ** میں **صَلَوَات** سے مراد اماکن یعنی مقامات۔ ہر جگہ قرآن کریم میں کنز سے مراد مال ہے۔ مگر کنز جو سورۂ کہف میں ہے اس سے مراد صحیفہ[2] علم کا ہے۔ ہر

---

[1] یعنی بہ نسبت ماقبل بَلْ کے اور ماضویت **بالاضافة الیٰ زمان النزول** مخل ہے فصاحت میں۔ ۱۲ منہ

[2] تفسیر جامع البیان میں آیت **وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا** کی تفسیر میں بعض سلف سے کہ کنز علم یعنی علم کا خزانہ منقول ہے۔ فیض عفی عنہ

جگہ قرآن کریم میں قنوت سے مراد اطاعت ہے مگر **كُلٌّ لَّهُ قَانِتُوْنَ** کا معنی اقرار کرنے والے ہے۔ ہر جگہ بروج سے مراد کواکب ہیں مگر **فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ** میں بروج سے مراد محل پختہ ہے۔ نظائر اس کے اور بھی بکثرت موجود ہیں۔ تفسیر اتقان وغیرہ تفاسیر سے ملاحظہ فرمائیں۔ علی ہذا القیاس اکثر جگہ **توفی** کا معنی قرآن کریم میں موت یا نیند ہے۔ مگر **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** میں **قبضتنی یا رفعتنی یا اخذ تنی وافیاً** مراد ہے۔ بقرینہ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کے اور ایسا ہی **مُتَوَفِّيْكَ** سے بر تقدیر عدم تقدیم و تاخیر کے۔ بڑا تعجب ہے کہ مانحن فیہ میں احادیث متواترہ بھی نہیں سنی جاتیں۔ ہم تو بحسب مطالعہ آپ کے نص قرآنی محکم فی المراد اور احادیث صحیحہ عرفاً کشفاً جن کا کشف آپ کے نزدیک مسلّم ہے یعنی محی الدین بن عربی اور جلال الدین جن کے اقوال سے الہام کے حجت ہونے کے بارہ میں آپ استشہاد پکڑتے ہیں یہ سب پیش کرتے ہیں۔ مگر آپ بھی عیسیٰ بن مریم کے لفظ سے معنی مثیل کا مراد لینا بمحاورہ قرآن کریم کے نہ سہی کسی حدیث صحیح سے بغیر مانحن فیہ کے گو کہ غریب ہی ہو دکھلائیں۔ یہ بھی نہ سہی کسی ثقہ یا غیر ثقہ کی کلام میں بغیر تعذر ارادہ معنی حقیقی کے نشان دیویں۔ میں جانتا ہوں آپ جلدی سے **لکل عیسیٰ دجّال** پڑھ دیں گے مگر یہاں تو کل استغراقی وصف کا منتزع من الشخص کا خواہاں ہے یعنی **لکل محقٍ مبطل** باقی اشعار وغیرہ میں جو اطلاق عیسیٰ کا طبیب حاذق یا معشوق وغیرہ پر آیا ہے۔ بعد تعذر ارادہ معنی حقیقی کے ہے۔ مانحن فیہ آپ کے نزدیک بڑی قوی دلیل تعذر ارادہ معنی حقیقی کی **مُتَوَفِّيْكَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** تھی وہ بھی نہ رہی۔ لفظ رفع اور نزول کی بھی یہی کیفیت ہے جو سن چکے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے جو احادیث نزول کی بیان کی ہیں تفسیر در منثور میں ملاحظہ فرمائیں۔ اور ماقبل میں بھی گزر چکے ہیں۔

اب حدیث شیخ اکبر کی جس میں تاویل بہ مثیل عیسیٰ ممکن نہیں ہے بیان کی جاتی

ہیں۔ بگوش دل بشنو، اگر دل داری۔

قال الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر فی الباب السادس والثلثین من الفتوحات بعد سوق الاسناد مرفوعا عن ابن عمر قال کتب عمر ابن الخطاب الی سعد بن ابی وقاص وھو بالقادسیة ان وجه نضلة بن معاویة الانصاری الی حلوان العراق فلیغر علی نواحیها فوجهه مع جماعة فاصابوا غنیمةً وسبیًا وانقلبوا یسوقون الغنیمة والسبی حتی زھقت بھم العصر وکادت الشمس تغرب فالجاء نضلة السبی والغنیمة الی سفح الجبل ثم قام فاذّن فقال الله اکبر الله اکبر فقال مجیب من الجبل کبرت کبیرا یا نضلة ثم قال اشھدان لا اله الا الله فقال ھی کلمة الاخلاص یا نضلة ثم قال اشھد ان محمدا رسول الله فقال ھذا ھو الذی بشرنا به عیسٰی بن مریم وانه علی راس امته تقوم الساعة ثم قال حی علی الصلوٰة فقال طوبیٰ لمن مشیٰ الیها و واظب علیها ثم قال حیّ علی الفلاح قال قد افلح من اجاب محمّدا ﷺ وھو البقاء لامته ثم قال الله اکبر الله اکبر قال کبرت کبیراً ثم قال لا اله الاالله قال اخلصت الا خلاص یا نضلة حرّم الله جسدک علی النار قال فلمّا فرغ من اذانه قمنا فقلنا من انت یرحمک الله ملک ام ساکن من الجن ام من عبادالله اسمعتنا صوتک فارنا شخصک فانّا وفد الله ووفد رسول الله ﷺ وو فد عمر بن الخطاب قال فانفلق الجبل عن شخص ھامته کالرّحی ابیض الرأس واللحیة علیه طمران من صوف فقال السّلام علیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ، فقلنا وعلیک السّلام ورحمة الله و برکاتهٗ من انت یرحمک الله قال انا زریب بن بر

تملا وصی العبد الصالح عیسیٰ بن مریم اسکننی بھذا الجبل ودعالی
بطول البقاء الی نزوله من السماء فیقتل الخنزیر ویکسر الصّلیب ویتبرأ
مما نحلته النصاریٰ ثم قال ما فعل بنبیّ الله ﷺ قلنا قبض فبکیٰ بکاءً
طویلاً حتّی خضبت لحیتهُ بالدموع ثم قال فمن قام فیکم بعده قلنا ابوبکر
قال ما فعل به قلنا قبض قال فمن قام فیکم بعدهُ قلنا عمر قال اذاً فاتنی لقاء
محمد فاقرء وا عمر منی السّلام وقولوا لهٗ یا عمر سّدد وقارب فقد دنا
الامر واخبروه بھذا لخصال التی اخبر کم بھا وقولوا یا عمر اذا ظھرت
ھذه الخصال فی امة محمد علیہ السلام فالھرب الھرب اذ استغنی الرجال
بالرجال والنساء بالنساء وانتصبوا فی غیر منا صبھم وانتموا الی غیر
موالیھم ولم یرحم کبیر ھم صغیر ھم ولم یو قر صغیرھم کبیرھم وترک
الامر بالمعروف فلم یؤمر به وترک النھی عن المنکر فلم یُنه عنه وتعلم
عالمھم العلم لیجلب به الد نا نیر والد راھم وکان المطر قیظا و طولوا
المنابرو فضضوا لمصاحف و زخر فوا المساجد واظھروا الرشی وشیّدوا
البناء واتبعوا الھویٰ وباعوا الدین بالدنیا واستسفحوا لدماء وانقطعت
الارحام وبیع الحکم واکل الربا وصار التسلط فخر ا والغنیٰ عزّا وخرج
الرجل من بیته وقام الیه من ھو خیر منه ورکبت النساء السروج قال ثم
غاب عنّا فکتب بذالک نضلة الٰی سعدٍ وکتب سعدّ الٰی عمر فکتب عمر
الیه اذھب انت ومن معک من المھاجرین والانصار حتی تنزل بھذا لجبل
فاذالقیته فاقرٔه منی السلام فان رسول الله ﷺ قال ان بعض اوصیاء عیسٰی
بن مریم نزل بھذا لجبل بناحیة العراق فنزل سعد فی اربعة الاَفٍ من

المهاجرين والانصار حتى نزل بالجبل وبقى اربعين يوما ينادى بالاذان فى وقت كل صلوٰة فلم يجده.

ترجمہ: فرمایا ابن عمر نے کہ میرے والد عمر بن الخطاب نے سعد بن وقاص کی طرف لکھا کہ نضلہ انصاری کو حلوان عراق کی جانب روانہ کرو تاکہ وہاں جا کر مال غنیمت اکٹھا کریں۔ پس روانہ کیا سعد نے نضلہ انصاری کو جماعت مجاہدین کے ساتھ ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر بہت مال غنیمت کا حاصل کیا اور ان سب کو لے کر واپس ہوئے تو آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا۔ پس نضلہ انصاری نے گھبرا کر ان سب کو پہاڑ کے کنارے ٹھہرایا اور خود کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کی۔ جب **الله اكبر الله اكبر** کہا تو پہاڑ کے اندر سے ایک مجیب نے جواب دیا کہ اے نضلہ تو نے بہت خدا کی بڑائی کی۔ پھر نضلہ نے **اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ** کہا تو اسی مجیب نے جواب میں کہا کہ اے نضلہ یہ اخلاص کا کلمہ ہے۔ اور جس وقت نضلہ نے **اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ** کہا تو اسی شخص نے جواب دیا کہ یہ نام پاک اس ذات کا ہے جس کی بشارت عیسیٰ بن مریم نے ہم کو دی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اسی نبی کی امت کے اخیر میں قیامت قائم ہوگی۔ پھر نضلہ نے **حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة** کہا تو مجیب نے فرمایا کہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے ہمیشہ نماز ادا کی۔ پھر جس وقت نضلہ نے **حَيَّ عَلَى الْفَلَاح** کہا تو مجیب نے جواب دیا کہ جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس شخص نے نجات پائی۔ پھر جب نضلہ نے **اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ** کہا تو وہی پہلا جواب مجیب نے دیا۔ جب نضلہ نے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ** پر اذان ختم کی تو مجیب نے فرمایا اے نضلہ تم نے اخلاص کو پورا کیا۔ تمہارے بدن کو خداوند کریم نے آگ پر حرام کیا۔ جب نضلہ اذان سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام نے کھڑے ہو کر دریافت کرنا شروع کیا کہ اے صاحب آپ کون ہیں۔ فرشتہ یا جن یا انسان۔ جیسے اپنی آواز آپ نے ہم کو سنائی ہے اسی

طرح اپنے آپ کو دکھایئے۔ اس واسطے کہ ہم خدا اور اس کے رسول اور نائب رسول عمر بن الخطاب کی جماعت ہیں۔ پس پہاڑ پھٹا۔ اور ایک شخص باہر نکل آئے (جن کا سر مبارک بہت بڑا چکی کے برابر تھا۔ اور سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے اور ان پر دو پرانے کپڑے صوف کے تھے) اور **السّلام علیکم و رحمة الله و برکاتهٗ** کہا۔ ہم نے **وعلیکم السّلام ورحمة الله و برکاتهٗ** کہہ کر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ فرمایا کہ میں زریب بن برتملا وصی عیسٰی بن مریم ہوں۔ مجھ کو عیسٰی علیہ السلام نے اس پہاڑ میں ٹھہرایا ہے اور اپنے **نزول من السّماء** تک میری درازی عمر کے لیے دعا فرمائی۔ جب وہ اتریں گے تو خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے اور بیزار ہوں گے نصاریٰ کے اختراع سے۔ پھر دریافت کیا کہ وہ نبی صادق بالفعل کس حال میں ہیں۔ ہم نے عرض کی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اس وقت بہت روئے۔ یہاں تک کہ آنسوؤں سے تمام داڑھی بھیگ گئی۔ پھر پوچھا ان کے بعد کون تم میں خلیفہ ہوا۔ ہم نے جواب دیا کہ ابوبکر۔ پھر فرمایا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ وہ وفات پا گئے۔ فرمایا کہ ان کے بعد کون تم میں خلیفہ ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ پھر فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو مجھے میسر نہ ہوئی۔ پس تم لوگ میرا اسلام عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچائیو۔ اور کہیو کہ اے عمر عدل وانصاف کر اس واسطے کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ اور یہ واقعات جو میں تم سے بیان کروں گا ان سے عمر رضی اللہ عنہ کو خبردار کیجیو اور کہیو کہ اے عمر رضی اللہ عنہ جس وقت یہ خصلتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ظاہر ہو جائیں تو کنارہ کشی کے سوا مفر نہیں۔ جس وقت مرد مردوں سے بے پرواہ ہوں اور عورت عورتوں سے اور مقرر ہوں گے اپنے منصب[1] کے خلاف۔ اور ادنیٰ نسب والے اعلیٰ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں اور بڑے چھوٹوں پر رحم نہ کریں۔ اور چھوٹے بڑوں کی توقیر وعزت چھوڑ دیں۔ اور امر

[1] یعنی لوگ جس منصب کے لائق نہ ہوں گے اس پر مسلط ہوں گے۔ ۱۲

بالمعروف اس طرح متروک ہو جائے کہ کوئی اس کے ساتھ مامور نہ کیا جائے۔ اور نہی عن المنکر کو ایسے چھوڑ دیں کہ کسی کو اس سے نہ روکیں۔ اور ان کے عالم علم کی تعلیم بغرض حصولِ دنیا کریں اور گرم بارش ہو۔ یعنی وہ بارش جو فائدہ نہ بخشے یا بالکل ہی بند ہو جائے۔ اور بڑے بڑے منبر بنائیں اور قرآن مجید کو نقرئی وطلائی کریں۔ اور مسجدوں کی از حد زینت کریں۔ پھیلائیں رشوت اور پختہ پختہ مکانات بنائیں اور خواہشات کی اتباع کریں۔ اور دین کو دنیا کے بدلے بیچیں اور خونریزیاں کریں۔ اور صلہ رحمی منقطع ہو جائے اور حکم[1] فروخت کیا جائے۔ اور بیاج (سود) کھایا جائے۔ اور حکومت فخر ہو جائے اور دولتمندی عزت بن جائے۔ اور ادنیٰ شخص کی تعظیم اعلیٰ کرے۔ اور عورتیں زین پر سوار ہوں۔ پھر ہم سے غائب ہو گئے۔ پس اس کو نضلہ نے سعد کی طرف لکھا اور سعد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد کو لکھا کہ تم اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر اس پہاڑ کے پاس اترو جس وقت ان سے ملو میرا اسلام ان کو پہنچائیو۔ اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعض وصی پہاڑوں میں اترے ہوئے ہیں۔ پس سعد چار ہزار مہاجرین اور انصار کے ہمراہ اس پہاڑ کے قریب اترے اور چالیس (۴۰) روز تک ہر نماز کے وقت اذان کہتے رہے مگر ملاقات نہ ہوئی۔ اس کے بعد حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگرچہ ابن ازہر کی وجہ سے اسناد حدیث میں محدثین کے نزدیک کلام ہے۔ مگر ہم صاحب کشف والوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ اور پھر شیخ نے باب ۳۶۰ میں حدیث نواس بن سمعان کی ذکر فرمائی ہے جس میں **ینزل عیسیٰ بن مریم بالمنارۃ البیضاء شرقی دمشق** الخ اور جا

---

[1] یہ لفظ اگر ''ح'' کی زبر سے پڑھا جائے تو حَکم بمعنی ثالث اور حاکم ہوگا۔ جس کا مطلب یہ کہ فیصلہ کرنے والے کسی لالچ اور دباؤ میں آ کر انصاف چھوڑ دیں گے اور بک جائیں گے اور اگر ''ح'' پر پیش ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ فیصلوں کو دنیا کے عوض خریدا جائے گا۔ پس جس نے پیسہ دیا اس نے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ فیض عفی عنہ

بجا شیخ قدس سرہ فتوحات مکیہ میں نزول عیسیٰ بن مریم کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور اسی فتوحات میں شیخ فرماتے ہیں کہ میں ان مضامین کی تحریر اور بیان میں بالکل معرّی اور خالی ہوں۔ خود خداوند کریم ان کا بیان کرنے والا ہے۔ و نیز فرماتے ہیں کہ **ھذا ما حدلی رسول اللہ ﷺ**.

اب ہم بعد پیش کرنے حدیث کشفی محی الدین بن عربی صاحب کی جو باسناد اوپر لکھی گئی ہے معروض کر سکتے ہیں کہ آپ زریب بن برتملا[1] اپنے حواری کو جس کو بشہادت حدیث مذکور آپ نے کوہ عراق میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ آپ کے نزول من السماء تک ہمیں دکھلائیں۔ یا شب معراج میں قیامت کے بارہ میں جو مذاکرہ آپ کا باقی انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم صلوات اللہ وسلامہ سے ہوا ہے سنائیں۔ اس کے بعد ہم ایک اور حدیث زبدۃ العارفین رئیس الکاشفین حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی پیش کرتے ہیں۔ **وقال ابن ابی حاتم حدثنا احمد بن عبدالرحمن حدثنا عبداللہ بن ابی جعفر عن ابیہ حدثنا الربیع بن انس عن الحسن انہ قال فی قولہ تعالیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یعنی وفاۃ المنام رفعہ اللہ فی منامۃ قال الحسن قال رسول اللہ ﷺ للیھود ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیمۃ.** فرمایا ابن ابی حاتم نے حدیث بیان کی مجھ کو باپ میرے نے احمد سے انہوں نے عبداللہ بن جعفر سے، جعفر نے اپنے باپ سے انہوں نے ربیع سے ربیع نے حسن سے فرمایا حسن نے بیچ قول اللہ تعالیٰ کے **اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** اُٹھایا اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو نیند میں۔ اور کہا حسن نے فرمایا رسول کریم ﷺ نے یہود کو بے شک عیسیٰ فوت نہیں ہوئے وہ لوٹیں گے تمہاری طرف قبل قیامت کے اور اخراج کیا اس حدیث کو ابن جریر نے بھی۔ (تفسیر ابن کثیر اور در منثور)

---

[1] یہ خطاب قادیانی کو ہے اگر آپ ہی مسیح موعود ہیں تو پھر یہ باتیں واضح کریں۔ فیض عفی عنہ

یونس بن عبید جو منجملہ اصحاب حسن بصری رضی اللہ عنہ میں سے ہے کہتا ہے میں نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں باوجود اس کے کہ آپ نے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ **انی احدث الحدیث عن علی و ما ترکت اسم علی فی الاسناد الا لملا حظة زمان الحجاج** یعنی میں بواسطہ علی کرم اللہ وجہہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہوں مگر نام علی کرم اللہ وجہہ کا بلحاظ زمانہ حجاج کے ترک کر دیتا ہوں۔

مولانا علی القاری غفرہ اللہ الباری شرح نخبہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ **قال جمهور العلماء المرسل حجة مطلقًا بناءً ا علی الظاهر وحسن الظن به انه مایروی حدیثه الاعن الصحابی وانما حذفه بسبب من الاسباب کما اذا کان یروی الحدیث عن جماعة من الصحابة لما ذکر عن الحسن البصری انه قال انما اطلقه اذا اسمعه من السبعین من الصحابة وکان قد یحذف اسم علیٍّ ایضًا بالخصوص لخوف الفتنة** اور شیخ الشیوخ محدثین اور صوفیہ کے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ عوارف کے چھٹے باب میں فرماتے ہیں۔ **قال الحسن البصری لقد ادرکت سبعین بدریًّا کان لباسهم الصوف.**

سوال: اگر کہا جائے کہ قتادہ کہتا ہے **واللہ ما حدثنا الحسن عن بدری مشافهة وما حدثنا سعید بن المسیب عن بدری مشافهة الاعن سعد بن مالک.** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری اور سعید بن المسیب دونوں کی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ملاقات نہیں ہوئی کیونکہ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بدری ہیں۔

جواب: اوّلاً یونس بن عبید اور ملا علی قاری کا قول جو ابھی لکھ چکا ہوں مثبت ملاقات حسن بصری کی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ ہے اور نہ روایت کرنا حسن بصری کا بدری سے قتادہ کے

سامنے اس کو ثابت نہیں کرتا کہ حسن بصری نے کسی کے سامنے روایت بدری سے نہ کی ہو۔ اور حسن بصری کی ملاقات کسی بدری سے نہ ہو۔ کیونکہ قتادہ کہتا ہے **ما حدثنا الحسن** یعنی ہمارے سامنے حسن نے بدری سے روایت بطریق مشافہہ نہیں کی۔ ہاں اگر قتادہ یوں فرماتے **قال الحسن ما حدثنا بدری** یعنی حسن بصری نے کہا ہے کہ ہمارے سامنے کسی بدری نے حدیث بیان نہیں کی۔ یا قتادہ یوں کہتے کہ حسن بصری نے سب احادیث جوان کو اصحاب کرام یا تابعین سے پہنچی تھیں بتمامہا جمیع طریق سے میرے سامنے بیان کیں مگر کسی بدری سے روایت نہیں کی تب البتہ ثبوت عدم ملاقات ہوسکتا تھا۔

اور ثانیاً قتادہ کے قول سے فقط نفی حدثنا کی لازم آتی ہے۔ جو اخص ہے سمعت سے (کرمانی شرح صحیح بخاری) اور قاعدہ ہے کہ سلب اخص کی مفید سلب اعم کو نہیں ہوتی۔ چہ جائے کہ مفید ہو سلب اعم الاعم یعنی ملاقات کو۔ ہرگز نہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اور ملاقات زبیر بن العوام سے بھی ثابت ہے جن کے بدری ہونے میں کچھ شک نہیں۔ قوام المحدثین جمال الدین مزنی تہذیب الکمال میں کہتے ہیں۔ **وھو اول من سل سیفًا فی سبیل اللہ۔ روی عن النبی ﷺ روی عنه الاحنف بن قیس والحسن البصری.** اور حافظ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ حافظ زین الدین عراقی سے نقل فرماتے ہیں **قال الحسن رأیت الزبیر بایع علیا.** اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ اپنی مسند میں فرماتے ہیں۔ **حدثنا عبداللہ قال حدثنی ابی قال حدثناعفان قال حدثنا المبارک قال حدثنا الحسن قال جاء رجل الی زبیر بن العوام** رضی اللہ عنہ۔

جمال الدین مزنی تہذیب میں فرماتے ہیں۔ **علی ابن ابی طالب شھد بدرا و للشاھد کلھا مع رسول اللہ ﷺ ما خلا تبوک روی عنه ابراھیم ابن عبداللہ بن حسین مرسلا و ابراھیم بن عبداللہ بن عبدالقاری کذالک**

وابراهیم ابن محمد ولد علی ابن ابی طالب والاحنف بن قیس التمیمی وابنه الحسن علی بن ابی طالب والحسن البصری وابنه الحسین بن علی بن ابی طالب وسعید بن المسیب اس سے تعارض درمیان قول قتادہ کے کہ ماحدثنا سعید بن المسیب رض اور عبارت قدوۃ المحدثین ابن الاثیر جامع الاصول کی اسماء الرجال میں کہ سعید بن المسیب روی عن علی کی بھی مرتفع ہوگیا۔ اس بحث کو زیادہ طول بباعث ملالت ناظرین کے نہیں دیتا ہوں۔ کسی صاحب نے اگر کلام کی بعد ازاں لکھا جائے گا[1]۔

الغرض حدیث مذکور جو حسن بصری سے مروی ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے باسناد صحیح ذکر کی ہے۔ یعنی قال رسول الله ﷺ للیهود ان عیسٰی لم یمت وانّه راجع الیکم بوضاحت تامہ نص بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی اور ایسا ہی وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ رع اور وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کی تفسیر فرمارہی ہے۔ ناظرین کو بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ عقیدہ اجماعیہ نصوص قرآنیہ سے علی حسب تفسیر قرآن بالقرآن اور مطابق تفسیر القرآن بالاحادیث الصحیحہ ثابت ہے وَمَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ اور وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ کا مفاد حسب تقریر جناب مرزا صاحب یہ نکلا کہ ہر ایک اہل کتاب کو ایمان بہ بیان مذکورہ بالا حاصل ہے یعنی ہر ایک جانتا ہے کہ ہم عیسٰی علیہ السلام کے مقتول ہونے میں مشکک ہیں۔ اس تقریر میں (جانتا ہے اور ایمان رکھتا ہے) ترجمہ لَيُؤْمِنَنَّ کا ہوا۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ مضارع مؤکد بہ لام اور نون تاکید کے (ثقیلہ ہو یا خفیفہ) محاورہ قرآن کریم میں اَلْحَمْدُ سے وَالنَّاسِ تک معنی استقبال میں ہی مستعمل ہے۔ ایک جگہ بھی بمعنی حال یا ماضی کے نہیں آیا۔ نظائر لَيُؤْمِنَنَّ کے قرآن کریم سے ملاحظہ

[1] حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ فخر الحسن میں ثابت کیا ہے کہ حضرت حسن بصری کی ملاقات حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی۔ فیض عفی عنہ

فرماویں۔ لَتُؤمِنَنَّ بِهٖ. وَلَتَنصُرُنَّهٗ لَاتَّخِذَنَّ. وَلَاُضِلَّنَّهُمْ. وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ. لَاَقْعُدَنَّ. لَاٰتِيَنَّ. لَاَمْلَئَنَّ. لَنَعُوْدَنَّ. لَنُخْرِجَنَّکَ. لَاُ قَطِّعَنَّ. لَاُ صَلِّبَنَّ. لَنُؤمِنَنَّ لَکَ. وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَکَ. لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. لَيُسْجَنَنَّ. وَلَيَكُوْنًا. لَيَسْجُنُنَّهٗ. لَاَزِيْدَنَّكُمْ. وَلَنَصْبِرَنَّ. وَلَنُسْكِنَنَّكُمْ. لَاُ زَيِّنَنَّ. لَاُ غْوِيَنَّ. لَتُسْئَلُنَّ. وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ. فَلَنُحْيِيَنَّهٗ. وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ. لَاَحْتَنِكَنَّ. لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ. لَاَجِدَنَّ. لَاَرْجُمَنَّکَ. لَنَحْشُرَنَّهُمْ. لَنُحْضِرَنَّهُمْ. لَنَنْزِعَنَّ. وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ. وَلَتَعْلَمُنَّ. لَاَ كِيْدَنَّ. لَيُدْخِلَنَّهُمْ. لَاَجْعَلَنَّکَ. لَتَكُوْنَنَّ. لَاُ عَذِّبَنَّهٗ. لَاَذْبَحَنَّهٗ. لَيَاتِيَنِّيْ. لَنُنَجِّيَنَّهٗ. لَيَاْتِيَنَّهُمْ. لَيَقُوْلُنَّ. لَيَقُوْلَنَّ. لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ. وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ. لَنَسْفَعًا. آپ ایک جگہ بھی قرآن کریم سے نہ سہی کسی اہل لسان کے کلام میں ہی دکھلائیں کہ مضارع مؤکد بہ لام ونون ثقیلہ یا خفیفہ معنی حال یا ماضی میں مستعمل ہو۔ دوسرا **قَبْلَ مَوْتِهٖ** کا جو آپ نے معنی کیا ہے کسی جگہ قرآن کریم میں قبل مضاف اور موتہٖ مضاف الیہ کے مابین لفظ **اَنْ يُّؤْمِنُوْا** یا لفظ ایمان کا مقدر مراد ہو۔ اس کی نظیر بھی دکھلائیں۔ کیونکہ آپ محاورۂ قرآنیہ پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اب اس مقام پر اتباع ابن عباس اور استشہاد حدیث صحیح بخاری کو آپ نے بالائے طاق رکھ دیا۔ یہ تقریر مرزا صاحب کی چونکہ الہامی ہے۔ لہٰذا مؤلف رسالہ اعلام الناس فاضل امروہی صاحب کو بھی بہ مجبوری تسلیم کرنی ہوگی۔ بحسب تقریر ہٰذا مرجع ضمیر **قَبْلَ مَوْتِهٖ** کا عیسیٰ بن مریم ہی ہے حصہ دوئم، **اعلام النّاس** صفحہ ۵ سطر ۱۰ فاضل امروہی صاحب کو تو جناب مرزا صاحب نے اور آپ کو محاورۂ قرآنیہ نے صاف جواب دے دیا۔

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ الخ میں **ثم قال ابوهريرة واقرء وا ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ**۔

ناظرین پر بطلان تقریر مرزا صاحب بشہادت قرآن کریم ظاہر ہوگیا ہوگا۔ معنی آیت کا حسب محاورہ قرآن مجید وہی ہے جو ابوہریرہ اور ابن عباس اور سب مفسرین نے لکھا ہے۔ اور دوسرا معنی جو ابن عباس سے مروی ہے غالبًا جملہ مباحثات یومیہ سے اور احتمال مرجوح نظم ذوالوجوہ کا ہے۔ لَيُؤْمِنَنَّ کے مستقبل ہونے میں تو سب متفق ہیں مگر ارجاع ضمائر میں اختلاف رکھتے ہیں۔ پہلے اس کے بشہادت سیاق ترجیح ابن کثیر کی اسی معنی کو ذکر کر چکا ہوں (کہ نہیں کوئی اہلِ کتاب میں سے مگر ضرور ہی ایمان لائے گا مضمون بالا کے ساتھ یعنی مسیح کا مرفوع ہونا آسمان کی طرف اور یہود کے ہاتھ میں مقتول اور مصلوب ہونا) قبل از موت اپنی کے۔ یعنی جتنے یہود نزول مسیح بن مریم کے وقت موجود ہوں گے وہ سب خلاف پہلے عقیدہ اپنے کے ایمان بہ مضمونِ بالا لاویں گے مطابق پیشین گوئی اس آیت کے ہم کو ایما ن ہے کہ فرقہ مرزائیہ بھی بروقت نزولِ مسیح کے اگر موجود رہا تو ضرور ہی اہلِ کتاب کی طرح ایمان بہ مضمونِ بالا لائے گا۔

باقی رہا اعتراض مرزا صاحب کا اس معنی پر جس معنی کو ابوہریرہ اور ابن عباس و غیرہ مفسرین نے کیا ہے کہ بنا بریں معنی کذب آیت میں لازم آئے گا۔ سنئے حضرت! آیت میں چونکہ اِلَّا بعد نفی کے واقع ہوا ہے یعنی اِنْ، وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں بمعنی نفی ہے اور اِلَّا اس کے بعد۔ تو بناء بر قاعدہ مسلّمہ کہ استثنا منفی سے مفید اثبات ہوتا ہے۔ آیت مذکورہ بھی کلام ایجابی بنی۔ اور ثبوت ایک شے کا دوسری چیز کے لیے چاہتا ہے کہ مثبت لہ یعنی وہ دوسری چیز پہلے موجود ہو۔ اب مطابق قاعدہ مسلّمہ آیت مذکور میں ایمان لانا انہیں اہل کتاب کے لیے ہوا جو اس وقت موجود ہوں گے۔ غیر موجودہ تو محکوم علیہ ہی نہیں۔ پھر کذب کہاں۔ ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۶۸ پر علماء کو مرزا صاحب بباعث لاحل سمجھنے اس اعتراض کے شرمندہ اور بے زبان لکھتے ہیں۔ اور بعد ازاں اس معنی ابوہریرہ اور ابن عباس اور مفسرین پر

بعلاوہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث صحیحہ بتلا رہی ہیں کہ مسیح کے دم سے اس کے منکر خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب کفر کی حالت میں مریں گے۔ تو یہ معنی بھی جو پیش کیے گئے ہیں۔ یہ بداہت فاسد ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ احادیث کا مفاد یہی ہے کہ **وتکون الملل ملة واحدة** یعنی مسیح کے زمانہ میں کوئی ملت بغیر اسلام کے نہ رہے گی۔ یہ جب ہی ہوتا ہے کہ کوئی منکر اور کافر نہ رہے۔ جو موجود رہیں سب ایمان لائیں۔ اس میں کونسا فساد ہے۔ مثلاً اگر کہا جائے۔ عرب شریف میں حجۃ الوداع کے بعد کوئی نہ رہا کہ مشرف با سلام نہ ہوا ہو۔ تو صحیح اور درست ہوگا اور صورت اس کی یہی وقوع میں آئی کہ منکر اور کافر مارے گئے اور موجودہ مشرف با سلام ہوئے۔ احادیث صحیحہ میں فقرہ **وتکون الملل کلّها ملة الاسلام** اور **ترتع الاسود مع الابل** اور **والنمار مع البقر** اور **والذئاب مع الغنم** اور **یلعب الصبیان بالحیات** وغیرہ وغیرہ جو قطعاً زمانہ حال میں متحقق نہیں۔ آپ کو مسیح موعود ہرگز نہیں بننے دیتے۔

سوال: فقرہ **و تکون الملل کلها ملة الاسلام** کو معارض ہے آیۃ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً. وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ** ○ چنانچہ فاضل امروہی صاحب اعلام الناس میں لکھتے ہیں۔ کیونکہ بحسب مقتضی اس آیت کے کسی زمانہ میں اتفاق ایک ملت پر ممکن نہیں۔

جواب: اس فقرہ حدیث صحیح کو بوجہ عدم قبول تاویل کے حسب مطلب اپنے کے آپ کاٹنا چاہتے ہیں۔ آیۃ میں استثناء **اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ** موجود ہے۔ اور استثناء زمانیات کا مستلزم ہے استثناء زمان کو۔ لہٰذا مسیح کے وقت سب کا مرحوم ہونا اور سب کا متفق ہونا ملّتِ واحدہ پر ممکن ہوگا۔ ضروری امر بمقتضے آیت کے صرف اتنا ہی ہے کہ اختلاف فی الجملہ اور جہنم کا بھر

دینا متحقق ہو۔ ہاں۔ اگر بعد **لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ** کے **اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ** نہ ہوتا تب بوجہ اختلاف دائمی کے زمانِ مسیح کا اتفاقی ہونا ناممکن تھا۔ تعجب ہے کہ بایں ہمہ انہیں احادیث بخاری سے آپ اپنا حلیہ ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ اور اتباع آپ کے فرماتے ہیں کہ حلیہ مرزا صاحب کا گندمی رنگ۔ سیدھے بال یعنی گھونگروالے نہیں۔ کندھوں کے قریب کانوں کی لَوْ کے نیچے تک لٹکے ہوئے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے۔ **اراني الليلة عند الكعبة في المنام فاذا رجل آدم كا حسن ما ترى من اُدم الرجال تضرب لمته بين منكبيه رجل الشعر** اِنْ اور اسی صحیح بخاری میں اس کے قریب ہی مسیح اوّل یعنی صاحبِ انجیل کا حلیہ یہ لکھا ہے۔ سرخ رنگ اور گھونگھریالے بال۔ چوڑا سینہ۔ **فامّا عِيسىٰ فاحمر جعد عريض الصدر**۔

ناظرین! یہ مغالطہ بھی قابل غور ہے۔ سرخی اور گندمی رنگت دونوں کا راوی ابن عباس ہی ہے۔ ایسا ہی گھونگروالے اور غیر گھونگروالے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مسیح ابن مریم کی رنگت سرخی مائل سفیدی تھی۔ ایسا ہی بالوں میں **جعودة غير تامه** یعنی تھوڑے گھونگر والے۔ ایسی صورت میں سرخ رنگ بھی کہنا درست ہے اور گندمی رنگ بھی۔ ایسا ہی گھونگر والے اور غیر گھونگروالے۔ بخاری میں جو **عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله** ﷺ **رأيت عيسٰى و موسٰى وابراهيم فاما عيسٰى فا حمر جعد عريض الصدر** آیا ہے۔ خطا بخاری کی ہے۔ **في الواقع عن مجاهد عن ابن عباس** اِنْ ہے۔ دیکھو اخراجات محمد بن کثیر اور اسحاق بن منصور سلولی اور ابن ابی زائدہ اور یحییٰ بن آدم وغیرہ کے۔ عینی بخاری اور مشکوٰۃ میں۔ **وعن ابن عباس عن النبي** ﷺ **رأيت ليلة اسرى بي موسىٰ رجلا آدم طوالا جعدا كانه من رجال شنؤة ورأيت عيسٰى رجلا مربوع الخلق الى الحمرة والبياض سبط الرأس** اِنْ **متفق عليه**۔ اس حدیث

میں ابن عباس ہی سرخی سفیدی سے ملے ہوئے اور غیر گھونگر والے بلحاظ نفی کمال کے بیان فرماتے ہیں۔ اب یہ احتمال (کہ عیسیٰ احمر اور عیسیٰ آدم یعنی گندم گوں اور) اس لیے نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت ﷺ بحسب دونوں روایت کے من جملہ واقعہ اسراء یعنی معراج کا ذکر فرماتے ہیں۔ جس کے پہلے بروایت مسلم **عن جابر ان رسول اللہ ﷺ قال عرض علیّ الانبیاء** مذکور ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسی عیسیٰ کا ذکر ہے جو سلک انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام میں مثل موسیٰ وابراھیم کے داخل ہے نہ ذکر خیر مثیل عیسیٰ یعنی مرزا صاحب کا۔ ورنہ آپ ﷺ فرماتے، دیکھا میں نے عیسیٰ اور مثیل ان کا (یعنی مرزا صاحب کو) اپنے اپنے حلیہ کے ساتھ۔ اس صورت میں ضروری تھا کہ بعد ذکر عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے مثیل عیسیٰ کو بلفظ عیسیٰ استعارہ کے طور پر ذکر نہ کیا جاتا۔ کیونکہ موجب خلط اور اشتباہ کا ہے بیان مقصود میں جو منافی ہے فصاحت اور بلاغت کے۔ باقی رہی روایت ابن **عمر ارانی اللیلۃ** رخ اور انہیں کی دوسری روایت بلفظ **بینا انا نائم** رخ بخاری۔ تقریر مذکور سے وجہ بیان گندم گونی اور ایسے ہی حلف اٹھانے ابن عمرؓ کی نفی حمرۃ پر یعنی حمرۃ کاملہ ناظرین کو معلوم ہوسکتی ہے۔ ابن عمر کا قول اس حدیث میں **لا واللہ** صاف دلالت کرتا ہے اوپر **وحدہ ما نسب الیہ الحمرۃ و الأدمۃ** ورنہ نفی کی کوئی وجہ نہیں بلکہ واجب تھا کہ فرماتے وہ سرخ رنگت والا اور شخص ہے اور گندم گوں اور۔ اس تقریر سے ناظرین معلوم کر چکے ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام بھی ایک ہی مسیح بن مریم کا ذکر فرماتے اور سنتے رہے ہیں۔ اور انہی عیسیٰ کو بہ نص محکم **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کے جیسا کہ بیان کر چکا ہوں مرفوع علی السماء اور انہی کو دوبارہ نازل من السماء مانتے رہے ہیں۔ پس وہم امروہی صاحب کا اعلام الناس میں مرزا صاحب کے حلیہ کے بارہ میں جو بخاری کی حدیث سے ثابت کرتے ہیں اس تطبیق سے دفع ہوگیا۔

سوال: اورنسب مرزا صاحب کا صحیح مسلم وغیرہ میں لکھا ہوا فرماتے ہیں ص ۵۴ **لو کان العلم معلقا بالثریا لنا له رجل من ابناء فارس.**

جواب: اوّلاً متفق علیہ شیخین کی حدیث میں اس طرح مذکور ہے۔ **قال فوضع النبی ﷺ یدہ علی سلمان ثم قال لو کان العلم** الخ یہ حدیث آپ نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرمائی۔ جس سے سلمان فارسی کا مصداق ہونا اس حدیث کا ثابت ہوتا ہے۔ اور ثانیاً اگر بلحاظ جمعیۃ لفظ رجال اور **ھؤلاءِ** کی جنس مراد ہو تو بھی اہلِ فارس ہی کو شامل ہوگی۔ جناب مرزا صاحب نے تو ایام الصلح میں اپنا سمرقندی الاصل ہونا ثابت کیا ہے۔ اور سمرقند خراساں سے ہے نہ کہ فارس سے۔ جن کو کچھ بھی مہارت جغرافیہ وغیرہ میں ہے ان پر ظاہر ہے۔ اور ثالثاً اگر مراد رجل میں **ھؤلاءِ** سے عجم لیے جائیں بلحاظ **اُمِّیّین** کے پھر بھی **لَوْ کَانَ الْعِلْمُ** میں **اَلْعِلْمُ معرّف باللّام** سے مراد علم مطابق بکتاب وسنت ہے نہ مخالف ان کے۔ اور رابعاً بعد فرض تسلیم تطابق مسئلہ مسیح میں حدیث مذکور سے فقط تحصیلِ علم۔ بہرصورت اس شخص کے لیے ثابت ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ شخص مسیح موعود ہو۔

سوال: پھر امروہی صاحب صفحہ مذکور میں من جملہ علامات موعود کے جو مرزا صاحب میں موجود ہیں ابطالِ دینِ نصرانیت اور اس کے آثار کا مٹا دینا ذکر کرتے ہیں۔

جواب: آج بتاریخ ۱۵ شعبان ۱۳۱۷ھ تک بالکلیہ دینِ نصرانیت کا مٹ جانا متحقق نہیں ہوا۔ اور مسیح موعود عرصہ سے آچکے ہیں۔

سوال: پھر امروہی صاحب موصوف ص ۵۵ پر اس حدیث کے ٹکڑے یعنی **لیدعون الی المال فلا یقبله احد** سے مراد مرزا صاحب کو ٹھہراتے ہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب نے بذریعہ اشتہارات کے روپیہ دینے کا وعدہ مخالفین اسلام کو فرمایا اور کسی نے قبول نہ کیا۔

جواب: حدیث میں تو **فلا یقبله احد** مذکور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح موعود کے

زمانہ میں چونکہ سب لوگ اہلِ اسلام ہی ہوں گے۔ اور سب کو رغبت عبادت کی بغایت درجہ ہوگی اور سب تارک دنیا اور زاہد ہوں گے۔ چنانچہ اس پر فقرہ **حتیٰ تکون السجدة الواحدة خیراً من الدنیا وما فیھا** شاہد ہے۔ اس لیے وہ مسلمان زاہد عابد دنیا کو قبول نہ کریں گے۔ نہ یہ کہ مخالفانِ اسلام بھی موجود ہوں گے اور ان کو بمقابلہ اظہار حقیقت اسلام بذریعہ اشتہارات روپیہ دینے کا وعدہ دیا جائے گا۔ اور وہ قبول نہ کریں گے۔ ناظرین کو یہ بھی خیال نہ رہے کہ اسلام فی نفسہ ایسا امر حق مطابق للواقع ہے کہ قیامت تک کوئی مخالف اس کی غیر حقیت کو ثابت نہیں کر سکتا۔ اس میں محتاج زید عمرو کی طرف نہیں جیسا کہ فقرہ حدیث مسلم کا (**ظاھرین الی یوم القیامة**) اس پر شاہد ہے۔ اب ہر ایک شخص بیان کنندہ حقیقتِ اسلام **بالبراھین والحجج** مسیح موعود نہیں ہوسکتا۔ **اِلاّ بعد** از تحقق علامات جو احادیث میں مذکور ہیں۔

سوال: آیۃ **سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلاً**۔ آسمان پر چڑھنے اور اس سے اترنے کی تکذیب کر رہی ہے۔

جواب: ہاں بے شک۔ مگر حسب استنباط آپ کے۔ جناب عالی! سیاق آیت کا بھی خیال فرمائیں۔ **وَقَالُوْا لَنْ نُّوْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَلَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا اَوْتَکُوْنَ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھَارَ خِلاَ لَھَا تَفْجِیْرًاo اَوْتُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا اَوْتَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَةِ قَبِیْلاً۔ اَوْیَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْتَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّوْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتَابًا نَّقْرَءُ ہٗo قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلاًo** آیۃ **سُبْحَانَ رَبِّیْ** جو جواب میں کفار کے واقع ہوئی ہے۔ اگر دلالت کرتی ہے امتناعِ صعود اور نزولِ جسمی پر جیسا کہ جناب نے سمجھا ہے۔ تو چاہیے کہ جتنے امور قول کفار میں مذکور ہیں

سب کے ممتنع ہونے پر دال ہو ماقبل میں جیسا صعود اور نزول کا ذکر ہے ایسا ہی چشموں کے جاری کرنے کا زمین میں اور ایسا ہی باغ خُرما اور انگور کا جو چشمہ دار ہو۔ اور ایسا ہی گر جانے آسمان کا۔ اور ایسا ہی اللہ جل شانہٗ اور ملائکہ کا سامنے ہونا۔ اور ایسا ہی آپ ﷺ کے لیے گھر سونے کا ہونا۔ ہر ایک عاقل سونے کے گھر کو اور باغ خرما اور انگور کو جس میں چشمے بہتے ہوں مطلق فردِ بشری کے لیے ممتنع نہیں تصور کرتا چہ جائے کہ آپ کے لیے جو باعثِ ایجاد عالم ہیں اور جاری کرنا چشموں کا انبیاء اور اولیاء سے بعد اجابتِ دعا محال نہیں خیال کیا جاتا۔ بلکہ اس کے وقوع پر آیۃ **فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا** دال ہے۔ اور آسمان کے گر جانے کے عدم امتناع پر آیۃ **وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا** اور ایسے ہی **وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ.** اور ایسے ہی **اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ** دلالت کر رہی ہیں فقط عدم ایقاع ان امور کا بلحاظ اس کے ہے کہ کفار بعد ایقاع بھی بوجہ عناد اور مکابرہ کے ایمان نہ لاویں گے۔ جیسا کہ آیۃ **وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ٥** اس مضمون کی شہادت دے رہی ہے اور بعد آنے حق سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے ان کی اتمامِ حجت ہو جائے گا۔ بعد ازاں ایمان لانا ان کا ان کو نفع نہ دے گا۔

الحاصل آیہ مذکورہ بشہادت باقی آیات جواب مذکور ہو چکی ہیں۔ امتناع صعود اور نزول پر دال نہیں۔ مقصود آیۃ سے یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ بزرگ اور برتر ہے اس سے کہ کوئی اس کے امورِ سلطنت اور انتظامِ ملکی میں دخل دیوے۔ یا حق سبحانہٗ وتعالیٰ حسب اقتضاء کفار کے جس وقت وہ جیسا کہ چاہیں نشان ظاہر کرے۔ خصوصاً وہ نشان جو متممِ حجت ہونے کے لیے موجبِ ہلاک ہو۔ وہ **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ** ہے۔ اگر چاہے اجابت مسئول

تمہارے کی فرمائے ورنہ کچھ محل جبر اور شکایت کا نہیں۔ میرا کام فقط تبلیغ اور رسالت ہے۔ مجھ کو اسی میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور مسئولہ کی طرف متوجہ ہونا اپنے منصب سے گویا باہر جانا ہے۔

ناظرین پر ظاہر ہو چکا ہوگا کہ مضمون ہٰذا جو مدلول آیت ہے یہ کہاں اور امتناع امورِ مذکورہ کہاں۔ بلکہ اسی آیت میں فقرہ **وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا** الخ دلالت صراحۃً کر رہا ہے اس پر کہ کفار بھی آپ کے آسمان پر جانے کو ممتنع نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا **اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ** پر اکتفا نہ کی بلکہ **وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ** الخ کو بھی ساتھ منضم کیا۔ ہادی ہدایت کرے۔ (تفسیر ابن کثیر)

زمین پر نزول ملائکہ کا ثبوت اور ملائکہ کو ارواح کواکب ماننے کی تردید

سوال: آیۃ **هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ** اور ایسا ہی **هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّکَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا** صاف خبر دے رہی ہیں موضوع ہونے حدیث دمشقی کے اوپر۔ کیونکہ بعد نزول ملائکہ کے اتمام حجت ہو جاتا ہے۔ پھر کسی کا ایمان لانا مفید نہیں ہوتا۔ اور حدیث دمشقی میں نزول مسیح ملائکہ کے کندھے پر ہتھیلی رکھے ہوئے مذکور ہے۔ جس کو آیات مذکورہ بالا تکذیب کر رہی ہیں۔ اور ایسا ہی آیۃ **وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَکٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ. وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ** دال ہے۔ اوپر اس کے کہ نزول اور

چلنا ملائکہ کا بنی آدم کی ہیئت پر عادت الٰہیہ سے نہیں۔ اور اگر فرشتہ زمین پر اترے بھی اور زمین پر چلے پھرے اور مشہور خواص وعوام ہو تو بالضرور خواص اور لوازم آدمیوں کے اس میں ہونے چاہئیں۔ جب ایسا ہو تو پھر وہی لبس اور اشتباہ بحال خود باقی رہے گا۔ اور وہ سوال ان کا بے جواب۔ یہ ترجمہ ہے ایام الصلح کی عبارت کا۔

جواب: **هَلْ يَنْظُرُوْنَ** سے **اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَا نِهَا خَيْرًا** تک ذکر ہے یوم حشر کا اور بعض اشراط ساعت کا۔ جس وقت ایمان لانا نافع نہ ہوگا یعنی نزول ملائکہ بعد پھٹ جانے آسمان کے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا نزول بادلوں کے سایوں میں جو یوم الحشر میں متحقق ہوگا۔ بدلیل **وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰئِكَةُ تَنْزِيْلًا** اور بعض اشراط ساعت مثل طلوع الشمس من المغرب جو قبل از قیامت ظہور میں آئیں گے۔ کیا یہ کفار ان امور کے منتظر ہو رہے ہیں۔ یہ مضمون مفصل تفسیر ابن کثیر میں بشہادت احادیث صحیحہ مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ باقی رہی آیۃ **وَلَوْ اَنْزَلْنَا ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ** تک یہ دلالت امتناع نزول ملائکہ پر دنیا میں کسی خدمت خداوندی کے لیے نہیں کرتی۔ بلکہ مفاد اس کا یہ ہے کہ اگر حسب اقتضاء کفار کے رسول ملکی بھیجیں اور کفار کو بحالت کفر پائیں۔ تو فیصلہ ہو جائے گا۔ یعنی کفار کو ہلاک کر دیں گے۔ شاہد اس کی دوسری آیت ہے۔ **مَانُنَزِّلُ الْمَلٰئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ**۔ ایسا ہی یہ آیت **يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ** وقولہ تعالیٰ **وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا** الخ مطلب اس سے یہ ہے کہ رسول ملکی اگر بھیجیں تو بالضرور برعایت انتفاع اور استفادہ کے بصورت بشری نازل ہوگا۔ اور اگر ایسا ہوا تو پھر بھی مقصود یعنی دفع اشتباہ حاصل نہ ہوگا۔ آپ کی اس تیز طبعی کے مطابق تو کتنی ہی آیات اور احادیث صحیحہ میں تناقض غیر مندفع پیدا ہوگا۔ آپ ازالہ اور ایام الصلح میں انہیں آیات سے استدلال پکڑ کر نزول ملائکہ سے زمین پر منکر ہیں۔ اور ملائکہ کو ارواح کو اکب

قرار دیا ہے۔ حضرت جی! سنیئے! فَاَرْسَلْنَا اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا. اور ایسا ہی هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرَاهِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ اور ایسا ہی اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ. بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ. اور ایسا ہی وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ. وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ وَمِنْ قَبْلُ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ. قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِکَ مِنْ حَقٍّ وَّ اِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ. قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ.

ان سب آیات قرآنی میں آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آیا یہ آیات قرآنی ہیں یا نہیں؟ اور نزول ملائکہ اور چلنا پھرنا ان کا زمین پر ثابت کر رہی ہیں یا نہیں؟ بزعم آپ کے یہ ارواح کواکب زمین پر اتریں تو کواکب آسمان سے کیوں نہ گریں۔ یا متغیر نہ ہوں۔ جسم بلا روح کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ آپ فرماویں یہ متمثل بصورت بشری مریم کے نزدیک آنے والا۔ اور یہ جو تین ہزار اور پانچ ہزار موٹے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور یہ مہمان ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے۔ اور وہ خوش شکل جس پر اثر سفر کا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور سب حضار مجلس نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اس سے ناواقف تھے جیسا کہ بخاری اور مسلم اور ترمذی اور ابی داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ اس کے بارہ میں آپ نے فرمایا **فانه جبرائیل** علیہ السلام **اتاکم یعلمکم دینکم** اور بخاری میں ابن عباس سے ہے کہ **قال قال رسول الله** ﷺ **یوم بدر هذا جبرائیل اخذ برأسِ فرسه علیه اداة الحرب** یعنی آپ نے بدر کے روز فرمایا کہ یہ جبرائیل ہیں مسلح کھڑے ہوئے اور گھوڑے کو پکڑے ہوئے۔ اور

وہ معلم جس نے آنحضرت ﷺ کو امام بن کر تعلیم کیفیت نماز کی اور رمضان میں آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتا تھا۔ اور وہ گھوڑے کا سوار جس کو فرعون کے لشکر نے دیکھا اور سامری نے خاک اس کے گھوڑے کے قدموں کی اٹھائی۔ اور وہ شخص جو صورت دحیہ صحابی میں آتا تھا۔ اور ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ یا صدیق اکبر کو فرمایا کہ یہ جبرائیل ہے۔ اور تم کو سلام دیتا ہے۔ اور وہ فرستادہ جو اہل طائف کے ایذا دینے کے وقت کہتا تھا کہ اے محمد ﷺ تیرا خدا فرماتا ہے کہ اگر تو چاہے تو میں اس پہاڑ کو ان کے سر پر پھینکوں وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ سب ارواح کواکب تھے؟ ''خدا را ترسے و مصطفیٰ راحیائے'' قرآن کریم کو کسی سمجھ والے سے پڑھنا چاہیے۔ تاکہ ایک آیت کو حسب زعم اپنے کے معنی مفید مطلب پر دال ٹھہرا کر آیات اور احادیث میں تناقض پیدا نہ کریں۔

سوال: آیۃ **وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ** دال ہے وفات عیسیٰ پر۔ کیونکہ حسب مفاد اس آیت کے جو شخص اسی (۸۰) یا نوے (۹۰) سال کو پہنچتا ہے اس کو نکوس اور واژگوئی بہ نسبت پہلی حیاتی کے پیدا ہوتی ہے۔ تو کیسا حال ہوگا اس شخص کا جو دو ہزار سال تک زندہ رہے۔ (ایام الصلح)

جواب: اسی (۸۰) یا نوے (۹۰) سال کی قید جو آپ نے لگائی ہے یہ کون سے کلمہ قرآنی کا مدلول ہے۔ برائے خدا تحریف کلام الٰہی سے باز آئیں۔ آپ نے آیۃ **وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا** قرآن کریم میں نہیں دیکھی۔ اگر **وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ** کا مفہوم اسی (۸۰) یا نوے (۹۰) سال تک عمر کے محدود ہونے کا ہے تو پھر یہ آیۃ **وَلَبِثُوْا** الخ تین سو نو برس (۳۰۹) تک اصحاب کہف کو کس طرح سلا رہی ہے۔ اور نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو سال (۱۴۰۰) اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر نو سو تیس سال (۹۳۰) اور حضرت شیث علیہ السلام کی نو سو بارہ سال (۹۱۲) اور حضرت ادریس

علیہ السلام کی تین سو چھپن سال (۳۵۶) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو بیس سال (۱۲۰) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو سو تیئس سال (۲۲۳)۔ کیسے مدلول آیت قرآنی وقوع میں آئے۔ یہ سب کمال تیزی فہم اور طلاقتِ لسانی کا ہے۔ ہادی ہدایت کرے۔

سوال: آیۃ **وَمِنكُمْ مَنْ يُتَوَفّٰى وَمِنكُمْ مَنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ** دال ہے۔ وفات عیسیٰ پر۔ کیونکہ کسی جگہ میں **ومنکم من صعد الی السّماء بجسده العنصری ثم یرجع فی اخر الزمان** وارد نہیں ہوا۔ فقط دونوں ہی امر کا ذکر ہے۔ اب اگر **صعود اِلیَ السّماء** بھی مانا جائے تو حصر آیۃ باطل ہوتا ہے۔

جواب: مسیح بن مریم اس آیت کے دوشق میں سے **وَمِنكُمْ مَنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ** میں داخل ہے۔ اور ارذل العمر کے لیے حد معیّن نہیں نہ منصوصی اور نہ عقلی۔ تا کہ اس سے متجاوز ہونا موجب موت کا ہو۔ علماء طبعیین نے جو تحدید کی ہے اس کو شیخ اکبر اپنے کشفی طریق سے فتوحات میں رد فرماتے ہیں۔ مضمون ان کے قول کا یہ ہے کہ اگر جو کچھ علم طبعی میں ہمارے اوپر مکشوف ہوا ہے علماء طبعیین کو معلوم ہوتا تو ہرگز عمر طبعی انسان کی محدود بہ حد معین نہ کہتے۔ امید ہے کہ آپ کشفی دلیل کو تو مان ہی لیں گے۔ باقی رہا مسیح کا آسمان پر جانا۔ سو یہ حالات متوسط بین الولادت اور بین الوفات سے ہے۔ حالات متوسطہ کا اگر ضروری سمجھا جائے تو چاہیے کہ عدم ذکر واقعہ صلیب بھی جیسا کہ مزعوم جناب کا ہے یعنی مسیح کو صلیب پر دیا جانا مانتے ہیں۔ موجب بطلان حصر آیت ہو۔ اور اگر یہ عدم ذکر موجب بطلان حصر نہیں تو ایسا ہی عدم ذکر صعود علی السماء (جو حالات متوسط سے ہے) بھی مخل حصر آیۃ نہیں ہوسکتا۔ ہادی ہدایت کرے۔

تسبیح وتقدیس بھی اکل وشرب کی طرح باعثِ حیات ہوسکتی ہے

سوال: آیت **وَمَا جَعَلْنَا هُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ** اور ایسے ہی **كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ** نص صریح ہے موتِ عیسیٰ پر کیونکہ صریح معلوم ہوتا ہے کہ مایہ حیات انبیاء کا بھی مثل باقی افراد بشری کے طعام ہی ہے تو پھر آسمان پر زندہ رہنا مسیح کا اتنی مدت بغیر خورد ونوش کے کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: آیۃ مذکورہ سے مایۂ حیات طعام کا ہوتا ہے۔ طعام کے معنی **ما يطعم** کے ہیں۔ جو طعم اور غذا ہو کر مایۂ حیات بنے۔ طعام کا معنی گیہوں جو وغیرہ حبوب نہیں۔ بلکہ یہ بھی من جملہ افراد طعام میں سے ہیں۔ آپ نے حدیث **وَاَيُّكُمْ مِثْلِي اِنِّيْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ**۔ متفق علیہ سنی ہوگی۔ وہ خدا کے ہاں بغیر گندم اور جو وغیرہ حبوب ارضی کے کسی اور چیز کی خورد ونوش سے خبر دے رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں تمہاری طرح مرغ آب ودانہ نہیں ہوں کہ مأکولات معتادہ ہی میری حیات کا ذریعہ ہوں۔ رات گزارتا ہوں۔ اور میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور ایسے ہی وہ حدیث جس کو ابوداؤد اور احمد حنبل اور طیالسی نے روایت کیا ہے۔ **فكيف بالمؤمنين يومئذ. فقال يجزيهم مايجزى اهل السماء من التسبيح والتقديس.** راویٔ حدیث آنحضرت ﷺ سے پوچھتا ہے کہ یارسول اللہ کیسا حال ہوگا جس دن دجال کے ہاتھ میں طعام ہوگا۔ آپ نے فرمایا جس طرح آسمان پر رہنے والوں کا مایۂ حیات ذکر الٰہی تسبیح اور تقدیس ہے اسی طرح مؤمنین بھی **سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ** کا ذکر کریں گے اور یہی ذکر ان کا طعام اور مایۂ حیات ہوگا (انجیل متی اور لوقا۔ باب ۴ درس ۴۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے لکھا ہے) اس لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحف انبیاء گذشتہ میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح پر مرقوم ہے کہ خاصانِ خدا کے بدن میں کلام ربانی وہی تاثیر پیدا کردیتا ہے جو عوام کے جسموں میں طعام کی تاثیر مسلم

ہے۔ انتہیٰ۔ اصحاب کہف کا قصہ زیر لحاظ رکھیں۔ ان کو کس طرح حکیم مطلق نے بغیر طعام اور شراب مالوف اور بغیر تخلیف شعاع آفتابی اور ہوا کے اتنی مدت دراز تک زندہ رکھا۔ آپ اور قانونِ قدرت کے مرید بھی انبیاء اور اولیاء کو اپنے پر قیاس فرماتے ہیں۔ اس امت مرحومہ میں اب بھی اور قیامت تک ایسے لوگ موجود ہیں اور ہوں گے جن کا مایۂ حیات ذکر الٰہی ہے اور ہوگا۔

سوال: بحکم آیت **وَاَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا.** چاہیے کہ مسیح بن مریم آسمان پر صلوٰۃ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوں حالانکہ آسمان پر جیسے خورد ونوش سے فارغ ہیں ایسا ہی باقی لوازم جسمیت سے۔ علاوہ اس کے اداء زکوٰۃ مال کو چاہتا ہے۔

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو دنیا بھی بباعث زہد وفقر کے مالکِ نصاب نہیں ہوئے۔ ادائے زکوٰۃ میں تو نصاب کا ہونا شرط ہے۔ آپ زمین پر ان کا ادائے زکوٰۃ ثابت کردیں۔ بعد اس کے آسمان پر ہم ثابت کردیں گے۔ یہ اعتراض تمسخر ہے ساتھ مسیح بن مریم کے۔ جیسا کہ ایام الصلح میں آپ نے لکھا ہے **لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ** کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ازالہ اوہام کے ص ۳۰۹ میں باریک قلم سے آپ لکھتے ہیں کہ احیاء موتی ایک مسمریزم کے طور پر کھیل تھی۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ الخ۔ میں متعجب ہوں کہ اللہ جل شانہٗ نے اس کھیل اور لہو ولعب کو اس نبی اولوالعزم کی نعمتوں موہوبہ سے قرآن کریم میں کیسے شمار کیا۔ **وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ** یہ مردوں کا قبر سے زندہ کر کے باذنِ

خداوند نکالنا یہ بھی مسمریزی طلسم آپ کے نزدیک ہوگا۔ تو پھر **بِاِذْنِی** لگانے کی کیا حاجت تھی۔ یہ تو اسی لیے ہے کہ ایسے خارق کا ظہور بندہ کے ہاتھ پر موہم الوہیت اس کا نہ ہو بلکہ فی الواقع زندہ کرنے والا میں ہوں۔ اور انبیاء کرام بظاہر محلِ ظہور ہوتے ہیں۔ معجزہ تو نام اسی خارق کا ہے جو اسباب عادیہ میں سے نہ ہو۔ ورنہ دوسرے لوگ اس کی مثل لانے سے کیسے عاجز ہوں گے۔ علاقہ مماثلت تو پیار کو چاہتا ہے۔ مرزا صاحب کو باوجود علاقہ مماثلت کے مسیح بن مریم علیہما السلام سے معلوم نہیں کیا رنج ہے ان کے معجزاتِ منصوصہ سے کیا بلکہ سب انبیاء کے معجزات سے منکر بلباسِ ماول ہوگئے ہیں۔ بالخصوص انکار معجزاتِ عیسویہ کے تو البتہ وجہ ہے تاکہ لوگ ہم کو ایسے خوارق کے اظہار کی تکلیف نہ دیں۔ مگر اور انبیاء کے معجزات میں کیونکر انکار رہوا۔ شاید تعلیم یافتگان لندن کا خیال ہے۔

سوال: آیۃ **اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ**o صریح ہے وفات عیسیٰ بن مریم میں۔

جواب: یہ دونوں یعنی **اِنَّکَ مَیِّتٌ** اور ایسا ہی **وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ** قضیہ مطلقہ عامہ ہیں نہ دائمہ مطلقہ یعنی تحقیق تو اے حبیب ﷺ فوت ہونے والا ہے اپنے وقتِ معیّن میں۔ اور وہ انبیاء سابقہ بھی اپنے اپنے اوقاتِ معینہ میں مرنے والے ہیں۔ اب فرمائیے کہ مسیح ابن مریم کو بعد نزول سب اہلِ اسلام **اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ** میں داخل سمجھتے ہیں یا نہ۔ نزول آیت کے وقت اگر مر جانا ان کا ضروری ہو تو چاہیے کہ آپ ﷺ بھی وقت نزول آیت داخلِ اموات ہوگئے ہوں۔

سوال: میّت مشتق موت سے ہے اور حمل مشتق کا قیام مبداء کو چاہتا ہے جو یہاں پر موت ہے تو بناء بر آں چاہیے کہ وہ سب مر چکے ہوں حتیٰ کہ مسیح بھی۔

جواب: قیام مبداء کا وقت تحقق مضمون قضیہ ضروری ہوتا ہے نہ وقت صدق قضیہ۔

سوال: آیت **وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَّمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ** دلیل ہے وفاتِ مسیح پر۔

جواب: یہ آیت سورہ نحل کی ہے۔ جس کا نزول مکہ میں (زادھا اللہ شرفًا و تکریمًا) ہوا ہے۔ بناءً علیہ مراد مِنْ **دُوْنِ اللّٰہِ** سے معبودات مشرکین مکہ کے ہوں گے یعنی اصنام اور بت۔ نہ مسیح بن مریم جو معبود اہل کتاب کا ہے۔ ابن عباس **اَمْوَاتٌ** کی تفسیر میں **اَصْنَامٌ اموات** فرماتے ہیں۔

سوال: عموم لفظ کو اعتبار ہوا کرتا ہے نہ خصوص مورد کو۔ بناء براں چاہیے کہ مراد مِنْ **دُوْنِ اللّٰہِ** سے مطلق معبوداتِ باطلہ ہوں بغیر تخصیص بتوں کے۔ تو پھر مسیح بن مریم بھی داخل اموات بحکم اس آیت کے ہوگا۔

جواب: معبوداتِ باطلہ میں فقط مسیح ہی اس تقریر پر داخل نہ ہوگا بلکہ ملائکہ جو من جملہ معبودات باطلہ سے ہیں وہ بھی داخل اموات ہوں گے تو بحکم آیۃ مذکورہ روح القدس بھی مر گیا ہوگا۔ اب یہ مصیبت کس پر پڑی۔ آپ پر۔ کیوں کہ سلسلہ الہامی کا اوّل ہی سے انقطاع لازم ہوا اور اگر اموات سے وہی معنٰی مطلقہ عامہ کی رنگ سمجھا جائے یعنی اپنے اپنے اوقات میں جیسا کہ بیضاوی اور ابن کثیر اور تفسیر کبیر اور کشاف اور سب تفاسیر میں ہے تو مسیح بن مریم بھی قبل از وقتِ معیّن زندہ رہے گا۔

سوال: آیۃ **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلِ** صاف شہادت دے رہی ہے وفاتِ عیسٰی بن مریم پر۔

جواب: آپ نے معنٰی **خَلَتْ** کے **تَوَفَّتْ** کے سمجھے ہیں تب ہی خوش ہو رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو آیت **سُنَّةَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ** اور دوسری آیت **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا** میں تناقض صریح ہوگا۔ کیونکہ پہلے کا مفاد یہ ہوا۔ سنت خداوندی مر چکی اور معدوم ہوگئی۔ اور دوسری کا مفاد یہ کہ سنت الٰہیہ متغیر نہیں ہوتی یعنی ہمیشہ بحال خود باقی رہتی ہے۔

حضرت من! سنئے۔ **خَلَتْ** مشتق ہے **خَلْوٌ** سے جس کا معنٰی تنہا ہونا ہے جیسا کہ **وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ** اور دوسرا معنٰی گزرنا بھی ہے اور یہ معنٰی صفت زمانہ کی بالذات ہوتا ہے۔ کہتے ہیں سال گذشتہ اور **قرونٌ خالیۃٌ** اور زمانیات کی بالعرض یعنی جو

اشیاء کہ زمانہ میں موجود ہیں ان کو بھی بعلاقہ ظرفیت اور مظروفیت کے موصوف کیا جاتا ہے۔ اب معنی آیت کا یہ ہوا۔ گزر چکے ہیں قبل آنحضرت ﷺ کے رسول۔ اور دو طرح پر صادق ہوتا ہے جو مر گئے ہوں ان کو بھی اور جو زندہ ہوں مگر رسالت سے فارغ ہیں جیسا کہ مسیح[1] ابن مریم۔ محاورہ ہے کہ فلاں حاکم شہر میں تحصیلدار ہو گذرا ہے یہ ہر دو صورت میں

---

[1] عیسیٰ بن مریم کا مستثنیٰ ہونا اثبات مدعا میں مخل نہیں۔ کیونکہ واقعہ احد اور حادثہ وفات شریف دونوں میں مزعوم مخاطب کا برأت ہے آنحضرت ﷺ کی وفات سے۔ اور ظاہر ہے کہ دفع مزعوم مذکور میں جو سالبہ کلیہ ہے یعنی **لا شئي من الرسل بهالك**۔ فقط ایجاب جزئی جو نقیض صریح ہے سلب کلی کے لیے کفایت کرتی ہے۔ جس سے اظہار اس امر کا مقصود ہے کہ رسالت منافی موت کی نہیں۔ صورت استدلال نزول آیت کے لحاظ سے یہ ہے۔ **اَلْمَوْتُ لَيْسَ بِمُنَافٍ لِلرِّسَالَةِ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ مُنَافِيًا لما توفى اَحَدٌ مِنَ الرُّسُلِ لكِنَّهٗ** الخ الغرض مقصود کلام سے ابطال مزعوم مخاطبین کا ہے باثبات نقیض مزعوم کے۔ جنہوں نے محمد ﷺ کو بلحاظ رسالت کے موت سے بری خیال کیا ہوا تھا لہذا اس کی تردید میں **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ** فرمایا۔ یعنی محمد ﷺ موت سے بری نہیں۔ ہاں رسول ہیں اور رسالت منافی موت کے لیے نہیں۔ اگر منافی ہوتی تو کوئی رسول نہ مرتا۔ لیکن آپ ﷺ سے پہلے کئی رسول مر چکے ہیں۔ لفظ کئی رسول اس لیے کہتا ہوں کہ آیہ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ** کی مخصص ہے۔ عموم اس کے لیے۔ استدلال صدیق الامۃ میں بھی اسی طرح سمجھیں۔ صرف اتنا ہی فرق ہے کہ یہاں مزعوم مخاطبین کا عدم تحقق وفات شریف کا ہے۔ صدیق الامۃ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات شریف سے بخیال رسالت کے کیوں انکار کرتے ہو۔ رسالت منافی موت کی نہیں۔ تم کو قرآن کا مضمون بھول گیا (کہ اگر رسالت منافی موت کی ہوتی تو پہلے آپ ﷺ کے کوئی رسول نہ مرتا) لیکن **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ**۔ اس تقریر سے ناظرین سمجھ چکے ہوں گے کہ **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** مقدمہ استثنائیہ ہے۔ قیاس استثنائی کا نہ کبریٰ شکل اول کا جیسا کہ آج کل کے زعمی مولویوں نے سمجھ رکھا ہے کیونکہ قطع نظر قوام ہیئۃ شکل اول سے مضمون ہی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس تقریر پر غرض صدیقی یہ ہوگی کہ محمد ﷺ بالفعل وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ رسول ہیں اور جو رسول پہلے گزرے، سب مر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سب رسولوں کا مر جانا اس کا مقتضی نہیں کہ آپ ﷺ بالفعل ہی وفات پاویں کیونکہ یہ مقتضی تو ابتداء ولادت شریفہ سے موجود تھا۔ تو چاہیے تھا کہ پہلے سے وفات شریف متحقق ہوتی۔ دفع استعجاب مخاطبین میں **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** کا کلیہ ہونا بلحاظ قبلیت کے ضرور نہیں۔ اور باعتبار تحقق وفات کے اپنے اپنے اوقات میں جیسا کہ بالخصوص علی نبینا و ﷺ کے لیے بعد النزول **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** بطریق کلی صادق ہوگا۔ کوئی مسلمان مسیح بن مریم کو **حیّ قیوم وغیر ها لک** نہیں سمجھتا۔ صاحب القول الجمیل نے امت مرحومہ کو بعد انتساب اعتقاد ہذا ناحق مشرک ٹھہرایا۔ دیکھو ص ۲۸ قول جمیل۔ بعد اظہار مقصود اس آیۃ کے ناظرین اس دھوکا سے جو مسلک العارف میں متعلق آیۃ ہذا کے مذکور ہے بچ سکتے ہیں۔ ۱۲ منہ

صادق ہے۔ اگر مر گیا ہو جب بھی اور اگر ملازمت صیغہ تحصیلداری سے علیحدہ ہو کر زندہ موجود ہو جب بھی۔

سوال: مابعد اس کے **اَفَاِنْ مَّاتَ** قرینہ ہے ارادہ معنی موت پر **قَدْ خَلَتْ** سے۔

جواب: **اَفَاِنْ مَّاتَ** چونکہ بمقابلہ **اَوْ قُتِلَ** کے واقع ہوا ہے۔ لہٰذا **مَاتَ** سے مراد **موت حتف انفہ** ہوگی۔ یعنی اپنے آپ مرنا بغیر قتل کسی کے۔ (**وفیہ مافیہ من و جھین** ۱۲ منہ۔ فتامل۔) جب یہ خیال شریف میں متمکن ہو چکا تو اب منصف ہو کر فرماویں کہ اگر **اَفَاِنْ مَّاتَ** کو قرینہ ارادہ معنی موت پر **قَدْ خَلَتْ** سے ٹھہرائیں گے تو ضرور **قَدْ خَلَتْ** سے بھی **موت حتف انفہ** مراد ہوگی یعنی موت طبعی۔ تو لازم آئے گا **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** کا کاذب ہونا۔ کیونکہ سب انبیاء علیہم السلام **موت حتف انفہ** سے تو نہیں مرے۔ بلکہ کوئی اپنی موت سے اور کوئی مقتول ہو کر شہید ہوئے۔ اور اگر **خَلَتْ** سے معنی مطلق موت کا لیا بھی جائے تو آیت رفع مخصص ہوگی۔ عموم اس آیۃ اور ان کے نظائر کی جیسا کہ پیدائش آدم کا بیان آیۃ **خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ** اور نظائر جو اس کے ہیں ہو چکا (جواب تحقیقی یہی ہے ۱۲ منہ) تو پھر عموم **اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ** اور ایسا ہی **خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ** مخصوص البعض ہے یعنی ان آیات میں جو ذکر انسان کی پیدائش کا مادہ منی سے ہے آدم کو شامل نہیں۔ بلکہ آدم کے باقی افراد انسانی کا حکم ہے کیونکہ آدم کا ذکر علیحدہ ہو چکا۔ ایسا ہی آیۃ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے اور اس کے نظائر سے چونکہ مسیح کا اب تک زندہ رہنا ثابت ہو چکا تو پھر **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** اور اس کی نظائر سے مراد غیر مسیح ہوگا۔ اس آیت کی مفصل تشریح کتب تفاسیر میں ملاحظہ فرماویں۔ مؤلف ایام الصلح اور ان کے اتباع کو جو دھوکا یہاں پر دعویٰ اور دلیل میں ہوا ہے وہاں پر مفصل مذکور ہے۔

سوال: آیۃ **فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ** بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ بغیر کرۂ

زمین کے نوع انسانی کا مستقر اور مستودع یعنی قرار گاہ اورنہیں تو پھر مسیح بن مریم آسمان پر کس طرح بقیہ ایام حیات بسر کررہا ہے؟

جواب: کرۂ ارضی کا مستقر اور مستودع ہونا بطریق اصالت یہ منافی نہیں اس کی کہ بعض افراد بشری کو عارضی طور پر کسی اور کرہ میں رکھا جاوے جیسا کہ ملائکہ کے لیے موطن اصلی اور مقر طبعی افلاک ہیں۔ معہذا زمین پر عارضی آمدورفت رکھتے ہیں۔ بالجملہ حصر جو مستفاد ہے تقدیم ظرف سے وہ اضافی ہے بہ نسبت استقرار اصلی کے۔ اور اختصاص جو مستفاد ہے **وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ** سے اثر ہے جعل تکوینی کا جس کا مجعول الیہ عارض غیر لازم ہے اور اس صورت میں انفکاک مابین مجعول اور مجعول الیہ کے متصور ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ **وَجَعَلَ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ مَعَاشًا** جب کہ زید مثلاً ساری رات کسب وجہ معاش میں گزارے اور دن نیند میں۔ دلیل عارضی ہونی مجعول الیہ یعنی حیٰوۃ فی الارض کے قصہ ہبوط ابلیس کا اور بعد ازاں صعود اس کا بدلیل **فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ** ہے۔ جب ابلیس بعد امر ہبوط کے پھر آسمان پر جا کر وسوسہ انداز آدم علیہ السلام کا ہوا تو بعض افراد نوع انسانی جن کا مادہ فطرتی نفخ روح القدس کا ہو اس کا صعود کس طرح ممتنع مانا جائے۔

سوال: خاتم النبیین ہونا آپ ﷺ کا دلیل ہے وفات مسیح پر۔ کیونکہ اگر مسیح بن مریم آسمان پر زندہ ہو۔ اور آخر زمانہ میں نزول فرماوے تو آپ ﷺ کے بعد بھی اور نبی آگیا۔ آپ ﷺ خاتم النبیین نہ رہے۔ اور اگر دررنگ احاد امت آئے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ علم ازلی میں جب وہ نبی ہے تو پھر بغیر نبوت کے کیسا نزول کرے گا۔

جواب: بعد نزول دررنگ احاد امت ہی اتریں گے۔ علم ازلی کا مسئلہ سنئے۔ علم تابع معلوم کے ہوا کرتا ہے من حیث المطابقہ یعنی جس طرح معلومات یعنی اشیاء موجود فی الواقع

اپنے اپنے وقت میں موجود ہیں۔ اسی طرح حق سبحانہٗ تعالیٰ ازل میں قبل از وجود ان کے ان کو جانتا ہے اگر معلوم کا اتصاف کسی صفت کے ساتھ علیٰ سبیل الاستمرار ہے تو اسی طرح۔ اور اگر علیٰ سبیل الانقطاع ہے تو اسی طرح اس کو جانتا ہے۔ مسیح بن مریم کی بلکہ کل انبیاء کی نبوت اور رسالت چونکہ محدود ہ بحدِ ظہورِ نبی پچھلے کے ہوتی ہے۔ لہٰذا علم ازلی میں بھی بوصف محدودیّت اور انقطاع معلوم ہوگا ورنہ جہل لازم۔

سوال: قصہ عود ایلیا میں بھی تاویل ہماری کا مثبت ہے یعنی ایلیاء کا دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر جو صحیفہ ملاکی باب ۴ اور آیت ۵ میں واقعہ ہے عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مراد ایلیاء کے آنے سے یہ تھی کہ اس کا مثیل آئے گا سو وہ آ گیا۔ یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام۔ باب ۱۱ انجیل متی۔ اسی طرح مراد نزول مسیح سے جو احادیث میں مذکور ہے میں ہوں۔ یعنی مرزا صاحب۔

جواب: قصہ عود ایلیا اگر صحیح بھی مانا جائے تو آخر کار نظیر ہی بنے گی علتِ مثبت تو نہ ٹھہرے گی۔ دیکھئے لاکھوں نظیریں پیدائش افراد انسانی ہمارے زیر نظر ہیں۔ اور ہر روز دیکھنے میں آتا ہے کہ سب مادّہ منی سے جو باپ کی اور ماں کے سینہ سے نکلتی ہے پیدا ہوتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ یہ نظائر مع کثرت اپنی کے قانون کلّی کو ثابت نہیں کرتیں۔ دیکھو آدم اور حوا اور عیسیٰ علیہ السلام اس حکم سے خارج ہیں۔ ایسا ہی ایلیا کا آنا دررنگ ظہور یحییٰ یہ ایک نظیر کس طرح پر نزول مسیح کی درصورتِ ظہور مثیل ثابت کرسکتی ہے۔ یہاں تو جب آیت اور احادیث نے بالخصوص نزول مسیح بن مریم کو ثابت کیا تو پھر ایک نظیر کیا اگر لاکھوں بھی ہوں اثبات نزول مسیح دررنگ صورت مرزا صاحب نہیں کرسکتے۔ اثبات احکام بشہادت نظائر اس صورت میں ہوتا ہے کہ بالخصوص نصوص وارد نہ ہوئی ہوں۔ وہ بھی حسب تخمین ظن نہ بر سبیل قطعیّت جیسا کہ دلیل استقرائی کا شان ہے پھر میں کہتا ہوں۔ اگر بالفرض نظیر کو مثبت حکم علیٰ سبیل القطعیّت مانا بھی جاوے تو یہ نظیر (یعنی ایلیا کا قصہ) جناب کے دعویٰ کو باطل کرے

گی۔ اس لیے کہ ایلیا کا آنا دررنگ ظہور مثیل یعنی یحییٰ چونکہ مماثل اور مماثل لہٗ ہر دو نبی ہیں یہ نظیر اسی کو ثابت کرے گی کہ مثیل مسیح بھی نبی وقت ہو مثل یحییٰ علیہ السلام کے۔ آپ کو یا تو مثلِ یحییٰ علیہ السلام سلسلہ انبیاء میں ثابت کریں یا دعویٰ مسیح موعود کرنے سے باز آئیں۔ اگر آپ فرمائیں کہ مماثلت بین الامرین مشارکت فی جمیع الاوصاف کی مقتضی نہیں ہوتی تو ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ حکم بھی چونکہ من جملہ اوصاف ہے تو مشارکت فی الحکم کی کیا ضرورت ہے۔ ایلیا بہ ظہور مثیل اپنے یحییٰ کے نازل ہو۔ اور مسیح بن مریم بنفسہ نازل ہو کیا ضرورت ہے کہ کیفیت نزول ایلیا اور نزول مسیح بن مریم کی من جمیع الوجوہ ایک ہی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ آپ یہاں پر **عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ** کو ہاتھ ڈال کر اپنے میں نبوت ثابت کریں گے مگر پھر بھی چھوٹنا مشکل ہے۔ کیونکہ وہی اشکال عود کرے گا یعنی اگر مشارکت فی جمیع الاوصاف من کلِ الوجوہ ضروری ہے تو اپنی ذات میں نبوت مثل یحییٰ کی پیدا کریں۔ ورنہ تو پھر اتحاد بھی ضروری نہیں۔ پھر سہ بارہ میں عرض کرتا ہوں کہ انجیل متی کے گیارھویں باب میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یحییٰ علیہ السلام کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ یہ وہی ایلیا موعود ہے۔ اور پہلے باب انجیل یوحنا میں انکار یحییٰ کا مذکور ہے۔ تو اب مناسب یہ ہے کہ یحییٰ کا قول معتبر سمجھا جائے۔ کیوں کہ ہر شخص اپنے حال سے اچھی طرف واقف اور خبر دار ہوتا ہے۔ بالخصوص جب نبی اور مُلہم من اللہ بھی ہو۔ اور اگر زائد نہ سمجھا جائے تو کم از کم دونوں کو مساوی ٹھہرا کر **اذا تعارضا فتساقطا** کا حکم لگانا ہوگا یعنی کوئی قابلِ احتجاج نہ رہے گا۔

اتنی تطویل اور تضیعِ اوقات محض آپ کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ ورنہ اہل اسلام کو بعد ازاں کہ ایک بات قرآن مجید سے بشہادت سیاق وتفاسیر صحابہ کے اور احادیث صحیحہ متواترۃ المعنیٰ سے معلوم ہو چکی ہو۔ اور خصوصاً وہ مقام جو خود منصف اور فیصلہ دہندہ اور دافع شکوک پہلوں کا ہو تو پھر ہم کتاب اللہ اور کتاب الرسول اور اجماع امت کو چھوڑ کر

اسرائیلیات کی طرف کیوں متوجہ ہوں۔ کیونکہ یہ توجہ مقید ہے ان کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کے ساتھ۔ آپ اختلافاتِ اناجیل سے بخوبی واقف ہیں کیونکہ ہر وقت میں عرصۂ دراز سے استعمال ہوتا رہتا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ آپ ازالہ اوہام اور ایام الصلح میں آثار صحابہ کو جو مروی باسانید صحیحہ ہیں چھوڑ کر روایاتِ اناجیل کی طرف متوجہ ہو کر الٹا سائر اہلِ اسلام کو فرماتے ہیں کہ باعث اعراض ان علماء کا روایا تکلِ اناجیل سے کیا ہے۔ بھلا واقعۂ صلیب کے میں تحریف کرنے کا اہلِ کتاب کو باعث کون ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ واقعۂ صلیب تو بجائے خود رہا۔ نبوتِ عیسیٰ علیہ السلام کو جو واقعی اور بغیر عناد مسلمہ جانبین ہے۔ اگر انجیلوں سے ثابت کرنا چاہیں تو مشکل پڑے گی۔ بغیر از رجوع قرآن کریم کی طرف چارہ نہ ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ یواقیم بن یوشیا نے جس وقت صحیفہ ارمیا علیہ السلام کو جلایا تھا ارمیا علیہ السلام کے اوپر وحی نازل ہوئی کہ (کہتا ہے رب یواقیم ملک یہود کی ضد میں کہ اس میں سے ہرگز کوئی داؤد کی کرسی پر نہ بیٹھے گا) اور عیسیٰ علیہ السلام چونکہ اولاد یواقیم سے ہے مطابق نسب مذکور کے انجیل متی میں تو چاہیے کہ قابل جانشینی داؤد کے نہ ہو بحکم وحی ارمیا کے زندہ اٹھنا مسیح کا قبر سے۔ اور ایسا ہی واقعہ صلیب اس میں جو اختلافات واقع ہیں آپ بخوبی جانتے ہوں گے۔ ایوب ساتویں باب درس نانویں (۹) میں اپنی کتاب کے کہتا ہے ترجمہ فارسیہ ۱۸۴۵ء (ابر پراگندہ شدہ نابود می شود ہمیں طور کسے کہ بقبر مے رود برنمے آید) درس دسواں (۱۰) (بخانہ اش دیگر برنخواہد گردید و مکانش دیگر وے رانخواہد شناخت) اور چودھویں (۱۴) باب کتاب اپنی میں درس تیسرے (۳) اور چودھویں (۱۴) میں کہتا ہے۔ ترجمہ فارسیہ ۱۸۳۸ء (انسان می خواہد ونخواہد برخاست مادامیکہ آسمان محو نشود بیدار نخواہد شد واز خواب برنخواہد خواست۔ آدمی ہرگاہ بمیرد آیا زندہ می شود۔ ؟) اب یہ مسیح کے زندہ ہو کر اٹھنے کا قبر سے انکار کر رہا ہے۔ دوسرے عیسائی اس کو بعد تین دن کے زندہ ہو کر آسمان کی طرف چڑھنے کے

قائل ہیں۔ ایسا ہی واقعہ صلیب کے اختلافات دوسری جگہ ناظرین ملاحظہ کرلیویں۔ اللہ جل شانہٗ نے اس امت مرحومہ کو بہ طفیل حبیب اکرم ﷺ ایسے اختلافات سے جو یہود اور نصاریٰ میں چلے آتے تھے نجات بخشی جیسا کہ برأت مریم کی بیان فرمائی۔ ایسا ہی افتراء یہود کا قتل مسیح کے بارہ میں لغو ٹھہرا کر بیان امر واقعی کا فرمایا کہ مسیح کو تو ہم نے حسب وعدہ ان کے ایذا سے بچالیا یعنی آسمان کی طرف اٹھالیا۔ انہوں نے مسیح کی شبیہ کو صلیب پر چڑھا کر قتل کیا۔ بڑا افسوس ہے کہ آج تک امت مرحومہ آیات **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** اور ایسا ہی **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ** اور ایسا ہی **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** ان سب کو صحابہ سے لے کر علماء زمان تک مکذب عقیدہ یہود اور نصاریٰ ٹھہراتے رہے اور پھر آج انہیں آیات کو جناب مرزا صاحب یہود اور نصاریٰ کے اقوال پر الٹا کرلے جاتے ہیں۔ اب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا معنی اور قول قابلِ اعتبار نہیں رہا۔ چوتھی دفعہ پھر میں عرض کرتا ہوں کہ قصہ عود ایلیا کے دو ٹکڑے ہیں۔ ایک صعود ایلیا بجسدہ العنصری آسمان پر۔ اور دوسرا نزول اس کا بمعنی ظہور مثیل اس کے یعنی یحییٰ علیہ السلام۔ پہلا ٹکڑا نظیر کامل صعود مسیح کے لیے بجسدہ العنصری آسمان پر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ دونوں مماثل شریک فی النبوت ہیں۔ اور دوسرا ٹکڑہ نظیر کامل نزول مسیح بمعنی ظہور مثیل یعنی مرزا صاحب نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اب فرمائیے کہ قصہ عود ایلیا نے عقیدہ کافہ اہل اسلام کو فائدہ بخشایا آپ کو۔ بلکہ الٹا مضر ہوا۔ کیونکہ آپ صعود بشر بجسدہ العنصری کو محالات عقلیہ لانظیر لہا سے جانتے ہیں۔ ازالہ اوہام کے ص ۲۶۹ میں آپ نزول مسیح کو فرع صعود بجسدہ العنصری کی بنا کر اس امر کا اقرار کرچکے ہیں کہ ہم کو بعد ثبوت صعود بجسدہ العنصری کے نزول بجسدہ میں کوئی انکار نہ ہوگا۔ اب قصہ عود ایلیا اگر قابل تمسک ہے تو حسب اقرار اپنے کے نزول مسیح کے بجسدہ العنصری قائل ہوجائیں۔ ورنہ تو استشہاد آپ کا اس قصہ سے کیا معنی رکھتا ہے۔ ہاں یہ ہے کہ اپنے لیے میٹھا اور دوسروں کے

لیے کڑوا۔ اور قصہ عود ایلیا بجسدہ العنصری میں ایلیا کی چادر کا گر جانا جو مذکور ہے آپ اس کو چھوڑ جانا بدن کا خیال فرماتے ہیں۔ اس تاویل کو باطل کرتا ہے اس چادر کا پانی پر مارنا اور گزر جانا ندی سے جو اسی قصہ میں مذکور ہے۔ کتاب سلاطین باب ۲ درس ۸۔ اور ایلیا نے اپنی چادر کو لیا اور لپیٹ کے پانی پر مارا کہ پانی کے دو حصے ہو کے ادھر ادھر ہو گیا اور دونوں خشک زمین پر ہو کے پار ہو گئے۔ ۹۔ اور ایسا ہوا کہ جب پار ہوئے۔ تب ایلیا نے الیسع کو کہا کہ اس سے آگے کہ میں تجھ سے جدا کیا جاؤں مانگ کہ میں تجھے کیا دوں۔ تب الیسع بولا مہربانی کر کے ایسا کیجئے کہ اس روح کا جو تجھ پر ہے مجھ پر دوہرا حصہ ہو۔ ۱۰۔ تب وہ بولا تو نے بھاری سوال کیا۔ سو اگر تو مجھے آپ سے جدا ہوتے ہوئے دیکھے گا تو تیرے لیے ایسا ہی ہوگا اور اگر نہیں تو ایسا نہ ہوگا۔ ۱۱۔ اور ایسا ہوا کہ جونہی وے دونوں بڑھتے اور باتیں کرتے چلے جاتے تھے تو دیکھ کر ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے درمیان آ کے ان دونوں کو جدا کر دیا۔ اور ایلیا بگولے ہو کے آسمان پر جاتا رہا۔ ۱۲۔ اور الیسع نے یہ دیکھا اور چلایا۔ اے میرے باپ میرے باپ اسرائیل کی رتھ اور اس کی سارتھی سو اس نے اسے پھر نہ دیکھا اور اس نے اپنے کپڑوں پر ہاتھ مارا اور انہیں دو حصے کیا۔ ۱۳۔ اور اس نے ایلیا کی چادر کو بھی جو اوپر سے گر پڑی تھی اٹھا لیا اور الٹا پھرا اور یردن کے کنارے پر کھڑا ہوا۔ ۱۴۔ اور وہاں اس نے ایلیا کی چادر کو جو اس پر سے گر پڑی تھی لے کے پانی پر مارا اور کہا کہ خداوند ایلیا کا خدا کہاں ہے۔ اور اس نے بھی اس چادر کو جب پانی پر مارا تو پانی ادھر ادھر ہو گیا اور الیسع پار ہوا۔

ناظرین سمجھ چکے ہوں گے کہ جناب مرزا صاحب نے قصہ ایلیا کو جو دلیل اپنے مدعا کی یعنی نزول مسیح بن مریم بمعنی ظہور مثیل یعنی مرزا صاحب بنایا ہے۔ پہلا ٹکڑا اس کا مضر ان کے پڑا۔ اور دوسرا ٹکڑا نظیر کامل نہ بن سکا۔ یہ عادت آپ کی فقط قصہ ایلیا میں ہی

نہیں بلکہ ہر جگہ نقل اور استشہاد میں ایسا ہی کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر لے لیا اور باقی کو چھوڑ کر یہ غل مچایا کہ ہمارے دعویٰ کی شہادت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر رہی ہے۔ مرزا صاحب ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۰۰ سے صفحہ ۱۳۶ تک سورۃ قدر اور سورۃ بینہ اور سورۃ زلزال کی تفسیر لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنۃ اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام لیلۃ القدر ہی میں نازل ہوتا ہے اور اس کا نبی لیلۃ القدر ہی میں دنیا میں نزول فرماتا ہے پھر بعد اس سورت کے خدا تعالیٰ نے سورۃ البینہ میں بطور نظیر کے بیان کیا کہ **لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ** یعنی جن سخت بلاؤں میں اہل کتاب اور مشرکین مبتلا تھے ان سے نجات پانے کی کوئی سبیل نہ تھی بجز اس کے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ پیدا کر دی کہ وہ زبردست رسول ﷺ بھیجا جس کے ساتھ زبردست تحریک دینے والے ملائک نازل کیے تھے۔ پھر بعد اس کے آنے والے زمانہ کے لیے خدائے تعالیٰ **سورۃ الزلزال** میں بشارت دیتا ہے اور **اِذَا زُلْزِلَتِ** کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تم یہ نشانیاں دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ لیلۃ القدر اپنے تمام زور کے ساتھ پھر ظاہر ہوئی ہے اور کوئی ربانی مصلح خدائے تعالیٰ کی طرف سے معہ ہدایت پھیلانے والے فرشتوں کے نازل ہو گیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے **اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَھَا یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالَھُمْ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۔** یعنی ان دنوں کا جب آخری زمانہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے کوئی عظیم الشان مصلح آئے گا اور فرشتے نازل ہوں گے۔ یہ نشان ہے کہ زمین جہاں تک اس کا ہلانا ممکن ہے ہلائی جائے گی۔ یعنی طبیعتوں اور دلوں اور دماغوں کو غایت درجہ تک جنبش دی جائے گی اور

خیالات عقلی اور فکری اور سبعی اور بہیمی پورے پورے جوش کے ساتھ حرکت میں آجائیں گے۔ اور زمین اپنے تمام بوجھوں کو باہر نکال دے گی یعنی انسانوں کے دل اپنی تمام استعدادات خفیہ کو بمنصہ ظہور لائیں گے اور جو کچھ ان کے اندر علوم وفنون کا ذخیرہ ہے یا جو کچھ عمدہ عمدہ دلی ودماغی طاقتیں ولیاقتیں ان میں مخفی ہیں سب کی سب ظاہر ہو جائیں گی۔ اور فرشتے جو اس لیلۃ القدر میں مرد مصلح کے ساتھ آسمان سے اتریں گے ہر ایک شخص پر اس کی استعداد کے موافق خارق عادت اثر ڈالیں گے۔ یعنی نیک لوگ اپنے نیک خیال میں ترقی کریں گے اور بُرے بُرے خیالوں میں۔ اور مرد عارف متحیّر ہو کر اپنے دل میں کہے گا کہ یہ عقلی اور فکری طاقتیں ان لوگوں کو کہاں سے ملیں۔ تب اس روز ہر ایک استعداد انسانی بزبان حال باتیں کرے گی کہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتیں میری طرف سے نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک وحی ہے جو ہر ایک استعداد پر بحسب اس کی حالت کے اتر رہی ہے اور یہ ظہورو بروز کا دائرہ پورا ہو جائے گا۔ تب خدائے تعالیٰ کے فرشتے ان تمام راست بازوں کو ایک گروہ کی طرح اکٹھا کر دیں گے اور دنیا پرستوں کا بھی کھلا کھلا ایک گروہ نظر آئے گا تا کہ ہر ایک گروہ اپنی کوششوں کے ثمرات کو دیکھ لے۔ تب آخر ہو جائے گی۔ یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بناء ابھی ڈالی گئی ہے جس کی تکمیل کے لیے خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو بھیجا ہے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا **انت اشد مناسبة بعیسٰی بن مریم واشبه الناس به خَلقًا وخُلقًا وزمانًا**. ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر اس سورۃ الزلزال کی یہ تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئے گا کہ تمام زمین اس سے زیروزبر ہو جائے گی۔ اور جو زمین کے اندر چیزیں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا تب اس روز میں باتیں کرے گی اور اپنا حال بتائے گی۔ یہ سراسر غلط تفسیر ہے۔ انتہیٰ۔

ناظرین! ذرا اس کی تفتیش فرماویں کہ آنحضرت ﷺ نے کہ جن پر کلام پاک اتری اس کو کس طرح پر بیان فرمایا اور حاضرانِ مجلس نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام نے کیا سمجھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ **اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ای تحرکت من اسفلها وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا** یعنی **القت ما فیها من الموتیٰ** یعنی یہی کرہ ارض بعد **نفخۂ ثانیہ** قیامت برپا ہونے کے دن ہلایا جائے گا اور اپنے بوجھوں یعنی مردوں کو باہر نکالے گا۔ قرآن کریم کی آیت **یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ**o اور ایسے ہی دوسری آیۃ **وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ** اس معنی پر جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا ہے شہادت دے رہی ہے۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ زمین اپنے کلیجہ کے ٹکڑوں کو پھینک دے گی جو مثل ستونوں کے سونے اور چاندی سے ہوں گے۔ پھر قاتل اس کو دیکھ کر کہے گا کہ اس کے لیے میں نے قتل کیا۔ اور قاطع الرحم کہے گا اس کے لیے میں نے قطع رحمی کی اور سارق آئے گا اور کہے گا اس کے لیے میں نے اپنا ہاتھ کٹوایا ہے۔ پھر اس کو چھوڑ دیں گے اور اس سے کچھ نہ لیں گے۔

حدثنا واصل بن عبدالاعلیٰ حدثنا محمد بن فضیل عن ابیه عن ابی حازم عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ تلقی الارض افلاذ کبدها امثال الاسطوان من الذهب والفضة فیجئ القاتل فیقول فی هذا قتلت ویجیء القاطع فیقول فی هذا قطعت رحمی ویجئی السارق فیقول فی هذا قطعت یدی ثم ید عونه فلا یأخذون منه شیئا (صحیح مسلم) وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ای استنکر امرها بعد ما کانت قارة ساکنة ثابتة وهو مستقر علی ظهرها ای تقلبت الحال فصارت متحرکة مضطربة قد جاء ها من امر الله تعالیٰ ما قد اعده لها من الزلزال الذی لا محید لها عنه ثم القت ما

فی بطنها من الاموات من الاولین والأخرین وحینئذ استنکر الناس امرها وتبدل الارض والسمٰوت وبرزوا لله واحد القهار. یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا. ای تحدث بما عمل العاملون علی ظهرها.

یعنی قیامت کے دن زمین شہادت دے گی کہ میرے اوپر زندگی کی حالت میں فلانے نے یہ کام کیا فلانے نے یہ۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ بعد پڑھنے اس آیۃ کے **یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا.** کیا جانتے ہو تم کیا ہے اخبار اس زمین کی۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ ورسول اعلم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اخبار زمین کی یہ ہے جو شہادت دے گی ہر غلام اور لونڈی پر (یعنی ہر مرد وعورت پر جو غلام اور لونڈی ہیں خدائے تعالیٰ کی) متعلق ان اعمال کے جوانہوں نے اس طبقہ زمین کی پشت پر کیے تھے کہے گی فلاں عمل فلاں عمل فلاں دن۔ یہ ہیں اخبار اس کے۔ **قال الامام احمد حدثنا ابراهیم حدثنا ابن المبارک وقال الترمذی وابو عبدالرحمٰن النسائی واللفظ له حدثنا سوید بن نضر اخبرنا عبدالله هو ابن المبارک عن سعید بن ابی ایوب عن یحییٰ بن ابی سلیمان عن سعید المقبری عن ابی هریرة قال قرء رسول الله ﷺ هذِهِ الْاٰیة یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا قال اتدرون ما اخبارها قالوا الله ورسوله اعلم قال فان اخبارها ان تشهد علی کل عبد و امة بما عمل علی ظهرها ان تقول عمل کذا وکذا یوم کذا وکذا فهذه اخبارها ثم قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح غریب وفی معجم الطبرانی من حدیث ابن لهیعة حدثنی الحرث بن یزید سمع ربیعة الحدسی ان رسول الله ﷺ قال تحفظوا من الارض فانها امکم وانه لیس من احد عامل علیها خیرا اوشرا الا وهی مخبرة.**

حاصل یہ ہے کہ زمین کا خیال رکھو اس لیے وہ تمہاری ماں ہے اور بالتحقیق کوئی

نہیں اس پر عمل اچھا یا برا کرتا۔ مگر وہ زمین خبر دینے والی ہوگی۔ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا. قال البخاری اوحی لها واوحی الیها ووحی لها ووحی الیها واحد وکذا قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوحی لها ای اوحی الیها. وقال شبیب بن بشر عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا قال قال لها ربها قولی فقالت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیة يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین کو حکم کرے گا پھر وہ باتیں کرے گی۔ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا. ای انواعا واصنافا ما بین شقی و سعید ما مور به الی الجنة ومامور به الی النار لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ای لیعلموا و یجازوابما عملوا فی الدنیا من خیر و شر و لهذا قال فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ یعنی سب لوگ موقف حساب سے قیامت کے دن لوٹیں گے تا کہ جزا اپنے اپنے اعمال کی جو دنیا میں انہوں نے کیے تھے دکھائے جائیں۔ اسی لیے فرمایا جو کوئی مقدار ایک ذرہ کا نیکی یا بدی کرے گا دنیا میں دیکھ لے گا اس کو قیامت کے دن (تفسیر ابن کثیر و در منثور مع الاختصار) بعد اس کے بخاری اور مسلم اور مسند امام احمد اور ابن جریر کی احادیث متعلق اس آیۃ کے یعنی فَمَنْ يَّعْمَلْ الخ اس تفسیر میں مذکور ہیں وہاں سے دیکھ لیں۔ سب کا خلاصہ ترغیب ہے عمل نیک پر تا کہ یوم الحساب کام آئے۔

ناظرین پر ظاہر ہو چکا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے ارض سے جو اس سورۃ میں مذکور ہے یہی کرہ زمین مراد رکھا ہے اور اسی زمین کا متکلم ہونا باذن رب احادیث صحیحہ میں بیان فرمایا ہے اور مراد زلزلہ سے بھی جنبش اس کرہ کی متکلم یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ اور سامع یعنی آنحضرت ﷺ کے نزدیک ہے جیسا کہ آیۃ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ الخ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ یہ وہ تفسیر ہے جس کو مرزا صاحب سراسر غلط قرار دے چکے ہیں۔ اب رہا انصاف

ناظرین پر خواہ مرزا صاحب کی تصدیق اور سرور عالم ﷺ کی تکذیب (العیاذ باللہ) اختیار کریں یا بالعکس جیسا کہ شایان اور واجب ہے ہر مومن کو۔ اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ مرزا صاحب نے اس تفسیر سے کیا فائدہ لینا چاہا ہے۔ وہ میں عرض کردیتا ہوں۔ سورۃ قدر میں جو لیلۃ القدر ہے اس کو حسب زعم اپنے کے قیامت تک امتداد دیا۔ تا آپ کا نزول بھی انبیاء کی طرح لیلۃ القدر میں متحقق ہو۔ مگر یہ دونوں فقرے یعنی لیلۃ القدر کا امتداد قیامت تک اور ہر نبی کا ظہور لیلۃ القدر ہی میں ہوتا ہے ان کے اپنے خانہ زاد اسرار میں سے ہے۔ پھر سورۃ البیّنہ سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ سخت بلاؤں سے نجات پانے کی سبیل اللہ تعالیٰ نے پیدا کردی۔ وہ کیا۔ البیّنہ خدا کے ہاں سے آ گیا۔ **رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ** ۔ یعنی مرزا صاحب۔ بعد ازاں سورۃ زلزال سے یہ ثابت کردکھایا کہ سب کمالات مودعہ نوع انسانی کے ظہور میں آ گئے۔ کسی کی حالت منتظرہ باقی نہیں رہ گئی تو پھر نزول ملائکہ میں سرانجام دینے کے لیے اس امر مہتم بالشان کے بذریعہ بندہ مصلح جس کا نزول لیلۃ القدر ممتدہ میں ہوگیا ہے کیوں توقف ہو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ لیلۃ القدر میں رسول آ گیا اور دورۂ کمالات نوع انسانی بھی پورا ہو چکا۔ فقط اتنی ہی بات کہ **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ** ۔ بتمامہ ظہور میں نہیں آئے مگر شروع ہی یعنی اہل سعادت اور نیک فطرت اس رسول نازل شدہ کے ساتھ ایمان لا کر ایک جماعت اکٹھی ہو رہی ہے اور اہل شقاوت اور بدطینت انکار میں آ کر دوسرا گروہ حسب مضمون **يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ** بن رہا ہے جس کی شان میں جناب مرزا صاحب ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۰۴ کی پہلی سطر کے ابتداء میں یوں لکھتے ہیں (اور جو شرارت اور شیطان کی ذریّت تھے وہ اس تحریک سے خواب غفلت سے جاگ تو اٹھے الخ) آپ کو اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے بمعاوضہ اس فقرہ کے (شیطان کی ذریّت) جزاء خیر عطا فرمائے۔

ناظرین کو سمجھنا چاہیے کہ یہ تفسیر مرزا صاحب کی بطریق مشتے نمونہ خروار ہے۔ باقی خود انصاف فرماویں کہ یہ تحریف ہے کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ کی یا بیان ہے بطون قرآن کا۔ پہلے بھی اہل باطن اسرار اور اشارات کو بیان فرماتے رہے ہیں۔ اقتباس الانوار کے صفحہ ۲۳۱ پر اسی سورۃ کی تفسیر ملاحظہ فرماویں۔ مگر ظاہر قرآن کریم سے انکار کرنے والے کو ملحد قرار دیتے رہے ہیں۔ بے شک **وجوہ الفہم لا تنحصر فیما فہموہ وعلم اللہ لا یتقید بما علموہ** اس کے ہم بھی قائل ہیں مگر قرآن کے ظہر او بطن دونوں کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں نہ یہ کہ تفسیر ظہر قرآن کی سراسر غلط قرار دی جائے۔ (العیاذ باللہ)

فی فتح البیان یکون الضابط فی صحتہ ان لا یرفع ظاہر المعانی المنفہمۃ عن الالفاظ بالقوانین العربیۃ وان لایخالف القواعد الشرعیۃ ولا یباین اعجاز القران الی ان قال والافہو بمعزل عن القبول. دوسری جگہ فتح البیان میں **و کذالک اذا ثبت تفسیر ذٰلک الرسول ﷺ فہوا قدم من کل شئی بل حجۃ متبعۃ لا یسوغ مخالفتہا لشئی اخر ثم تفاسیر علماً الصحابۃ المختصین برسول اللہ ﷺ فانہ یبعد کل البعدان یفسر احد ہم کتاب اللہ ولم یسمع فی ذٰلک شیئا عن رسول اللہ ﷺ وعلی فرض عدم السماع فہوا حدالعرب الذین عرفوا من اللغۃ دقہا وجلہا. انتہیٰ.**

یعنی قبولیت معنی بطون قرآن کی شرط یہ ہے کہ مخالف ظاہر کی نہ ہو اور سب سے مقدم اور واجب القبول تفسیر آنحضرت ﷺ کی ہے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی۔ بڑی تعجب کی بات ہے کہ سارے قرآن میں تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سراسر غلط ٹھہری۔ اور لفظ **مُتَوَفِّيكَ** کے متعلق جو **مُمِيْتُكَ** ہے منظور ہوئی وہ بھی آدھی۔ اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** کے متعلق جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے باسناد صحیح تفسیر در منثور میں مذکور ہے اور

ایسا ہی **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** اور **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** الخ اور **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ** اور احادیث نزول جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں اور تفسیر سورۂ قدر اور سورۂ بیّنہ اور سورۂ زلزال بلکہ جن جن مقامات میں آپ متفرد ہیں یہ سب متروک۔ اسی وجہ سے کہ آپ کے مطلب کے برخلاف ہیں۔ اکثر اعتراضات جناب مرزا صاحب کے جو باستشہاد آیات عقیدہ اجماعیہ پر انہوں نے کیے تھے۔ جواب ان کا لکھ چکا ہوں۔ بقیہ اعتراضات بہ نسبت ان کے بہت ہی لغو ہیں۔ ناظرین ادنیٰ توجہ سے دھوکا ان کا سمجھ لیں گے۔ لہٰذا اسی قدر پر اکتفا مناسب سمجھ کر اختتام ایک دو بات ضروری پر کیا جاتا ہے۔

ایک تو بہ نسبت احادیث نزول اور خروج دجّال کے جو مرزا صاحب نے منجملہ مکاشفاتِ اجمالیہ کے ٹھہرا کر واجب التاویل قرار دی ہیں۔ کہتا ہوں کہ اس کی تحقیق دوسری جگہ ملاحظہ فرمالیویں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث نزول اور خروج دجّال مکاشفات تفصیلہ میں سے ہیں جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے مکاشفات تفصیلہ میں آنحضرت ﷺ نے جس جس شخص کو بقید نام جس طرح فرمایا ہے اسی طرح ظہور میں آیا۔ سرِ مو بھی تفاوت نہیں ہوا۔ پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ کی اس امر کی وضاحت کے متعلق دوسرے مقام پر فرماویں۔ اس دھوکا میں بھی ایک رکن ایمان کا بلکہ سارا ایمان زائل ہوتا ہے۔ اور احادیث نزول اور خروج کو مکاشفہ اجمالی پر درر نگ دیکھنے آنحضرت ﷺ کے وبا کو بصورتِ عورت جو گرداگرد مدینہ طیّبہ (**زادھا اللّٰہ شرفًا**) کے پھر رہی تھی خیال نہ کرنا مکاشفہ اجمالی تعبیر طلب ہوتا ہے بخلاف تفصیلی کے۔ اور تعبیر میں اگرچہ وقوع خطا ممکن ہے مگر بقاء علی الخطاء نبی کی عصمت کو باطل کرتا ہے۔ **بناءً علیٰ ھذا** بالفرض اگر احادیث نزول اور خروج مکاشفہ اجمالی کے قبیل سے بھی ہوں تو ساری عمر آپ کا باقی رہنا خطائی التعبیر پر (العیاذ باللہ) آپ کی عصمت میں ہارج ہوگا۔

دوسرا یہاں پر آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں اور ان کے ظہور کو زیر نظر رکھنا کار آمد ہے بہ نسبت اس کے کہ ابن مریم سے مثیل ان کا مراد لینے پر قصہ ایلیا شاہد لایا جاوے۔ کیونکہ اوّل تو وہ بباعث تناقض قولِ یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے قابل اعتبار نہیں۔ دوسرا ہم کو آپ ﷺ کی پیشین گوئیوں سے نظائر کا ملاحظہ آپ ﷺ ہی کے کلام سمجھنے کے واسطے ازبس ضروری ہے۔ اُمِ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ایک صحابیات میں سے ہے روایت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ قیلولہ سے بیدار ہوئے حالت تبسّم میں۔ میں نے عرض کی کہ باعث تبسّم کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں متعجب ہوں اپنی امت کے ایک گروہ سے جو بادشاہوں کی طرح تختوں پر سوار ہوں گے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے لیے خدا سے دعا مانگیں کہ مجھ کو بھی ان میں سے کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو انہی میں سے ہے۔ (بخاری عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ) اس پیشین گوئی کا ظہور امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بوقت فتح ہونے جزیرہ قبرص کے واقع ہوا۔ ان ایام میں اُمِ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ اُمِ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے سنا رسول خدا ﷺ سے فرماتے تھے میری امت سے ایک لشکر غزوہ دریا کا کریں گے۔ اور ان سے عمل جنت کا واجب کرنے والا صادر ہوگا۔ اُمِ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی میں بھی ان میں سے ہوں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو ان میں سے ہے۔ بعدہٗ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک لشکر غزوہ قیصر کے شہر کا کریں گے اور ان کو مغفرت دی جائے گی۔ میں نے عرض کی میں ان میں سے ہوں۔ یارسول اللہ ﷺ۔ فرمایا آپ ﷺ نے نہ (بخاری عن عمیر بن الاسود العنسی) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ ﷺ نے فرمایا **افتح لہ** یعنی اس کے لیے دروازہ کھول دے اور اس کو جنت کی بشارت دے ایک مصیبت پر جو اس کو پہنچے گی (بخاری و مسلم) ذکر کیا آنحضرت ﷺ نے

ایک فتنہ کو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ یہ اس فتنہ میں بحالتِ مظلومی قتل کیا جائے گا۔ (ترمذی) آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تو سورۂ بقرہ کے پڑھتے ہوئے قتل کیا جائے گا۔ اور تیرے خون کا قطرہ اس آیت پر پڑے گا۔ **فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ**o (حاکم) آنحضرت ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بحالت تنہائی ایامِ مرض شریف میں گفتگو فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چہرہ متغیر ہوا (ابن ماجہ) علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ عہد کیا آنحضرت ﷺ نے کہ نہ وفات پائیگا تو جب تک امیر نہ کیا جائے گا۔ اور پھر رنگین کی جائے گی یہ یعنی ریش اس کے خون سے یعنی سر کے (احمد) آپ ﷺ نے اُمّہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے ایک کے شان میں فرمایا۔ **کیف احد ا لکن اذا نجت علیھا کلاب الحؤب** یعنی کس طرح پر ہوگا حال ایک کا تمہارے میں سے جب آواز کریں گے اس پر کتے پانی بنی عامر کے جس کا نام حؤب ہے (ابوبکر وابویعلی واحمد وغیرہم) اور یہ لفظ ابویعلی کا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب حؤب کے کتوں کی آواز آئی تو پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ پانی ہے بنی عامر کا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ لوٹا دو مجھ کو۔ سنا میں نے رسول خدا ﷺ سے فرمایا آنحضرت ﷺ نے نہ قائم ہوگی قیامت جب تک نہ لڑیں گے دو گروہ بھاری جن کے مابین قتل عظیم واقع ہوگا اور دعویٰ دونوں کا ایک ہی ہوگا (بخاری ومسلم۔ ابوہریرہ) یہ اشارہ ہے واقعہ صفین کی طرف اور (دعویٰ ان کا ایک ہی ہوگا) اشارہ اس کی طرف کہ اہل شام نے قرآن کو اٹھا کر کہا تھا کہ تمہارے اور ہمارے درمیان میں یہ قرآن ہے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا۔ یہ قرآن صامت یعنی خاموش اور میں بولنے والا ہوں۔ ایسا ہی آپ ﷺ نے واقعہ نہروان سے خبر دی اور وہ حدیث متواترہ ہے اور علی رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں بروقت معائنہ پیشن گوئی آنحضرت ﷺ کے بعینہٖ بغیر تفاوت سرِ موئے

کے فرماتے تھے۔ **صدق رسول اللہ ﷺ. صدق رسول اللہ ﷺ** (احمد عن عبید اللہ بن عیاض بن عمرو القاری) یہ وہ واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ نے وقت بیان پیشن گوئی کی علامت اس کی (ایک سیاہ کا ہونا ناقص ہاتھ والا جس کے ہاتھ میں کالے بال ہوں گے) ذکر کی۔ علیٰ ہذا القیاس آپ ﷺ نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی مقتول ہونے امام حسین رضی اللہ عنہ سے۔ اور واقعہ حرہ سے اور خروج عبداللہ بن زبیر سے۔ اور خروج بنی مروان سے۔ اور خلافت عباسیہ سے خبر دی۔ حذیفہ کہتا ہے کہ قسم کھاتا ہوں ساتھ اللہ جل شانہٗ کے کہ نہیں چھوڑا رسول خدا ﷺ نے کسی کو مفاسد کے پیشواؤں سے دنیا کے تمام ہونے تک۔ اور پہنچتا ہے عدد ان کا جو ساتھ اس کے ہوں گے تین سو سے زائد کو۔ مگر یہ کہ خبر دی ہم کو اس کے نام اور اس کے باپ کے نام اور اس کے قبیلہ کے نام سے (ابوداؤد) اور خبر دی آپ ﷺ نے ترکوں کی بادشاہی سے (طبرانی وابونعیم۔ ابن مسعود) اور ہلاکو خان کے واقعہ سے خبر فرمائی (خصائص) اور فرمایا آپ ﷺ نے سراقہ بن مالک کو جو ایک اعرابی تھا اس کے دونوں بازوؤں کو ملاحظہ فرما کر۔ گویا دیکھ رہا ہوں میں جو تو نے کنگن کسریٰ کے اور کمر بند اس کا اور تاج اس کا پہنے ہیں۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایسا ہی وقوع میں آیا۔ (ازالۃ الخفاء) آپ ﷺ نے مدینہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر فرمایا۔ **ھل ترون ما اری مواقع الفتن خلال بیوتکم کمواقع القطر.** کیا تم دیکھتے ہو جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ محل وقوع فتنوں کے تمہارے گھروں کے درمیان مثل محل گرنے قطرات کے (بخاری۔ اسامہ بن زید) اور فرمایا آپ ﷺ نے ایک یہودی کو بنی ابی الحقیق میں سے۔ کیسا حال ہوگا تیرا جس وقت نکالا جائے گا تو خیبر سے اور اونٹنی تیری بھگا لے جائے گی تجھ کو راتوں پے در پے آنے والیوں میں۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پیشن گوئی کے صدق پر اعتماد فرما کر اس کو خیبر سے خارج کیا۔ اس نے عذر کیا کہ ابوالقاسم

نے ہم کو خیبر میں قائم رکھا اور آپ ہم کو نکالتے ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آپ ﷺ کے فرمان کو بیان فرمایا کہ میں نہیں بھولا آنحضرت ﷺ کے فرمان کو جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اس نے کہا یہ آپ ﷺ نے ہنسی کے طور پر کہہ دیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں آ کر فرمایا **کذبت یا عدو اللہ** یعنی جھوٹ کہا ہے تو نے اے دشمن اللہ کے۔ ناظرین اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ اور ایسے ہی اور اصحاب کرام آپ ﷺ کی پیشن گوئیوں کو ظاہری معنوں پر حمل فرماتے تھے اور بے وجہ تاویل اس یہودی کی طرح موجب غضب صحابہ کرام تھی۔ اسی طرح پر اور بہتیری پیشن گوئیاں آپ ﷺ کی ہیں جو بلا تخلف اور بلا تاویل ظہور میں آئیں۔ اور وہ دوسرے مقام پر ملاحظہ فرمانے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

ناظرین پر ظاہر ہے کہ ان پیشن گوئیوں میں اُمِ حرام رضی اللہ تعالی عنہا اور عثمان رضی اللہ عنہ اور حسنین رضی اللہ تعالی عنہما وغیرہ وغیرہ جو بقید اسامی مذکور ہیں کوئی تاویل طلب نہیں۔ گو کہ بعض فقرات ماسوائے اسماء کے جو در رنگ استعارہ ہیں۔ اور ارادہ معنی حقیقی وہاں پر متعذر رہے تعبیر طلب ہیں۔ وقوع تاویل بعض فقرات میں موجب تاویل کا سب کلمات میں نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بناء اس کی تعذر ارادہ حقیقت پر ہے۔ الغرض پیشن گوئیاں مذکورہ اور سب پیشین گوئیں جن کو مرزا صاحب معنی تاویلی پر شاہد لائے ہیں کوئی ان میں سے شہادت اس کی نہیں دیتی کہ اسامی مذکورہ فی الاحادیث میں تاویل بہ مثیل واقع ہے۔ بلکہ مراد آپ ﷺ کی وہی اشخاص ہیں جن کے نام ذکر کیے گئے۔ اور بروقت ظہور پیشن گوئی کے بھی انہیں کا حال ظاہر ہوا۔ خلافت عثمانیہ اگر چہ عالم مثال میں بررنگ قمیص نظر آئی۔ مگر عثمان رضی اللہ عنہ وہی عثمان ہیں نہ کوئی اور مثیل ان کا۔ نہایت ہی افسوس ہے کہ مجدد وقت ازالہ اوہام میں (جس کو ازادہ اوہام کہنا مناسب ہے) لکھتے ہیں کہ جب چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر ایسی ہوا ہے کہ اس میں انسان زندہ نہیں رہ سکتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیوں کر اُٹھائے گئے اور

اتارے جائیں گے۔ متعجب ہوں کہ وہ قادر قوی جس نے نصوص میں اپنی قدرت شاملہ سے خبر دی ہے اور کتنے ہی امور کا وقوع جن تک ہمارے عقل ناقص کی رسائی ناممکن ہے بیان فرمائی آیا وہ بھی دفع ایذاء ہوائی پر قدرت نہیں رکھتا۔ اصحاب کہف کو کس طرح پر تین سو نو سال (۳۰۹) تک سلایا اور قیامت تک اسی طرح رہیں گے۔ بائیبل کو ملاحظہ فرمایئے۔ نوح علیہ السلام کی کشتی ستر ہزار فٹ کی بلندی سے بھی زیادہ اونچائی پر تھی جس میں انواع حیوانات موجود تھے وہ سب کے سب کس طرح زندہ رہے۔ ازالہ اوہام کے صفحہ ۷۲۱ سے ۷۲۵ تک یہ بیان فرمایا ہے کہ اعداد آیت **وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْنَ** کے ۱۲۷۴ ہوتے ہیں۔ اور یہی زمانہ فی الحقیقت ضعف اسلام اور خروج دجال کا بھی ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اُٹھا لیا جائے گا۔ چنانچہ اس زمانہ میں قرآن اُٹھایا گیا اب میں ان حدیثوں کے مطابق جن میں لکھا ہے کہ ایک مرد فارسی الاصل دوبارہ قرآن کو زمین پر لانے والا ہوگا۔ میں قرآن کو لے آیا ہوں۔ آپ بجا فرماتے ہیں۔ مگر پہلے تو یہ فرمایئے کہ آیات کو آپ مُبیّن مراد باعدادِ جفری ٹھہراتے ہیں یا بوضع لغت عربیہ۔ ظاہر ہے **اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** دال ہے اس پر کہ دلالتِ وضعیہ معتبر ہے بیان معتبر شارع میں نہ اعداد جفری۔ ہر ایک شخص ادنیٰ تامّل سے سمجھ سکتا ہے کہ مثلاً آیۃ **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** دلالت ظہور فساد پر جنگل اور دریا میں بحسب اعداد اس آیۃ کے نہیں کرتی۔ کیونکہ اعداد اس کے مطابق حساب جمل ۱۸۴۶ ہیں تو چاہیے کہ قبل از ۱۸۴۶ کے ظہور فساد نہ ہوا ہو۔ ایسا ہی **اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ مِنْ حَيْثُ الْاَعْدَاد** فرضیتِ نماز پر دلالت نہیں کرتی بایں معنی کہ فرضیّت نماز کی ۷۰۹ سال میں جو عدد ہیں اس آیۃ کے وقوع میں آئے اور قبل اس کے نماز فرض نہ ہو۔ علاوہ اس کے اعداد کی تمیز میں بھی کوئی برسوں کا ہونا ضروری نہیں۔ یعنی اس پر کوئی دلیل نہیں کہ ۱۸۴۶ سال ہی ہوں نہ کوئی

اور چیز۔ ایسا ہی تقرر تاریخ ہجری کا منصوص نہیں۔ اور جس آیت کو مرزا صاحب نے ذکر فرمایا ہے یعنی **وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْنَ** معنی اس کا ماقبل اور مابعد کے ملاحظہ سے بخوبی ناظرین پر ظاہر ہوجائے گا۔ **وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَّكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ** o ترجمہ: ہم نے آسمان سے پانی موافق اندازہ کے اتارا اور ہم اس کے دور کردینے پر قادر ہیں۔ پھر ہم نے پانی سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے۔ ان باغوں میں بہت میوے ہیں جن کو تم کھاتے ہو۔

قرآن مجید کا تو آیت میں ذکر ہی نہیں پانی مذکور ہے جس کی طرف دونوں ضمیریں راجع ہیں۔ بطونی طور پر اگر مراد ماء سے قرآن کریم بھی لیا جاوے تو پھر بھی اُٹھایا جانا اس کا آسمان کی طرف ۱۲۷۴ء ہجری میں جب ثابت ہوگا کہ تمیز اعداد کی بالخصوص سال ہی لیویں گے اور **لَقَادِرُوْنَ** سے جس کا معنی فقط قدرت رکھنے کا ہے معنی یہ لیویں کہ سنہ مذکور میں بالفعل متحقق کرنے والے ہیں۔ یہ دونوں امر بلا دلیل تسلیم نہیں کیے جاتے۔ بالفرض اگر اُٹھایا جانا قرآن کریم کا آیۃ مذکورہ سے مانا جائے تو پھر دوبارہ لانا اس کا زمین پر کسی آیت سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ مرزا صاحب کو الزامی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کا اُٹھایا جانا آسمان کی طرف مسیح علیہ السلام کی طرح قرآن سے ثابت ہوگیا۔ بعد اس کے اترنا اس کا دنیا میں فقط حدیث سے بسبب نہ قطعی ہونے اس کے ثابت نہیں ہوسکتا۔ جب احادیث متواترہ نے بقول آپ کے کام نہ دیا تو ایک حدیث کس طرح آسمان پر چڑھے ہوئے قرآن کو اتار سکتی ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ حدیث بھی کسی طرح آپ کے مدعا پر شاہد نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حدیث **لو کان الایمان معلقًا عند الثریا لنالہٗ رجل من فارس** آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمائی تھی۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اگر ایمان ثریا پر بھی

ہوتا تو میرے اصحاب میں سے ایک شخص ایسا موجود ہے کہ اس کی طلب وہاں تک کرتا۔ تو وہ شخص سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کی سوانح عمری دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شک وہ ایسے ہی شخص تھے جنہوں نے ابتداء جوانی سے پیری تک دین حق کی تلاش میں عمر عزیز کو صرف کیا آخرالامر بعد مشرف باسلام ہونے ان کے آپ ﷺ نے فرمایا اسلام اور دین حق کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیج دیا۔ اگر آسمان پر ہوتا تو یہ مرد فارسی الاصل کی تلاش ایسی ہے کہ ضرور کامیاب ہوتا۔ مرزا صاحب اپنی زندگی میں ہی قرآن کریم کا اُٹھایا جانا آسمان کی طرف فرماتے ہیں۔ حالانکہ حجج الکرامہ کے صفحہ ۴۴۲ پر یہ حدیث منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے اور چالیس ۴۰ سال تک قیام کریں گے۔ کتاب اللہ اور میری سنت پر عمل کریں گے۔ پھر موت پائیں گے۔ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ ایک شخص کو قبیلہ بنی تمیم سے جس کا نام **مقعد** ہوگا خلیفہ بنائیں گے۔ جب وہ بھی مرجائے گا تو اس کی وفات کے بعد بیس سال نہ پورے ہوئے ہوں گے کہ لوگوں کے سینوں سے قرآن اُٹھایا جائے گا۔ **رواہ ابو الشیخ عن ابی ھریرۃ مرفوعا**۔ اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں۔

احادیث خُروجِ دجّال

عن المغیرۃ بن شعبۃ قال ما سال احد رسول اللہ ﷺ عن الدجال مماسألتہ وانہ قال لِیْ ما یضرک۔ قلت انھم یقولون ان معہ جبل خبز ونھر ماء قال ھو اھون علی اللہ من ذٰلک (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ کسی نے دجال کے بارہ میں مجھ سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ سے سوال نہیں کیا۔ اور آپ ﷺ نے مجھ کو فرمایا۔ تجھے ضرر نہ دے گا۔ میں نے عرض کیا کہ

لوگ کہتے ہیں اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی۔ فرمایا آپ ﷺ نے وہ خدا کے ہاں حقیر تر ہے اس سے یعنی وہ خدا کے ہاں اتنی رفعت اور منزلت نہیں رکھتا جو اس کے پاس فی الواقع روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر موجود ہو۔ بلکہ یہ چیزیں محض خیال ناظرین میں دکھلائی دیں گی۔ اس میں امتحان اور ابتلا ہوگا۔ مومن اپنے ایمان پر ثابت رہے گا اور کافر لغزش کھائے گا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں گی۔ (ملا علی قاری) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ذکر دجال کا چرچا صحابہ میں بہت تھا جیسا کہ **انهم یقولون** سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا۔ دجال کا ایک شخص معین ہونا۔ نہ یہ کہ کسی جماعت کا نام ہو۔ ورنہ آپ ﷺ باوجود کثرت سوال مغیرہ رضی اللہ عنہ کے جس سے مقصود اس کا غایت توضیح ہے اس امر کی تشریح سے اعراض نہ فرماتے **عن عبدالله بن عمران عمر بن الخطاب انطلق مع رسول الله** ﷺ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جماعت صحابہ کے ساتھ جس میں عمر بن الخطاب بھی تھے ابن صیاد کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت بنی مغالتہ کے محلوں کے پاس لڑکوں میں کھیل رہا تھا اور ان ایام میں بلوغت کے قریب تھا۔ اس کھیل کی حالت میں آپ ﷺ کے تشریف لے جانے سے غافل تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کی پیٹھ پر مارا۔ اور فرمایا۔ کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اس نے دیکھ کر کہا۔ میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ امیین کے رسول ہیں (یعنی عرب کے) پھر ابن صیاد نے کہا۔ کیا تم شہادت میری رسالت پر دیتے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے قطع کلام کیا۔ اور فرمایا **اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ** . پھر ابن صیاد سے پوچھا کیا معلوم ہوتا ہے تجھ کو۔ اس نے کہا کہ مجھ کو خبر دینے والا کبھی سچ بولتا ہے کبھی جھوٹ۔ آپ ﷺ نے فرمایا تجھ پر سچ اور جھوٹ مل گیا ہے۔ فرمایا آپ ﷺ نے میں نے تم سے کوئی چیز

پوشیدہ کر رکھی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ آیت چھپا رکھی تھی۔ **یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ**۔ اس نے کہا دُخ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا **اِخْسَأْ**. دور ہو تو (یہ کلمہ عرب زجر اور کسی کو ڈانٹنے کے وقت بولتے ہیں) ہرگز نہ بڑھے گا تو اپنے قدر سے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ مجھ کو اذن اس کی گردن مارنے کا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ لڑکا اگر وہ ہے تو تو اس پر مسلط نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ نہیں تو اس کے قتل میں تجھ کو کچھ فائدہ نہیں۔

راوی حدیث کا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتا ہے بعد اس کے تشریف لے گئے آنحضرت ﷺ وابی بن کعب انصاری باغ خرما میں جس میں ابن صیاد تھا۔ آپ ﷺ خرما کے درخت کے پیچھے چھپتے تھے اور چاہتے تھے کہ ابن صیاد سے کچھ سنیں قبل اس کے کہ وہ آپ ﷺ کو دیکھے۔ اور وہ اپنے بستر پر کپڑے میں لیٹا ہوا تھا اور خفی سی آواز کر رہا تھا۔ ابن صیاد کی والدہ نے آپ ﷺ کو خرما کے درخت کے پیچھے چھپے ہوئے دیکھ لیا اور ابن صیاد کو کہا کہ اے صاف (یہ اس کا نام تھا) یہ محمد ﷺ ہیں۔ پھر رک گیا۔ یعنی اپنی گنگناہٹ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کاش کہ! اگر چھوڑ دیتی تو اس کو تا کہ کچھ بیان کرتا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر باری تعالیٰ کی ثناء کہی پھر ذکر کیا دجال کو اور فرمایا سب انبیاء نے اپنی اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے۔ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو خوف دلایا۔ ولکن میں تم کو اس کے بارہ میں ایسی بات کہوں گا جو کسی نبی نے نہیں کی۔ جان لو کہ وہ دجال کانا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔ (بخاری، مسلم)

جاننا چاہیے کہ پہلے آنحضرت ﷺ نے بعض علامات دجال کے جن کا آپ ﷺ کو علم تھا اصحاب کرام کے سامنے بیان فرمائیں۔ جو منطبق ہوتی تھیں ابن صیاد پر یعنی آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ دجال کے ماں باپ کے گھر تیس برس تک اولاد نہ ہوگی۔

بعدازاں ایک لڑکا کانا بڑی بڑی داڑھوں کچلیوں والا پیدا ہوگا۔ کم منفعت۔ اس کی آنکھیں سویا کریں گی اور دل جاگتا ہوگا۔ اس کا باپ قد کا لمبا خشک ہوگا۔ چونچ جیسی اس کی ناک ہوگی۔ اس کی والدہ موٹی چوڑی لمبی ہوگی (رواہ فی شرح السنۃ) ابوبکرہ صحابی کہتے ہیں۔ ہم نے سنا کہ مدینہ کے یہود میں ایسا ہی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ میں اور زبیر بن العوام مل کر گئے۔ سب علامات اس میں اور اس کی والدہ میں ویسی ہی پائیں جیسی کہ آپ ﷺ نے فرمائی تھیں۔ یہ حلیہ دجال جس سے آپ ﷺ نے پہلے خبر دی تھی جب صحابہ نے ابن صیاد پر بمعہ والدین اس کے منطبق پایا تو یقین کر لیا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ مگر آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ اور فرمایا **ان یکن هو فلست صاحبه وانما صاحبه عیسٰی بن مریم والا یکن هو فلیس لک ان تقتل رجلا من اهل العهد.** یعنی اگر یہ دجال ہے تب تو تو اس کا قاتل نہیں بغیر عیسٰی ابن مریم کے قاتل اس کا کوئی نہیں اور اگر یہ ابن صیاد دجال نہیں تو اہل ذمہ میں سے ایک شخص کا قتل کر دینا سزاوار نہیں۔

اس حدیث سے ایک تو دجال کا شخص معین ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا تشریف لے جانا ابن صیاد کی طرف یہ دلیل ہے دجال کے شخص معیّن ہونے کی۔ اگر دجال عبارت قوم دغاباز وغیرہ سے ہوتا جیسا کہ مرزا صاحب فرماتے ہیں تو آپ ﷺ ابن صیاد کی طرف بخیال اس کے کہ شاید دجال ہو کیوں جاتے۔ دوسرا یہ بھی ظاہر ہوا کہ دجال کا قاتل بغیر عیسٰی بن مریم کے اور کوئی نہیں۔ مرزا صاحب ابن صیاد کو دجال معہود ٹھہرا کر مدینہ منورہ (زادہا اللہ) میں مار کر مدفون سمجھ رہے ہیں۔ جیسا کہ ازالہ میں اسی امر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حلفی بیان سے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ **ما اشک ان المسیح الدجال ابن صیّاد** ثابت کیا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں۔ کیونکہ مسیح کو دجال شخصی کا قاتل ہونا چاہیے اور دجال باعتقاد مرزا صاحب تیرہ سو سال (۱۳۰۰) پہلے آپ یعنی مرزا صاحب سے فوت ہو چکا ہے۔ تیسرا اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مراد قتل دجال سے یہی معنی ظاہری قتل کا ہے یعنی ظاہری سبب سے مار دینا نہ دلائل کے ذریعہ سے مغلوب کر لینا۔ شاہد اس کا اذن طلبی ہے عمرؓ کی ابن صیاد کے قتل کے بارہ میں آپ ﷺ کا بیان کہ قاتل اس کا عیسیٰ بن مریم ہوگا تو اس کو قتل نہیں کر سکتا۔ اگر قتل سے مراد مزعوم مرزا صاحب ہوتا تو آپ ﷺ یوں فرماتے کہ اے عمرؓ! دجال کو تو دلائل اور بیّنات سے ساکت کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کو جان سے مارا جائے۔

ناظرین سمجھ چکے ہوں گے کہ بیان حلفی عمرؓ کا ابن صیاد کے دجال ہونے میں اور ایسا ہی عبداللہ بن عمرؓ کا مقولہ کہ **ما اشک** یعنی میں شک نہیں کرتا ہوں۔ ابن صیاد کے دجال ہونے میں۔ یہ دونوں اسی بنا پر تھے جو اوپر بیان کی گئی یعنی منطبق ہونا علاماتِ مبیّنہ کا ابن صیاد پر۔ بعد ازاں جب ان کو اور علامات بھی بہ تعلیم ربانی بتلائے گئے مثلاً اس کا زمین مشرق وارض خراساں سے نکلنا۔ مکہ و مدینہ زاد ہما اللہ شرفا میں داخل نہ ہو سکنا۔ ک۔ ف۔ ر۔ پیشانی پر لکھا ہوا ہونا اور مقتول ہونا اس کا مسیح ابن مریم کے ہاتھ سے ۔تو عمرؓ اس پہلے عقیدہ سے باز آ گئے۔ مرزا صاحب ازالہ میں بیان حلفی عمرؓ سے جس کی بناء ان کے زعم پر تھی استدلال ابن صیاد ہی کے دجال ہونے پر پکڑتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاک فرمان کا یعنی **وانما صاحبہ عیسیٰ بن مریم** کا کچھ خیال نہیں فرماتے۔ ابن صیاد ہی کے دجال ہونے پر زور لگانا مرزا صاحب کا اسی لیے ہے کہ کوئی یہ سوال نہ کرے کہ قبل از ظہور مسیح بن مریم دجال کا وجود چاہیے بتائیں وہ کہاں ہے۔ مگر خیال یہ نہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ اور مزعومی قول عمرؓ کو جس سے عمر

رضی اللہ عنہ بھی بعد استماع قول آنحضرت ﷺ کے باز آ گئے تھے محکم پکڑ لینا اور **بحکم و انما صاحبہ عیسیٰ بن مریم** کے مرے ہوئے دجال کو زندہ ماننا اور پھر اس کے لیے ان امور کا جائز رکھنا جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے لیے ناجائز قرار دیئے گئے تھے۔ یعنی اتنی مدت تک زندہ رہنا باوجود عدم تغیرات جسمانیہ کے یا اپنے مسیح موعود سے ہاتھ دھونا یہ اتنے بڑے مفاسد کس کو اٹھانے پڑے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا ابن صیاد ہی کے دجال ہونے سے بعد بیان آنحضرت ﷺ کے باز آنا اس حدیث سے بھی ثابت ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے **قال خطب عمر بن الخطاب و کان من خطبته و انه سیکون من بعد کم قوم یکذبون بالرجم وبالدجال وبالشفاعة وبعذاب القبر** الخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ میں یہ فرمانا کہ تمہارے پیچھے پیدا ہوگا ایک گروہ جو رجم اور دجال اور شفاعت اور عذاب قبر کا منکر ہوگا۔ عہد خلافت اپنی میں اور احادیث دجال کی صحت میں تاکید فرمانی دلیل ہے ابن صیاد کے دجال نہ ہونے پر (اخرجہ احمد) یہ بھی ایک پیشین گوئی ہے عمر رضی اللہ عنہ سے دربارہ پیدا ہونے معتزلہ اور نیچریہ اور مرزائیہ کے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس شئے کی نسبت کہتے کہ میں اسے ایسا خیال کرتا ہوں وہ ویسی ہی نکلتی۔ قیس بن خارق کہتا ہے کہ ہم آپس میں باتیں کیا کرتے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر فرشتہ بول رہا ہے۔ ابن صیاد نے خود بھی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفا کے راستہ میں انہیں دلائل اور علامات سے مغلوب کیا تھا۔ یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو کہا۔ میں بڑا متعجب ہوں لوگوں سے جو مجھے دجال سمجھ رہے ہیں۔ کیا تم نے نہیں سنا رسول خدا ﷺ سے کہ دجال لاولد ہوگا اور میری اولاد ہے۔ اور دجال کافر ہوگا اور میں مسلم ہوں۔ اور دجال مکہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور میں اب مدینہ سے آ رہا ہوں۔ اور مکہ کو جا تا ہوں۔ بعد اس کے ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کہنے لگا۔ قسمیہ کہتا ہوں کچھ شک نہیں اس میں کہ میں

جانتا ہوں مؤلد یعنی محل پیدائش اس کی کو اور مکان اس کے کو۔ اور کہاں ہے وہ یعنی فلانی جگہ۔ اور اس کے ماں باپ کو بھی جانتا ہوں۔ ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ اس نے مجھ کو اشتباہ میں ڈال دیا۔ رواہ (مسلم)

اور ایسا ہی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو جب محمد بن منکدر نے کہا کہ تم حلفاً ابن صیاد کو دجال کیوں کہتے ہو۔ تو جابر بن عبد اللہ نے بجواب اس کے کہا۔ میں نے سنا ہے عمر رضی اللہ عنہ کو حلف اُٹھاتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف سے اسے روکا نہیں۔ (بخاری۔ مسلم) اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا حلفی طور پر ابن صیاد کو دجال کہنے کی بناء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حلف پر تھی اور ان کی حلف اپنے زعم پر۔ کیونکہ قبل از سننے علامات کے ان کو بباعث انطباق اکثر علامات کے ابن صیاد پر پختہ یقین تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمر رضی اللہ عنہ کو نہ روکنا حلف سے اس لیے ہوا کہ انہوں نے اپنے غالب ظن کے مطابق حلف اُٹھائی تھی۔

اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ باقی علامات میں سے اکثر کا وجود ابن صیاد میں بروقت دعویٰ الوہیت کے محتمل تھا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ احتمال بھی ہوا کہ شاید مثلاً ک۔ ف۔ ر۔ کا پیشانی پر ظاہر ہونا یا اس کے پاس روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر وغیرہ وغیرہ کا ہونا اس وقت ہوں گے جب اس نے دعویٰ خدائی کا کیا۔ یہ احتمال اس کے مرنے تک چونکہ باقی تھا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بھی اس کے بارہ میں متردّد رہے۔ الحاصل ابن صیاد میں اور اس کے ماں باپ میں چونکہ وجود اکثر علامات کا مشاہدہ کیا گیا۔ اور جو موجود نہیں تھے ان کا وجود بھی اس کی حینِ حیات تک محتمل رہا۔ لہٰذا اس کے بارہ میں متردّد رہے۔ قطع احتمال جب ہوا کہ وہ مر گیا۔ ناظرین یہی ہے وجہ تردّد کی ابن صیاد کے بارہ میں ازالہ اوہام کو اس مقام پر دیکھنے سے ہرگز دھوکا نہ کھانا۔ اور احادیث صحیحہ کو اپنی نافہمی کے باعث سے غلط نہ کہنا۔ مرزا صاحب کو تو اپنا مطلب زیرِ نظر ہے۔ تم کو آیات اور احادیث کے

الٹ پلٹ کرنے سے بجز از نقصان کون سے فائدے کی امید ہے۔ اور یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہوں گے کہ دجال کے پاس روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہر کا ہونا اور مردہ کو زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ علامات پر سب از قبیل تخیل اور امتحان خداوندی ہوں گے نہ یہ کہ فی الواقع اور بغیر ابتلاء دجال موصوف بصفات مذکورہ ہونا کہ شریک حق جل شانہٗ کا سمجھا جائے۔ یہ امور محض امتحانا بد بختوں کے خیال میں ایسے نظر آئیں گے۔ مرزا صاحب نے ان کو واقعی سمجھ کر احادیث دجال کے معتقدین کو مشرک ٹھہرایا۔ اور اردو خوانوں کم علموں کو ایسا دھوکا دیا کہ آیات اور احادیث صحیحہ کے منکر ہو گئے۔ کسی میں تحریف اور کسی کی تغلیط۔ وہ خواب جس کی تعبیر مرزا صاحب نے مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم سے نیند کی حالت میں استفسار فرمائی تھی (یعنی میں دیکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے جب دائیں طرف چلاتا ہوں ہزاروں مخالف اس سے قتل ہو جاتے ہیں اور جب بائیں طرف چلاتا ہوں ہزاروں دشمن اس سے مارے جاتے ہیں) شائد اس کی تعبیر یہ نہ ہو کہ تلوار آپ کے ہاتھ میں مراد اس سے قوت دڑا کہ جو تیز ہے جیسی تلوار کی دھار تیز ہوتی ہے۔ دائیں جانب آیات قرآنیہ اور بائیں جانب احادیث صحیحہ۔ قوت دڑا کہ کی تیغ جب آیات کی طرف چلتی ہے ہزاروں مضمون جو مراد شارع تھی قتل کیے جاتے ہیں اور جب بائیں طرف چلتی ہے تو ہزاروں مضامین احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مارے جاتے ہیں۔ تعجب ہے کہ مرزا صاحب بمقابلہ آیات اور احادیث صحیحہ کے جن سے آپ کا مسیح موعود نہ ہونا واضح ہو چکا ہے **لا مھدی الا عیسٰی** کو لاتے ہیں۔ جس کی نقادان حدیث نے تضعیف کی ہے۔ مثل محقق ابن جزری وغیرہم۔

ایام الصلح کے صفحہ ۱۱۸ پر کتاب اقتباس الانوار کا حوالہ دے کر ذکر بروز فرماتے ہیں جو عبارت ہے تصرف کرنے سے روح کسی کامل کی صاحب ریاضت اور مجاہدہ پر۔ اور نزول مسیح عبارت اسی بروز سے ہے مطابق حدیث **لامھدی الاعیسٰی بن مریم**

کے یعنی روح عیسوی مہدی آخرالزمان میں جو میں ہوں متصرف ہوگی۔ انتھی بغرضہ۔

میں کہتا ہوں آپ مصنف کتاب مذکور کو جو شیخ محمد اکرم صابری ہیں اسی صفحہ میں اس طور پر موصوف کرتے ہیں کہ ''از اکابر صوفیہ متأخرین بُودہ می فرماید''۔ اگر فی الواقع آپ کے اعتقاد میں حضرت موصوف ایسے ہی ہیں تو اقتباس الانوار کے اسی صفحہ یعنی ۵۲ پر تیسری سطر میں ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت شیخ محمد اکرم صاحب رضی اللہ عنہ بعد نقل اس قول کے بایں لفظ فرماتے ہیں۔ ''وایں مقدمہ بغایت ضعیف است'' اور صفحہ ۳۴ اسی کتاب کے اوپر سطر دسویں میں فرماتے ہیں ''وایں ردّ است مرقول کسے راکہ می گوید مہدی ہمیں عیسیٰ علیہ السلام است وتمسک مے کند بایں حدیث کہ **لا مهدی الا عیسٰی بن مریم** وجواب ایں حدیث حمل است بر حذف **لا مهدی بعد المهدی المشهور الذی هو من اولادِ محمد ﷺ وعلی** علیہ السلام **الا عیسٰی** علیہ السلام۔ انتھی۔ اور نیز قصیدہ نعمت اللہ ولی جس کا نام آپ نے نشان آسمانی رکھا ہے۔ مہدی وقت اور عیسیٰ کے ایک ہی شخص ہونے کی دلیل بنایا ہے۔ مزید برآں موجب تعجب یہ ہے کہ ''مہدیٔ وقت وعیسیٰ دوراں ہر دوراشہسوار مے بینم'' واؤ جو مہدی وقت اور عیسیٰ کے درمیان ہے اس کو واؤ تفسیر ٹھہرایا۔ اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ دوسرے مصرعہ میں لفظ ہر دورا جو واقع ہوا ہے وہ کیا کہہ رہا ہے۔ **لا مهدی الا عیسٰی** کو اگر صحیح بھی مانا جائے تو بھی مرزا صاحب کو مفید نہیں۔ کیونکہ جب ارادہ مثیل کا ابن مریم سے بشہادت آیات قرآنیہ ممتنع ہوا تو پھر وہی عیسیٰ بن مریم جو نبی وقت تھا مہدی بنا۔ مرزا صاحب کو کیا فائدہ؟

احادیث نزول اور ظہور دجال اور مہدی متواترۃ المعنی ہیں۔ مسلمانوں کو ایمان رکھنا ان کے ساتھ ضروری ہے۔ ہر گز ہر گز کسی کے دھوکا میں نہ آنا چاہیے۔ **فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ**۔ اور دلیل ان کے مسیح موعود نہ ہونے پر الہامی کلام حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کی ہے (۲۲) ''تب اگر کوئی تمہیں کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں تو

یقین مت لاؤ۔'' (۲۳) ''کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھیں گے۔ اور بڑے نشان اور کرامتیں دکھائیں گے یہاں تک کہ اگر ممکن ہوتا تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے۔'' (۲۴) ''دیکھو میں پہلے سے ہی کہہ چکا ہوں۔'' (۲۵) ''پس اگر وے وے تمہیں کہیں۔ دیکھو وہ جنگل میں ہے تو باہر مت جاؤ۔ دیکھو وہ کوٹھری میں ہے تو باور مت کرو۔'' (۲۶) ''کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوندتی ہے اور پچھم سے چمکتی ہے ویسا ہی انسان کے بیٹے کا آنا بھی ہوگا۔'' اس میں مرزا صاحب کا جواب کہ ''جھوٹے مسیح پادری لوگ ہیں'' نہایت ہی سست اور نکما ہے۔ کیونکہ جھوٹا مسیح وہ ہے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے اور علاماتِ لازمہ موجود نہ ہوں خواہ پادری ہو یا مسلمان۔

ناظرین کو بخوبی واضح ہو چکا ہوگا کہ سب احادیث صحیحہ متواترہ اسی مسیح بن مریم کے آنے سے خبر دے رہی ہیں جو نبی وقت تھا اور اس کے زمانہ نزول کے علاماتِ متذکرہ بالا ابھی موجود نہیں۔ مرزا صاحب ازالہ میں لکھتے ہیں۔ کہ ''مسلمان کم از کم میرے قول کو حسن ظن کے طریق پر ہی مان لیتے۔'' جناب ہم کو مان لینے میں کوئی عذر نہ تھا۔ اگر کتاب اللہ اور کتاب الرسول اور اجماع اُمت برخلاف آپ کے شہادت نہ دیتے۔ آپ منانے کا انتظار نہ کیجئے۔ تقصیر تحریف آیات واحادیث بارگاہ الٰہی سے معاف کرانے کا فکر فرمائیں ابھی وقت ہے۔ **رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْ نَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا** میں سچ کہتا ہوں آپ نے معتقدوں کے لیے ایسا راستہ بتایا ہے اور اصول قائم کیے ہیں کہ ضرور ہی وجود حشر وغیرہ مواعید ربانیہ کے منکر ہو جائیں گے۔ ازالہ میں آپ یہ قول اپنے معتقدین کے بارہ میں لکھ کر (کہ قریب تر بامن اور نزدیک تر بسعادت کون لوگ ہیں۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح موعود ہونا مان لیا ہے یا وہ لوگ جو منکر ہو گئے) ان کو خوش تو فرمایا ہے مگر آپ نے ان کے لیے یہ خیر و برکت تجویز کر دی ہے کہ قبل از وقوع شے اس کے ساتھ ایمان نہ رکھنا گو کہ مخبر صادق

ﷺ نے جن کے ہزاروں نظائر پیشین گوئیوں کے بعینہ اسی طرح ظہور میں آئے بشہادت حلفی بیان فرمائیں۔ بناءً علیہ عذاب قبر وسوال منکر نکیر وحشر وغیرہ امور واجبۃ الایمان میں ان کو مذبذب کر دینے کے انوار و برکات سے افادہ بخشا ہے۔ رسولوں علیہم السلام کے بارہ میں آپ فرماتے ہیں۔ مسیح کا مکاشفہ کچھ بہت صاف نہیں تھا۔ ازالہ صفحہ ۶۹۰ یہ دخل شیطانی کلمہ کا کبھی انبیاء اور رسولوں کو وحی میں بھی ہو جاتا ہے۔ ازالہ صفحہ ۶۲۸ کچھ تعجب نہیں کہ آنحضرت ﷺ پر ابن مریم، دجال، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض، دجال کے گدھے کی حقیقت کاملہ اور اصلی معلوم نہ ہوئی ہو۔ ازالہ صفحہ ۶۹۱ میں کہتا ہوں انبیاء علیہم السلام کو دھوکا لگ جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ) مگر آپ (مرزا صاحب) کا الہام بالکل محفوظ اور قطعی ہے جن کو غیب کے مطلع کرنے پر اتنا اہتمام کیا جائے **فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَداً.** یعنی کلام ربانی چوکیوں پہروں سے بحفظ تام انہیں تک پہنچائی جائے۔ ان کا مکاشفہ ناقص اور پر اشتباہ۔ اور جن کے یہ نشان نہیں ان کا مکاشفہ کامل اور واضح تر آپ ازالہ کے صفحہ ۱۸۱ میں فرماتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے بندہ پر ایمان لاکر اس تختی اور غضب الٰہی سے بچ گئے جو ان نافرمانوں کے حصہ میں ہوتا ہے۔ جن کے حصہ میں بجز تکذیب اور انکار کے اور کچھ نہیں۔ میں کہتا ہوں خدائے تعالیٰ کا بھیجا ہوا بندہ ترجمہ ہے **عبدهٗ و رسولهٗ** کا ہم بصدق دل پڑھتے ہیں **اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ** الخ اور آنحضرت ﷺ کو چونکہ خاتم النبیین جانتے ہیں لہذا آپ کو **عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ** موصوف بہ مجموع ہر دو صفت نہیں مانتے۔

ازالہ کے صفحہ ۱۵۵ میں آپ فرماتے ہیں۔ اور میرے دعویٰ کا ٹوٹنا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر ہی آوے۔ تا میں ملزم ٹھہر سکوں۔ آپ لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح ابن مریم آسمان سے اترتے دکھائی دیں۔ اگر کوئی کہے کہ اہل حق کی دعا اہل باطل کے مقابل پر قبول ہونی ضروری نہیں۔ ورنہ لازم آتا

ہے کہ ہندوؤں کے مقابل مسلمانوں کی دعا قیامت کے بارہ میں قبول ہو کر ابھی قیامت آجائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس گزرنے سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی۔ اور ضرور ہے کہ خدا اسے روکے رہے جب تک وہ ساری علامتیں کامل طور پر ظاہر نہ ہو جائیں جو حدیثوں میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن مسیح کے ظہور کا وقت تو یہی ہے۔ اور وہ تمام علامتیں بھی پیدا ہو گئیں جن کا مسیح کے وقت پیدا ہونا ضروری تھا۔ ازالہ صفحہ ۶۳۴ ناظرین پر واضح ہو کہ یہ قول مرزا صاحب کا کہ ''مسیح کو بذریعہ دعا جلد آسمان سے اتارلو اگر سچے ہو'' اسی قبیل سے ہے جو منکرین قیامت کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب متحقق ہوگا۔ **وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**o ہم کہتے ہیں کہ اس کا علم بجز خدا جل شانہٗ کے اور کسی کو نہیں۔ منکرین جب معائنہ کریں گے ان کے منہ بُرے ہو جائیں گے۔ اور ان کو کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم مانگتے تھے **قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَاللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ**o **فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ**o اور مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ نزول مسیح کا وجود قیامت پر قیاس نہ کیا جائے۔ کیونکہ مسیح موعود آچکا اور علامات بھی موجود ہو چکے۔

میں کہتا ہوں ناظرین کو ماقبل سے واضح ہو گیا کہ علامات مبیّنہ فی الاحادیث ظہور میں نہیں آئے۔ اور مسیح بن مریم جو نبی وقت ہوا ہے اور جس کا وعدہ نزول کا احادیث میں مذکور ہے وہ کہاں آیا؟ مثیل کا مراد لینا احادیث سے پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور یہ جو لکھا ہے کہ ''قیامت سات ہزار سال سے پہلے نہیں آسکتی'' میں کہتا ہوں کہ یہ سات ہزار سال کی تحدید جو آپ نے لگا دی یہ منافی ہے۔ **لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ** کے اور ان احادیث کے جن میں آنحضرت ﷺ نے لاعلمی بیان فرمائی اور اس حدیث معراج کے جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے ذکر معاہدہ رب کا کیا۔ بخاری میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے ہم میں کھڑے ہو کر ذکر ابتداء پیدائش سے لے انتہا تک فرمایا حتیٰ کہ اہل جنت کو جنت میں اور اہل نار کو نار میں داخل کر دیا۔ بایں مکاشفہ آپ ﷺ قیامت کے بارہ میں اس طرح مامور ہیں۔ **قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَاللّٰہِ** اور بجواب سوال جبرائیل یوں فرماتے ہیں۔ **مَاالْمَسْؤلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مَنَ السَّائِلِ.** کسی جگہ آپ نے اس علم کا افادہ نہیں فرمایا کہ سات ہزار سال تک تو بے غمی ہے بعد ازاں وقوع اس کا ہوگا مگر وقت معیّن معلوم نہیں۔ اردو خوانوں سادہ لوحوں کو کیا کیا دھوکے، کیا کیا مضامین الٹ پلٹ کیے ہوئے سناتے ہیں۔ اللہ حافظ ہو۔ اور حدیث **اَلدُّنْیَا سَبْعَۃُ الاٰفِ سَنَۃٍ وَاَنَا فِیْ اٰخِرِھَا اَلْفًا** برتقدیر صحت کے مراد آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے آج تک چھ ہزار سال پورے ہو چکے ہیں اور ساتواں ہزار شروع ہے کہ میں ساتویں ہزار میں ہوں۔ (مولانا رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) اور استشہاد مرزا صاحب کا ساتھ حدیث **اَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ** کے موقوف ہے اس امر کے اثبات پر کہ مابعد لفظ **کَمَا** اور ماقبل اس کا مشارک فی جمیع الاوصاف والا حکام ہوتے ہیں۔ **ودونہ خرط القتاد۔** یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ دیکھو آیۃ **کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ** جو اسی حدیث میں مذکور ہے۔ اعادہ اور بداء الخلق مغائر فی الکیفیت ہیں بہ سبب اشتراک دونوں کے حیز قدرت میں کلمہ **کَمَا** اطلاق کیا گیا۔ ایسا ہی حدیث شریف میں بیان اشتراک فی وصف البراۃ منظور ہے نہ فی جمیع الخصوصیات۔ اور باقی استشہادات کے اجوبہ دوسری جگہ ملاحظہ کیے جائیں۔ **رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا. وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط**

تَمَّتْ

یقول مصحّحه الحفاظ الغازی عفی عنه حمداً لمن انعم علینا باظهارا الحق فی معنی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ علی وجه ماجآء به احد و نجانا من شبهات مرزا صاحب قادیانی علی لسان العلامة الفاضل والولی الکامل معدن العلوم الظاهریة ومنبع الفیوض الباطنیة حاج الحرمین الشریفین السیّد الجیلانی سیّدنا و مرشدنا سیّد پیر مهر علی شاه ساکن گولڑا شریف افاض اللّٰه علینا من برکاتهم وصلوةً وسلامًا علی من قال یَدُ اللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ مَن شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ. اَمَّا بَعْد فَقَدْ تَمَّ بحمدهٖ تعالیٰ طبع الکتاب المستطاب المسمّی بشمس الهدایة طبع اولیٰ فی شهر رمضان المبارک ۱۳۱۷ سنه من الهجرة النبویة علی صاحبها الوف من الصلوة والاف من التحیة.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اج سک متراں دی

اج سک متراں دی ودھیری اے
کیوں دلڑی اداس گھنیری اے

لوں لوں وچ شوق چنگیری اے
اج نیناں لایاں کیوں جھڑیاں

مکھ چند بدر شعشانی اے
متھے چمکے لاٹ نورانی اے

کالی زلف تے اکھ مستانی اے
مخمور اکھیں ہن مدھ بھریاں

اس صورت نوں میں جان آکھاں
جاناں کہ جان جہان آکھاں

سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جس شان تو شاناں سب بنیاں

دے صورت راہ بے صورت دا
توبہ راہ کہ عین حقیقت دا

پر کم نہیں بے سوجھت دا
کوئی ورلیاں موتی تے تریاں

ایہا صورت شالا پیش نظر
رہے وقت نزع تے روز حشر

وجہ قبر تے پل تھیں جد ہوی گزر
سب کھوٹیاں تھیسن تدھریاں

یــــعــطیک ربک داس تساں
فتـــرضــی تھیں پوری آس اساں

لجپال کریسی پاس آساں
واشــفـع شـفـع صحیح پڑھیاں

لاہو مکھ توں مـخـطـط بـرد یـمـن
من بھانوری جھلک دکھلادو سجن

دو جگ اکھیں راہ دا فرش کرن
سب انس و ملک حوراں پریاں

انہاں سکدیاں تے کر لاندیاں تے
لکھ واری صدقے جاندیاں تے

اتے بردیاں مفت وکاندیاں تے
شالا آون وت بھی اوہ گھڑیاں

سبـحـان اللہ مـا اجـمـلـک
مـا احسنک مـا اکـمـلـک

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا
گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

سیفِ چشتیائی

(سنِ تصنیف: 1902ء / ۱۳۱۹ھ)

تصنیفِ لطیف

فاتح قادیانیت شیخ الاسلام

سید پیر مہر علی شاہ چشتی حنفی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

اجمالی فہرست سیف چشتیائی

اجمالی فہرست سیف چشتیائی

خطبہ بزبانِ عربی [1]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

الحمد للّٰہ الذی ارسل رسلہ مبشرین ومنذرین وختمھم بمن انزل فیہ ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النّبیین نزل علیہ قراناً عربیًا غیرذی عوج بابھر ایات واظھرحجج لواجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل ھذا القران لعجزوا عن الایتان بمثیل اقصرسورۃ منہ مع الخذلان واشھد ان لا الہ الاھو الہ العلمین واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ وحبیبہ وخلیلہ خاتم النّبیین علیہ وعلیٰ الہ من الصلوۃ اسناھا عدد علمہ ومن التسلیمات ازکھا ملأ حلمہ وعلیٰ صحبہ الذین اووا ونصروہ والذین اتبعوھم باحسان الی یوم الدّین سیما مجددی دینہ المتین الھازمین المتنبی القادیانی فالقاطعین عن ملّتہ الوتین اللّٰھُمَّ انصر من نصر دین محمد ﷺ واجعلنا منھم واخذل من خذل دین محمد ﷺ ولا تجعل مثلنا مثل الذین قلت فیھم ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلاً فَبِئْسَ مَایَشْتَرُوْنَ○ (آل عمران:۱۸۷)﴾ وایضا﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلاً اُوْلٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَایُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (آل عمران:۷۷)﴾

[1] اس خطبے کا مکمل اردو ترجمہ اس کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

اما بعد

فیقول الفقیر الملتجی الی اللّٰہ الغنی بہ عمن سواہ عبدہ وابن عبدہ مہرعلی[1] شاہ الحسنی نسبان الحنفی مذہبان الچشتی النظامی والقادری الذہبی مسلکا ان اسنی ما یرغب فیہ ویسترف علیہ وابہی ما تمتد اعناق الھمم الیہ ھو علم الکتاب والسنۃ۔قال اللّٰہ تعالٰی ﴿اَفَلاَیَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلاَفًا کَثِیْرًاO(النساء:۸۲)﴾ وقال اللّٰہ تعالٰی﴿کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ اِلَیْکَ مُبَارَکٌ لِیَدَّبَّرُوْا اٰیَاتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُو الْاَلْبَابِO(ص:۲۹)﴾وقال تعالٰی﴿اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَاO(محمد:۲۴)﴾ وقال ﷺ "الا وانی اوتیت القران ومثلہ معہ" فعلمھما من اھم ما تشد رحال القصد الیہ واعظم ما تناخ مطایا الطلب لدیہ ومن اوکد ما لاجلہ ترکب الخوادی والعوادی الی العمرانات والبوادی ومن اشد ما یجتدی لدفع معرۃ العوادی من الا ھاضیب الثوادی

---

[1] سلسلۂ طریقت میں جب آباؤاجداد بھی شامل ہوں تو اسے سلسلۃ الذہب یعنی سنہری سلسلہ کہتے ہیں جیسا کہ حضرت قدس سرہٗ کے مندرجہ ذیل سلسلہ قادریہ جدیہ سے ظاہر ہے **فھو رضی اللّٰہ عنہ وعن اسلافہ الکرام.**

ابن السید پیر نذر دین بن السید پیر غلام شاہ بن السید پیر روشن دین بن السید عبدالرحمن نوری بن السید عنایت اللہ بن السید غیاث علی بن السید فتح اللہ بن السید اسداللہ بن السید فخرالدین بن السید احسان بن السید درگاہی بن السید جمال علی بن السید محمد جلال بن السید محمد بن میراں سید محمد کلاں بن میراں شاہ قادر قمیص الشند وروی فی نواحی السہارنفور ومشائخ کلیر بن السید ابی الحیات بن السید تاج الدین بن السید بہاؤالدین بن السید جلال الدین بن السید داؤد بن السید علی بن السید ابی صالح نصر بن السید عبدالرزاق بن السید عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی رضی اللہ عنہ وعن اولادہ واحفادہ الی یوم القیامۃ ۔۱۲محمد غازی مقیم آستانہ عالیہ

كما قال عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ والذی لا الٰه غيره ما نزلت اية من كتاب اللّٰه الا وانا اعلم فيمن نزلت واين نزلت ولو اعلم احدا اعلم بكتاب اللّٰه منى تناله المطايا لا تيته.

فالواجب علينا معشر المسلمين تعلمهما ممن هو اهل لذلک ويقدم تفسير القران بالقران علٰى حسب اللغة العربية وعلٰى اطبق ما فسره رسول اللّٰه ﷺ قال اللّٰه تعالٰى ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (القیامۃ:۱۷۔۱۸۔۱۹)﴾ وقال اللّٰه تعالٰى ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ (النساء:۱۰۵)﴾ وايضا ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (النحل:۶۴)﴾ وايضا قال تعالٰى ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (النحل:۴۴)﴾ وقال ﷺ "الا وانى اوتيت القران ومثله معه" فتفسيره ﷺ بدر القوادى ونجم الدادى واقدم من كل شئ لا تسوغ مخالفته لمسلم قط علٰى زعم ما زعم المتنبى القاديانى وحزبه فانهم اتوافى التفسير كل مضادى والضوادى فجعلوه مرجعا واصلا لتفسير الرسول ولو بتاويل تمجه العقول كما فى احاديث النزول.

ثم تفسير علماء الصحابة اذهم ادرى بذٰلک لماشافهو امن القران والاحوال المعينة علٰى فهم المراد مع نيل سعادة السماع والتعلم عن رسول اللّٰه ﷺ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال كان الرجل منا اذا تعلم عشر اياتٍ لم يجاوزهن حتى يعرف معانيهن والعمل بهن.

وقال ابو عبدالرحمن السلمی حدثنا الذین کانوایقرؤننا انھم کانوا یستقرؤن من النبیﷺ وکانوا اذا تعلموا عشر ایات لم یخلفوھا حتی یعمل بما فیھا من العمل فتعلمنا القران والعمل جمیعا.

وبالجملة تفسیر الصحابی مقدم علی رأی غیرہ لاکما زعمت المرزائیة فانھا طائفة اشربت فی قلوبھا نبوة القادیانی ورسالة تفسیرالقران برایھا تفسیرا یقرر لنبوته بأن تجعل ھذا المطلوب متبوعاً والتفسیر تابعا له فترد الیه بایّ طریق امکن وان کان ضعیفا او تحریفا او خرقا للاجماع فسودوا الکراریس العدیدة لإثبات ان غلام احمد القادیانی نبی ورسول فمن لم یؤمن بنبوته فھو احد الکفرة الذین انکروا رسالة الرسل خارج عن الاسلام والعیاذ باللّٰه فصرفوا جھدھم وما زال المقصود ینصرف وبذلوا انفسھم والمطلوب یعرض وینحرف فالحمد للّٰه علی ما انصرمت عوی اما لھم عن الفوز بما فی خیالھم واین الحضیض من السمآء والثریا من الثری ولنعم ما قیل فی الھندیة "کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔"

انظر ما بال القرون الاولی کیف ادعی المسیلمة وغیرہ ممن یتنبّی قد سحروا فی اعین عدة من الجھلة ویحبونھم کحب اللّٰه فباؤا بالذلة مع الاعوان فی الاخرة والاولی وللّٰه در علماء الاسلام حیث صنّفوا کتبا ورسائل اطفاءً لفتنة القادیانی وامته قد ھدی اللّٰه بھا کثیرا من المرزائیة فی اکثر البلدان وتابوا توبة نصوحا والحمد للّٰه علی ذلک وطالما یلقی فی روعی ان اکتب کتابا یوضح سبیل المؤمنین الذین انعم اللّٰه علیھم من السلف الصلحین ویجتنب طریق المبتدعین الذین نبذوا

الکتاب والسنة ورائهم ظهریا مقتفین بآثار اصحاب ارسطاطا لیس معرضین عما علٰی ارباب النوامیس فحال بینی وبین ما کنت اروم تراکم الاشغال وتراحم الهموم حتی الحّ علیّ و اظهر الفقر لدیّ من لایسعنی الا اسعاف ما امله و انجاح ما سئله فها انا اشرع فی المقصود مجیبا عما قال المولوی محمد احسن امروھی واخوته من المعترضین علٰی رسالتی المسماة بشمس الهدایة ومصلحا لما تفوه به القادیانی فی تحریف سورة الفاتحة ومبطلا لدعوی اعجازه فی تفسیر سورة الشافیة معتمدا علٰی فضل اللّٰه متشبثا بذیل رسول اللّٰه ﷺ فنعم المنیع منیعی ونعم الشفیع شفیعی بابی وامی هو وما بین اضلعی.

مرزا قادیانی نبوتِ اصلی کا مدعی تھا

قال فی خطبة رسالة المسماة بالشمس البازغة (یعنی امروہی نے اپنے رسالے شمسِ بازغہ میں کہا)

شعر

و اولو العلم کلهم[1] شهدوا	انـــه لا الـــٰه الا هـــو
ثم[2] قال الرسول قولوا[3] معی	انـــه لا الـــٰه الا هـــو
خیر مـــا قلتـــه وقـــال بـــه	قبلنـــا لا الـــٰه الا هـــو
ما عد الانس[4] کلهم[5] شهدوا	انـــه لا الـــٰه الا هـــو

---

[1] کلهم کلمہ کل بوجہ مضاف ہونے کے معرفہ کی طرف مجموع اجزاء کا افادہ دیتا ہے جو یہاں پر مقصود نہیں۔ ۱۲ منہ

[2] لایصح ایراد ثم فی هذا المقام بکلا احتمالیه لان الکلام السابق علٰی العموم۔ ۱۲ منہ

[3] وزن میں اختلال ہے۔ ۱۲۔ [4] والجن مثل الانس و انکار الجن انکار النصوص القاطعة فتخصیص الانس بالاستثناء لیس بصحیح۔ ۱۲۔ [5] یہاں پر بھی ماسبق کی طرح اضافۂ کل میں افادہ غیر مقصود کا ہے۔ محمد غازی عفی اللہ عنہ۔

قولہ: صفحہ ا۔ **واشھد ان محمدا خاتم النّبیین لا نبی بعدہ۔**

اقول: یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم اور نیز **قالوا نشھد انک لرسول اللّٰہ** میں ایسی ہی شہادت کا بیان ہے۔ آپ اگر آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں تو پھر غلام احمد قادیانی دعویٰ نبوت میں کاذب کیوں نہیں سمجھا جاتا؟ کیا اس نے دعویٰ نبوت کا نہیں کیا؟ اور بذریعہ اشتہار مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۱ء کے جس کا عنوان ''ایک غلطی کا ازالہ'' جلی قلم سے لکھا ہوا ہے، للکار کر نہیں پکارا کہ میں نبی اور رسول ہوں؟

سوال: خاتم النبیین اور ایسا ہی **لانبی بعدی** میں مراد نبی سے وہ انبیاء ہیں جن کی نبوت اصالۃً ہو نہ یہ کہ بسبب کامل اتباع کے ظلی طور پر ان کو رسول اور نبی کا لقب دیا جاوے اور غلام احمد قادیانی ظلی طور پر نبوت ورسالت کا مدعی ہے نہ کہ اصالتاً۔

جواب: قادیانی نے گو کہ بظاہر ظلیت اور بروز اور فنافی الرسول کے الفاظ کو سپر بنا رکھا ہے مگر فی الحقیقت نبوت اصلیہ کا مدعی ہے اور بر تقدیر تسلیم فنافی الرسول ہونے اس کے پھر بھی آنحضرت ﷺ کے بعد نبی ورسول کہلوانے کا مجاز نہیں ہو سکتا۔ **کما سنبینہ۔**

نبوت اصلیہ کے مدعی ہونے کا ثبوت اور اس کی تردید

قولہ: دیکھو اشتہار مذکور صفحہ ا، سطر ۱۳۔ چنانچہ وہ مکالمات الٰہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہیں اُن میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے۔ **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ** (دیکھو صفحہ ۴۹۸، براہین احمدیہ) اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔

اقول: یہ آیت سورہ فتح کے رکوع اخیر میں موجود ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی رسالت اور آپ کے دین پاک کے غالب کر دینے کا ذکر ہے۔ کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو خواب میں یا بیداری میں آیت مذکورہ سنائی دے جیسا کہ اکثر حفاظ اور شاغلین کو کثرت

استعمال وخیال کے سبب سے ایسا ہوا کرتا ہے، فرض کیا بذریعہ الہام ہی سہی۔ تو کیا وہ شخص بشہادت اس آیت کے رسول کہلوانے کا مجاز ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ورنہ **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** کے سننے سے محمد رسول اللہ ﷺ بھی اور اصحاب کبار بھی ہر ایک سننے والا کیوں نہ ہو؟ جب کہ **رَسُوْلَهٗ** کے سننے سے رسول بن گیا تو **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کے سننے سے محمد رسول اللہ اور **وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ** کے سننے سے اصحاب کبار اور **اَلْكُفَّار** کے سننے سے کفار کیوں نہیں بن سکتا؟ ایسا ہی **اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ** کے سننے سے کوئی دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں نبی و رسول ہوں اور نئی نماز و زکوٰۃ کا حکم میرے پر نازل ہوا ہے، ہرگز نہیں۔ اگر یہ نہیں کرسکتا تو پھر آیت **اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى** کے الہام ہونے سے بروزی رسالت کو **رَسُوْلَهٗ** کے لفظ سے کس طرح مراد لے سکتا ہے؟ **بینوا و انصفوا۔**

الغرض برتقدیر تسلیم الہام بآیۂ مذکورہ قادیانی کو استحقاق رسول کہلوانے کا ہرگز نہیں پہنچتا، بفرضِ محال اگر آیۂ مذکورہ کے سننے سے رسول کہلوانے کے مستحق بنیں تو اسی معنی سے رسول ہوں گے جو معنی آیت مذکورہ میں مراد ہے یعنی رسول اللہ اصلی۔ ورنہ دلیل دعویٰ پر منطبق نہ ہوگی، کیونکہ دعویٰ میں رسول ظلی اور دلیل یعنی **اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ** میں رسول اصلی۔

ع   ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اور نیز **رَسُوْلَهٗ** سے رسول ظلی مراد لینے کی تقدیر پر تحریف معنوی کلام الٰہی میں لازم آوے گی لہٰذا استدلال بآیت مسطورہ بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ قادیانی رسول اصلی ہونے کا مدعی ہے چنانچہ اس کا للکار کر کہلوانا بھی اس پر شاہد ہے کیونکہ صرف فنافی الرسول ہونا اس کا مقتضی نہیں۔

قولہ: پھر اسی اشتہار میں متصل عبارت منقولہ بالا کے لکھتے ہیں۔ ''پھر اس کے بعد اسی

کتاب میں میری نسبت یہ وحی اللہ ہے، **جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء** یعنی خدا کا رسول نبیوں کے حلوں میں۔" (دیکھو براہین صفحہ ۵۰۴)

اقول: یہ نئی لغت ہے **جری اللّٰہ** کا ترجمہ خدا کا رسول۔

قولہ: پھر اسی اشتہار میں لکھتے ہیں۔ اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہے۔ "یہ وحی اللہ ہے **محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم** اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا۔ اور رسول بھی۔"

اقول: اس وحی الٰہی میں **الکفار** کا لفظ بھی موجود ہے اس کو آپ نے نہیں لیا۔ **تلک اذا قسمۃ ضیزی ھل ھذا بھتان او المالیخولیا فتوبۃ نصوحا او الدواء لعل اللّٰہ یھدی او یھب الشفاء وینجی من ذی الداھیۃ الداھیا لکنہ من دون التصدیق بما جاء بہ النبی ﷺ الھاشمی المصطفٰی لیس مما یرجی وان دکت الارض دکا وتتفطر السموات العلی۔**

قولہ: پھر اسی اشتہار کے صفحہ ۲ سطرے پر لکھتے ہیں۔ "اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا کہ **ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین** اور اس آیت میں ایک پیشین گوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد پیشین گوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے۔ یعنی فنافی الرسول کی پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے اس لئے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں"۔ الخ

اقول: بر تقدیر تسلیم اس امر کے کہ مضمون مذکور ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ کا مدلول ہے صرف دو ہی سوال جواب طلب معروض کئے جاتے ہیں۔

پہلا سوال جواب طلب: فنا فی الرسول ہونے کا معیار اتباع کامل ہوتا ہے۔ دیکھو سیرت صدیقی، فاروقی، عثمانی، مرتضوی وغیرہ اصحاب کرام وسائر اہل اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ آپ سب کمالات نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو رہنے دیجئے صرف زہد اور فقر و فاقہ اور تفسیر دانی کے بارہ میں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے ہی قلب سے للہ شہادت لیجئے **انا محمدو مفسر** کی صدا آتی ہے یا **انا متزید و محرف** کا لقب ملتا ہے چنانچہ ہر جگہ تحریف ثابت ہو رہی ہے۔ کیا ایسے ہی استنباط من القرآن کا مالک وارث النبی کہلا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے لئے صدیقی و فاروقی و عثمانی و مرتضوی ملکہ و مہارت قرآن میں چاہیے جس سے صرف وارث النبی کہلانے کا مستحق ہوگا نہ یہ کہ نبی ورسول، **کما قال** ﷺ **لعلی الا انه لا نبوة بعدی**۔ (مسلم) **وقال علی لست بنبی**۔ (حاکم) حیرت انگیز مقام ہے کہ جس شخص کو شب و روز بذریعہ اشتہارات کے بلکہ کئی حیلوں سے حتی کہ تحلیل محرمات سے بھی زر و سیم کے مطالبہ کے بغیر اور کچھ نہ سوجھے معہذا پھر اس پاک نبی افضل الانبیاء میں فانی ہونے کا دعویٰ کرے جس کی شان یہ ہے،

وراودته الجبال الشم من ذهب	**عن نفسه فاراها ايما شمم**
واكدت زهده فيها ضرورته ان	**الضرورة لا تعدو على العصم**
وكيف تدعوا الى الدنيا ضرورة من	**لولاه لم تخرج الدنيا من العدم**

یہاں تو پلاؤ، قورمہ، زردہ، مشک و عنبر یاقوتیین مفرحات کے بغیر گذرتی ہی نہیں اور وہاں بیت نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں یہ کیفیت تھی جو احادیث مفصلہ ذیل سے پائی جاتی ہے۔

عن عائشة قالت ما شبع رسول اللّٰہ ﷺ ثلاثة ایام من خبزبر تتابعا حتی مضی بسبیله و عنها قالت کنا ال محمد ﷺ یمربنا الهلال والهلال والهلال ما نو قد نارا لطعام الا انه التمر والماء الا انه حولنا اهل دور من الانصار فیبعث اهل کل دار بحریرة بقریرة شاتهم الی رسول اللّٰہ ﷺ من ذلک اللبن۔ (اخرجاہ فی الصحیحین)

قال انس ما رای رسول اللّٰہ ﷺ رغیفامرققاحتی لحق باللّٰہ ولارای شاة سمیطا بعینه قط۔ (صحیح البخاری)

وعن انس ما اکل رسول اللّٰہ ﷺ علی خوان ولا فی سکرجة ولاخبزله مرقق فقیل له علی ماکانوا یاکلون قال علی السفر۔ (صحیح البخاری)

وعن عمر بن الخطاب انه خطب وذکر ما فتح علی الناس فقال لقد رایت رسول اللّٰہ ﷺ یتلوی یومه من الجوع ما یجد من الدقل مایملاء به بطنه۔ (صحیح مسلم)

وعن انس انه مشی الی النبی ﷺ بخبز شعیر واهالة سنخته ولقد رهن درعه عند یهودی فاخذ لاهله شعیرا ولقد سمعته یقول ما امسی عند ال محمد صاع تمر ولاصاع حب وانهم یومئذ تسعة ابیات۔ (صحیح البخاری)

وعن عائشة قالت کان فراش رسول اللّٰہ ﷺ من ادم حشوه لیف۔ (صحیح البخاری)

وفی الصحیحین من حدیث عمر بن الخطاب ؓ لما ذکر اعتزال رسول اللّٰہ ﷺ نساءه قال فدخلت علی رسول اللّٰہ ﷺ فی خزانته فاذا هو مضطجع علیٰ حصیر فادنی الیه ازاره وجلس واذ الحصیر قد اثر فیه بجنبه وقلبت عینی فی بیته فلم اجد شیئا یرد البصر غیر قبضة شعیر وقبضة من قرظ نحو الصاعین واذا افیق معلق فابتدرت عینای فقال

رسول اللہ ﷺ ما یبکیک یا ابن الخطاب فقلت یارسول اللہ ﷺ ومالی لا ابکی وانت صفوة اللّٰہ وخیرته من خلقهٖ وھٰذہ فراشک وھٰذہ الاعاجم کسریٰ وقیصر فی الثمار والانھار فقال او فی شک یا ابن الخطاب اولٰئک قد عجلت طیباتھم فی الحیٰوة الدنیا وفی روایة او ما ترضی ان تکون لھم الدنیا ولنا الاٰخرة قال بلٰی قال فاحمد اللّٰہ ﷻ قال قلت استغفر اللّٰہ۔

وفی صحیح مسلم عن ابی ھریرة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اللّٰھم اجعل رزق ال محمد قوتا۔

وروی الطیالسی باسناد صحیح عن ابن مسعود قال اضطجع النبی ﷺ علٰی حصیر فاثر الحصیر فی جلدہ فجعلت امسحه واقول بابی وامی انت یا رسول اللّٰہ الااذنتنا فنبسط لک شیئا تنام علیه قال مالی وللدینا انما انا کواکب استظل تحت شجرة ثم راح وترکھا۔رواہ الحاکم فی صحیحه عن ابن عباس عن عمر۔ (شیخ الاسلام الحرانی)

وفی الترمذی عن انس بن مالک قال حج النبی ﷺ علٰی رحل رث وقطیفة ولم یکن شحیحا وحدث انه حج علٰی رحل وکانت زاملة۔

وعن انس بن مالک ان النبی ﷺ لبس خشنا واکل خشنا لبس الصوف واحتذی المخصوف قیل للحسن ما الخشن قال غلیظ الشعیر ماکان یسیفه الا بجرعة ماء۔ (شیخ الاسلام الحرانی)

خلاصہ احادیث مذکورہ کا یہ ہے

رسول خدا ﷺ نے تمام عمر میں کبھی تین دن متواتر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی اور نہ کئی ماہ تک نبی ﷺ کے گھر میں بوجہ نہ ہونے طعام کے آگ ہی جلی۔ اکثر پانی اور کھجور پر

گذر ہوتی تھی فقر اور فاقہ کی یہ حالت تھی کہ رسول ﷺ کے ہمسائے انصار کھانے پینے کے لئے آپ کو دودھ یا حریسہ دیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نہ تو پتلی روٹی تناول فرمایا کرتے اور نہ بکرے کا بھنا ہوا گوشت۔ اور نہ کبھی میز پر کھانا کھاتے تھے۔ اکثر چمڑے کے دستر خوان پر تناول فرمایا کرتے تھے آپ کبھی چھوٹے پیالوں میں بھی کھانا نہیں کھایا کرتے تھے۔ گاہے گاہے ایسا بھی اتفاق ہوتا رہا ہے کہ شکم مبارک میں بھوک کی وجہ سے بل پڑ جاتے تھے۔ کبھی جناب ﷺ کو ردی کھجور بھی میسر نہ ہوتی تھی فرش آپ کا چمڑے کا ہوتا تھا اور اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے ہوتے تھے، کبھی نیند کے وقت چٹائی پر استراحت فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ کا مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جسم اطہر پر بوریوں کے نقش دیکھ کر رو پڑے اس پر جناب سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ رونے کا کیا باعث ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ کفار جو دشمن خدا ہیں وہ تو عیش کریں اور آپ ﷺ محبوب اللہ ہو کر ایسے حال میں رہیں، پس کیوں نہ روؤں۔ اس پر جناب ﷺ نے فرمایا کہ کفار کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت۔ کیا اے ابن خطاب! تو اس تقسیم پر راضی نہیں؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور خدا کی حمد وثناء کہہ کر استغفار کیا۔

اسی طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بدن مبارک سے بوریوں کے نقش مٹاتے اور کہتے تھے اگر اجازت ہو تو آپ ﷺ کے لئے فرش بچھایا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک مسافر سوار کی طرح ہوں جو کہ درخت کے سائے کے نیچے تھوڑے عرصے کے لئے آرام لیتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

مفخر موجودات ﷺ حالانکہ بخل کی عادت سے مبرا تھے تاہم آپ نے بوڑھی اور دبلی سواری پر پرانی چادر پہن کر حج ادا کیا۔ موٹا کپڑا پہنتے تھے۔ جو کی موٹی روٹی کھاتے تھے جو کہ بغیر پانی کے حلق سے نہ اترتی تھی۔ دعا یہ مانگتے تھے یا اللہ! آل محمد ﷺ کو رزق گذارہ عطا فرما یعنی اتنا رزق جس سے زندگی بسر ہو سکے۔

وَلَنِعْمَ مَاقِیْلَ

رباعی

ابناں ز کجا عشق بازی ز کجا ہندو ز کجاوٴ زبان تازی ز کجا
چوں اہل حقیقت سخن عشق کنند بیہودہٴ ایں قوم مجازی ز کجا

رباعی

اے خواجہ سرائے فنا رسولی ز کجا دیں نفس پرستی و فضولی ز کجا
جانبازی و سرِ دہی بعشقش **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**

دیگرے فرمودہ

منزلِ عشق از مکانِ دیگر است مرد ایں راہ را نشانِ دیگر است

چہ گویم و چہ نویسم نشان ایں بے نشانان کہ والہان جمال محمدی ﷺ ووالیان کمال احمدی ﷺ اند۔ چند رباعیات مسطورہ ذیل شمہٴ از حال ایں عزیزان حکایت می نمایند۔**وللہ در القائل**

رباعی

مہ را بینم روئے تو ام یاد دہد گل را بویم بوئے توام یاد دہد
چوں زلفِ بنفشہ رازند برہم باد آشفتگی موئے توام یاد دہد

حق حق حق حق حق حق حق حق حق حق حق

رباعی

عشق تو کہ شاہ بود در ملکِ دروں — چوں دبدبۂ شاہیِ او گشت فزوں
شد ہمرہِ آبِ دیدۂ دہم آہ — وز پردہ سرائے سینہ زد خیمہ بروں

رباعی

فصّاد بقصد آنکہ بردارد خُوں — شد تیز کہ نشترے زند بر مجنوں
مجنوں بگریست گفت ازاں می ترسم — کاید بدلِ خون غم لیلےٰ بیروں

رباعی

مست مے اگر دست کرم جنباند — جز بخشش دینار و درم نتواند
چوں مست غمت مرکبِ ہمت راند — بر فرقِ دو کون آستیں افشاند

رباعی

ما مست و معربدیم درند چالاک — در عشق نہادہ پابمیدانِ ہلاک
صد بار بہ تیغ غم اگر کشتہ شویم — آں مایۂ عمر جاودانی است چہ باک

رباعی

بس تخت نشین کہ شدز سودائے تو مست — در خیلِ گدایانِ تو بر خاک نشست
سر بردرِ تو نہادہ بوسد پیوست — سگ را بہ نیاز پاؤ سگباں را دست

رباعی

دے شانہ زد آن ماہ خم گیسورا　　بر چہرہ نہاد زلفِ عنبر بورا

پوشیدہ بدین حیلہ رخِ نیکورا　　تا ہر کہ نہ محرم نشنا سد اورا

رباعی

ساقی ے ازاں مہینہ جام در دہ　　از ہم مگسل علی الدوام در دہ

چوں در لغت عرب مدام آمدے　　اے ماہ مجم توہم مدام در دہ

رباعی

روزی کہ مدار چرخ و افلاک نبود　　و آمیزش آب و آتش خاک نبود

بریادِ تو مست بودم و بادہ پرست　　ہر چند نشان بادہ و تاک نبود

مؤلف می گوید عفی عنہ عندر بہ سرشار بادۂ عشق محمدی نہ تنہا بلال است بلکہ ہزار ہا بدر از بار غمش چوں ہلال۔ **کما قیل**

رباعی

تنہا نہ منم زعشق تو بادہ پرست　　آں کیست تو خود بگو کزیں بادہ پرست

آں روز کہ من گرفتم ایں بادہ بدست　　بودند حریف مے پرستان الست

برادر! کسے کہ کوچہ و بازار مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گردیدہ و از شاخ ہر گیاہی روایات حسن آن دُلدل سوار را شنیدہ باشد باید پرسید کہ چگونہ از در و بام آن احسن الانام ﷺ

صدائے ایں رباعی بگوش مقیمان کوئے پاکش میرسد۔

آئی تو کہ ازنام تو مے بارد عشق	و زنامہ و پیغام تو مے بارد عشق
عاشق شود آنکس کہ بکویت گذرد	گوئی زدر وبام تو مے بارد عشق

فسبحان من خلقه و احسنه و اجمله واکمله سبحانه سبحانه

ع چوعبد این است معبودش چہ باشد

دوسرا سوال جواب طلب: اگر صرف مقام فنا فی الرسول ہی کا قادیانی کو رسول اور نبی کہلانے کی اجازت دیتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ صدیق اکبر نے جس کی شان میں **لو کنت متخذا خليلا لاتخذت ابا بكر خليلا** فرمایا گیا اور ایسا ہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باوجود لقب محدثیت کے اور عثمان نے باوجود کمال اتباع صوری و معنوی کے اور علی مرتضیٰ نے باوجود بشارت **انت منى بمنزلة هارون من موسى** کے اور **سيدا شباب اهل الجنة** حسنین نے جن کا مجموعہ بعینہ جمال باکمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھا، رسول اور نبی کہلوانے پر جرأت نہ کی اور ہزارہا اہل اللہ جن کے فانی فی الرسول ہونے پر ان کے سایہ کا گم ہوجانا بھی شہادت دیتا تھا کسی نے نبی اور رسول نہیں کہلوایا۔ قطب الاقطاب سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ عنہ مکالمات الہیہ میں سے کسی مکالمے میں باوجود شان **خضنا بحرا لم يقف على ساحله الانبياء** کے یعنی **فيننا فى النبي الامى الذى هو كالبحر فى السخاء** نبی اور رسول کے لفظ سے نہ پکارے گئے یہ سب تو اسی قاعدہ مسلمہ میں محدود رہے کہ **الولى لا يبلغ درجة النبى**۔ اور قادیانی صاحب باوجود اوصاف منافرہ عن مقام الفناء کے نبوت تک پہنچ گئے بلکہ الوہیت مستقلہ متقابلہ الالوہیۃ الباری عزاسمہ بھی العیاذ باللہ

حاصل کرلی، چنانچہ اپنی تالیف کتاب البریہ کے صفحہ۷۹، سطر۱۴ پر لکھتے ہیں کہ ”اور اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی پھر میں نے منشاء حق کی موافق اس کی ترتیب وتفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا **انا زینا السماء الدنیا بمصابیح** پھر میں نے کہا ہم انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کریں گے پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہوگئی۔“ الخ

اس عبارت مسطورہ میں ہم ناظرین کو صرف اسی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ آسمان دنیا جس کو قادیانی صاحب نے پیدا کیا ہے وہ کہاں ہے اگر کہیں رکھا ہے تو پتہ بتلادیں۔ ورنہ کشف اپنے غیر واقعی اور محض از قبیل اضغاث احلام ہونے پر صاف شہادت دے رہا ہے۔ کیا ایسی ہے مکاشفات و الہامات غیر واقعیہ قادیانی صاحب کی نبوت و رسالت کے چھت کے لئے شہتیرین بن سکتی ہے؟ ہاں بدین وجہ ہوسکتے ہیں کہ خیالی چھت کی شہتیرین بھی خیالی ہونی چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ ولی کے منکر کو کافر نہیں کہا جاتا جیسا کہ تصدیق بولایت کو ایمان نہیں کہتے ورنہ **امنت باللّٰہ وملائکتہ وکتبہ ورسولہ واولیائہ** الخ ایمانی طور پر ہر مومن کو ماننا لازم ہوتا۔ قادیانی کا یہ کہنا کہ ”میں ظلی طور پر نبی و رسول ہوں اور میرا ماننا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔“ اس کو ایک تمثیل عام فہم کے پیرائے میں سمجھنا چاہئے۔ زید مثلاً کہتا ہے کہ میں فقیر مسکین ہوں اور میرا نافرمان مستوجب سزا ہے قید کیا جاوے گا۔ کیا زید کو بسبب دوسرے فقرے دعوے کے مدعی سلطنت وحکومت کا نہ خیال کیا جائے گا؟ اہل عقل پر ظاہر ہے کہ زید فی الحقیقت قول مذکور سے بادشاہی کا

دعویٰ ہی کر رہا ہے اور میں فقیر مسکین ہوں کے فقرے کو سپر بنا رکھا ہے۔ ایسا ہی قادیانی بھی فنافی الرسول اور بروز اور ظلیت کی آڑ میں مطاعن سے بچنا چاہتا ہے اور فی الواقع مطلب اس کا دوسرے فقرے سے متعلق ہے جو خاصہ لازمہ انبیاء کے لئے سمجھا گیا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ قادیانی نے اپنے چیلوں کو اپنے غیر معتقدین کے پیچھے نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور ایسا ہی ناطہ وغیرہ سے بھی۔ وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے منکرین کو کافر سمجھا ہوا ہے۔ حالانکہ حضرت شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ فتوحات میں لکھتے ہیں کہ میں فلاں شخص کو (جس کا نام میں اب بھول گیا ہوں اور فتوحات میں مندرج ہے) مبغوض اور برا سمجھتا تھا بسبب اس کے کہ وہ میرے شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہ کو نہیں مانتا تھا پس میں آنحضرت ﷺ کے دیدار فیض آثار سے خواب میں مشرف ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں شخص کو کس لئے تو برا مانتا ہے میں نے عرض کیا کہ وہ ابو مدین مغربی کا منکر ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ توحید اور میری رسالت کے ساتھ ایمان نہیں رکھتا؟ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے سویرے جا کر اس شخص کو کچھ دے کر بڑی عجز ومنت سے خوش کیا۔ (اس وقت مجھ کو فتوحات کا اتنا ہی مضمون خیال میں ہے شاید کم وبیش ہو۔ واللہ اعلم)

بڑی افسوس کی حالت ہے کہ ابو مدین جیسے ولی کامل سے منکر ہونا بعد الایمان باللہ ورسول کے موجب بغض وکراہت نہیں ہوسکتا بلکہ محی الدین بن عربی جیسے شخص کو اس پر ناخوش ہونے کے باعث سے آنحضرت ﷺ تنبیہ فرماتے ہیں اور قادیانی صاحب کے منکرین باوجود ایمان باللہ ورسولہ کے کافر سمجھے جا رہے ہیں۔

ناظرین خدارا انصاف! اگر یہ نبوت مستقلہ کا دعویٰ نہیں تو اور کیا ہے؟ مسلمانو! بعد آنحضرت ﷺ کے لقب نبی ورسول کا کسی مسلمان کے لئے شرعی نظر سے جائز نہیں نہ اصلی اور نہ ظلی۔ اگر ظلی طور پر یہ لقب متبع نبی کو عطا ہوسکتا اور فنافی الرسول کا مقام مجوز اس کا

ہوتا تو سب سے زیادہ مستحق مہاجرین و انصار تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ جن کا ذکر خیر کتاب و سنت میں موجود ہے اللہ جل شانہٗ نے قرآن مجید کے سورۂ فتح میں اصحاب کرام علیہم الرضوان کو صرف **وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا** سے یاد فرمایا اور رسالت کا لقب خاص سرور عالم وسید ولد آدم ﷺ ہی کے لئے رکھا۔ کما قال عز من قائل **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** باوجودیکہ صحابہ عظام علیہم الرضوان کو اس سفر میں حدیبیہ سے واپس ہونے کے باعث اور دخول مکہ سے مشرکین کی رکاوٹ کے سبب سے اپنی ناکامی کا سخت رنج وملال تھا جس کے دفع کرنے کے لئے ان القاب سے ان کو اطمینان دیا گیا یعنی **مَعَهٗ** اور **اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّار** اور **رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** اور **رُكَّعًا سُجَّدًا** پس نظر بمقتضائے مقام ان کے اطمینان دہی اور دفع ملامت اعلیٰ لقب سے ضروری تھی جس کے اوپر اور کوئی تمغہ ولقب متصور نہ ہو، یعنی نبوت ورسالت جس کے اوپر صرف الوہیت ہی رہ جاتی ہے تو بجائے اوصاف مذکورہ فی الآیۃ کے **والذین معه انبیاء و رسل** ہونا چاہیے تھا۔ اس سے اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ بعد آنحضرت ﷺ کے نبی اور رسول کا لقب ظلی طور پر بھی کسی کا استحقاق نہیں۔ بڑی تعجب کی بات ہے کہ صحابہ کرام میں سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم جن میں اقوٰی اور اعلیٰ موجبات تشبہ بالنبی ﷺ کے قوۃ عاقلہ وعاملہ دونوں کی جہت سے موجود تھی، وہ تو نبی اور رسول کے لقب سے محروم کئے جاویں اور تیرہ سو (۱۳۰۰) برس کے بعد ایک شخص جس کے قوت عاقلہ کے کمال پر اس کے استدلالات بآیات قرآنی اور قوت عاملہ کے جلال پر ان کا راز تقریر لسانی وانحصار در قلمرانی شاہد ہیں بلاتحاشہ نبی اور رسول کا لقب حاصل کرے بلکہ حقیقی نبی بھی بن بیٹھے یعنی یہ کہے کہ میری ازواج کو امہات المومنین کے لقب سے پکارا کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔ نہایت ہی حیرت انگیز مقام ہے کہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو باوجود بیان کمال اتحاد کے جو قریب بعینیت ہے، اس

لقب کی اجازت نہ دیجاوے بلکہ صریح لفظوں میں روک دیا جاوے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں بروایت سعد حدیث طویل کے ضمن میں مذکور ہے کہ **فقال له رسول اللّٰه ﷺ اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبوة بعدی** یعنی علی کرم اللہ وجہہ کو جب کہ آنحضرت ﷺ نے بعض غزوات میں خلیفہ بنا کر مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں چھوڑ کر جانے لگے تو علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ آپ نے مجھ کو عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ بجواب اس کے آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تو خوش نہیں میرے قائم مقام ہونے پر، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام ھارون علی نبینا وعلیہما السلام تھا اور میرے قائم مقام ہونے کی نعمت تو تم کو ملی ہے مگر نبی کا لقب خاص میرے ہی لئے ہے تم کو نہیں ملتا کیونکہ میرے پیچھے نبوت نہیں۔ اور قادیانی کو جو نبوت ورسالت کے اوصاف صوری ومعنوی سے بمراحل بعیدہ ہے اور ہر جگہ اس کی قرآن دانی اور تفسیر بیانی شہادت دے رہی ہے نبی اور رسول کہلوانے کی اجازت مل جاوے۔ ہاں وجہ اس کی شاید یہ ہو کہ قادیانی نے سوچا کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے قریبی کو نبی کہلوانے سے روک دیا ہے تو آپ سے اس لقب کا حاصل کرنا ناممکن ہے۔ چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کو خبر ہی نہ ہو اور پیش قدمی کر کے جھٹ اللہ جل شانہ سے یہ تمغہ حاصل کرلوں۔ لہٰذا مکالمات الٰہیہ سے بزعمِ خود کامیاب ہوتے ہی لگا تار اشتہار دینے شروع کئے مگر دقت یہ ہے کہ ان مکالمات میں بھی بعض آیات وہی ہیں جو افضل الانبیاء ﷺ پر بھی اتری تھیں۔ جن کے ساتھ استدلال پکڑنے سے لازم آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے العیاذ باللہ ان آیات سے اجازت عامہ ہر ایک فانی فی الرسول کے لئے نبی ورسول کہلوانے کی نہیں سمجھی تھی۔ لہٰذا علی کرم اللہ وجہہ کو باوجود کمال فنا کے **الا انه لانبوة بعدی** فرما کر محروم رکھا اور اس آیت ﴿**لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ**﴾ کو جس طرح قادیانی صاحب نے سمجھا ہے

آنحضرت ﷺ نے نہیں سمجھا۔ **نعوذ باللّٰہ من ھذیان الجاھلین۔**

دوسری دقت یہ ہے کہ بقول قادیانی فنافی الرسول کے حاصل ہونے سے یہ لقب ملتا ہے اور رسول ﷺ کی خیرات اور آپکے ہی طفیل یہ عنایت ہوتی ہے، مگر رسول ﷺ اس سے بے خبر ہیں۔ العیاذ باللہ۔ لہٰذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو صرف تین ہی لقب عطا ہوئے۔ چنانچہ حاکم نے مستدرک میں بروایت اسعد بن زرارہ اخراج کیا ہے کہ **قال قال رسول اللّٰہ اوحی الیّ فی علی ثلث انہ سید المؤمنین وامام المتقین وقائد الغر المحجلین۔** اور نبی ورسول کے لقب سے مشرف نہ فرمایا باوجود اس کے کہ خیبر کے دن **یحب اللّٰہ ورسولہ ویحبہ اللّٰہ ورسولہ** سے ان کی محبت ومحبوبیت کل اصحاب کے سامنے ظاہر ہوئی۔

قولہ: پھر قادیانی صاحب اسی اشتہار کے صفحہ ۲، سطر ۲۲ پر لکھتے ہیں۔ ''اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے معنی لغت کی رو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنی صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا۔ اور نبی کا رسول ہونا شرط ہے کیونکہ اگر وہ رسول نہ ہو تو پھر غیب مصفی کی خبر اس کو مل نہیں سکتی۔ اور یہ آیت روکتی ہے ﴿**لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ**﴾ اب اگر آنحضرت ﷺ کے بعد ان معنوں کے رو سے نبی سے انکار کیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ امت مکالمات ومخاطبات الٰہیہ سے بے نصیب ہے کیونکہ جس کے ہاتھ پر اخبار غیبیہ منجانب اللہ ظاہر ہوں گے بالضرورت اس پر مطابق آیۃ ﴿**لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ**﴾ کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا اسی طرح جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جائے گا اسی کو ہم رسول کہیں گے۔''

اقول: سبحان اللہ ادھر تو عربیت اور بلاغت فصاحت میں یکتائی اور اعجاز کا دعویٰ ہے اور

ادھر یہ کہ نبی کا معنی لغت کے رو سے ''خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔''
نہیں صاحب نبی کا معنی لغت کی رو سے مطلق خبر دینے والا ہے دید سے ہو یا شنید سے، اور
نیز بذریعہ نجوم، جفر، رمل، کہانت کے ہو یا بوساطت وحی کے۔ اور اصطلاح شرعی میں خدا کی
طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔ جس کو خود بھی قطعی علم ہو اور دوسروں پر بھی
ایمان اس کے ساتھ لانا فرض ہو۔ ایسے شخص کو از روئے شرع کے نبی و رسول کہا جاتا ہے۔
اور ایسی نبوت و رسالت بعد آنحضرت ﷺ کے کسی اور کو نہیں مل سکتی۔ جن کو پہلے مل چکی ہے
انہیں کے لئے ہے۔ اور ان کی نبوت گو کہ دائمی ہے مگر خاتم النبیین کو منافی نہیں۔ کیونکہ آپ
ﷺ سے پہلے ان کو مل چکی تھی بخلاف نبوت قادیانی کے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے اس کے
حاصل کرنے کا مدعی ہے، لہٰذا خاتم النبیین کے منافی ہے۔ اور مکالمات و مخاطبات امت
مرحومہ میں بعد آنحضرت ﷺ کے بند نہیں کئے گئے مگر اس درجہ کو نہیں پہنچتے کہ ان کی ظنیت یا
قطعیت حجت علی الغیر ہو۔ بعد خبر دینے ان کے اگر کوئی انکار کرے تو اس کو شرعاً کافر نہیں کہا
جاتا گو کہ فی الواقع ظہور میں بھی اس کی خبر دینے کے مطابق ہو جاوے۔ بنا بر آں انبیاء علیہم
السلام کی اخبار بالمغیبات کے ساتھ ضروری طور پر قبل از وقوع تصدیق کرنی ہوگی جس کو ایمان
شرعی کہا جاتا ہے، اور ان کے انکار کو کفر شرعی بخلاف اخبارات اولیاء اللہ کے کہ ان کی
تصدیق کو ایمان نہیں کہا جاتا، اور نہ ان کے انکار کو کفر۔ آیۃ مذکورہ ﴿**فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ
اَحَدًا**﴾ میں مراد اظہار علی الغیب سے اطلاع وحی علی سبیل القطعیت ہے اور یہی اطلاع
مخصوص بالانبیاء اور رسل ہے۔ یعنی انہیں کی وحی و الہام کو قطعیت اور الزام علی الغیر کا
استحقاق ہے۔ غیر انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اطلاع ظنی طور پر ہوگی یا قطعی غیر متعدی۔
یعنی ولی کو اگرچہ بسبب تکرار الہام و کثرت تجربہ کے فی نفسہٖ علم قطعی بھی حاصل ہو، مگر الزام
علی الغیر کا مستحق نہ ہوگا تا کہ اس کے ساتھ تصدیق کرنے کو ایمان کہا جائے اور اس سے انکار

کرنے کو کفر۔ اور معلوم ہو کہ آیت میں چونکہ اظہار الشخص علی الغیب کی نفی ماسوئی رسول سے کی گئی جس کا مفاد علم قطعی ہے اور رسول کے لئے اثبات، لہٰذا غیر انبیاء سے مطلق علم بالغیب کی نفی نہ ہوئی بلکہ صرف علم قطعی کی۔ ہاں اگر اظہار الغیب علی الشخص کی نفی ہوتی، جس کا مفاد علم ظنی ہے تو معتزلہ کا استدلال بآیت مذکورہ نفی اطلاع الاولیاء علی الغیب پر صحیح ہوسکتا تھا اور ایسا ہی نقض باخبار رمال و جفار و کاہن و رؤیا وارد ہوتا کیونکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ بار ہا رملی، جفری، کاہن کی خبر اور خواب دیکھنے والے کی خواب سچی نکلتی ہے۔ آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہوا کہ علم قطعی بحدے کہ حجۃ علی الغیر ہو بغیر رسول کے کسی کو نہیں دیا جاتا۔ رہا علم ظنی یا قطعی جس کی قطعیت حجۃ علی الغیر نہیں ہوسکتی، سو وہ ولی کو فنافی الرسول ہونے کی رو سے اور رمال و جفار وغیرہ کو اپنے اپنے فنون کے ذریعے سے حاصل ہوسکتا ہے اور قبل از وقوع ان کے ساتھ تصدیق کرنے کے ہم مکلّف بھی نہیں اور آیت مذکورہ ایسے علوم کو غیر انبیاء کرام سے نفی نہیں کرتی تاکہ نقض بمواد مذکورہ آیت پر وارد ہو۔

ناظرین کو بشرط تدبر اس مقام سے کئی امور دریافت ہوسکتے ہیں۔

۱...... رسول اور غیر رسول میں فرق بحسب العلم والظن والزام علی الغیر وعدم الزام۔

۲...... دفع اس اعتراض کا جو اہل اعتزال بآیت مذکورہ متمسک ہوکر کرامت ولی پر وارد کرتے ہیں۔

۳...... دفع نقض باخبار رمال و مجفر وغیرہ۔

۴...... قادیانی صاحب کے استدلال بالآیت کا فساد۔

قادیانی صاحب کا مدعٰی میں نبی اور رسول ہوں یعنی ظلی طور پر مجھے نبی اور رسول کہلوانے کا استحقاق ہے۔

صغرٰی: مجھ کو غیب مصفّٰی پر اطلاع دی جاتی ہے۔ **کبرٰی:** اور جس کو غیب مصفّٰی پر اطلاع دی

جائے وہ بشہادت آیت مذکورہ رسول ہوتا ہے۔ **نتیجہ**: پس میں بھی رسول ہوں۔

وجہ فساد یہ ہے دلیل مذکورہ کے پہلے مقدمے میں مراد اطلاع سے اگر اطلاع قطعی حجۃ علی الغیر ہے تو ہم کہتے ہیں اس طرح کی اطلاع خاصہ نبی اور رسول کا ہے بحکم آیۃ ﴿**فلاَ یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ**﴾ کیونکہ اس میں اطلاع قطعی بحد مذکور کی نفی بغیر رسول شرعی کے سب سے کی گئی ہے اور اگر مراد اطلاع سے اطلاع غیر قطعی الی الحد المذکور ہے عام اس سے کہ ظنی ہو یا قطعی غیر بالغ الی الحد المذکور تو حد اوسط مکرر نہیں۔ یعنی پہلا مقدمہ یہ ہوا کہ مجھ کو اطلاع غیر قطعی حاصل ہے اور دوسرا مقدمہ یہ کہ جس کو اطلاع قطعی بحد مذکور حاصل ہو وہ رسول ہوتا ہے تو اس استدلال سے قادیانی صاحب کو کیا فائدہ ملا۔ کیونکہ قطعی علم والا رسول بنا اور اس کا علم چونکہ غیر قطعی ہے لہٰذا وہ رسول اور نبی کے لفظ کا مستحق نہ ہوا۔

۵......یہی آیت جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول کا علم بالغیب قطعی واجب التسلیم ہوتا ہے قادیانی کے اس دعویٰ کو کہ میں مسیح موعود ہوں، اُڑا رہی ہے۔ کیونکہ بموجب اس آیت کے رسول ﷺ کی متواتر پیشین گوئیاں دوبارہ نزول مسیح بن مریم سچی اور واجب التسلیم ٹھہریں جن کی تصدیق کو ایمان اور انکار کو کفر کہا جائے گا۔

سوال: قادیانی صاحب مع امروہی صاحب وغیرہ کے احادیث متواترہ فی نزول المسیح کا انکار نہیں کرتے بلکہ بعد التسلیم ان کو مؤول ٹھہراتے ہیں یعنی مسیح بن مریم یا عیسیٰ بن مریم سے مراد قادیانی ہے۔ **بعلاقۃ مماثلۃ**

جواب: تاویل بغیر قرینہ صارفہ عن المعنی الحقیقی کے تحریف ہوتی ہے خصوصاً جب کہ قرائن مانعہ عن التاویل بھی موجود ہوں کیونکہ ایسے تصریحات دربارۂ نزول اسی مسیح بن مریم بعینہ نہ

بمثیلہ کے آنحضرت ﷺ سے موجود ہیں جن میں کسی طرح تاویل ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ **قال رسول اللہ ﷺ للیھود ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیٰمۃ**۔ (دیکھو علامہ سیوطی کی تفسیر درمنثور)۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے یہود کو مخاطب کر کے فرمایا کہ محقق ہے یہ بات کہ عیسیٰ نہیں مرا اور یہ بھی محقق ہے کہ وہ لوٹنے والا ہے تمہاری طرف قیامت کے دن سے پہلے۔ اب یہ پیشین گوئی کیسی صریح طور پر صاف صاف لفظوں میں آنحضرت ﷺ نے فرمادی ہے جس میں مومن کو کسی طرح کا وسوسہ اور شک نہیں۔ مگر افسوس کہ بحکم

ع اے تیزیٔ طبع تو برمن بلا شدی

امروہی صاحب یہاں پر بھی وار کئے بغیر نہیں تھمے فرماتے ہیں کہ **لم یمت** یعنی کہ حضرت عیسیٰ سولی پر نہیں مرے۔ (دیکھو شمس بازغہ ص ۷، س ۲۰)۔ معلوم نہیں اس تحریف نے آپ کو کیا فائدہ بخشا اور یہ خیال نہیں کیا کہ مابعد کا فقرہ **وانہ راجع الیکم** کیا کہہ رہا ہے یہ تو اسی عیسیٰ کو جس کا ذکر آنحضرت ﷺ نے یہود سے کیا تھا دوبارہ دنیا میں لاتا ہے۔ آپ کے قادیانی صاحب کا تو ذکر ہی نہیں۔

سوال: ممکن ہے کہ **راجع** سے مراد عیسیٰ کا رجوع بروزی طور بصورت قادیانی ہو۔

جواب: مرزا جی چونکہ بروز عیسوی اور بروز محمدی ﷺ دونوں کے مدعی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ عیسوی رجوع بصورت قادیانی سے احادیث متواترہ میں خبر دیتے ہیں اور اپنے رجوع بروزی یعنی دوبارہ دنیا میں بصورت قادیانی ہو کر آنے سے ایک حدیث میں ہی اعلام نہیں فرماتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رجوع بروزی مراد نہیں بلکہ رجوع بعینہٖ۔ اور نیز بروز سے مراد اگر یہ ہے کہ روح قادیانی روح عیسوی سے مستفیض ہوتا ہے تو یہ استفاضہ قادیانی کے بغیر بہتیرے لوگوں کو حاصل ہوا ہے چنانچہ حضرت شیخ فتوحات میں فرماتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم ہمارا پہلا شیخ ہے اس کے ہاتھ پر ہم نے توبہ کی اور ہمارے حال پر ان کی

بڑی عنایت ہے **کما قال وهو شیخنا الاول رجعنا علی یدیه وله بنا عنایة عظیمة لایغفل عنا ساعة**۔ اوران کے ماسوااور بھی عیسوی المشرب صوفیہ بہتیرے سے گزر گئے اور موجود ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نیز اس طرح کا افاضہ عیسیٰ ابن مریم کا اس کے زندہ ہونے پر موقوف نہیں بلکہ برتقدیر مرجانے عیسیٰ ابن مریم کے بھی قادیانی کو فیض پہنچ سکتا ہے پس آنحضرت ﷺ کا فرمانا **وانه راجع الیکم** اگر بطریق بروز ہوتا توان **عیسی لم یمت** بے ربط ٹھہرتا تھا کیونکہ وہ تو موت کی تقدیر پر بھی ہوسکتا ہے۔ اور نیز **راجع الیکم** سے بروز فی القادیانی جب لیا جا سکتا ہے کہ قادیانی صاحب یہود میں سے ہوں کیونکہ آنحضرت ﷺ یہود سے مخاطب ہوکر فرمار ہے ہیں کہ **وانه راجع الیکم ای بارز فیکم** امروہی صاحب کو شاید محقق ہو گیا ہو کہ قادیانی صاحب یہود میں سے ہیں لہٰذا یہ تاویل فرمار ہے ہیں۔

الغرض **راجع الیکم** بمعنی **بارز فیکم** جب ہی صادق آئے گا کہ یہود میں سے کسی شخص کو عیسوی بروز کا مالک قرار دیا جائے چنانچہ **لینزلن فیکم ابن مریم** کا معنی قادیانی کے نزدیک یہی ہے کہ تم مسلمانوں میں سے کسی ایک مسلمان میں عیسیٰ کا بروز ہوگا اور آج تک چونکہ کوئی شخص رجوع ونزول بروزی کا مدعی نہیں بنا تاکہ اس پر یہودی ہونے کا الزام عائد ہو لہٰذا یہ امروہی تاویل کا میوہ خاص مرزا صاحب ہی کے لئے پیشکش ہوسکتا ہے اور اگر مراد بروز سے یہ ہے کہ روح عیسوی قادیانی کے بدن میں آگیا تو یہ تناسخ ہوا۔ **وهو باطل**۔ اور نیز بروزی احتمال کو پہلا فقرہ حدیث مذکورہ کا کہ **ان عیسی لم یمت** مردود کرتا ہے کیونکہ جب عیسیٰ بن مریم بقول آنحضرت ﷺ کے مرا نہیں، زندہ ہے۔ تو **انه راجع** سے یہی ثابت ہوا کہ وہی عیسیٰ بن مریم خود ہی دوبارہ دنیا میں آئے گا اور امروہی صاحب کی تاویل مذکورہ پر اس حدیث میں پہلا فقرہ دوسرے سے بالکل بے ربط ہوا جاتا ہے۔

سوال: اس قسم کی صریح احادیث میں تاویل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم شہادت دیتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم فوت ہو گیا ہے اور جو مر جاتے ہیں دوبارہ دنیا میں لوٹ کر نہیں آتے بناء علیہ دفعاً للتعارض تاویل کرنی ضروری ٹھہری۔

جواب: قرآن کریم کی آیات اسی رسالہ میں اپنی جگہ پر مشرح لکھی جائیں گی اس جگہ اتنا ہی کہا جاتا ہے کہ اصول ثلثہ یعنی قرآن، حدیث، اجماع میں حقیقی تعارض واختلاف ہرگز ممکن نہیں پس جب کہ احادیث متواترہ اور اجماع اسی عیسیٰ بن مریم کے رجوع پر صراحۃً ناطق ہیں۔ کما سیظہر۔ تو ضرور آیات قرآنیہ کا معنی بھی وہی صحیح ہوگا جو سنت اور اجماع کے مخالف نہ ہو جیسا کہ یہی ہے مسلک سلف صالحین کا۔ اور نیز معلوم ہو کہ مؤوِّل یعنی تاویل کرنے والا اگر حدیث کو صحیح الثبوت ومسلَّم المراد جان کر تاویل کرتا ہے تو بیشک تحریف کے الزام سے کسی طرح بری نہیں ہو سکتا صحیح الثبوت ومسلَّم المراد کا معنی یہ ہے کہ یہ حدیث آنحضرت ﷺ ہی کا فرمان پاک ہے اور آپ ﷺ کی مراد بھی ان الفاظ سے وہی معنی ہے جس کو چھوڑ کر تاویل کے رو سے اور معنی لیا جاتا ہے۔ قادیانی صاحب اور امروہی صاحب ان احادیث کو صحیح الثبوت ومسلَّم المراد سمجھ کر مؤوِّل ہیں اس کا ثبوت دونوں صاحبوں کا آج تک کسی تالیف میں حدیث مذکورہ و نظائرہ کی صحت پر معقول کلام نہ کرنا اوّل دلیل ہے، تسلیم صحت حدیث پر۔ اور بلا وجہ مردود کہنا قابل اعتبار نہیں بلکہ علامہ سیوطی جیسے محدث کی تصحیح (جن کے پاس صحت حدیث کے لئے معیار علاوہ اصول حدیث کے کشف صحیح بھی تھا جس کو قادیانی صاحب بھی ازالہ اوہام میں تسلیم کرتے ہیں) کافی ہے حدیث مذکور کی صحت کے لئے۔ (دیکھو مقدمہ فتح البیان)۔ امروہی صاحب کی عبارت منقولہ ذیل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ احادیث نزول ورجوع اور اقوال مفسرین میں (جن سے حیات ورجوع عیسیٰ بن مریم پر استدلال کیا گیا ہے) قائل کی مراد وہی معنی ہے جس کو ہم چھوڑ کر تاویلی معنی لیتے ہیں اور اس تاویل کرنے میں ہم مجبور ہیں کیونکہ یہ اقوال

دلائل قطعیہ کے معارض ہیں۔ دیکھو صفحہ ۷۸، سطر ۳ شمس بازغہ پر لکھتے ہیں۔ ''اگر کہا جاوے کہ تمہاری تاویل ان اقوال میں توجیہ القول بمالا یرضیٰ بہ قائلہ کی مصداق ہے پس ایسی تاویل کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے تو گذارش یہ ہے کہ اگر آپ ان اقوال مردودہ کی یہ تاویل تسلیم نہیں کرتے تو چونکہ یہ اقوال دلائل قطعیہ مذکورہ کے معارض ہیں لہٰذا محض باطل ہیں پس ہم ان کے نہ تسلیم کرنے میں مجبور ہیں۔'' انتہی۔

پھر صفحہ ۷۰، سطر ۱۹ کتاب مذکور پر لکھتے ہیں۔ ''پس اگر آپ کو **ان عیسٰی لم یمت الیٰ** کی تاویل ذیل منظور اور پسند ہے کہ حضرت عیسیٰ سولی سے نہیں مرے جو ملعون ٹھہرتے بلکہ مرفوع الدرجات ہوئے اور بروزی طور پر قبل قیامت کے مبعوث ہونے والے ہیں آخر تک۔ تو فبہا ہم کو یہ تاویل کب مضر ہے ہم بھی اس تاویل کو تسلیم کرتے ہیں ورنہ خلاف قواعد مسلّمہ نحویہ کے آیت کے معنی مزعوم آپ کیونکر کرسکتے ہیں۔'' انتہی۔

اور قادیانی صاحب کی تالیف میں مکرر لکھا ہوا ہے کہ کشف نبوی علیٰ صاحبہ السلام نے دجّال وغیرہ مکشوفات کو علیٰ وجہ الکمال کما ہو فی الواقع احاطہ نہیں کیا جس سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان پیشین گوئیوں میں واقعی امر کو نہیں سمجھ سکے۔ (دیکھو صفحہ ۴۳، سطر ۱۰، ایام الصلح) ''وہم چنیں لازم نیست کل استعارات انبیا را علم نبی از قبل احاطہ کند۔'' الخ۔

پس امروہی صاحب نے تو تاویل القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کے علاوہ قائل کو آیات قرآنیہ سے جاہل قرار دیا۔ العیاذ باللہ۔ اور قادیانی صاحب نے بھی نہ صرف بڑی مہتمم بالشان کشف نبوی پر دھبہ لگایا بلکہ واقعی تقدیر پر آنحضرت ﷺ اور کل امت مرحومہ کو قرآن کریم سے بے بہرہ خیال کیا۔ **نعوذ باللّٰہ من ھفوات الجاھلین**۔ رہا بیان ان آیات کا جن کو انہوں نے دلائل قطعیہ باعث علی التاویل ٹھہرایا ہے سو بیان ان کا اسی عجالہ میں اپنے اپنے مقام پر لکھا جائے گا اس جگہ صرف اتنا ہی بیان کرنا منظور تھا جو ہو چکا یعنی یہ لوگ

آنحضرت ﷺ کے معنی مراد کو عمداً چھوڑ کر تاویل کرتے ہیں۔ اللہ ان کو راہ راست پر لائے۔ **یَاهَادِیْ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ○**

قادیانی صاحب اس اشتہار میں اور کل تصانیف میں عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کو آیہ ﴿خاتم النّبیین﴾ کے منافی لکھتے ہیں اس کا جواب الزامی طور پر اس جگہ وہی فقرہ کافی سمجھا جاتا ہے جس کو اسی اشتہار کے صفحہ ۳، سطر ۲ پر قادیانی نے اپنے رسول اور نبی ہونے کے لئے لکھا ہے۔ ’’کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد قیامت تک ایسا نبی کوئی نہیں جس پر جدید شریعت نازل ہو۔‘‘ میں کہتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم کے بارہ میں بھی سب اہل اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ جدید شرع اپنے ساتھ نہ لائیں گے بلکہ شرع محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق حکم کریں گے کما ہو مصرح فی الفتوحات وغیرہ۔ جب کہ قادیانی کا نبی و رسول ہونا خاتم النّبیین کے مفہوم میں بباعث نہ لانے شریعت جدیدہ کے فرق نہیں لاتا، تو عیسیٰ بن مریم کا نزول ہمارے عقیدہ کے مطابق خاتم النّبیین کی مہر کو کس طرح توڑ سکتا ہے۔

سوال: عیسیٰ بن مریم چونکہ نبی مستقل انبیاء اولوالعزم میں سے ہیں تو بر تقدیر نزول کے بشرع محمدی حاکم ہونا ان کو نبوت سے معزول کرتا ہے جو سراسر خلاف ہے عقل ونقل کے اور درصورت نزول مع النبوۃ کے خاتم النّبیین کی مہر ٹوٹتی ہے بخلاف قادیانی کے نبی اور رسول بننے کے کیونکہ یہ فنا فی الرسول ہونے کے باعث نبی ورسول ہونے کا مدعی ہے۔

جواب: فنا فی الرسول ہونے کی وجہ سے بعد آنحضرت ﷺ کے نبی ورسول ہونے کا کوئی مستحق نہیں۔ چنانچہ اوپر لکھا گیا ہے۔ اور عیسیٰ بن مریم کے نزول کی نسبت کہا جاتا ہے کہ نبوت ورسالت کے لئے دو رخ ہیں یا یوں کہو بطون وظہور ہے۔ بطون عبارت ہے اخذ کرنے فیضان سے منجانب اللہ، جس کو خدا کے ہاں مقربین میں سے ہونا لازم غیر منفک ہے۔ اور

ظہور عبارت ہے توجہ الی الخلق سے، یعنی تبلیغ شرائع واحکام کی۔ اس ظہور میں تو بسبب تغیر و تبدل شرائع کے انقلاب آسکتا ہے۔ نبی لاحق کی شریعت چونکہ ناسخ ٹھہری نبی سابق کی شریعت کے لئے، تو نبی سابق کو بھی بر تقدیر موجود ہونے اس کے نبی لاحق کی شریعت کے زمانہ میں، اپنا شرع چھوڑ کر شرع لاحق کے ساتھ عملدر آمد کرنا ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتا تو اس کو بھی بغیر میری شریعت کے عملدر آمد کرنا جائز نہ ہوتا۔ اور اس عملدر آمد کے تغیر و تبدل سے وہ نبوت کا بطون جس کو قرب الٰہی اور عند اللہ معزز ہونا لازم ہے ہرگز متغیر نہیں ہوتا۔ کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی اجازت دی اور بعد اس کے جب بیت اللہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو آپ کی نبوت و رسالت میں فرق آگیا؟ یا آپ اس قدر و منزلت سے جو آپ کو پہلے بارگاہ خداوندی میں حاصل تھی معزول کیے گئے؟ ہرگز نہیں۔

الحاصل بطون نبوت مع لازم اپنے کے جو قرب ہے، کبھی انبیاء ورسل سے زائل نہیں ہوتا۔ بخلاف ظہور نبوت و تبلیغ شرائع اپنے کے کہ یہ محدود ہے تا ظہور نبوت نبی لاحق کے۔ اور نبوت و رسالت انبیاء سابقہ کا بطون گو کہ دائمی ہے مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ان کو ملا ہے لہٰذا خاتم النبیین کی مہر کو اگر سارے انبیاء دنیا میں آپ کے بعد آجائیں تو بھی نہیں توڑ سکتے۔ اور یہی مطلب ہے قاضی بیضاوی کا اس قول سے کہ **مع انه اخر من نبی**۔ اس تشریح سے ناظرین خیال فرما سکتے ہیں کہ نزول مسیح کو آیت خاتم النبیین کے منافی سمجھنا اور کل امت مرحومہ کو بلکہ آنحضرت ﷺ کو بھی اس منافاۃ سے بے خبر خیال کر کے اپنی قرآن دانی پر نازاں ہونا کس حد تک جہالت مرکبہ ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تنازعہ اس مسئلہ میں کہ نزول مسیح مع وصف النبوۃ ہوگا یا بدون اس کے تنازع لفظی ہے۔ جنہوں نے مع وصف النبوۃ لکھا ہے مراد ان کی بطون نبوت کا ہے اور

جنہوں نے بدون النبوۃ کہا ہے انہوں نے ظہورِ نبوت کا لیا ہے۔ مضمون ھذا میں اگر جناب مولوی صاحب[1] ذرا غور فرماویں تو شمس الہدایت کی عبارت مسطورہ ذیل پر معترض نہ ہوں گے۔ ''و مسیح ابن مریم بلکہ کل انبیاء کی نبوت اور رسالت چونکہ محدود بحد ظہور نبی پچھلے کے ہوتی ہے۔'' (شمس الہدایہ صفحہ ۸۷، سطر ۲۲)

شمس الہدایت کے اسی صفحہ ۸۷، سطر ۱۷ میں عبارت ہٰذہ ''بعد نزول در رنگ آحاد امت ہی اتریں گے'' پر جناب موصوف اعتراض فرماتے ہیں کہ ''بعد النزول اور پھر اتریں گے یہ تکرار کیسا؟'' جواباً گذارش ہے کہ عبارت مسطورہ میں ''در رنگ آحاد امت'' ظرف لغو ہے متعلق بہ ''اتریں گے'' پس ''اتریں گے'' مقید ٹھہرا بہ نسبت ''نزول'' کے۔ اور ظاہر ہے کہ مقید بعد المطلق ہی ہوا کرتا ہے اور بوجہ فرق اطلاق وتقیید تکرار بھی نہیں۔ ثانیاً معروض ہے کہ بالفرض اگر تقیید مذکور بھی نہ ہوتی اور صرف ''بعد النزول اتریں گے'' ہوتا تو بھی چونکہ اخبار بالمشتق فرع ہے قیام مبداء کے لئے لہٰذا صدق ''اتریں گے'' کا بعد تحقق النزول ہی ہوگا۔

شمس الہدایت کے صفحہ ۸۴، سطر ۱۷ عبارت ہٰذہ ''اور انبیاء سابقہ بھی الخ'' پر جناب کا اعتراض یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ ﴿اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾ میں مرجع ''ھم'' کا انبیاء نہیں بلکہ مشرکین ہیں بجواب اس کے گذارش ہے کہ یہاں پر قصر المسافۃ سوق الکلام علیٰ طرز استدلال الخصم ہے۔ استدلال خصم کی تقریر ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ﴾ میں مرجع ضمیر آنحضرت ﷺ ہیں صراحۃً، اور باقی انبیاء دلالۃً اور ﴿اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾ میں مشرکین صراحۃً باقی کفار دلالۃً۔ پس

[1] اس سے حضرت مؤلف کے بعض معاصرین علماء مراد ہیں جنہیں شمس الہدایت کی عبارت سمجھنے میں مغالطہ ہوا۔ ۱۲

نبی وغیر نبی مرجع ٹھہرا بوجہ تقابل کے دلالۃً اذلا فارق بین نبی وغیرہ فی الموت پس ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ○ (زمر:۳۰)﴾ سے باقی انبیاء کی موت منجملہ جن کے مسیح بھی ہے ثابت ہوئی۔ تشریح سوال وجواب بطرز دیگر اور اظہار اس امر کا کہ استدلال اس آیت سے کس نے کیا اور کیا کیا۔

ایھا الناظرون! یہ تو ظاہر ہے کہ مرزا نے کسی تالیف میں وفات مسیح پر آیت مذکورہ سے استدلال نہیں پکڑا اور نہ بظاہر ہو ہی سکتا ہے کیونکہ اس میں ﴿اِنَّھُمْ﴾ کا مرجع انبیاء و رسل نہیں۔ مرزا صاحب کے ایک حواری نے ہمارے سامنے آیت مذکورہ سے وفات مسیح پر استدلال کیا تھا جس کا طرز استدلال یہ تھا کہ آیۃ مذکورہ سے دلالۃ النص کے طور پر مفہوم ہوتا ہے کہ نبی وغیر نبی موت میں مساوی ہے۔ اذ لا فارق بین المذکور وغیرہ۔ یعنی آنحضرت ﷺ اور کل انبیاء جن کا یہاں پر ذکر صراحۃً نہیں اور ایسا ہی مشرکین مکہ اور غیر ان کے بشریت کی وجہ سے مساوی فی الموت ہیں۔

جواب کا حاصل: ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ○ (زمر:۳۰)﴾ کا اطلاق بدلالۃ النص گو کہ انبیاء سابقہ کا مفہوم ہوتا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سب انبیاء مر چکے ہوں چنانچہ ﴿مَیِّتٌ﴾ کے اطلاق سے آنحضرت ﷺ کا اس عالم سے تشریف لے جانا نزول آیت کے وقت ثابت نہیں۔ پس قضیہ مطلقہ عامہ ٹھہرا نہ دائمہ مطلقہ۔ اور اس جواب میں ضمیر ﴿اِنَّھُمْ﴾ کا ارجاع انبیاء کی طرف نہیں بلکہ طرز استدلال کے مطابق بطریق حاصل واقع ہے۔

قادیانی کے اپنے نبی ہونے کے حق میں دلائل اور ان کا رد

قولہ: پھر اسی اشتہار کے صفحہ ۳، سطر ۱ پر لکھتے ہیں۔ ''اور اگر بروزی معنوں کے روح سے بھی کوئی شخص نبی اور رسول نہیں ہوسکتا تو پھر اس کے کیا معنی کہ **اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ**''۔

اقول: اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! بتا ہم کو ان لوگوں کا سیدھا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے یعنی ہم بھی ان کی مانند کتاب آسمانی کی ہدایت کے مطابق تیری عبادت والے سیدھے راستے پر چلنے سے تیری حب وانس ورضا ولقا کو پالیویں۔

اس کا یہ معنی نہیں کہ ہم بھی انبیاء ورسل گذشتہ کا مقام نبوت ورسالت حاصل کر لیویں یا بہ سبب کمال اتباع کے ان کے لقب مخصوص کے مستحق بن جائیں کیونکہ نبوت و رسالت مع لوازم اپنے کے القاب ہوں یا احکام خاصہ، ﴿**ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ**(مائدہ:۵۴)﴾ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی موہوبی ہیں نہ کسبی۔ اور بسبب اتباع کے اگر القاب خاصہ اور احکام خاصہ مل سکتے تو خلفاء اربعہ اور حسنین اور اولیاء سلف رضوان اللہ علیہم بڑا استحقاق رکھتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ باوجود شان **انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی** کے فرماتے ہیں۔ **الا وانی لست بنبی ولا یوحٰی الیّ**۔ الخ (ازالۃ الخفا، صفحہ ۳۳)

قولہ: پھر اسی صفحہ ۳ کی سطر ۱۵ پر فرماتے ہیں۔ ''اگر خدائے تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر کہو کہ اس کا نام محدّث رکھنا چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہے۔ مگر نبوت کے معنی اظہار امر غیب ہے۔

اقول: مجھ کو اپنے اوقات عزیزہ کے تضیع پر جو ایسے جاہلانہ اشتہارات کی تردید میں ہو رہی ہے نہایت رنج وافسوس آتا ہے مگر کیا کروں بعض احباب نے مجبور کر رکھا ہے۔ **اللّٰھم لک**

الحمد و الیک المشتکی و انت المستعان ولاحول ولا قوۃ الا بک۔

عن عائشۃ عن النبی ﷺ انه کان یقول قد کان یکون فی الامم قبلکم محدثون فان یکن فی امتی منهم احد فان عمر بن الخطاب منهم۔ (مسلم)۔آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (جن کی ملہمیت پر ایک عالم کا اتفاق ہے) اس حدیث میں محدث کا لقب عطا فرمایا شاید بزعم قادیانی صاحب آنحضرت ﷺ کو محدث کے لفظ کا ٹھیک لغوی معنی معلوم نہیں ہوا ورنہ محدث نہ فرماتے۔ العیاذ باللہ

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مقصد دوم ازالہ میں لکھتے ہیں کہ۔ ''اما تشبہ در زیادت قوت علمیہ بآں وجہ تواند بود کہ کسے راز امت محدث وملہم فرمایند تا بعض بروق غیب شعاع خود در اور دل وی اندازد۔'' تحدیث کا معنی لغت کے رو سے چونکہ کسی کے ساتھ بات کرنے کا ہے لہٰذا الہام پانے والے کو بھی مُحدَّث کہا گیا جیسا کہ وہ شخص جس کو کوئی بات بتا دی گئی ہو واقعی خبر دیتا ہے ایسا ہی یہ ملہم بھی ٹھیک ٹھیک پتہ دیتا ہے۔

اب دیکھو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے مُحدَّث نام فرمایا اور نبی کا لقب نہیں دیا اس حدیث کی رو سے بھی نبی اور رسول کے لقب کی اجازت بعد آپ کے کسی کو نہیں ملتی جیسا کہ حدیث **انت منی بمنزلۃ هارون من موسیٰ الا انه لانبوۃ بعدی** اور ایسا ہی حدیث میں یعنی قول علی رضی اللہ عنہ کا **الا وانی لست بنبی ولا یوحی الیّ**۔ اجازت نہیں دیتے۔ یعنی میں نبی نہیں ہوں اور نہ میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکاشفات واخبارات حقہ جن پر تاریخ اور کتب سیر شاہد ہیں وحی نہیں کہا گیا اور نہ ان کے سبب سے ان کو نبی کہلوانے پر جرأت ہوئی بلکہ جب دیکھا کہ ہمارے مکاشفات واخبارات اور بیان حقائق ومعارف قرآنیہ کے باعث سے لوگ ہم کو نبی اور موحیٰ الیہ سمجھیں گے تو جھٹ ان کے غیر واقعی خیال کا ازالہ فرمایا اور تنبیہاً کلمہ الا کے ساتھ کہا کہ **الا وانی لست بنبی ولایوحی الیّ**۔

قولہ: آج قادیانی صاحب اسی اشتہار کے اسی صفحہ ۱۳، سطر ۲۶ پر لکھتے ہیں۔ ''اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیت پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کے اس کھلے کھلے وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہوکر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔''

اقول: آپ کی صداقت اور حلفی بیان کو آپ کا کشف والہام ووحی ظاہر کررہا ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام ص ۷۶ س ۱۳ پر آپ لکھتے ہیں۔ ''اس جگہ مجھے یاد آتا ہے کہ جس روز وہ الہام مذکورہ بالا جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہی ہوا تھا اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا **انا انزلناہ قریبا من القادیان** تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے تب انہوں نے کہا یہ دیکھو لکھا ہوا ہے تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا فی الحقیقت قرآن شریف کی دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقعہ پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے تب میں نے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے''۔ الخ۔ بہ نسبت اس الہام کے گذارش ہے کہ یا تو **انا انزلناہ قریبا من القادیان** کو قرآن شریف میں دکھلائیں اور یا اس کشف کے غیر واقعی ہونے کا اقرار کریں اور آئندہ جھوٹی قسم نہ کھائیں۔

دوسرا کشف جس کو قادیانی صاحب کتاب البریۃ کے صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں۔ ''ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی

صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب وتفریق کی۔ اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا **انا زینا السماء الدنیا بمصابیح**۔ پھر میں نے کہا۔ اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں۔" الخ۔ اس جگہ بھی وہی گذارش ہے کہ یا تو نئے آسمان اور زمین کو جو آپ نے بنائے ہیں دکھلائیں یا ایسے کشفوں کو مالیخولیا جان کر نبی و رسول نہ بنیں۔

تیسرا کشف آپ نے اپنے صمیم الاخلاص مرید پشاوری سے کہا کہ مجھ کو بارہا الہام ہو چکا ہے کہ فلاں شخص یعنی محرر سطور میرے قتل کرانے کا ارادہ رکھتا ہے سو معلوم ہو کہ میں اپنے خدائے لایزال ولم یزل علام الغیوب کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ میں نے قادیانی کے قتل کرانے کا ارادہ نہیں کیا۔

ناظرین کو معلوم ہو کہ اس پشاوری مرزائی نے واقعی کیفیت معلوم کرنے کے لئے ہمارے مخلص جناب مولوی ہندی صاحب سے تنہائی میں دریافت کیا تھا انہوں نے اس الہام کے غیر واقعی اور محض افتراء پر اطمینان بخش ثبوت دیا یہاں تک کہ وہ مرزائی بھی قادیانی صاحب کے الہام میں مذبذب ہو گیا۔ قادیانی صاحب کے بعض الہامات کو اگر واقعی اور سچا مانا جائے تو وہ ان کے محرف سنت ہونے اور احادیث صحیحہ کے قطع وبرید کرنے پر صاف گواہی دیتے ہیں۔

قولہ: دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۷۶، سطر ۶ پر۔ "پھر اس کے بعد الہام کیا گیا کہ ان علماء نے میرے گھر کو بدل ڈالا میری عبادت گاہ میں ان کے چولہے ہیں میری پرستش کی جگہ ان کے پیالے اور ٹھوٹھیاں رکھی ہوئی ہیں اور چوہوں کی طرح میرے نبی کی حدیثوں کو کتر رہے ہیں۔"

اقول: ناظرین خدارا انصاف! احادیث نبویہ کو کترنے والے بھلا وہ علماء، اور مولوی جو مخالف قادیانی کے ہیں، ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ انہوں نے تو احادیث نزول مسیح و خروج دجال وظہور مہدی کو سلف صالحین کے مطابق تسلیم کیا ہوا ہے اگر اس تسلیم کا نام قطع و

بریداور کترنا ہوتو چاہیے تھا کہ قرون ماضیہ میں ہر صدی کے سرے پر جو مجدد گذرے ہیں ان کو بذریعہ کشف والہام سمجھایا جاتا کہ تم خود بھی اور دوسروں کو بھی اس عقیدہ سے کہ عیسیٰ بن مریم بعینہٖ آسمان سے اُترے گا یا کہ دجّال ایک شخص معیّن ہوگا اور ایسا ہی امام مہدی فاطمی ہوگا (یعنی اولادِ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے) باز آؤ اور روکو اور میرے نبی ﷺ کی احادیث کو مت کترو۔ بلکہ غلام احمد قادیانی مسیح موعود اور مہدی موعود ظاہر ہوگا۔ سو ناظرین کو معلوم ہے کہ آج تک سب اہل اسلام اور مجددین ان کے اسی عیسیٰ بن مریم کو بعینہٖ بغیر مثیل اس کے آسمان سے اترنے والا مانتے آئے ہیں۔ اور ایسا ہی دجّال شخصی اور مہدی فاطمی کو احادیث کا مدلول ٹھہراتے رہے ہیں اور کسی کو اس عقیدہ کے بارہ میں امتناعی الہام نہیں ہوا۔ لہٰذا اس الہامی عبارت منقولہ بالا میں چوہوں سے مراد علماء مخالفین للقادیانی نہیں ہوسکتے بلکہ اس سے مراد وہی مولوی صاحبان ہیں جنہوں نے قادیان میں جا کر چولہے ڈالے اور ٹھوٹھیاں پیالیوں میں قادیانی صاحب کے ہم پیالہ وہم نوالہ ہوکر احادیث کو کترنا شروع کیا تاکہ نیا عقیدہ درست کیا جاوے۔ الہامی عبارت کا معنی یہ ہوا کہ قادیانی صاحب کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے کہ میری عبادت گاہ یعنی یہ مسجد یا یہ بیت الذکر یا یوں کہو یہ قلب تمہارا جو ان مولویوں تمہارے کے جمع ہونے سے پہلے میری عبادت کی جگہ تھی۔ اب بحکم **فبئس القرین** یا بحکم مقولہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ۔ بیت

خیالات نادان خلوت نشین

بہم برکند عاقبت کفر و دین

عبادت کی جگہ نہیں رہی بلکہ تمہارے مولویوں نے اپنا اپنا اصلی وطن چھوڑ کر اسی مسجد قادیان میں ڈیرے لگادیئے (یعنی متصل اس کے) اور چوہوں کی طرح میرے نبی کی احادیث کو کترنا شروع کیا۔ یا تیرے قلب میں ایسے اصول اور استنباطاتِ شیطانیہ گھس گئے کہ میری

عبادت کا نشان بھی نہ رہا۔ اس الہام کا یہ معنی کیسے صاف طور پر اس سے سمجھا جاتا ہے۔ بخلاف اس معنی کے جو قادیانی صاحب نے لکھا ہے۔

قولہ: اسی صفحہ پر بعد نقل الہام مذکور لکھتے ہیں۔ ''عبادت گاہ سے مراد اس الہام میں زمانہ حال کے اکثر مولویوں کے دل ہیں۔''

اقول: یہ قادیانی صاحب کا تعصب یا جہالت ہے الہام مذکور کے معنی کو نہیں سمجھے کیونکہ زمانہ حال کے وہ علماء جو آپ کے مخالف ہیں وہ تو ہرگز اس الہام کا مصداق نہیں بن سکتے۔ اس کا مصداق وہی ہیں جنہوں نے اپنی اوطان اصلیہ کو چھوڑ کر قادیانی کی مسجد کے پاس فروکش ہو کر چولہے بنا لئے اور قادیانی صاحب کے ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوگئے۔ انہیں کی ٹھوٹھیاں قادیانی مسجد میں ہیں، بخلاف ان علماء کے جو قادیان میں نہیں پہنچے کیوں کہ ان کی ٹھوٹھیاں پیالے اپنے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی ہیں۔ قادیانی صاحب اگر بنظر انصاف دیکھیں تو یہ الہام نہایت وضاحت سے ان کو اور ان کے مولویوں کو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے کترنے سے روک رہا ہے۔ **مگر من یھدی اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ۔** حاکم فی جمیع الازمنہ ہے۔

سوال: کیا گذشتہ زمانہ میں بھی ایسے لوگ گذرے ہیں جن کو ایسے الہامات ومکاشفات درپیش آئے ہوں اور انہوں نے بنا بران الہامات کے اپنے تئیں عیسیٰ بن مریم وغیرہ یقینی طور پر سمجھ رکھا ہو؟

الجواب: ہاں ایسے لوگ گذرے ہیں۔ مگر ان کو سابقہ عنایت الٰہیہ نے اپنے شیخ کے برزخ میں غالبًا اور بغیر اس کے گاہے ان جاہلانہ دعاوی سے جو برخلاف ہوں کتاب وسنت کے ہٹاتی رہی۔ **الا ماشاء اللّٰہ۔** حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فتوحات کے باب ۱۸۱ میں فرماتے ہیں۔ **والجامع لمقامھم ان الشیخ عبارۃ عمن جمع جمیع ما یحتاج الیہ المرید السالک فی حال تربیتہ و کشفہ الیٰ ان ینتھی الی الاھلیۃ للشیوخۃ وجمیع ما**

یحتاج الیه المرید اذا مرض خاطره وقلبه بشبهة وقعت له لایعرف صحتها من سقمها کما وقع لسهل فی سجود القلب و کما وقع لشیخنا حین قیل له انت عیسیٰ بن مریم فیداویه الشیخ بما ینبغی. الخ۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کو بھی یہ شبہ واقع ہوا تھا اور اس کو اس الہام نے کہ (تو عیسیٰ بن مریم ہے) دھوکا دیا تھا۔

سوال: کیا قادیانی صاحب کو بھی اہل اللہ کی طرح یہ شبہ واقع ہوا ہے یا مفتری علی اللہ ہیں؟

جواب: جہاں تک ان کے دعاوی ومضامین کی اصلاح ہوسکتی ہے دریغ نہیں کیا جاتا تاہم بعض الہامات ان کے مفتری کہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ چنانچہ الہام ارادہ قتل محرر سطور کے بارہ میں (یعنی میں ان کے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں) اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا اپنی اجتہاد اور استنباط (جو الہامی کلام سے کرلیتے ہیں) وہ بالکل تلبیس ابلیس اور شیطانی دھوکا ہے۔ چنانچہ ﴿**هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ**۔ الآیۃ(صف:۹)﴾ کے الہام سے اپنے کو رسول قرار دے لیا ہے اور چند مکاشفات والہامات مخترعات کے ذریعے سے جو خود بھی اپنے کاذب ہونے پر صریح شہادت دے رہے ہیں مثلاً **انا انزلناه قریبا من القادیان** کا قرآن میں لکھا ہوا دیکھنا ان کو دھوکا لگ رہا ہے اور اس اشتہار میں آیت ﴿**فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ**﴾ سے متمسک ہوکر یہ نتیجہ نکال لیا کہ میں نبی اور رسول ہوں حالانکہ ازالہ اوہام میں خضر مصاحب موسیٰ کے شان میں لکھا ہے کہ ''صرف ملہم ہی تھا، نبی نہیں تھا''۔ اس کے بارے میں اس استدلال نے کام نہ دیا شاید ان کا الہام خضر کے الہام سے سچا ہوگا۔

الغرض اکثر الہامات ان کے تو کاذب ہونے کی وجہ سے ان کو مفتری علی اللہ قرار دیتے ہیں اور بعض الہامات گو کہ فی نفسہا صحت رکھتے ہیں مثل آیات قرآنیہ ملہمہ کی مگر ان سے الٹا نتیجہ نکالنے کے باعث سے ان پر پوری جہالت کا دھبہ لگاتے ہیں اور معہذا تلبیس ابلیس ہونے میں بھی کوئی شک نہیں رہتا۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ سرور عالم ﷺ حضرت علی کرم اللہ

وجہہٗ جیسے شخص کو (جس کے مکاشفات و الہامات کے صادق ہونے پر تاریخ شہادت دیتی ہے) **الا انه لانبوة بعدی** فرما کر نبی غیر مشرع کے لقب سے بھی مایوس فرما دیں اور آپ کو ﴿**فلا یُظهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ**﴾ کا مطلب العیاذ باللہ سمجھ میں نہ آوے تاکہ اس آیت سے متمسک ہو کر علی کرم اللہ وجہہٗ کو نبی کا لقب عطا فرما دیں۔ اب اگر ایسے استدلالات و اجتہادات کو تلبیس شیطانی نہ کہا جائے تو اور کیا نام رکھیں؟ اور بہت ہی تعجب ہے کہ قادیانی صاحب ملہم ہونے کی وجہ سے نبی ہو جاویں اور خضر علیہ السلام اس لقب سے محروم رہیں۔

قادیانی[1] کے الہامات کی تقسیم

۱...... الہامات کاذبہ جن کے کاذب ہونے پر وہ خود ہی گواہ ہیں۔

۲...... الہامات کاذبہ جن کو بوجہ نہ پورا نکلنے ان کے کاذب سمجھا گیا ہے اس قسم کے الہامات کو واقف کاروں اور قادیانی صاحب سے تعارف رکھنے والوں نے لکھا ہے چنانچہ عنقریب نقل کئے جاویں گے۔

۳...... الہامات صیادیہ جن کا ابن صیاد کے الہام کی طرح اگر سر ہے تو پاؤں نہیں اگر پاؤں ہیں تو سر نہیں۔ سورۂ دخان کو آنحضرت ﷺ نے تو یہ فرما کر ابن صیاد سے (جو اس وقت مدینہ طیبہ میں بوجہ ظاہر کر دینے امور غیبیہ کے مشہور تھا۔) امتحاناً فرمایا کہ **خَبَئْتُ لَکَ** یعنی میں نے تیرے سے کوئی چیز چھپا رکھی ہے۔ تو بتا دے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ دُخ۔ دُخان سے دُخ کا پتہ دیا۔ آپ نے فرمایا **اِخسا فلن تعدُو قدرک** یعنی خوار

---

[1] یعنی بالفرض اگر قادیانی صاحب کو الہامات ہوتے ہیں تو اقسام مذکورہ میں سے ہوں گے خلاف شرع کی وجہ سے۔ محمد غازی عفی عنہ

ہو پس تو اپنے قدر سے ہرگز تجاوز نہ کرے گا۔ حضرت شیخ قدس سرہ اس کا نام مکر الٰہی اور استدراج رکھتے ہیں اور اس منزل میں لغزش سے بچنے کا طریق بیان فرماتے ہیں کہ اگر صاحب اس منزل کا سارے تصرفات میں خدا کی جانب سے اطلاع نہ پا سکے تو اتنا اہتمام اس کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اس میزان کو جو اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے (یعنی اپنے پیغمبر کا شرع) ہرگز نہ چھوڑے تا کہ وہ میزان اس کو مکر الٰہی سے محفوظ رکھے۔ **قال الشیخ** رضی اللہ عنہ **فی الباب الاربعین وثلثمائة وهو منزل عظیم فیه من المکر الالٰهی والاستدراج ما لاتأمن مع العلم به الملائکة من مکر اللّٰه فالعاقل اذا لم یکن من اهل الاطلاع فی تصرفاته فلا اقل من انه لایزیل المیزان المشروع له الوزن به فی تصرفاته من یده بل من یمینه فیحفظه فی نفس الامر من هذه المکر۔** الخ۔ قادیانی صاحب بھی اگر میزان شرعی کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پاک **الا انه لا نبوة بعدی** کو زیر توجہ رکھتے تو اس مکر الٰہی اور استدراج سے محفوظ رہتے اب میزان شرعی کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ابن صیاد کے شریک بنے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم کو بھی میزان شرعی کے محکم پکڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ابن صیاد کا مادہ صرف اخبار غیبی کا تھا قادیانی صاحب استنباط واجتہاد کے رو سے اس سے سبقت لے گئے ہیں۔

۴...... الہامات شیطانیہ انسیہ جن کو کسی آدمی پڑھے ہوئے نے اس کے قلب میں ڈال دیا ہے۔

۵...... الہامات شیطانیہ جنیہ۔

۶...... الہامات شیطانیہ معنویہ جنکا ذکر فتوحات کی عبارت مسطورہ ذیل میں مندرج ہے۔

قال الشیخ الاکبر قدس سرہ **فی الباب الخامس والخمسین اعلم ان الشیطان قسمان قسم معنوي وقسم حسي ثم القسم الحسی من ذلک علی**

قسمین شیطانی انسی وشیطانی جنی یقول اللّٰہ تعالٰی ﴿شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ مَافَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَایَفْتَرُوْنَ﴾ فجعلھم اھل الافتراء علی اللّٰہ وحدث فیما بینھما شیطان معنوی. یعنی شیطان جنی اور انسی کے مابین تیسرا شیطان معنوی پیدا ہو جاتا ہے۔ وذلک ان شیاطین الجن والانس اذا القی من القی منھم فی قلب الانسان امر اما یبعدہ عن اللّٰہ بہ فقد یلقی امرا خاصا وھو خصوص مسئلۃ بعینھا یعنی کبھی شیطان انسان کے دل میں ایک خاص شخصی مضمون ڈال دیتا ہے (مثلاً تو مسیح موعود ہے) وقد یلقی امرا عاما ویترک فان کان امرا عاما فتح لہ فی ذلک وطریقا الی امور لا یتفطن لھا الجني ولا الانسی بتفقہ فیھا ویستنبط من تلک الشبہ امورا اذا تکلم بھا تعلم ابلیس غوایتہ فتلک الوجوہ التی تنفتح لہ فی ذلک الاسلوب العام الذی القاہ او لا شیطان الانس او شیطان الجن تسمی الشیاطین المعنویۃ لان کلا من شیاطین الانس والجن یجھلون ذلک۔ یعنی کبھی ایک امر عام قاعدہ کے طور پر شیطان انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور پھر کھول دیتا ہے وجوہ فاسدہ اور استدلالات کاسدہ کا دروازہ جن کو شیطان معنوی کہا جاتا ہے مثلاً جس شخص پر امور غیبیہ منکشف ہوں تو وہ شخص نبی اور رسول ہے گو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد میں ہو۔ وما قصدوہ علی التعیین وانما ارادوا بالقصد الاول فتح ھذا الباب علیہ لانھم علموا ان من قوتہ وفطنتہ ان یدقق النظر فیہ فینقدح لہ من المعانی المھلکۃ مالا یقدر علٰی ردہ بعد ذلک وسبب ذلک القصد الاول فانہ اتخذہ اصلا صحیحا وعول علیہ فلایزال التفقہ فیہ یسوقہ حتی یخرج بہ عن ذلک الاصل وعلٰی ھذا جری اھل البدع

والاھواء فان الشیاطین القت الیھم اصلا صحیحا لایشکون فیه ثم طرءت علیھم التلبیسات من عدم الفھم حتی ضلوا فینسب ذلک الی الشیطان بحکم الاصل وما علموا ان الشیطان فی تلک المسائل تلمیذھم یتعلم منھم۔ حاصل عبارت ہذا کا یہ ہے کہ جس شخص کو شیطان جنی بہکانا چاہے تو کبھی ایک مضمون خاص شخصی اس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور کبھی مضمون عام۔ اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ کرتا ہے جس کا مادہ مالیخولیا کا ہو پھر وہ شخص طرح طرح کے استنباط وتفقہ واستدلالات وبراہین زعمیہ نکالتا ہے جن میں مشاق کی وجہ سے شیطان بھی اس کی شاگردی پر نازاں ہوتا ہے۔

مضمون خاص مثلاً (تو مسیح موعود ہے) قادیانی سے پہلے بھی یہی مضمون کئی ایک لوگوں کو القاء ہو چکا ہے چنانچہ ابھی اوپر بحوالہ فتوحات لکھا گیا ہے۔ مگر ان لوگوں کو اپنے مشائخ کی ہدایات سے اور میزان شرعی کے التزام سے اللہ جل شانہٗ نے محفوظ کر لیا۔ کما قال سبحانه و تعالٰی ﴿فَیَنسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطَانُ﴾

مضمون عام مثلاً (جسم ثقیل کا بالطبع میلان ہرگز خاک ہی کی طرف ہوتا ہے) یا مثلاً (جس شخص کو غیب کی خبریں معلوم ہو جائیں وہ نبی اور رسول ہے گو کہ بعد آنحضرت ﷺ کے ہی ہو) یا مثلاً (میں نے آسمان اور زمین نئے پیدا کئے اور جو کوئی آسمان وزمین کو پیدا کرے وہ اللہ ہوتا ہے لقوله تعالٰی هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰه) یا مثلاً (میں سمیع وبصیر ہوں اور سمیع وبصیر سوا خدا کے دوسرا نہیں لقوله تعالٰی اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ پس میں بھی خدا ہوں) وغیرہ وغیرہ۔ جو قادیانی صاحب وامروہی صاحب کی تالیفات سے بہت اور ارزاں مل سکتے ہیں۔

نتائج مہلکہ: آنحضرت ﷺ کے جسمانی معراج سے انکار اور یہ کہ میں بھی بشہادت ﴿فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ کے نبی اور رسول ہوں

وغیرہ آج کل ﴿یُوْحِی بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ کی ایک یہ صورت بھی موجود ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے کہ قادیان میں اربعہ غیر متناسبہ کی سرگوشی اور ان کے مشن کی تعلیم اور باہر والوں کے لئے الحکم جو فی الواقع الشر رہے۔ اللہ تعالیٰ امت مرحومہ کو اس ایحاء کے سب اقسام سے سلامت رکھے۔ اربعہ غیر متناسبہ اس لئے لکھتا ہوں کہ ایک صاحب کچھ اور لکھ رہے ہیں دوسرے کچھ اور۔ تیسرے دونوں سے برخلاف۔ چوتھے تینوں سے الگ۔ سب صاحبان کی خدمت میں بڑی ادب سے گذارش ہے کہ بحسب وصیت حضرت شیخ اکبرؒ مسطورہ بالا آپ لوگ میزان شرعی کو محکم پکڑیں صورت اس کی یہ ہے کہ سمجھدار عالم سے علوم آلیہ پڑھ کر حاصل کرنے کے بعد قادیان میں بیٹھ کر تدریس اور ارشاد میں مشغول ہوویں تا کہ آیت مسطورہ ذیل کا مصداق نہ آپ بنیں اور نہ سادہ لوحوں اردو خوانوں کو بناویں۔ ﴿قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًاo اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًاo اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَلِقَائِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَزْنًاo ذٰلِکَ جَزَاؤُھُمْ جَھَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ ھُزُوًاo (کہف:۱۰۳تا۱۰۶)﴾

خدا کی آیات کا تمسخر اس سے اوپر کیا ہوگا جو ایک عبدالبطن ﴿ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی۔ الآیۃ﴾ کو سن کر فرض کرو الہامی طور پر ہی سہی خود رسول و نبی بن بیٹھے خدا کے رسولوں کا بالخصوص افضل الرسل ﷺ کا تمسخر اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتا ہے کہ ان کی احادیث متواترہ کی قطع و برید کر کے اپنے شیطانی الہام کے مطابق کی جاویں مطابقت بھی ایسی کہ دمشق سے خط منحنی (ٹیڑھا) نکلتا ہوا قادیان میں آ پہنچے۔ مبداء خط خاص دمشق کو ٹھہرانا کوئی وجہ نہیں رکھتا اور دوسری کروٹ بدلنے پر ان کا انکار ہی کیا جاوے اور اجماع امت مرحومہ کو کبھی کورانہ اور کبھی ان سے انکار کر کے الٹا اجماعی مسئلہ کی نقیض پر انعقاد اجماع کا کل

امت مرحومہ کو اتہام دیا جاوے۔ (کمافی ازالۃ الاوہام وایام صلح وغیرہ وغیرہ)۔اور عیسیٰ بن مریم کو مکار و فریبی اور ان کی تین دادیوں اور نانیوں کو زنا کار کسبی عورتیں لکھا جاوے۔ (کمافی ضمیمہ انجام آتھم) اور آنحضرت ﷺ کے کشف غیبی شب معراج والے کو غیر واقعی اور آپ ﷺ کو مدت عمر شریف تک باقی علی الخطاء قرار دیا جاوے۔ العیاذ باللہ۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ** ﴿**وَمَا جَعَلْنَا الرُّوْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ**﴾ **قال ابن عباس رؤیا عین**۔معراج کا قصہ سن کر جو لوگ اہل مکہ سے مرتد ہوئے تھے ان کے بارہ میں ﴿**فِتْنَةً لِّلنَّاسِ**﴾ فرمایا گیا قادیانی مشن کے لوگ بھی بوجہ انکار معراج جسمی اور رویۃ عینی کے ﴿**فِتْنَةً لِّلنَّاسِ**﴾ کا مصداق ہیں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا ذکر عنقریب اسی کتاب میں آئے گا۔

سوال: امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب میزان کبریٰ کے صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں۔ کہ ''صاحب کشف مقام یقین میں مجتہدین کے مساوی ہوتا ہے اور کبھی بعض مجتہدین سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ وہ اسی چشمہ سے چلو بھرتا ہے جس سے شریعت نکلتی ہے۔'' اور پھر امام صاحب اسی جگہ یہ بھی لکھتے ہیں۔ کہ ''صاحب کشف ان علوم کا محتاج نہیں ہوتا جو مجتہدین کے حق میں ان کی صحت اجتہاد کے لئے شرط ٹھہرائے گئے ہیں اور صاحب کشف کا قول بعض علماء کے نزدیک آیت اور حدیث کی مانند ہے۔'' پھر صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں۔ کہ ''بعض حدیثیں محدثین کے نزدیک محل کلام ہوتی ہیں مگر اہل کشف کو ان کی صحت پر مطلع کیا جاتا ہے جیسا کہ **اصحابی کالنجوم** کی حدیث۔'' پھر صفحہ ۳۴ میں فرماتے ہیں۔ کہ ''ہمارے پاس کوئی دلیل عقلی یا نقلی نہیں جو کہ کلام اہل کشف کو رد کرے کیونکہ شریعت خود کشف کی مؤید ہے۔'' پھر صفحہ ۴۸ میں فرماتے ہیں۔ کہ ''بہتیرے اولیاء اللہ سے مشتہر ہو چکا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے عالم ارواح میں یا بطور کشف ہم مجلس ہوئے اور ان کے ہمعصروں نے ان کے دعوے کو تسلیم کیا۔'' پھر امام شعرانی صاحب نے ان لوگوں کے نام لئے ہیں جن میں

سے ایک امام محدث جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ ”میں نے ایک ورق جلال الدین سیوطی کا دستخطی ان کے صحبتی شیخ عبدالقادر شاذلی کے پاس پایا جو کسی شخص کے نام خط تھا جس نے ان سے بادشاہ وقت کے پاس سفارش کی درخواست کی تھی سو امام صاحب نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تصحیح احادیث کے لئے جن کو محدثین ضعیف کہتے ہیں حاضر ہوا کرتا ہوں چنانچہ اس وقت تک ۷۵ دفعہ حالت بیداری میں حاضر خدمت ہو چکا ہوں۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میں بادشاہ وقت کے پاس جانے کے سبب اس حضوری سے رک جاؤں گا تو قلعہ میں جاتا اور تیری سفارش کرتا۔“

شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فتوحات میں اس بارہ میں لکھا ہے اس میں سے بطور خلاصہ یہ مضمون ہے کہ ”اہل ولایت بذریعہ کشف آنحضرت ﷺ سے احکام پوچھتے ہیں اور ان میں سے جب کسی کو کسی واقعہ میں حدیث کی حاجت پڑتی ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وہ مسئلہ، جس کی ولی کو حاجت ہوتی ہے پوچھ کر اس ولی کو دیتے ہیں۔ یعنی ظلی طور پر وہ مسئلہ بہ نزول جبرائیل علیہ السلام منکشف ہو جاتا ہے۔“ پھر شیخ ابن عربی نے فرمایا ہے کہ ”ہم اس طریق سے آنحضرت ﷺ سے احادیث کی تصدیق کرا لیتے ہیں۔ بہتیری حدیثیں ایسی ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتیری حدیثیں موضوع ہیں اور آنحضرت ﷺ کے قول سے بذریعہ کشف کے صحیح ہو جاتی ہیں۔“

اور فتوحات مکیہ میں ابن عربی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”اہل ذکر و خلوت پر وہ علوم لدنیہ کھلتے ہیں جو اہل نظر و استدلال کو حاصل نہیں ہوتے اور یہ علوم لدنیہ اور اسرار و معارف انبیاء و اولیاء کے ساتھ مخصوص ہیں اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ

انہوں نے تیس سال اس درجہ میں رہ کر یہ رتبہ حاصل کیا ہے اور ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ علماء ظاہر نے علم مُردوں سے لیا ہے اور ہم نے زندہ سے جو خدائے تعالیٰ ہے۔"

تم کلامہ تو بموجب شہادت نقول بالا ممکن ہے کہ قادیانی صاحب نے بھی بذریعہ کشف کے آنحضرت ﷺ سے پوچھ کر مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا ہو اور احادیث نزول کے معانی مُؤوّلہ حسب اجازت آنحضرت ﷺ کے بیان کیے ہوں اور اپنے دعوے کے اثبات میں وہ احادیث جن کو علماء ظاہر ضعاف میں سے شمار کرتے ہیں آنحضرت ﷺ سے صحیح کر لی ہو اور احادیث صحیحہ عند العلماء کو تعلیم نبوی سے غیر صحیح سمجھ لیا ہو۔

جواب: چونکہ عبارت منقولہ بالا **تم کلامہ** تک ازالہ کے صفحہ ۱۴۹ سے ۱۵۳ تک کی ہے۔ لہٰذا قادیانی صاحب کو امام جلال الدین سیوطی اور شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہما کے کشفی فیصلہ کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ سو گذارش ہے کہ محی الدین بن عربی قدس سرہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی اور ایسا ہی شیخ محمد اکرم صابری (صاحب کتاب اقتباس الانوار جس کو عالم کشف میں آنحضرت ﷺ نے اور خلفاء اربعہ وسیدنا ابو محمد عبد القادر جیلانی وسیدنا خواجہ خواجگان معین الدین حسن سنجری ثم اجمیری رضی اللہ عنہم نے مقبول فرمایا) نزول عیسیٰ بن مریم بعینہ کے قائل ہیں۔ بلکہ کل اہل کشف و شہود کا اسی عیسیٰ بن مریم بعینہ نہ بمثیلہ کے نزول پر اتفاق ہے اور ایسا ہی معراج جسمی آنحضرت ﷺ پر بھی۔ حضرت محی الدین بن عربی قدس سرہ فتوحات کے باب ۳۶۷ پر حدیث معراج میں فرماتے ہیں۔ **فلما دخل اذا بعیسٰی** علیہ السلام **بجسدہ عینہ فانہ لم یمت الی الأن بل رفعہ اللّٰہ الٰی ھذہ السمآء و اسکنہ بھا وحکمہ بھا و ھو شیخنا الاول الذی رجعنا علٰی یدیہ ولہ بنا عنایت عظیمۃ لایغفل عنا ساعۃ واحدۃ** الخ۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ بجسدہ العنصری پایا کیونکہ انہوں نے اب تک وفات نہیں پائی۔ الخ۔ اور نیز

فتوحات کے باب ۷۳ میں لکھتے ہیں۔ **ابقی اللّٰہ بعد رسول اللّٰہ من الرسل الاحیاء باجسادھم فی ھذہ الدار الدنیا ثلٰثۃ وھم ادریس علیہ السلام بقی حیا بجسدہ واسکنہ اللّٰہ فی السمآء الرابعۃ والسموٰت السبع ھن من عالم الدنیا الٰی ان قال و ابقی فی الارض ایضاً الیاس و عیسٰی و کلا ھما من المرسلین** الخ۔

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر درمنثور ملاحظہ ہو جو احادیث سے عیسٰی بن مریم کا نزول اخیری زمانہ میں اور بعد اس کے مدفن ان کا روضہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ثابت فرماتے ہیں۔ اکثر احادیث درمنثور کی شمس الہدایت میں لکھی گئی ہیں اور حدیث برثملا وصی عیسٰی بن مریم کی فتوحات کی جلد اول میں ملاحظہ ہو، جو شمس الہدایت میں لکھ چکا ہوں۔ اور اس رسالہ میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کسی جگہ نقل کی جاوے گی۔ جس سے چار ہزار صحابی کا اجماع اسی عیسٰی بن مریم بعینہ لا بمثیلہ کے نزول پر پایا جاتا ہے۔

اور شیخ محمد اکرم صابری رحمۃ اللہ علیہ اقتباس الانوار کے صفحہ ۵۲ پر بروزی نزول کی تضعیف فرماتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔ وبعضی برانند کہ روح عیسٰی در مہدی بروز کند ونزول عبارت ازیں بروز است مطابق ایں حدیث **لامھدی الاعیسٰی ابن مریم** وایں مقدمہ بغایت ضعیف است۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں۔ یک فرقہ برآں رفتہ اند کہ مہدی آخر الزماں عیسٰی بن مریم است و ایں روایت بغایت ضعیف است زیرا کہ اکثر احادیث صحیح ومتواتر از حضرت رسالت پناہ ﷺ ورود یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواہد بود و عیسٰی بن مریم باو اقتدا کردہ نماز خواہد گذارد و جمیع عارفان صاحب تمکین برایں متفق اند چنانچہ شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ در فتوحات مکی مفصل نوشتہ است کہ مہدی آخر الزمان از آل رسول ﷺ من اولاد فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ظاہر شود۔ انتہٰی۔

قادیانی صاحب نے اس مقام پر بڑی چالاکی اور دجل سے کام لیا ہے۔ آپ

اپنے تالیف ایام الصلح فارسی کے صفحہ ۱۸۰ پر اپنے دعویٰ کی تائید کے لئے شیخ محمد اکرم صابری صاحب کو بایں صفت موصوف کر کے ''شیخ محمد اکرم صابری کہ از اکابر صوفیاء متاخرین بودہ اند'' صرف اسی قدر نقل کرتے ہیں۔ کہ ''وبعضی بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازہمیں بروز است مطابق ایں حدیث **لامھدی الاعیسیٰ ابن مریم**۔'' بعد اس کے شیخ محمد اکرم قدس سرہ کا قول ہذا ''وایں مقدمہ بغایت ضعیف است'' حذف کر دیتے ہیں۔ تا کہ ہمارے دعویٰ کی تردید محمد اکرم صاحب کے ہی قول سے نہ ہو جاوے۔

الغرض کل اہل کشف وشہود مطابق احادیث صحیحہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نہ بمثیلہ کے نزول اور نیز اس کے مغائر ہونے پر مہدی سے متفق ہیں۔ ایسا ہی معراج جسمی آنحضرت ﷺ پر بھی۔ ان سب سے قادیانی صاحب کا علیحدہ ہونا بڑی روشن دلیل ہے اس کے کاذب ہونے پر، کیونکہ ان لوگوں کا کشف برابر آیت وحدیث کے ازالہ اوہام میں مانا گیا ہے اور نیز معلوم ہو کہ جو لوگ مقام علیٰ بینۃ من ربہ اور کشف صحیح کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کا کشفی مقولہ ایک امر کے بارے میں ایک ہی ہوتا ہے مختلف نہیں ہوتا۔ **کما قال الشیخ الاکبر فھم علی نور من ربھم نور علی نور ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔**

اب قادیانی صاحب سے دریافت کرنا چاہیے کہ آپ مسیح موعود ومہدی موعود ودجال شخصی ومعراج جسمی وآیات بینات قرآنیہ یعنی معجزات کے بارہ میں کس لئے علامہ سیوطی ومحی الدین بن عربی وکل اہل اللہ سے علیحدہ ہو گئے؟ اور آپ کے منہ سے اقوال متناقضہ کیوں نکلتے ہیں؟ آپ اس اشتہار میں غیب مصفی پر اطلاع پانے اور ملہم ہونے کی وجہ سے آیۂ ﴿**فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ**﴾ سے متمسک ہو کر نبی ورسول بن گئے اور خضر مصاحب موسیٰ جیسے ملہم کو جس کی پیشین گوئیوں کی صداقت پر قرآن کریم شاہد ہے۔ آپ ازالہ اوہام کی صفحہ ۱۵۳، سطر ۹ پر نبی نہیں مانتے۔ چنانچہ لکھتے

ہیں۔ ''وہ شخص جس نے کشتی کو توڑا اور ایک معصوم بچہ کو قتل کیا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے وہ صرف ایک ملہم ہی تھا۔ نبی نہیں تھا۔'' کیا آپ کی پیشین گویوں کی صداقت خضر علیہ السلام کی صداقت پر بڑھی ہوئی ہے لہٰذا آپ نبی و رسول اور وہ صرف ملہم ہے نہ نبی۔

اور نیز آپ کبھی مسیح بن مریم کو گلیل میں کشف کی آنکھ سے مدفون دیکھتے ہیں اور کبھی کشمیر خاص سری نگر میں۔ بلکہ **انا انزلناہ قریبا من القادیان** کو قرآن مجید میں لکھا ہوا ملاحظہ کر لیتے ہیں۔ کیا ایسے ہی مکاشفات کو قرآن مجید اور توریت وانجیل وزبور کے ہم پلہ سمجھتے ہیں؟ اور حلفی طور پر بیت اللہ میں کھڑے ہو کر بیان کر نیکا معتقدین کو سہارا دیتے ہیں، ان میں سے عقلمند تو تاڑ گئے ہم اس جگہ نقل کرنا (پیشین گوئی متعلقہ ڈپٹی آتھم کا) غیر مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ پیشین گوئی مرزا جی نے ۵ جون ۱۸۹۳ء کو امرتسر میں عیسائیوں کے مباحثہ پر اپنے حریف مقابل مسٹر آتھم کی نسبت کی تھی، جس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

''آج رات کو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے کو خدا مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کیئے جاویں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے

سننے لگیں گے۔'' (جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸) پھر فرماتے ہیں۔ ''میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدائے تعالٰی کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں، مجھ کو ذلیل کیا جاوے، روسیاہ کیا جاوے، میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے، مجھ کو پھانسی دیا جاوے ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا، ضرور کریگا، ضرور کریگا، زمین و آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی''۔ (حوالہ مذکور)

اس پیشین گوئی کا مضمون بالکل صاف ہے یعنی ڈپٹی آتھم جس نے مسیح کو خدا بنایا ہوا ہے اگر مرزا جی کی طرح موحد و مسلم نہ ہوا تو عرصہ پندرہ ماہ میں مرجائیگا اور ہاویہ میں گرایا جاویگا، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ اسلام اگرچہ اپنی حقیقت میں ایسے مکاشفات کا محتاج نہیں تاہم مرزا جی نے مخالفین سے اسلام پر دھبہ لگوایا۔ اس پیشین گوئی کے متعلق مرزا جی نے جو حیرت انگیز چالاکیاں کی ہیں ان کی تردید اس پیشین گوئی کے الفاظ ہی سے ظاہر ہے۔ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے رسالہ ''الہامات مرزا'' میں وہ تردید لکھی ہے کہ جس سے بڑھ کر متصور نہیں اور یہ پیشین گوئی مع نظائر اسی رسالہ سے نقل کی گئی ہے۔

اس چٹھی کا جو خانصاحب محمد علی خان رئیس مالیر کوٹلہ نے آتھم والی پیشین گوئی کے خاتمہ پر بھیجی تھی اس جگہ پر نقل کرنا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں پر صداقت پیشین گوئیوں مرزا جیو کی بخوبی ظاہر ہوجاوے اور مرزا جی کے بیت اللہ میں حلف اٹھانے کا دھوکا نہ کھائیں۔

چٹھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مولینا مکرم۔ سلمکم اللّٰہ تعالیٰ!

السلام علیکم! آج ۷ ستمبر ہے اور پیشین گوئی کی میعاد مقررہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تھی۔ گو پیشین گوئی کے الفاظ کچھ ہی ہوں لیکن آپ نے جو الہام کی تشریح کی تھی وہ یہ ہے۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ ۱۵ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بہ سزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے، روسیاہ کیا جاوے، میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے، مجھ کو پھانسی دیا جاوے، ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین و آسمان ٹل جاویں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔ اب کیا آپ کی پیشین گوئی آپ کی تشریح کے موافق پوری ہوگئی؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ عبداللہ آتھم اب تک صحیح و سالم موجود ہے اور اس کو بسزائے موت ہاویہ میں نہیں گرایا گیا۔ اگر یہ سمجھو کہ پیشین گوئی الہام کے الفاظ کے بموجب پوری ہوگئی جیسا کہ مرزا خدا بخش صاحب نے لکھا ہے اور ظاہری معنی جو سمجھے گئے تھے وہ ٹھیک نہ تھے۔ اول تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کا اثر عبداللہ آتھم صاحب پر پڑا ہو دوسری پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں۔ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک ماہ لیکر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا اور اس کو ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں

آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جاویں گے، بعض لنگڑے چلنے لگیں گے، بعض بہرے سننے لگیں گے۔ پس اس پیشین گوئی میں ہاویہ کے معنی اگر آپ کی تشریح کے بموجب نہ لئے جاویں اور صرف ذلت اور رسوائی لیجائے تو بے شک ہماری جماعت ذلت اور رسوائی کے ہاویہ میں گر گئی۔ عیسائی مذہب اسی حالت میں سچا سمجھا جاوے۔ اگر یہ پیشین گوئی سچی سمجھی جائے جو خوشی اس وقت عیسائیوں کو ہے وہ مسلمانوں کو کہاں! (مسلمانوں کو تو نہیں بلکہ مرزائیوں کو۔ مؤلف) شرمندگی اور بڑی شرمندگی ہوئی۔ پس اگر پیشین گوئی کو سچا سمجھا جاوے تو عیسائیت ٹھیک ہے کیونکہ جھوٹے فریق کو رسوائی اور سچے کو عزت ہوگئی۔ اب رسوائی مسلمانوں کو ہوئی۔ میرے خیال میں اب کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔ دوسرے اگر کوئی تاویل ہوسکتی ہے تو یہ بڑی مشکل کی بات ہے کہ ہر پیشین گوئی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ لڑکے کی پیشین گوئی میں تفاول کے طور سے ایک لڑکے کا نام بشیر رکھا وہ مرگیا تو اس وقت بھی غلطی ہوئی۔ اب اس معرکہ کی پیشین گوئی کے اصلی مفہوم کے نہ سمجھنے نے تو غضب ڈھا دیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ احد میں فتح کی بشارت دی گئی تھی۔ آخر شکست ہوئی تو اس میں ایسے زور سے اور قسموں سے معرکہ کی پیشین گوئی نہ تھی اور اس میں لوگوں سے غلطی ہوگئی تھی اور آخر جب مجتمع ہوگئے تو فتح ہوئی۔ کیا کوئی ایسی نظیر ہے کہ اہل حق کو بالمقابل کفار کے ایسے صریح وعدے ہوکر اور معیار حق و باطل ٹھہرا کر ایسی شکست ہوئی ہو مجھ کو تو اب اسلام پر شبہ پڑنے شروع ہوگئے، لیکن الحمدللہ! کہ اب تک جہاں تک غور کرتا ہوں اسلام بالمقابل دوسرے ادیان کے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آپ کے دعاوی کے متعلق تو بہت ہی شبہ ہوگیا۔ پس میں نہایت بھرے دل سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اگر فی الواقعہ سچے ہیں تو خدا کرے میں آپ سے علیحدہ نہ ہوں۔ اور اس زخم کے لئے کوئی مرہم عنایت فرمائیں جس سے تشفی کلی ہوباقی جیسے کہ لوگوں نے پہلے ہی مشہور کیا تھا کہ اگر یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی تو آپ یہی کہہ دیں گے کہ

ہاویہ سے مراد موت نہ تھی۔ الہام کے مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی برائے مہربانی بدلائل تحریر فرمائیں ورنہ آپ نے مجھ کو ہلاک کر دیا ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ (لوگوں کی پرواہ نہ کرو خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ مؤلف) میں برائے استفادہ نہایت دلی رنج سے یہ تحریر کر رہا ہوں۔ (راقم محمد علی خان)

سوال: قادیانی صاحب کی صرف ایک ہی کمال کا اگر خیال کیا جاوے تو بھی ایسے شخص کو برا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس نے اسلام کی حقیت پر براہین قاطعہ قائم کر کے مخالفین اسلام کو لاجواب کر دیا ہے۔

جواب: براہین قاطعہ کا نمونہ انہی دلائل کو جن کی تردید ہو رہی ہے خیال فرمالیویں۔ کیا ایسے ہی جاہلانہ خیالات کا براہین نام رکھا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسلام کا خدا خود حافظ ہے اور خود ہی اس کی حقیت مخالفین کو ہر زمانے میں لاجواب کر رہی ہے اور کرے گی۔ قادیانی صاحب نے، جو بصورت دوست مگر بمعنی اسلام کے دشمن تھے، جہالت کی وجہ سے اسلام کی بیخ کنی کر دی تھی مگر الحمد للہ کہ علمائے اسلام نے اس کا تدارک کر لیا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے۔ بیت

ترا اژدہا گر بود یار غار
ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

اور مخالفین سے آنحضرت ﷺ کے شان میں وہ وہ کفریات بکوائے کہ خدا نہ سنائے بلکہ جریدۂ عالم پر ان کو بوجہ تحریری ہونے ان کے ثبت کرا دیا۔ الحمد للہ والمنۃ کہ اللہ جل شانہ بحسب وعدہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (حجر: ۹) کہ ہمیشہ اس کو پیشین گوئیوں میں ناکامیابی دیتا رہا تاکہ عوام کالانعام اس کو بوجہ صداقت پیشین گوئی کے کتاب وسنت کے بیان میں سچا نہ سمجھ لیں بلکہ یہ جان لیں کہ یہ شخص قرآن وسنت کا محرّف ہے کیونکہ اکثر فی زماننا قرآن دانی کا معیار جاہلوں کے ہاتھ میں صرف پیشین گوئیوں کی صداقت ہی رہ گئی۔

عیسیٰ ابن مریم کے نزول پر اجماع

اس بات پر کل امت مرحومہ کا اجماع ہے کہ عیسیٰ بن مریم بعینہ نہ بمثیلہ (کما اخترعہ القادیانی) آسمان سے بحسب پیشین گوئی آنحضرت ﷺ کے اتریں گے اور ظاہر ہے کہ نزول جسمی بعینہ بغیر اس کے کہ رفع جسمی بحالت زندگی مانا جاوے ممکن نہیں۔ لہذا بڑے زور سے ہم کہتے ہیں کہ کل امت کا جیسے کہ نزول مذکور پر اجماع ہے ایسا ہی حیات مسیح عندالرفع پر بھی ہے۔ یعنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے وقت مسیح کی حیات پر سب کا اتفاق ہے بحکم مقدمہ مذکورہ کہ نزول فرع ہے رفع کی۔ رہا یہ کہ قبل از رفع بھی مسیح زندہ رہا۔ کما ہو مذہب الجمہور، یا وفات پا کر بعد ازاں اٹھانے کے وقت زندہ کیا گیا ہو۔ کما ہو مذہب النصاریٰ و بعض اہل اسلام مثل مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ سو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اس پر اجماع نہیں کیونکہ امام مالک وفات کے قائل ہیں نصاریٰ کا قول بحیات المسیح بعد وفاتہ تو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے اور مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قائل ہونا بحیات المسیح عندالرفع، ان کے بڑے بڑے معتبروں، مقلدوں کی تصریحات سے پایا جاتا ہے۔ ورنہ مقلدینِ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے امام سے علیحدہ نہ ہوتے اور بر تقدیر علیحدہ ہونے کے نزول جسمی بعینہ کو جو فرع ہے رفع جسمی بعینہ کی، مجمع علیہ کل امت مرحومہ کا نہ لکھتے۔ لہذا مجمع البحار میں **قال مالک مات**۔ کے بعد شیخ محمد طاہر یہ تاویل لکھتے ہیں۔ **ولعلہ اراد رفعہ علی السماء حقیقۃ یجیئ اخر الزمان لتواتر خبر النزول**۔ اس تقدیر سے واضح ہوا کہ مسئلہ نزول کی طرح حیات مسیح پر بھی اجماع ہے۔ کل اہل اسلام اس پر متفق ہیں بلکہ نصاریٰ بھی اس میں مسلمانوں سے الگ نہیں۔ مگر اجماعی حیات الی مابعد النزول وہ ہے جو مسیح کے لئے عندالرفع مانی گئی ہے۔ اس مضمون پر عبارات مسطورہ ذیل شاہد ہیں۔ امام الائمۃ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ **وخروج الدجّال ویاجوج وماجوج وطلوع الشمس من**

المغرب ونزول عیسٰی علیہ السلام من السماء وسائر علامات یوم القیٰمہ علٰی ماوردت به الاخبار الصحیحة حق کائن۔ (فقہ اکبر)۔ اور یہی مذہب ہے کل ائمہ شفعویہ کا، یعنی سب اسی عیسٰی بن مریم بعینہ لا بمثیلہ کے نزول پر متفق ہیں۔ چنانچہ ائمہ صحاح ستہ اور شیخ سیوطی وغیرہ کی تصریح سے ظاہر ہے۔

اور ائمہ مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ شیخ الاسلام احمد نفراوی المالکی نے فواکہ دوانی میں تصریح کر دی کہ اشراط ساعت سے ہے، آسمانوں سے عیسٰی علیہ السلام کا اترنا۔ اور علامہ زرقانی مالکی شرح مواہب قسطلانی میں بڑی بسط سے لکھتے ہیں۔ فاذا انزل سیدنا عیسٰی علیہ السلام فانه یحکم بشریعة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بالهام او اطلاع علی الروح المحمدی اوبماشاء اللّٰہ من استنباط لها من الکتاب والسنة ونحو ذلک۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ فهو علیہ السلام وان کان خلیفة فی الامة المحمدیة فهو رسول ونبی کریم علٰی حاله لاکما یظن بعض انه یأتی واحدا من هذه الامة بدون نبوة ورسالة وجهل انهما لایزولان بالموت کما تقدم فکیف بمن هو حیٌّ نعم هو واحدٌ من هذه الامة مع بقائه علٰی نبوته ورسالته۔

اور علامہ سیوطی کتاب الاعلام میں فرماتے ہیں۔ انه یحکم بشرع نبینا ووردت به الاحادیث وانعقد علیه الاجماع۔ اور فتح البیان میں ہے۔ وقد تواترت الاحادیث بنزول عیسٰی جسما اوضح ذلک الشوکانی فی مؤلف مستقل یتضمن ذکر ما ورد فی المنتظر والدجّال والمسیح وغیره وصحح الطبری هذا لقول ووردت بذلک الاحادیث المتواترة. (فتح البیان ص۳۴۴ ج۲)

ائمہ اربعہ کے مسانید اور ایسے ہی ان کے مقلدین کی تصنیفات میں احادیث

نزول موجود ہیں۔ کسی نے نزول عیسیٰ بن مریم کو نزول مثیل عیسیٰ نہیں لکھا بلکہ نزول جسدہ بعینہ کی تصریح کر دی ہے۔ فتوحات کی نقلیں بحوالہ ابواب بھی گذر چکی ہیں۔ اور نیز حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اس نزول کے اجماعی ہونے کو اس عبارت سے باب ۷۳ میں ظاہر فرماتے ہیں۔ **وانہ لاخلاف انہ ینزل فی اخر الزمان** الخ۔ اور نیز حدیث برثملا وصی عیسیٰ فتوحات میں موجود ہے جس سے چار ہزار صحابی کا اجماع حیات مسیح پر معلوم ہوتا ہے۔ دیکھئے ان شآء اللہ تعالیٰ۔

الغرض کل محدثین اور ائمہ مذاہب اربعہ اور اصحاب روایت ودرایت اور صحابہ کرام چنانچہ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود اور ابوہریرہ اور عبداللہ بن سلام اور ربیع اور انس اور کعب اور حضرت ابوبکر صدیق اور جابر وثوبان اور عائشہ اور تمیم داری علیہم الرضوان وغیرہ۔ اور بخاری ومسلم وترمذی ونسائی وابوداؤد اور بیہقی وطبرانی وعبد بن حمید وابن ابی شیبہ وحاکم وابن جریر وابن حبان وامام احمد وابن ابی حاتم وعبدالرزاق علیہم الرحمۃ وغیرہ وغیرہ کا اجماع ہے عیسیٰ ابن مریم کے زندہ اٹھائے جانے اور اترنے پر بعینہ لا بمثیلہ۔ کما قال شیخ الاسلام الحرانی۔ **وصعود الأدمی ببدنہ الی السماء قد ثبت فی امر المسیح ابن مریم علیہ السلام فانہ صعد الی السماء وسوف ینزل الی الارض وھذا ما توافق النصاری علیہ المسلمین فانھم یقولون المسیح صعد الی السماء ببدنہ وروحہ کما یقولہ المسلمون ویقولون انہ سوف ینزل الی الارض ایضا وھذا کما یقولہ المسلمون وکما اخبر بہ النبی ﷺ فی الاحادیث الصحیحۃ لکن کثیرا من النصاری یقولون انہ صعد بعد ان صلب وانہ قام من القبر وکثیر من الیھود یقولون انہ صلب ولم یقم من قبرہ اما المسلمون وکثیر من النصاری یقولون انہ لم یصلب ولکن صعد الی السماء بلاصلب والمسلمون ومن وافقھم من النصاری یقولون انہ ینزل الی الارض قبل یوم القیامۃ وان نزولہ من اشراط**

الساعة کما دل علیٰ ذٰلک الکتاب والسنة الخ۔ اس تصریح سے ثابت ہے کہ قادیانی کا مذہب اس مسئلہ میں سب اہل اسلام سے الگ ہے۔ اور نیز اس سے ناظرین کو یقین ہو سکتا ہے کہ بلاشک وشبہ قادیانی صاحب نے دین کی پرلے درجہ کی تحریف کی ہے غیر اجماعی کو اجماعی بنادیا اور اجماعی کو غیر اجماعی۔ اور جہال کو کیسے کیسے دھوکے دیئے ہیں کہ پناہ بخدا۔

معراجِ نبوی ﷺ

ایھا الناظرون! قادیانی صاحب کا دعویٰ کہ مسیح موعود میں ہی ہوں مقدمات ذیل پر مبنی ہے۔

۱...... مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔

۲...... موتی مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں آتے۔

۳...... الہام۔

جواباً اتنا ہی کافی معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی صاحب کا الہام بوجوہ مذکورہ بالا جو اس کے بطلان پر شاہد ہیں مفید مدعیٰ نہیں ہو سکتا۔ مگر ناظرین کے اطمینان کے لئے مقدمہ اول اور ثانیہ کی طرف بھی متوجہ ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پہلے مقدمہ کی تائید میں قادیانی صاحب نے لکھا ہے۔ ''کسی بشر کا آسمان پر جانا محال ہے اور آنحضرت ﷺ کا معراج جسمانی نہیں ہوا۔'' چنانچہ ازالہ کے ص۴۷ میں لکھ دیا کہ۔ ''سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھی بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف (قادیانی) خود صاحب تجربہ ہے۔'' انتہی۔ اور آیت ﴿**اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَاءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتَابًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا**۝ (بنی اسرائیل:۹۳)﴾ کو

انہوں نے امتناع صعود علی السماء کے لئے دلیل ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ یہی آیت ثابت کر رہی ہے کہ کسی بشر مقدس کا آسمان پر جانا محال نہیں کیونکہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ سے اس وقت کے موجودہ کفار نے وہ امور طلب کئے تھے۔ جن کا وقوع بہ نسبت انبیاء سابقہ کے ان کے مسلمات میں تھا اور انہیں امور کو منجملہ دلائل دعویٰ نبوت کا خیال کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَلَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًاo(بنی اسرائیل:۹۰)﴾ ہم تجھ پر ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ تو زمین پھاڑ کر (حضرت موسیٰ کی طرح) ہمارے لئے پانی کا چشمہ نہ نکالے۔ ﴿اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًاo(بنی اسرائیل:۹۱)﴾ یا تیرے لئے (ابرہیم کی طرح جس پر کہ آتش نمرود باغ ہوگئی) ایک باغ ہو کھجور اور انگور کا جس کے بیچ تو نہریں نکالے۔ ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا(بنی اسرائیل:۹۲)﴾ یا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے حسب مزعوم اپنے کے گرائے۔ (جیسے کہ بنی اسرائیل پر کوہ طور اٹھایا گیا تھا) ﴿اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ قَبِیْلًاo(بنی اسرائیل:۹۲)﴾ یا تو خدا اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لادے۔ (جیسا کہ حضرت موسیٰ سے بھی یہی سوال کیا گیا) ﴿اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ(بنی اسرائیل:۹۳)﴾ یا تیرے لئے کوئی سنہرا گھر ہو۔ (چنانچہ ادریس علیہ السلام کے لئے بہشت میں ہوا) ﴿اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ(بنی اسرائیل:۹۳)﴾ یا تو آسمان پر (حضرت مسیح کی طرح) چڑھ جائے۔ ﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ(بنی اسرائیل:۹۳)﴾ اور ہم تیرے آسمان پر چڑھنے کو ہرگز نہ مانیں گے یہاں تک کہ تو آسمانوں سے کوئی ایسی کتاب اتار لاوے جس کو ہم پڑھ سکیں۔ (الواح موسیٰ کی طرح)

ایھا الناظرون! ﴿لِرُقِیِّکَ﴾ میں لام تعلیل کے لئے ہے ای **لاجل رقیک** (دیکھو فتح البیان)۔ پس حاصل یہ ہوا کہ ہم تیرے اوپر ایمان اس وقت لائیں گے جب کہ تو آسمان پر

چڑھ جائے گا اور چونکہ تو چڑھ جائے گا تو پہلے ہم چڑھ جانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ تو آسمان سے الواح موسیٰ کی طرح کوئی ایسی کتاب اتار لائے جس کو ہم خود پڑھ سکیں اللہ تعالیٰ بجواب اس سوال کفار کے فرماتا ہے کے اے محمد ﷺ تو ان کو کہہ دے کہ ﴿سُبْحَانَ رَبِّیْ﴾ پاک ہے پروردگار میرا ہر عجز سے۔ (یعنی وہ ان سب امور بالا کے لانے پر قادر ہے) ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ میں بذات خود نہیں ہوں مگر اس کا بندہ بھیجا ہوا۔ (لہٰذا ان امور کے سوال کرنے کا بھی بغیر اجازت اس کی کے مختار نہیں ہوں)

ایھا الناظرون! ﴿سُبْحَانَ رَبِّیْ﴾ سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور مذکورہ بالا ممتنعات سے نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ایقاع پر قادر ہے کجا یہ کہ اس کو الٹا امور مذکورہ کے امتناع پر دلیل ٹھہرایا جاوے۔ ولاّ تو چاہیے کہ کل امور مذکورہ بسوال کفار ممتنعات سے ہوں۔ وہو باطل۔ بلکہ سورۂ بنی اسرائیل میں صاف فرمادیا کہ ﴿مَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل:۵۹)﴾ ہم کو آیات بینات کے بھیجنے سے محمد ﷺ کی طرف کسی چیز نے نہیں روکا بجز اس کے کہ پہلے انبیاء جو ایسے معجزات اور آیات کے ساتھ آئے ان کی تکذیب کی گئی۔ اور یہی مضمون ام عطاء کی حدیث سے بھی ظاہر ہے **وعن ام عطاء عن النبی ﷺ قال والذی نفسی بیده لقد اعطانی ماسئلتم ولو شئت لکان ولکنه خیرلی۔** (ابن کثیر) آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ امور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا فرمائے ہیں اگر میں چاہوں تو ہو جائیں ولیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے مختار کیا ہے الخ۔

معراج شریف کی نسبت قادیانی صاحب کا لکھنا کہ ”اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں گئے تھے۔“ سخت گستاخی اور بے ادبی ہے گو کہ جسم شریف کی کثافت بہ نسبت روح مطہر ہی کے خیال کی جائے کیونکہ تاہم جسمی کثافت کو بوجہ دلیل ٹھہرانے امتناع صعود علی السماء کے تا بحدے ماننا پڑتا ہے کہ اور اجسام کی کثافت کی طرح صعود علی السماء کے مصادم

ہو۔ ایہا الناظرون! یہ تو ثابت شدہ امر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کا سایہ زمین پر کبھی دیکھا نہیں گیا اس لئے کہ وہ روح کی طرح لطیف تھا جب آپ کا بول اس شخص کے حق میں جس نے اندھیری رات میں اسے پانی کے خیال سے نوش کیا تھا عنبر اور مشک کی طرح موجب تعطر اور نورانیت ہو گیا تھا۔ پس کیا ہوگا حال ذات مبارک کا۔ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ وَاَدِمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَعِتْرَتِہٖ وَعَلٰی جِسْمِہٖ فِی الْاَجْسَامِ وَ عَلٰی رُوْحِہٖ فِی الْاَرْوَاحِ وَعَلٰی قَبْرِہٖ فِی الْقُبُوْرِ وَعَلٰی مَشْھَدِہٖ فِی الْمَشَاھِدِ۔**

قاضی عیاض 'شفاء' میں اور قاضی ثناء اللہ 'مالا بدمنہ' میں لکھتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی نوع[1] کی بے ادبی کا مرتکب بجناب نبوی بلکہ کل انبیاء علیہم السلام کی نسبت خواہ مسلمان بھی کیوں نہ ہو، کافر واجب القتل ہے۔ اور پھر حیرت انگیز گستاخی یہ ہے کہ قادیانی اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کا ہم پلہ اور آنحضرت ﷺ کے کمالات کو اپنے کمالات تک محدود سمجھتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ

قولہ: ''اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف (قادیانی) خود صاحب تجربہ ہے۔''

اقول: فرض کیا کہ آپ کشفوں میں صاحب تجربہ ہیں تو کیا اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معراج آپ کے کشفی عروج و سیر سے اعلیٰ درجہ پر نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کے نتائج میں سے نماز پنجگانہ کی فرضیت بھی ابدالدہر ثابت ہوئی اور آپ کے کشف یا خواب و خیال نکاح آسمانی ایک لمحہ بھر کے لئے بھی ظہور میں نہیں لایا۔ حضرت کیا ایسے معارج مالیخولیانہ، عروج نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے نسبت رکھتے ہیں۔

ع   بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

ایہا الناظرون! معراج جسمی آنحضرت ﷺ کا بحالت بیداری آیت ذیل سے

[1] صراحتہً یا اشارۃً، عمداً یا سہواً۔ منہ

ثابت ہے۔ ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی﴾ کیونکہ ﴿سُبْحَانَ﴾ کا اطلاق اسی موقع پر ہوتا ہے جہاں کہیں کسی عظیم الشان اور مستبعد اور محال عادی کا ذکر ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نیند میں آسمانوں پر جانا یا اطراف السموات والارض میں سیر کرنا کوئی امر مستبعد اور ممتاز طور پر نبی کا خاصہ نہیں۔ اور نیز ﴿اَسْرٰی﴾ کا استعمال نیند میں نہیں آتا (قاضی عیاض)۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی اسراء مثل اور انبیاء کے کشفی اور روحی نہ تھی بلکہ جسمی اور بحالت بیداری ہوئی ہاں بعض احادیث کے الفاظ سے مثل **بین النائم والیقظان** یا **وھو نائم** اور **واستیقظت** معلوم ہوتا ہے کہ معراج شریف بحالت منام ہوا ہے سو اس کی نسبت قاضی عیاض اور احمد عسقلانی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ میں کوئی حجت نہیں کیونکہ محتمل ہے کہ جبرائیل کے آنے کے وقت یا اسراء کے شروع میں آنحضرت ﷺ سوئے ہوئے ہوں اور ان احادیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تمام اسراء میں سوئے رہے ہوں۔ ہاں **ثم استیقظت** کا لفظ دلالت کرتا ہے اسراء کے وقوع پر بحالت منام و نیند کے۔ لیکن اس کے معنی صبح کرنے کے بھی ہیں یا محتمل ہیں کہ اسراء کے بعد گھر میں سو گئے ہوں۔ اور محتمل ہے کہ **یقظہ** بمعنی ہوشیاری و افاقہ کے ہو جو اہل اللہ کو بعد از استغراق حاصل ہوتا ہے۔ (انتہی ملخص قولہما)۔

اور انہیں الفاظ مذکورہ کی طرح اختلافِ روایات کا بہ نسبت تعین مکان اسراء کے موجب تشتت و اضطراب معلوم ہوتا ہے۔ مگر مرقاۃ اور لمعات میں وجہ جمع بین الروایات اس طرح بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ شب اسراء میں ام ہانی کے گھر سوئے ہوئے تھے اور ام ہانی کا گھر ابی طالب کے کوچہ میں تھا پھر اس کے گھر کی چھت کھل گئی اور آنحضرت ﷺ نے بسبب اس کے کہ اس میں رہا کرتے تھے اس کو اپنا گھر کہا۔ اور اسی سے فرشتہ اترا اور آنحضرت ﷺ کو اس گھر سے نکال کر مسجد کعبہ کی طرف لے گیا درحالیکہ آنحضرت ﷺ ام

ہانی کے گھر آرام فرمارہے تھے اور نیند کا اثر باقی تھا۔ پھر حطیم سے باب مسجد میں لاکر آنحضرت ﷺ کو براق پر سوار کرایا اور مکہ میں ہونا اس غرض سے بیان فرمایا کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا نہ مدینہ میں۔

میں کہتا ہوں ان سب وجوہ تطبیق مذکورہ وغیرہا سے اطمینان بخش وہ وجہ ہے جس کو رئیس المکاشفین محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات کے باب ۳۶۷ میں لکھا ہے۔ **ولو کان الاسراء بروحه وتکون رؤیا راها کما یری النائم فی نومه ما انکره احد ولانازعه احد وانما انکروا علیه کونه اعلمهم ان الاسراء کان بجسمه فی هذه المواطن کلها۔** یعنی برتقدیر معراج روحی کے انکار اس کا کوئی معنی نہیں رکھتا ہاں معراج جسمی کو بعید از عقل جان کر انکار کیا گیا۔ **وله ﷺ اربعة وثلثون مرة الذی اُسرِیَ به منها اسراء واحد بجسمه والباقی بروحه رؤیا راها۔** آنحضرت ﷺ کے لئے چونتیس (۳۴) معراج ہوئے جن میں سے ایک جسمی تھا اور باقی روحی عالم خواب میں۔ بعد اس کے فرماتے ہیں **وبهذا زاد علی الجماعة رسول الله ﷺ باسراء الجسم و اختراق السمٰوٰت والافلاک حساً وقطع مسافات حقیقیة محسوسة وذلک کله لورثته معنی لا حسا من السمٰوٰت فما فوقها۔** یعنی معراج جسمی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو باقی اہل اللہ پر فوقیت اور زیادت ہے۔ مگر قادیانی صاحب ہرگز اس فضیلت وزیادت کو گوارا نہیں کر سکتے۔ اب تو اہل مکاشفہ کے اقوال کو بھی چھوڑے جاتے ہیں مع آنکہ جلد اول ازالہ میں اہل کشف خصوصاً شیخ کی نسبت لکھا ہے کہ ان کا قول علمائے ظاہر کے اقوال پر راجح ہوتا ہے۔

ثم اقول: تعدد معراج کی تقدیر پر الفاظ مذکورہ وروایات مختلفہ میں تطبیق حاصل ہے اور یہی تقدیر احوال شریفہ آنحضرت ﷺ سے مناسب ہے۔ گویا رؤیت منامی مقدمہ اور تمہید ٹھہری

معراج جسمی کے لئے۔ چنانچہ اکثر وقائع شریفہ میں ایسا ہی ہوا کرتا تھا پہلے آپ کو بحالت خواب امور غیبیہ دکھلائی دیتے تھے بعد ازاں مطابق خواب ظہور میں آتے تھے۔

تعدد معراج پر قادیانی کے تین اعتراضات:

پہلا اعتراض: انہی احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کے لئے خاص خاص مقامات آسمانوں میں مقرر ہیں جن سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے چنانچہ گریہ اور بکاء موسیٰ علیہ السلام کا بروقت جانے آنحضرت ﷺ کے ساتویں آسمان سے آگے اسی پر دال ہے کیونکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اختیار میں تھا کہ کبھی پانچویں آسمان پر آجاتے اور کبھی چھٹے پر اور کبھی ساتویں پر تو یہ گریہ و بکاء کیسا تھا جیسے پانچویں یا چھٹے سے ساتویں پر چلے گئے ایسا ہی آگے بھی جا سکتے تھے۔

الجواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکاء اور رونا اس لئے نہ تھا کہ ان کو ساتویں سے آگے رفع نہ ہوا ہے بلکہ ان کا رونا بسبب فقدان کمال وعموم دعوت کے تھا۔ جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے میں نہ پایا۔ اور آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک میں یہ کمال دیکھا۔ چنانچہ امام بخاری باب المعراج حدیث مالک بن صعصعہ میں لکھتے ہیں۔ **فلما تجاوزت بکیٰ قیل له ما یبکیک قال ابکی لان غلاما بعث بعدی یدخل الجنة من امته اکثر من یدخلها من امتی**۔ (بخاری)۔ جب آنحضرت ﷺ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے۔ رونے کی علت جب ان سے دریافت کی گئی تو کہا کہ میرا رونا اس لئے ہے کہ یہ نوجوان جو میرے بعد مبعوث ہوا اس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی گویا اپنی امت پر رحمت کی کمی کی وجہ سے یہ رونا تھا، نہ یہ کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ حالانکہ مشکوٰۃ باب **من حضرہ الموت** میں بروایت براء بن عازب مذکور ہے۔ کہ کل نفوس کاملہ آسمان ہفتم تک رفع ہونے کے بعد اپنے اپنے ابدان میں بامر الٰہی لوٹائے

جاتے ہیں۔ **فیشیعه من کل سماء مقربوها الی السماء التی تلیها حتی ینتهی به الی السماء السابعة فیقول الله ﷻ اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوه فی الارض الخ۔**

علامہ زرقانی کی شرح مواہب پر نظر ڈالنے سے بخوبی محقق ہو جاتا ہے کہ شب معراج میں جو انبیاء جہاں جہاں دکھائی دیئے ان کے لئے مقامات سماویہ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ اظہار تفاضل اور ان وجوہ اختصاص کے لئے تھا جن کو علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں مفصل لکھا ہے اور جدا جدا آسمانوں میں دکھائی دینا تعین مقام کے لئے کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ارواح کاملہ کے عروج، مقامات مذکورہ تک ہی محدود نہیں۔ اور اسی پر دال ہے وہ حدیث ذیل جس کو احمد، مسلم اور نسائی نے ذکر کیا ہے۔ **ان النبی ﷺ قال مررت علی موسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبره۔** آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شب اسریٰ میں میری گزر اس سرخ ٹیلے کے پاس سے ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور پھر اسی وقت بیت المقدس میں آنحضرت ﷺ سب انبیاء کے لئے امام ہوئے اور پھر ان کو علیحدہ علیحدہ آسمانوں میں دیکھا۔ **لحکمة یعلمها الحکیم العلیم۔** اور علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ ان حضرات کا جدا جدا آسمانوں میں دکھائی دینا دراصل ان کے واردات خاصہ کی طرف اشارہ ہے جو ان کو اپنی اپنی قوم سے پیش آئے۔ اور اسی کی مثل آنحضرت ﷺ کو بھی درپیش آنے والے تھے الخ۔ رہا یہ امر کہ ان انبیاء علیہم السلام کو آنحضرت ﷺ نے کل مواطن میں روحانی صورت میں دیکھا یا بصورت عنصری جسدی۔ قرطبی کے نزدیک ہے کہ وہ اپنے اپنے اجساد کے ساتھ نظر آئے اور لمعات میں دونوں طرح دکھائی دینے کو محتمل لکھا ہے، بایں طور کہ ان کی روحیں بصورت اجساد متمثل ہوگئیں ہوں، مگر عیسیٰ علیہ السلام، کہ ان کا اپنے جسم

کے ساتھ مرفوع ہونا ثابت ہے اور فتوحات میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایسا ہی لکھا ہے۔ **کما مرّ۔**

دوسرا اعتراض: قادیانی صاحب کا باتباع ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تعدد معراج کے مطابق یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ ہر دفعہ اول پچاس نمازیں مقرر کی گئیں اور پھر پانچ رہیں جس پر بے جا اور لغو طور پر منسوخیت ماننی پڑتی ہے۔[1]

جواب: فرضیت صلوٰۃ کا تعدد حالت خواب میں بطریق توطیہ کوئی مستبعد نہیں، ہاں حالت بیداری میں اس کا تعدد بیجا اور غیر مناسب سمجھا جاتا ہے۔ کمافی فتح الباری شرح صحیح بخاری۔

تیسرا اعتراض: تعدد معراج پر قادیانی صاحب کا تیسرا اعتراض یہ ہے۔ کہ یہ حدیث جو بخاری کے صفحہ ۱۱۲۰ میں ہے، خود اپنے اندر تعارض رکھتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ لکھ دیا کہ بعثت کے پہلے یہ معراج ہوئی تھی اور پھر اسی حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ نمازیں پچاس مقرر کر کے پھر آخر کار ہمیشہ کے لئے پانچ مقرر ہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس حالت میں یہ معراج نبوت سے پہلے تھی تو اس کو نمازوں کی فرضیت سے کیا تعلق تھا اور قبل از وحی جبرئیل علیہ السلام کیونکر نازل ہو گیا اور جو احکام رسالت سے متعلق تھے وہ قبل از رسالت کیونکر صادر کئے گئے۔ انتہی ملخصاً۔

جواب: ایہا الناظرون! حدیث ذیل کے الفاظ کو غور سے دیکھیں اور پھر قادیانی کی حدیث دانی وکمال علمی کا خیال فرماویں۔ **عن شریک بن عبد اللّٰہ انه قال سمعت انس بن مالک یقول لیلة اسری برسول اللّٰہ ﷺ من المسجد الکعبة انه جاءه ثلٰثة نفر قبل ان یوحٰی الیه وھو نائم فی المسجد الحرام فقال اولھم**

---

[1] یعنی حالت بیداری میں فقط ایک بار فرضیت ہوئی پہلے پچاس کی اور پھر اسی رات آخر میں پانچ رہ گئیں۔ پچاس پر عمل کا وقت ہی نہ آیا تا کہ بے جا منسوخیت لازم آئے۔ رہی یہ بات کہ پہلی دفعہ ہی پانچ کیوں نہ مقرر ہوئیں یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے! اے حضور ﷺ کا بار بار مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہونا تو ایک ظاہر حکمت ہے۔ ۱۲ فیض عفی عنہ

ایهم هو قال اوسطهم هو خیرهم فقال اخرهم خذوا خیرهم فکانت تلک اللیلة فلم یرهم۔ یہاں تک مطلب شریک بن عبداللہ کا یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ شب اسراء کا واقعہ بیان کرتے وقت کہتے ہیں۔ کہ قبل از وحی پہلے ایک رات فقط تین فرشتے آئے اور آنحضرت ﷺ اس وقت مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے اوہ آپس میں باتیں کر کے چلے گئے اور آپ نے ان کو نہ دیکھا بس یہاں تک تو شب اسراء کے پہلے کا ذکر بطریق تمہید تھا۔ اب شب اسراء کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ **حتی اتوه لیلة اخری فیما یری قلبه وتنام عینه** الخ۔ یعنی ان ملائکہ کو آپ نے نہ دیکھا یہاں تک کہ پھر آئے وہ کسی اور رات میں یعنی شب اسراء میں اور آسمانوں پر لے گئے اور پانچ نمازیں مقرر ہوئیں الخ۔ اس ترجمہ سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ قادیانی صاحب نے بجائے اس کے کہ اپنی کم فہمی پر روتے اور کسی عالم سے پوچھتے، الٹا حدیث بخاری پر حملہ کیا اور آنحضرت ﷺ کے ایک کمال جداگانہ اور مخصوص پر گستاخی کی۔ اور ایسی گستاخانہ تعبیرات سے لوگوں کو دھوکا دینا چاہا تاکہ بہ نسبت احادیث کے اضطراب کی وجہ سے ان میں بے اعتباری پیدا کی جاوے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ جو کچھ میں اور میرے جاہل مولوی ہانکے جائیں اسی کو لوگ واجب التسلیم سمجھیں۔ حضرت! سارا ہی جہاں تو جاہل نہیں اللہ تعالیٰ خود اپنے قرآن اور حبیب پاک ﷺ کی حدیث کا حافظ ہے۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے۔ بغیر عائشہ صدیقہ اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے سب کا مذہب معراج جسمی اور بحالت یقظہ ہونے کا ہے۔ اور ان دونوں کا قول ان جماہیر صحابہ کے اقوال کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعہ اسراء کے وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں یا سن ضبط وتمیز کو نہیں پہنچی تھیں۔ **علی اختلاف القولین**[1]۔ بلکہ حضرت عائشہ سے **ما فقد جسد رسول اللہ** ﷺ والی حدیث کا مروی ہونا بہ تصریح قاضی عیاض و

[1] اور یہی آخری قول تحقیقی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت کم سن تھیں۔ فیض

علامہ زرقانی باطل اور غیر ثابت ہے پھر ان کی روایت کو مع عدم المشافہۃ والثبوت کیونکر ترجیح دیجاوے۔ ان مشاہیر اور جماہیر صحابہ کے اقوال پر جنہوں نے بالمشافہ نور نبوت سے اس معنی کا استفاضہ کیا کہ معراج شریف جسمی اور بحالت یقظہ ہے اور بر تقدیر صحت اس حدیث کے علامہ تفتازانی نے اس طرح پر تاویل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک روح سے مفقود نہ ہوا بلکہ دونوں ساتھ تھے اور یہی معنی مطابق ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی دوسری حدیث کے، جس کو ازالۃ الخفا صفحہ ۳۰۵ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہ تخریج حاکم ذکر فرمایا ہے۔ **اخرج الحاکم عن عائشة قالت لما اُسرِیَ بالنبي ﷺ الی المسجد الاقصی اصبح یحدث الناس بذلک فارتد ناس ممن کانوا اٰمنوا به وصدقوه وسعوا بذلک الی ابی بکر فقالوا هل لک فی صاحبک یزعم انه اُسرِیَ به الی بیت المقدس وجاء قبل ان یصبح قال او قال کذلک قالوا نعم قال لئن قال ذلک لقد صدق قالوا اتصدقه انه ذهب اللیلة الی بیت المقدس وجاء قبل ان یصبح قال نعم انی لاصدقه بما هو ابعد من ذلک اصدقه بخبر السمآء فی غدوة او روحة فلذلک سمی ابوبکر الصدیق**۔ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب کہ آنحضرت ﷺ کو مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی گئی۔ تو آپ نے صبح ہوتے ہی لوگوں سے شب اسراء کے واقعات بیان فرمائے، پس بعض ایمان والے بھی اس کے سنتے ہی مرتد ہوگئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑتے ہوئے گئے اور پوچھا کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرا صاحب (محمد ﷺ) زعم کرتا ہے، کہ وہ آج کی رات کو بیت المقدس گیا اور صبح ہونے سے پہلے واپس بھی آگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا میرے صاحب نے کہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں کہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میرے صاحب نے ایسا کہا ہے تو ضرور سچ

کہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر تو اس کی تصدیق کرتا ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور یہ کیا بلکہ اس سے بعید تر کی بھی تصدیق کرتا ہوں، جو آسمانوں کے متعلق طلوع شمس کے قبل یا زوال کے بعد کی خبر دے اور اسی وجہ سے ان کا نام صدیق ہوا۔

منہاج العلوی میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث معاویہ کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ وہ اسراء نبوی کے وقت ابھی ایمان بھی نہ لائے تھے لہذا ان کا سائل کو یہ جواب دینا **كانت رؤيا صالحة**۔ معراج جسمی اور اسراء جسدی کے متعلق نہیں، جو ان کے ایمان سے اول اور ان کے علم سے باہر تھا۔ معراج جسمی کے منکرین نے آیت **وما جعلنا الرؤيا** سے تمسک پکڑا ہے کہ یہ واقعہ منجملہ رؤیا منام سے تھا۔ مگر اس کا قاضی عیاض نے شفا میں رد کیا ہے۔ ساتھ آیت ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی﴾ کے، کیونکہ ﴿اَسْرٰی﴾ نیند کے متعلق نہیں بولا جاتا۔ اور نیز آیت مذکورہ میں ﴿فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ بھی اسی کا مؤید ہے، کیونکہ خواب کی صورت میں کوئی فتنہ اور امتحان نہیں اور نہ کسی کا انکار متصور ہو سکتا ہے۔ اور نیز اس آیت کو بعض مفسرین نے قصہ حدیبیہ کے متعلق بھی لکھا ہے۔ معہذا رؤیا کا استعمال کلامِ عرب میں حالت یقظ و بیداری کے لئے بھی آ گیا ہے۔ شعر

فكبر للرؤيا وهش فواده

وبشر نفسا كان قبل يلومها

اور نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ رؤیا سے مراد رؤیا عین ہے۔ کما فی البخاری۔

تنبیہ: بیشک راویوں نے واقعات اسراءات روحی و جسمی کو ایک دوسرے سے جداگانہ بیان کرنے میں تساہل کیا ہے مگر اس کو روایت بالمعنی ہونے کی وجہ سے معیوب اور مستکرہ خیال نہیں کیا جا سکتا۔ **وعن بعض التابعين قال لقيت اناسا من الصحابة فاجتمعوا في المعنى واختلفوا على في اللفظ فقلت ذلك**

لبعضهم فقال لابأس به مالم يخل معناه حكاه الشافعي وقال حنيفة انا قوم عرب نورد الاحاديث فنقدم ونؤخر وقال ابن سيرين كنت اسمع الحديث من عشرة المعنى واحد واللفظ مختلف وممن كان يروى بالمعنى من التابعين الحسن والشعبي والنخعي بل قال ابن الصلاح انه الذى شهد به احوال الصحابة والسلف الاولين فكثيرا ما كانوا ينقلون معنى واحدا فى امر واحد بالفاظ مختلفة وما ذاک الا لان معولهم كان على المعنى دون اللفظ قال الحسن لولا المعنى ما حدثنا وقال الثورى لو اردنا ان نحدثكم بالحديث كما سمعناه ماحدثنا كم بحرف واحد۔ (فتح المغیث)۔

ناظرین کو واضح ہو چکا ہوگا کہ آیت ﴿او ترقى فى السماء﴾ سے کسی بشر مقدس کا آسمان پر جانا محال نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ آیت ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ اس کے وقوع پر دال ہے۔ لہٰذا قادیانی صاحب کا پہلی آیت کو مؤید ومثبت امتناع ٹھہرانا غلط ٹھہرا۔ پھر قادیانی صاحب فلسفیانہ طور پر صعود بجسدہ العنصری کے امتناع پر ازالہ کے صفحہ ۴۷ میں لکھتے ہیں۔ ''کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کرۂ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔ الی ان قال پس اس جسم کا کرۂ ماہتاب[1] یا کرۂ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔ انتہی مختصرا۔''

ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت اور حدیث اور اجماع کے مقابلہ میں ایسے استدلالات سے کام لینا مسلمان کا کام نہیں اور نیز استدلال مذکور، موقوف ہے امور ذیل کے ثبوت پر۔ ودونہ خرط القتاد۔

۱......اتحاد نوعی کل طبقات ہوائیہ کا۔

---

[1] قادیانی صاحب کا یہ قول اس موجودہ دور میں لغو ثابت ہو چکا ہے۔ جب انسان کرۂ ماہتاب تک کئی دفعہ ہو کر واپس آیا ہے اور کرۂ آفتاب سے اوپر مریخ تک انسانی ایجادات کا پہنچنا ثابت ہو چکا ہے۔ ۱۲ فیض عفی عنہ۔

۲......لوازم طبقات ہوائیہ کا از قبیل لوازم ماہیت ہونا۔

۳......تبدل فصول کا مؤثر نہ ہونا خصوص کیفیات کے تغیر میں۔

۴......لزوم کا ضروری ہونا نہ کہ عادی۔

امور مذکورہ سے صرف امر چہارم ہی کا اگر خیال کیا جاوے تو بشہادت ﴿یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ﴾ (الانبیاء:۶۹) کے حرارت وبرودت وغیرہ کا انفکاک اپنے ملزومات سے واقعی معلوم ہوتا ہے۔ کیا وہ فاعل مختار اور حکیم مطلق جس نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو سرد کر دیا۔ اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ زمہریری کرہ کی برودت کو مثلاً معتدلہ حرارت سے بہ نسبت ایک مقبول بندے اپنے کے متبدل کردے؟

سوال: آیت ﴿قُلْنَا یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ﴾ بھی عندالخصم مؤول ہے۔

جواب: مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ حرارت مفرطہ کا زوال آگ سے بالکل واقعی اور سچ ہے۔ کما ذکرہ الشیخ فی الفتوحات۔ اور اس زمانہ میں بھی عوام سے خواص تک اس کو دیکھ چکے ہیں لہٰذا آیت کو امتناع انفکاک الحرارت عن النار کی بناء پر مؤول ٹھہرانا سراسر تعصب وجہالت ہے۔ الغرض جسم خاکی کے آسمان پر جانے کے استحالہ کو کوئی دلیل شرعی یا عقلی ثابت نہیں کرتی۔ کما ذکرہ النووی فی شرح مسلم۔ ہاں صرف چند جہلاء نے معتزلہ میں سے اس پہلو کو اختیار کیا ہے کہ پہلے صرف عقل جزی کو مشعل راہ بنا کر نصوص میں تاویل اور ردوبدل کیا ہے۔ اس مسلک میں ان کو تین وجہ سے دھوکا ہوا۔

۱......ایک، تو عقل جزئی کے استقراء ناقص کا نام قانون قدرت رکھا اور ظاہر ہے کہ جزئیات معدودہ کے احوال پر نظر ڈالنے سے قاعدہ کلیہ استنباط نہیں کیا جاسکتا۔

۲......دوسرا، مستبعدات عقلیہ کو محالات عقلیہ سے شمار کیا۔

۳......تیسرا، آیات واحادیث کو ان معانی پر محمول کیا جو بالکل برخلاف ہیں طرز محاورہ

دانوں اوران لوگوں کے جنہوں نے نورنبوت سے بالمشافہ معانی مرادہ کا استفاضہ کیا۔

قادیانی صاحب اہل اعتزال پر دوقدم آگے بڑھے۔

۱......دعویٰ مسیحیت موعودہ ومہدویت ونبوت ورسالت۔

۲......اس چالاکی ودجل یا جہالت میں کہ ہمارا ایمان وغلبہ محبت بآنحضرت ﷺ امور ذیل کو گوارا نہیں کرسکتا۔ کہ آنحضرت ﷺ باآں عزوشرف جس میں وہ کل انبیاء سے فائق ہیں، مدینہ طیبہ کی خاک میں مدفون ہوں اور عیسیٰ ابن مریم آسمانوں پر جا بسے۔ ایسا ہی آنحضرت ﷺ کے لئے عمر شریف صرف تریسٹھ (۶۳) سال ہی عطا کی جاوے۔ اور عیسیٰ ابن مریم دوہزار سال پر بھی بس نہ کریں۔ اور عیسیٰ ابن مریم کو بوجہ استغنا کے کھانے پینے سے **حیّ قیوم** سمجھا جاوے۔ آنحضرت ﷺ کے لئے تو اور عوام کی طرح والدین ہوں اور عیسیٰ ابن مریم کے لئے باپ نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایہا الناظرون! ان سب امور مذکورہ ونظائرہا میں قادیانی صاحب کے پیش امام اہل اعتزال اورجہمیہ وفلاسفہ ہی ہیں۔ یعنی صرف زعمی قانون قدرت کو مشعل راہ بنایا ہے اور تقریر مذکور بلباس محبوں اور مومنوں کاملوں کے دجل ہے۔ گویا لوگوں کی آنکھوں میں اپنی نئی طرز کو در لباس عشاق دکھاتے ہیں۔ ہاں دعویٰ نبوت ورسالت ومسیحیت موعودہ میں الہام سے کام لیا ہے۔ پھر الہام بھی وہ جو علاوہ بطلان فی نفسہٖ کے تعارض وتخالف بھی رکھتا ہے۔ نہ صرف اپنے ہی الہامات میں بلکہ دوسرے ملہمین، محدثین کے الہامات سے بھی الگ اور مخالف ہے۔ چنانچہ رئیس المکاشفین محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی الہامی کتاب میں معراج جسمی آنحضرت ﷺ کے مثبت اور قائل ہیں، اور مرزاجی منکر۔ ایسا ہی حضرت شیخ مسیح ابن مریم کے رفع بجسدہ العنصری وحیات الی مابعد النزول کے قائل ہیں اور مرزاجی مخالف۔ ایسا ہی کشف والہام نبوی علی صاحب الصلوٰۃ والسلام اخبار متواترہ اور مشہورہ کی رو سے عیسیٰ ابن مریم

بعینہ لا بمثیلہ کے نزول کا مثبت ہے اور مرزاجی کا پچھلا الہام بروزی نزول کا پتہ دیتا ہے۔

ایہا الناظرین! آنحضرت ﷺ کے کشف پاک اور مرزاجی کے خبط ناپاک میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں بن پڑتی بغیر اس کے کہ یا تو آنحضرت ﷺ کی وحی صادق کو العیاذ باللہ کاذب کہا جاوے۔ اور یا کل احادیث کو بروزی نزول پر حمل کیا جاوے۔ اور یا آنحضرت ﷺ کے لئے خطا فی التعبیر ٹھہرا کر بعد ازاں بقاء علی الخطاء مدت العمر تک مانا جاوے جن کے وجوہ بطلان اسی کتاب میں مفصل لکھے گئے ہیں۔

ایہا الناظرون! کیا یہ متصور ہو سکتا ہے کہ وہ رسول پاک ﷺ جو اعلیٰ درجہ کے امت مرحومہ کے بارہ میں حریص اور رحیم اور ہر ایک مہلکہ سے اعلام فرمانے والے ہیں۔ دانستہ امت مرحومہ کو بجائے اس کے کہ لغزش سے بچائیں الٹا دھوکے میں ڈال گئے ہوں۔ یا ایک امر مہلک عظیم الشان سے بے خبر چلے گئے ہوں یا بر تقدیر حصول علم امت مرحومہ کو نزول بروزی کا پتہ نہ دیا ہو۔ مع آنکہ پہلے زمانہ میں نزول ایلیا کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے بہتیرے لوگ کافر ہوئے۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اگر نزول مسیح بروزی طور پر ہوتا تو بالضرور آنحضرت ﷺ کا شان ﴿حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ ۝ (توبہ:۱۲۸)﴾ اور ﴿وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۝ (الانبیاء:۱۰۷)﴾ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اس اشتباہ کے زہریلے اثر سے امت مرحومہ کو نہ بچائیں اور ایک حدیث میں بھی بروزی نزول کو ذکر نہ فرماویں۔ اور اہل اسلام کے نزدیک مسلم الثبوت ہے کہ شارع علیہ السلام نے کل امور مہلکہ پر تصریح فرمادی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدَاهُمْ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَهُمْ مَا یَتَّقُوْنَ (توبہ:۱۱۵)﴾ وقال تعالیٰ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ:۳)﴾ آپ کی پیشین گوئیاں بھی بالخصوص وہ جن کے بیان میں نہایت اہتمام و بیان

تفصیلی وتاکیدات سے کام لیا گیا ہے۔ دین میں داخل ہیں۔ دین کو صرف عملیات میں محدود سمجھنا جہالت ہے۔ دین کی علمی جزء اس کی جزء عملی پر سبقت اور اصالت کا استحقاق رکھتی ہے۔ وقال تعالیٰ ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلُ (نساء:۱۶۵)﴾ وقال تعالیٰ ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (نور:۵۴)﴾ وقال تعالیٰ ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل:۹)﴾ قرآن کریم کا ہادی ہونا انہیں مومنوں کی نسبت ہے، جنہوں نے بحسب بیان وتفصیل آنحضرت ﷺ کے اس کے ساتھ ایمان لایا ہو۔ ورنہ کل فرق ضالہ قرآن ہی سے متمسک ہیں۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ

ع گم آں شد کہ دنبال داعی نہ رفت

وقال تعالیٰ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًاo وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِنْ لَّدُنَّا اَجْرًا عَظِيْمًاo وَلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًاo (نساء:۶۶تا۶۸)﴾ ان آیات کی رو سے بھی امت مرحومہ کو صراط مستقیم کی ہدایت ضروری ہے۔ جس کا مقتضٰی یہ ہوا کہ نزول بروزی کی تقدیر پر بیان بروز واجب تھا۔ پیشین گوئیوں میں سے ایسی پیشین گوئی کہ جس میں امت مرحومہ کو بچانے کا اہتمام کیا گیا ہو اور جس کے بیان میں آپ نے دھوکہ کی وجہ سے خلاف واقعہ بیان فرمایا ہو، کوئی نہیں کہ قادیانی بروز کے لئے نظیر بن سکے۔ اور یاد رہے کہ بحسب قولہ تعالیٰ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo (نجم:۴)﴾ کے قادیانی صاحب ناکامیاب رہیں گے۔ وقال تعالیٰ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌo يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ (مائدہ:۱۵،۱۶)﴾ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لقد توفی رسول اللّٰہ ﷺ وما طائر لیقلب جناحیہ الا ذکرلنا منہ علما۔ صحیح مسلم میں ہے۔ ان بعض المشرکین قالوا لسلمان رضی اللہ عنہ لقد علمکم نبیکم کل شیٔ حتی الخرائۃ قال اجل وقال ﷺ ترکتکم علی البیضاء لیلھا کنھارھا لا یزیغ

عنها بعدی الا ھالک وقال ما ترکت من شیٔ یقر بکم الی الجنة الا وقد حدثتکم به ولامن شیٔ یبعدکم عن النار الا وقد حدثتکم عنه۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں ما بعث اللّٰہ من نبی الا کان حقا علیه ان یدل امته علی خیر ما یعلمه خیرا لھم وینھاھم عن شر ما یعلمه شرا لھم۔ ان آیات واحادیث کی رو سے برتقدیر مزعوم قادیانی صاحب آنحضرت ﷺ کو نزول بروزی عیسیٰ ابن مریم کا کھلا کھلا بیان فرمانا جس میں نزول بعینہ کی گنجائش نہ ہو، ضروری سمجھا جاتا ہے حالانکہ معاملہ بالعکس ہوا۔

سوال: تعارض عقل ونقل کی صورت میں عقل ہی کو مقدم رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ اصل ہے نقل کے لئے۔ کیونکہ جب تک دلائل عقلیہ کے رو سے وجود صانع نہ مانا جاوے تب تک تصدیق بالنقل وبما جاءت به الرسل علیہم السلام متصور نہیں ہوسکتی۔ تقدیم عقل ہی کی وجہ سے نصوص قطعیہ میں تخصیص عقلی کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ **کما فی ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝﴾** (بقرہ:۲۰) بنابراں ارادہ معراج روحی اور نزول بروزی بلکہ کل معجزات و خوارق کا مؤوّل ٹھہرانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

جواب: ۱…… یہ امر قابل غور ہے کہ قضیہ ذیل **العقل اصل للنقل** میں ''عقل'' سے مراد کیا ہے؟ بعد تدبّر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مراد ''عقل'' سے جوہر مدرک یا قوۃ عاقلہ نہیں، کیونکہ اس معنی کی رو سے عقل اور نقل میں تعارض نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جوہر مدرک یا قوت عاقلہ، حیات کی طرح شرط ہے عقلیات اور سمعیات کے لئے۔ اور ظاہر ہے کہ شرط کبھی منافی ومعارض نہیں ہوتی مشروط کے لئے۔ پس معلوم ہوا کہ مراد عقل سے وہ معرفت اور ادراک ہے جو عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ امر ضروری نہیں سمجھا جاتا بلکہ واقعی بھی نہیں کہ ہر علم وادراک عقلی اصل اور دلیل ہو سمعی اور نقلی کے لئے۔ کیونکہ سمعیات و نقلیات کی صحت کا توقف صرف انہیں عقلیات پر ہے جن کی رو سے تصدیق بصدق الرسول

ﷺ حاصل ہو۔ چنانچہ **(الصانع موجود) وهو مصدق الرسل** علیہم السلام **بالآیات والمعجزات وامثال ذلک**۔ اس تقریر سے واضح ہوا کہ قضیہ مذکورہ **العقل اصل للنقل** کلیہ نہیں۔ بلکہ اس میں حکم انہیں بعض عقلیات پر ہے جو موجب تصدق بصدق الرسول ﷺ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ محل بحث کو یعنی **الرفع والنزول الجسمی وامثالهما من المحالات** جو منجملہ عقلیات ہیں کوئی علاقہ نہیں، تصدیق بصدق الرسول ﷺ سے، نہ اس طور پر کہ واسطہ فی الثبوت کی طرح تصدیق بصدق الرسول ﷺ کا ثبوت نفس الامری ان پر موقوف ہو اور نہ اس طریق پر کہ واسطہ فی الاثبات کی مثل ہمارے اذہان میں تصدیق مذکور کا حصول ان پر مترتب ہو۔

۲..... آنکہ محل بحث **الرفع والنزول الجسمی من المحالات** صادق ہی نہیں کیونکہ رفع اور نزول جسمی صرف مستبعدات عقلیہ سے ہیں، نہ محالات سے۔ چنانچہ آیت ﴿**سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا**﴾ سے ہم ثابت کر چکے ہیں اور امروہی صاحب نے اسی آیت کے متعلق شمس بازغہ میں مان لیا ہے کہ رفع ونزول جسمی من السماء ممتنعات سے نہیں اور نہ ہم نے کہا ہے۔ دیکھو کتاب مذکور کو متعلق آیت مذکورہ کے۔ رہا قادیانی صاحب کا استدلال عقلی نئے اور پرانے فلسفہ والا جس کو ازالہ کی جلد اوّل میں لکھا ہے، سو اس کی تردید بھی گزر چکی ہے۔

فائدہ: تعارض کے مسئلہ میں احتمالات ذیل متصور ہو سکتے ہیں۔

۱..... دلیل عقلی ونقلی دونوں قطعی ہوں۔

۲..... یا دونوں ظنی۔

۳..... یا ایک قطعی اور دوسری ظنی۔

تیسری صورت میں قطعی کی تقدیم ظنی پر اتفاقی ہے، خواہ قطعیت عقلی کے لئے ہو یا

نقلی کے لئے۔ اور دوسری صورت میں بحسب ادلہ ترجیح وتعادل عمل کیا جائے گا اور پہلی صورت میں صرف احتمال ہی ہے فی الواقعہ تحقق اس کا ممکن نہیں۔ کیونکہ دلیل قطعی اسی دلیل کا نام ہے جس کے مدلول کا ثبوت واجب اور ضروری ہو۔ پس برتقدیر واقعیت اس صورت کے جمع بین النقیضین لازم آئے گا۔ جن موارد میں بظاہر ایسی صورت معلوم ہو وہاں پر فی الواقعہ بالضرور ایک غیر قطعی ہوگی۔ الغرض ادلہ کی تقدیم میں قطعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، نہ خصوص عقل کو۔ جیسا کہ ہمارے مخاطبین نے سمجھ رکھا ہے۔

سوال: نقلی کی قطعیت چونکہ بوجہ توقف اس کے مسائل نحویہ ومعانی پر جو اکثر ظنیات سے ہیں مع احتمال استعارہ ومجاز کے ہر جگہ میں ممکن نہیں۔ کسی آیت یا حدیث کو رفع نزول جسمی میں قطعی نہیں کہہ سکتے۔

جواب: جہاں قرائن قویہ مفیدہ للیقین موجود ہوں اس جگہ پر توقف یا احتمال مذکورہ قطعیت، دلیل نقلی میں موثر نہیں ہوتا جن لوگوں نے دلیل نقلی کی قطعیت کی بتقلید علامہ رازی وغیرہ وجہ مذکور کے رو سے نفی کی ہے، بالکل مخالف ہے امور ذیل سے جو منجملہ سمعیات قطعیۃ الدلائل سے ہیں۔

۱.....لم یحج هو ﷺ بعد الهجرة الاحجة واحدة۔ ۲.....القران لم یعارضه احد۔ ۳.....لم یفرض صلوة الا الصلوة الخمس۔ ۴.....لم تؤخر صلوة النهار الی اللیل وصلوة اللیل الی النهار۔ ۵.....لم یؤذن فی العیدین والکسوف والاستسقاء۔ ۶.....وانه ﷺ لم یرض بدین الکفار ولاالمشرکین ولا اهل الکتاب۔ ۷.....وانه ﷺ لم یسقط الصلوات الخمس عن احد من العقلاء۔ ۸.....وانه لم یقاتله احد من المومنین لااهل الصفة ولاغیرهم۔ ۹.....وانه لم یکن یوذن بمکة۔ ۱۰.....ولا کان بمکة اهل الصفة ولا کان بالمدینه اهل

الصفة قبل ان یهاجر الی المدینة۔ ۱۱.....وانه لم یجمع اصحابه قط علی سماع کف اودف۔ ۱۲.....وانه لم یقصر شعر کل من اسلم اوتاب من ذنب۔ ۱۳.....وانه لم یکن یقتل کل من سرق او قذف او شرب۔ ۱۴.....وانه لم یکن یصلی الخمس اذا کان صحیحا الا بالمسلمین لم یکن یصلی الفرض وحده ولا فی الغیب۔ ۱۵.....وانه لم یحج فی الهواء قط او غیرها من النظائر مما یعلم العلماء باحواله علماً ضروریا انه لم یکن (شیخ الاسلام الحرانی مختصرا)۔

اسی طرح خواص وعوام کے معلومات اضطراریہ سے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احادیث نزول میں نزول بروزی کا ارادہ نہیں کیا اور نہ کہیں سنت میں اس کا ذکر نفیاً یا اثباتاً واقع ہوا ہے۔ جس کا ثمرہ یہ نکلا کہ احادیث نزول میں قول بالبروز بوجہ مصادمت علم اضطراری علماء سنت کے، باطل مردود ہے۔ یعنی کل علماء اسلام صحابہ سے لیکر آج تک اس قول کو بشہادت علم اجماعی باطل ٹھہرائیں گے۔ اور امروہی وقادیانی صاحبان کی طرح جو شخص کتاب وسنت سے برخلاف علم اجماعی واضطراری ان کے فلسفیات و وہمیات و خرقیات الاجماع کو ثابت کرے تو بیشک ﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (النساء:۴۶)﴾ اور ایسا ہی ﴿لَایَعْلَمُوْنَ الْکِتَابَ اِلَّا اَمَانِیَّ (بقرہ:۷۸)﴾ میں داخل ہے۔ کما قال

۱؎ یعنی آنحضرت ﷺ کا ہجرت کے بعد فقط ایک حج ادا فرمانا، قرآن کا کسی زمانہ میں معارضہ نہ ہونا، فقط پانچ نمازوں کے سوا کسی نماز کا فرض نہ ہونا اور کسی عاقل بالغ سے کسی فرض نماز کا ساقط نہ ہونا، اہل صفہ کا ہجرت کے بعد مدینہ میں ہونا اور آنحضرت ﷺ کا صحابہ کرامؓ کو ایسی جگہ جہاں تالیاں اور دف بجائی گئی ہو کبھی جمع نہ کرنا۔ آپ ﷺ نے دن کی نماز کو رات تک یا برعکس کبھی تاخیر نہیں کیا۔ عیدین اور نماز کسوف اور استسقاء میں اذان نہیں دلوائی، کسی عقل مند سے کسی نماز کو معاف نہیں کیا۔ مکہ میں اذان نہیں دی گئی۔ آپ ﷺ نے کسی توبہ کرنے والے کے بال نہیں کٹوائے، آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا فرمائی، اکیلے یا غائبانہ کبھی نہیں پڑھی، حالت مرض مستثنیٰ ہے۔ آپ ﷺ نے حج ہوائی راستہ سے کبھی ادا نہیں فرمایا وغیرہ۔ ایسے قطعی امور ہیں جن پر اہل اسلام متفق ہیں۔

شیخ الاسلام[1] وهو متناول لمن حمل الکتاب والسنة علی ما اصله من البدع الباطلة الی ان قال ومتناول لمن کتب کتابا بیده مخالفا لکتاب اللّٰه لینال به دینا وقال انه من عند اللّٰه مثل ان یقول هذا هو الشرع والدین وهذا معنی الکتاب والسنة وهذا قول السلف والائمة وهذا هو اصول الدین الذی یجب اعتقاده علی الاعیان او الکفایة۔ (انتہی موضح الحاجۃ)۔

ناظرین کو اب قادیانی دعوے کے دوسرے مقدمہ ذیل ''موتی مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں آتے۔'' کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ سومعلوم ہو کہ اموات کا پھر دوبارہ زندہ ہونا اقوال ذیل سے ثابت ہے۔ **قال اللّٰہ تعالی ﴿اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّھِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہْ** (البقرہ:۲۵۹) **﴾** حاصل اس کا یہ ہے کہ عزیر نبی اللہ علیہ السلام نے بطریق استبعاد وتعجب کے کہا۔ جب وہ ایک شہر پر سے گزرے جس کی چھتوں پر اس کی دیواریں گری پڑی تھیں کہ ایسے مرے ہوئے اور ویران شدہ شہر کو اللہ تعالیٰ کہاں سے زندہ کرے گا۔ پس حضرت عزیر علیہ السلام کو سو برس تک مردہ رکھ کر زندہ اٹھایا اور فرمایا کہ تو کتنی دیر یہاں رہا؟ کہا اس نے کہ ایک دن یا کچھ کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تو سو برس رہا۔ اپنا کھانا اور پینا دیکھ کہ وہ سڑا تو نہیں اور اپنے گدھے کو دیکھ کہ کس طرح اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں اور تجھے لوگوں میں ہم اپنی ایک نشانی بناتے ہیں۔ اور دیکھ ہڈیاں ہم کس طرح پہلے ان کو اُبھارتے ہیں اور پھر ان پر گوشت پہناتے ہیں جب یہ حال حضرت عزیر علیہ السلام نے دیکھا تو کہا میں نے جان لیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

[1] یعنی تحریف کی مختلف صورتیں ہیں۔ لفظ تبدیل کرنا، غلط تشریح کو تفسیر ظاہر کرنا، بدعت اور خلاف شرع باتوں کا حوالہ کتاب وسنت سے پیش کرنا۔ وغیرہ۔

قادیانی صاحب اس آیت کی تاویل یا تحریف اس طرح پر ازالہ میں لکھتے ہیں۔
’’خدائے تعالیٰ کے کرشمہ قدرت نے ایک لحہ کے لئے عزیر کو زندہ کر کے دکھلایا مگر وہ دنیا میں آنا صرف عارضی تھا اور دراصل عزیر بہشت میں ہی موجود تھا۔‘‘ (ازالہ صفحہ ۶۵ ۳ ،انتہی)

جواب: یہ بالکل تحریف ہے آیت مذکورہ کی۔ کیونکہ سورۂ بقرہ کی آیت مذکورہ کے سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عزیر علیہ السلام کی موت وحیات سے کلام ربانی کا مطلب حقیقی موت وحیات ہے نہ کہ مجازی۔ دیکھو حضرت ابراہیم کے قول ذیل کو ﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ (البقرہ:۲۵۸)﴾ اور ایسا ہی ﴿اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (البقرہ:۲۶۰)﴾ اور ایسا ہی حضرت عزیر علیہ السلام کے قول تعجب آمودہ ﴿اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (البقرہ:۲۵۹)﴾ کو جن سے تاویل مذکور بالکل تحریف سمجھی جاتی ہے اور نیز وہ مکالمہ جو کہ مابین حق سبحانہ وتعالیٰ و عزیر علیہ السلام کے واقع ہوا اس کا تمام ہونا ایک لحہ اور ایک چشم زدن میں مستبعد خیال کیا جاتا ہے۔ **قال البیضاوی وھو لما احیاہ اللّٰہ بعد مائۃ عام املی علیھم التورٰۃ حفظاً فتعجبوا من ذالک** الخ۔ اور نیز تاویل مذکور موجب تطبیق مابین آیت ﴿اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ﴾ اور آیت ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ○ (انبیاء:۹۵)﴾ کے نہیں ہو سکتی کیونکہ لحہ بھر بھی دنیا میں آنا مرنے کے بعد اس کے منافی ہے۔ اور اسی طرح آیت ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ (البقرہ:۵۶)﴾ قوم موسیٰ کے جلانے سے بعد الموت صریح طور پر خبر دے رہی ہے۔ اور اسی طرح آیت ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ (البقرہ:۲۴۳)﴾ نہایت صریح الفاظ سے بتلا رہی ہے کہ اے محمد ﷺ کیا تجھے معلوم نہیں وہ ہزاروں لوگ جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر کے مارے نکلے۔ اور کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو، مرجاؤ۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا۔ جلالین میں ہے کہ یہ لوگ زندہ ہونے کے بعد مدت دراز تک زندہ رہے لیکن ان پر موت کا اثر باقی رہا جو کپڑا وہ پہنا کرتے تھے،

کفن کی طرح ہو جاتا تھا۔ اور یہ حالت ان کے تمام قبائل میں باقی رہی اور ایسا ہی ان چوبیس (۲۴) سردارانِ قریش کو جو بدر کے کنوؤں میں پھینک دیئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا۔ اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ان کو توبیخاً وحسرۃً سنا دیا۔ چنانچہ بخاری میں بروایت قتادہ رضی اللہ عنہ ہے۔ **وزاد البخاری قال قتادة احیاهم اللّٰه حتی اسمعهم قوله توبیخاً وتصغیراً ونقمة وحسرة وندما۔** (مشکوٰۃ)۔ اور قادیانی صاحب خود بھی ازالہ میں لکھ چکے ہیں کہ ''المسیح کی تلاش نے بھی وہ معجزہ دکھلایا کہ اس کی ہڈیوں کے لگنے سے ایک مردہ زندہ ہو گیا۔'' الخ۔

الحاصل ان آیات مذکورہ وغیرہا من الخوارق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت واسعہ پر کوئی قانون مخترعہ ہمارا محیط نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل برخلاف نصوص وشان قدرت خداوندی ہے کہ ہم اس کی ایک کاملہ صفت کو اپنے استقراء ناقص کے تابع کریں یا یہاں پر باوجود نصوص قطعیہ صرف استبعاد کی وجہ سے تعارض عقل ونقل کے مسئلہ کو دخل دیویں۔ اور آیت ﴿وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۝ (انبیاء:۹۵)﴾ کا مطلب یہ ہے کہ موتی کا دوبارہ دنیا میں آنا قاعدہ کلیہ کے طور پر ان کی طبع کا مقتضی نہیں، بس۔ اور یہ منافی نہیں اس کو کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے اعادہ اور دوبارہ لانے کو ارادہ کرے تو وہ موتی پھر دنیا میں آسکتے ہی نہیں۔ چنانچہ آیات مذکورہ میں گذر چکا ہے احیاء واموات کے متعلق۔ گو کہ تاریخ پر نظر ڈالنے سے بہتیرے ثبوت بطریق تواتر وشہرت کے ملتے ہیں مگر یہاں پر ہم صرف اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں جو ذکر کیا گیا ہے۔

ناظرین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ قادیانی صاحب کا سہ (۳) پایہ دعویٰ تینوں ٹانگوں کے ٹوٹنے کے بعد قائم نہیں رہ سکتا۔ پس حق وہی ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم سے سمجھا اور امت مرحومہ کو پہنچا دیا۔

—— وما علینا الا البلاغ ——

نزول مسیح علیہ السلام

سوال: ہم نے مانا کہ بے شک نزول عیسیٰ بن مریم کا بعینہ لا بمثیلہ اجماعی مسئلہ ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی اور شیخ الاسلام حرانی اور شیخ محی الدین ابن عربی وغیرہ کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی مانا کہ مرزا صاحب کے استدلالات ابلہ فریب کا منشاء جہالت ہے۔ مگر تعجب ہے کہ یہ اجماع برخلاف نصوص قرآنیہ کے کیسا منعقد ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿**وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** ط (آل عمران:۱۴۴)﴾ وغیرہ۔

جواب: نزول مسیح بعینہ کا چونکہ اجماعی ٹھہرا۔ اور ظاہر ہے کہ بحسب قولہ علیہ السلام **لن تجتمع امتی علی الضلالة** کے کل امت مرحومہ کا خطا پر متفق ہونا ممکن نہیں۔ لہٰذا آیات مذکورہ کے معانی جو قادیانی صاحب نے گھڑ لئے ہیں، ہرگز درست نہیں۔ ہاں! اگر نزول بعینہ پر اجماع نہ ہو، یا آنحضرت ﷺ کا مع کل امت مرحومہ کے بقاء علی الخطا ممکن ہو تو البتہ ان دونوں صورتوں میں معانی مخترعہ قادیانی صاحب کے بناء علی ان القرآن تحتمل وجوہاً کسی وجہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ پہلی صورت تو باطل ہے کیونکہ نزول مسیح بعینہ پر اجماع کا ثبوت مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، مکاشفین کے کلام سے دیا گیا ہے۔ اور دوسری صورت بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ بلکہ کل انبیاء کا بقاء علی الخطا منافی ہے ان کی عصمت کے لئے۔ اور نیز بقاء علی الخطاء خصوصاً ایسے مہتم بالشان مسئلہ میں جس کے ذریعہ سے آپ امت مرحومہ کو دھوکا کھانے سے بچانا چاہتے ہوں، بالکل منافی ہے شان نبوت اور ﴿**بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ**O (توبہ:۱۲۸)﴾ کے، کیونکہ بجائے ہدایت الٹا امت مرحومہ کو بڑے دھوکے میں ڈالنا ہوا کہ نزول قادیانی کی جگہ نزول عیسیٰ بن مریم فرمادیا۔ حالانکہ پہلے لوگ ایلیا کے نزول بروزی سے دھوکا کھا چکے ہیں۔ اور معانی ان آیات کے بالتفصیل عنقریب اپنے اپنے

محل میں ان شاء اللہ تعالیٰ آجائیں گے۔

قادیانی کی تفسیر سورہ فاتحہ

سوال: قادیانی صاحب کا سورۂ فاتحہ کی عربی تفسیر بلیغ وفصیح وملیح لکھنا باوجود امّی ہونے کے اور حریف مقابل کا اس پر قادر نہ ہونا بڑی زبردست دلیل ہے اس کے صدق پر۔

جواب: امّی ہونے کا پتہ تو مرزا جی کے اور ان کے ہم درسوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ضمیموں میں مذکور ہے میں صرف تفسیر بلیغ وفصیح وملیح کے متعلق چند غلطیوں کا اظہار و اصلاح چاہتا ہوں۔ قادیانی صاحب کی تفسیر عربی بھی ایک برہان ہے منجملہ ان براہین کے جو آپ کو مسیح موعود و نبی و رسول نہیں بننے دیتے۔ کیونکہ اس تفسیر میں کہیں تو سرقہ و چوری سے کام لیا گیا ہے اور کہیں لفظی غلطی اور کہیں تحریف معنی، جن پر ادنیٰ سے ادنیٰ طالبعلم بھی ہنسی کر رہے ہیں۔ ایسی تفسیر کو ''اعجاز'' نام رکھنا اپنے منہ سے میاں مٹھو بننا ہے۔ البتہ بدیں خیال اس کو معجزہ کہہ سکتے ہیں کہ حریف مقابل ہرگز ایسی اغلوطات وتحریفات کو نہیں لکھ سکتا۔ اور نیز دوسرے علماء کو کیا ضرورت تھی کہ اپنے اشغال کو چھوڑ کر ایک فضول مقابلہ میں مصروف ہوتے۔ کیا ان کو نبی اور رسول بننا منظور تھا یا اپنے کلام کو قرآن کریم کے مساوی فی الاعجاز خیال کرنے کی وجہ سے خارج از اسلام ہونا تھا؟ ہرگز نہیں۔ وہ تو بفضل اللہ وحولہ ﴿خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ اور **الا انہ لانبوۃ بعدی** کو مانتے ہیں اور ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ (بنی اسرائیل:۸۸)﴾ کے مطابق اعجاز فی الکلام کو خاصہ لازمہ قرآن کریم کا سمجھتے ہیں۔

اب اعجاز المسیح کے وجوہ اعجاز کو خیال فرمائیے۔

قولہ: قادیانی صاحب ''اعجاز المسیح'' کے پہلے صفحہ پر جو ہندسہ سے خالی ہے لکھتے ہیں۔

''فی سبعین یوماً من شهر الصیام''۔

اقول: رمضان شریف ستر (۷۰) دن کا نہیں ہوتا۔ اور بر تقدیر تاویل ایہام معنی غیر مراد سیخالی نہ ہوگا، جو منافی ہے فصاحت و بلاغت کو۔

قولہ: پھر اسی صفحہ پر لکھا ہے۔ ''**وکان من الهجرة ۱۳۱۸ھ و من شهر النصاری** ۲۰ فروری ۱۹۰۱ء''۔

اقول: بے ربط عبارت اور خلاف محاورۂ عرب کے ہے۔

قولہ: پھر لکھتے ہیں۔ ''مقام الطبع قادیان ضلع گورداس پور''۔

اقول: ضلع ''گورداس پور'' بھی خلاف محاورۂ عرب ہے، نہ صرف اسی وجہ سے کہ بجائے ''گورداس پور'' ''غورداس فور'' چاہیے تھا بلکہ من جہت الترکیب والاعراب بھی۔

قولہ: پھر کہتے ہیں۔ ''باہتمام الحکیم فضل دین''۔

اقول: بعد التعریب فضل الدین چاہیے، جیسا البھیروی۔

قال: صفحہ ۲۔ **کدستِ غاب صدرہ۔ او کلیل افل بدرہ۔**

اقول: یہ عبارت حریری کے صفحہ ۱۲۴ سے ماخوذ ہے۔

---

[1] یہ مثل اس کے ہے کہ ایک اندھا کسی گاؤں کے مندر میں رہا کرتا تھا اور گاؤں کے لوگ اس سے تاریخ دریافت کیا کرتے تھے۔ اس کا مبلغ علم یہ تھا کہ یکم تاریخ ہر ماہ کو ایک مینگنی کسی خاص برتن میں ڈال دیتا تھا اور ہر صبح کو ایک مینگنی اس میں بڑھاتا جاتا تھا، جب کوئی تاریخ دریافت کرنے آتا تو مینگنیوں کو گن کر تاریخ بتلا دیتا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ بکری نے اس برتن میں اتنی مینگنیاں کیں کہ وہ برتن بھر گیا، جب کوئی سائل تاریخ دریافت کرنے آیا تو وہ گھبرا گیا اور چالیس تک گن کر فرمایا کہ آج چالیسویں تاریخ ہے۔ سائل نے عرض کیا کہ مہینہ تو تیس دن کا ہوتا ہے، آج چالیسویں تاریخ کہاں سے ہوگئی۔ اندھے نے جواب دیا کہ میں نے تو چالیس ڈر کر کہا ہے۔ اگر ساری مینگنیاں گنتا تو شاید ستر سے زائد ہوتیں۔ شاید آپ بھی اُن کے شاگرد نہ ہوں۔

قال: صفحہ۲۔ **وخلت راحتها من بخل المزنة۔**

اقول: ظاہر ہے کہ **من** صلہ **خلت** کا خلاف مقصود ہونے کی وجہ سے نہیں ہوسکتا اور تعلیلیہ موہم ہے معنی غیر مراد کی طرف اس لئے یہاں لام کا محل تھا۔

قال: **کاحیاء الوابل للسنة الجماد۔**

اقول: مقامات حریری کے صفحہ ۱۲۴ سے ماخوذ ہے۔ بتغیر ما۔

قال: **وعاد جرها سبرها۔**

اقول: یہ مثل مشہور ہے۔

قال: صفحہ۳۔ **من کل نوع الجناح۔**

اقول: کلمہ **کل** معرفہ پر احاطہ اجزاء کا افادہ دیتا ہے، جو یہاں پر مقصود نہیں۔ اس لئے **نوع للجناح** چاہیے تھا۔

قال: صفحہ۳۔ **کل امرهم علی التقوٰی۔**

اقول: یہاں بھی **کل** مجموعی خلاف مراد ہے، اس لئے **کل امرلهم** چاہیے تھا۔

قال: صفحہ۴۔ **فلا ایمان لهٗ او یضیع ایمانهٗ۔**

اقول: لفظ ایمان کا تکرار دو دفعہ مستکرہ ہے۔

قال: صفحہ۷۔ **و افرق بین روض القدس وخضراء الدمن۔**

اقول: یہ عبارت مقامات حریری کی ہے۔

قال: صفحہ۷۔ **کالربیع الذی یمطرفی ابانه۔**

اقول: یہ بھی حریری سے ہے۔

قال: **وعندی شهادات من ربی لقوم مستقرین و آیات بینات للمبصرین و وجه کوجه الصادقین۔**

اقول: **و وجه** عطف ہے **شهادات** پر۔ گویا **وعندی وجه** ہوا اور یہ خلاف محاورہ ہے، کیونکہ جز پر ''**عند**'' نہیں آتا۔

قال: صفحہ ۸۔ **اين الخفا فافتحوا العين ايها العقلا۔**

اقول: **فافتحوا** پر ''**فا**'' کا لانا بے محل ہے کیونکہ ''**فا**'' کا ماقبل اس کے مابعد کے لئے سبب ہوتا ہے اور اس جگہ برعکس ہے۔ عدم الخفا سبب فتح العین کے لئے نہیں بلکہ فتح العین سبب ہے عدم الخفاء کے لئے۔

قال: **ما قبلوني من البخل والاستكبار۔**

اقول: ''**من**'' کا کلمہ یہاں پر ''**قبلو**'' مثبت کے لئے تعلیلیہ نہیں ہوسکتا اور نفی مستفاد من الحرف کے لئے خلاف محاورہ ہے۔ اور نیز بخل کی جگہ حسد چاہیے۔

قال: صفحہ ۸۔ **حتى اتخذ الخفاء فيش وكراً لجنا نهم۔**

اقول: ترجمہ یہ ہے۔ ''یہاں تک کہ چمگادڑوں نے مخالفین کے دل کو آشیانہ بنالیا''۔ **جنانهم** پہلا مفعول ہوا **اتخذ** کے لئے اور **وكرا** دوسرا مفعول **اتخذ** چونکہ بنفسہ متعدی الی المفعولین ہے لہٰذا لام کا لانا فضول ہے۔ دوسرا تقدیم مفعول ثانی کی بے وجہ ہے اور تیسرا **جنان** اور **وكر** کا بلحاظ ماقبل یعنی **قولهم و فضلهم و اعيانهم** جمع ہونا چاہیے۔

قال: صفحہ ۹۔ **وَاُعْطِيَ ماتوقعوه۔**

اقول: اس کا پہلا مفعول نائب عن الفاعل ہونے کا زیادہ مستحق ہے اسلئے **وَاُعْطُوْا** چاہیے تھا۔

قال: صفحہ ۹۔ **قالوا مفترى۔**

اقول: **مفتر** چاہیے۔

قال: صفحہ ۹۔ **واكفروه مع مريديه واعوانه وانزل الله كثيرا من الأمے فما قبلوا۔**

اقول: **وانزل الله كثيرا** فصل کا محل ہے، کوئی کلمہ دال علی الفصل چاہیے۔

قال: صفحہ۹۔ واذ ارموا البری بافیکۃ فضحکوا۔

اقول: فضحکوا پر "فا" نہ چاہیے۔

قال: صفحہ۱۲۔ وقدموا حب الصلات علیٰ حب الصلوٰۃ۔

اقول: حریری کے پہلے مقامہ سے ماخوذ ہے۔ بتغیر ما۔

قال: صفحہ۱۳۔ بل یریدون ان یسفکوا قائلہ۔

اقول: ان یسفکوا دم قائلہ چاہیے۔ لایقال سفک زیدا بل دمہ۔

قال: صفحہ۱۳۔ ولما جاء ھم امام بمالا تھویٰ انفسھم۔

اقول: قرآن کا سرقہ ہے۔ بتغیر ما۔

قال: صفحہ۱۵۔ ولما کان ھذا من المشیۃ الربانیۃ مبنا علی المصالح الخفیۃ فما تطرق الی عزم العدا۔

اقول: "لما" کی جزاء پر "فا" نہ چاہیے۔

قال: صفحہ۱۹۔ ویستقرؤن فی کل وقتٍ مواضع الجھاد۔

اقول: کیا جو شخص ایسی جھوٹی غمازی سے سرکار کو مسلمانوں پر بدظن کرنا چاہے وہ خدا کا پاک بندہ ہوسکتا ہے۔

قال: صفحہ۲۰۔ وجعل قلمی وکلمی منبع للمعارف۔

اقول: منابع المعارف یا منبعی المعارف چاہیے۔

قال: صفحہ۲۱۔ تنکرون باعجازی۔

اقول: تنکرون اعجازی چاہیے۔

قال: صفحہ۲۲۔ فلما دعوتہٖ بھذہ الدعوۃ بعد ما ادعٰی انہ یعلم القرآن وانہ من اھل المعرفۃ الی من ان یکتب تفسیرا بحذاء تفسیری۔

اقول: ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ○ (آل عمران:۶۱)﴾ مقابلہ تحریری کو مسلم کر کے تقریری بحث کو بڑھانا اس کو زیادت فی الشرائط کہا جاتا ہے نہ کہ انکار۔

قال: صفحہ۲۲۔ **وکان غبیا ولوکان کالھمدانی او الحریری فما کان فی وسعه ان یکتب کمثل تحریری۔**

اقول: ایسا ذہین آپ کے بغیر کون ہوسکتا ہے جو ﴿**غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ**﴾ سے سمجھ لے۔ کہ اس سے معلوم ہوا کہ دجّال شخصی جیسا کہ جہاں کا مزعوم ہے، کوئی چیز نہیں اگر علم الٰہی میں اس کا وجود ہوتا تو یوں فرماتا کہ **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الدَّجَّال**۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۹، اسی اعجاز مزعومی کا)۔ پھر اسی اعجاز المسیح کے صفحہ ۱۴۳ پر آپ لکھتے ہیں۔ کہ **مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ** میں **يَوْمِ الدِّيْنِ** جو ہے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود یعنی قادیانی کے زمانہ کا نام رکھا ہے۔ **وسمی زمان المسیح الموعود یوم الدین لانه زمان یحیی فیه الدین۔**

یہاں پر میں پھر کہوں گا ﴿**لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ**○ (آل عمران:۶۱)﴾ اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں **يَوْمَ الدِّيْنِ** کی تفسیر اس طرح پر فرماتا ہے۔ ﴿**وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ○ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ**○ (انفطار:۱۴،۱۵)﴾ یعنی گنہگار دوزخ میں قیامت کے دن داخل ہوں گے۔ اگر **يَوْمَ الدِّيْنِ** قادیانی کا زمانہ ہے تو کیا اسی وقت دوزخ میں حساب کتاب کے بعد داخل ہونا شروع ہوگیا۔

قال: پھر فرماتے ہیں۔ ﴿**وَمَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ○ ثُمَّ مَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ○ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ**○ (انفطار:۱۷تا۱۹)﴾ غور کرو **يَوْمُ الدِّيْنِ** اور **يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا** دونوں کا مفاد ایک ہی ہے۔ اور پھر صفحہ ۱۳۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ﴿**وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ** (قصص:۷۰)﴾ دو احمدوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **اُوْلٰى** سے احمد پہلا

یعنی آنحضرت ﷺ اور اٰخِرَہ سے احمد پچھلا یعنی غلام احمد قادیانی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

وقد استنبطت هذه النكتة من قوله اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اقول: جب آپ ایسے استنباط کر سکتے ہیں جن سے آنحضرت ﷺ بھی بے خبر تھے تو پھر بھلا مہر علی بیچارہ بالمقابل آپ کے کس طرح ایسے نرالے استنباط کر سکتا ہے۔

قال: ومع ذلک کان یخاف الناس۔

اقول: خائف وہی ہوتے ہیں جن کو میدان میں سامنے آنا موت نظر آتا ہے۔ مع آنکہ تحریک مقابلہ بھی پہلے خود ہی کی ہو۔ مامور من اللہ کو میدان میں موجود ہونا نہایت ہی ضروری تھا تاکہ خلق اللہ مامور کی غیر حاضری کے باعث اس کو مفتری علی اللہ سمجھ کر صراط مستقیم کو نہ چھوڑ دیں۔ مخالفین کو للکار کر بلانا اور پھر گھر سے باہر نہ نکلنا گویا اپنے ہی ہاتھوں سے دین کی بیخ کنی کرنا ہے مگر ایسے ماموراور ایسے دین کا عملدر آمد ایسا ہی ہونا چاہیے۔ آپ کا دین اگر وہی محمدی دین ہوتا تو آپ بجائے اس قول پاک آنحضرت ﷺ کے **انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب** آپ **انا الرسول لا امراء۔ انا ابن غلام مرتضٰی** کہتے ہوئے میدان میں موجود ہوتے۔ واقعی امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بحسب وعدہ ﴿**اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ**﴾ کے قرآن کریم کو تحریف سے بچانا منظور تھا اور امت مرحومہ کو یہ سمجھانا کہ غلام احمد قادیانی کتاب اور سنت اور اجماع کا محرّف ہے اسلئے پہلے اس کے ہاتھ سے اشتہار دعوت باں کرّ وفر کہ ضرور میرا مقابل میرے مقابلہ میں ذلیل ہوگا، یہ ہوگا، وہ ہوگا، روئے زمین پر دلوایا۔ جس میں خود ہی اس نے ان تین علماء کو (جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر لاہوری اور جناب مولوی عبدالجبار امرتسری اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی) حکم قرار دیا اور انتظام پولیس وغیرہ بھی لکھ دیا۔ اور پہلے اس کے آپ کو الہام بھی ہو چکا تھا کہ **وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** اور نیز **اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَّنْ اَهَانَکَ** اور نیز

تیری اور تیرے گروہ کی میں حفاظت کروں گا اور تیرا ہی گروہ قیامت تک غالب رہے گا۔ (دیکھو کتاب البریہ)۔ اور اسی اشتہار میں اخیر پر لکھ دیا کہ **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ تَخَلَّفَ وَاَبٰی۔** مسلمانوں غور سے سوچو، یہ ایک مکر الٰہی تھا بمقابلہ مکر قادیانی صاحب کے جوانہوں نے سوچا تھا کہ کسی کو کیا ضرورت جو اجابت دعوت کرے گا اور ہم کو گھر میں بیٹھے بٹھائے فتح ہو جائے گی اور عقل اور دین کے غنڈے اور میاں مٹھو بغلیں بجاتے ہوئے دام میں پھنسیں گے اور تصویر فروشی و اشتہار فروشی اور تصنیف فروشی اور منارہ فروشی اور کشش دراہم بنام تجارت پھر مزید برآں بہ بہانہ خسارت وغیرہ وغیرہ پولیٹکلوں کی آسامی نکل آئیں گے مگر چونکہ بحکم ﴿**وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ**o (آل عمران:۵۴)﴾ کے الٰہی مکر ہی غالب رہتا ہے۔ لہٰذا قادیانی صاحب کی اس کروفر کے بعد ایام جلسہ لاہور میں قلمی اور کلمی طاقتیں سلب کر دی گئیں، یعنی عدم حاضری کے عذر تک بھی قلم اور منہ سے نہ نکلا باوجود اس کے کہ معتقدین و مخالفین دونوں کیجانب سے سخت اصرار اور کش مکش بھی ہوئی۔ تخمیناً پانچ چھ دن کے بعد جب ہمارے واپس ہونے کی خبر جناب کو پہنچی تو زرد کاغذ پر بید لرزاں کی طرح قلم ہلنے لگا اور اعذار باردہ **اَوْهَنَ مِنْ بَيْتِ الْعَنْكَبُوْتِ** شروع ہوئے کہ ہم کو سرحدی لوگوں کا خوف تھا اس لئے نہیں آئے۔ اس عذر پر لوگوں نے کہا کہ کیا آپ ان الہامات کو بھول گئے جن میں آپ کو ملہم کی جانب سے پوری تسلی اور غالب رہنے کی بشارت دی گئی تھی یا آپ کے ملہم سے بھی ایفاء وعدہ کی قدرت سلب کی گئی۔ ہماری جانب سے تقریری شرط کی ترمیم اس لئے تھی کہ تقریر بھی معیار صداقت ہونے میں تحریر سے کم نہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ غالب کرنا چاہتا ہے اور اس کو منظور ہوتا ہے کہ اس کے غالب رہنے کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کروں تو اس کے غلبہ کو معیار صداقت ٹھہرانے کے بعد ضرور ہی اس کو غالب کرتا ہے اور اس سچے مامور کو فرض منصبی کے رو سے حریف مقابل کے دو بدو ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ بلکہ قادیانی

صاحب چونکہ بروز وفنا محمدی ﷺ وعیسوی علیہ السلام کے مدعی ہیں تو تقریری مقابلہ کی تسلیم ان پر ضروری تھی کیونکہ ان کے بارزین یعنی آنحضرت ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تبلیغ حق تقریری طور پر کی تھی۔ دوسری وجہ ترمیم یہ ہے کہ صرف تحریر میں احقاق حق اچھی طرح نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر قادیانی صاحب جلسہ لاہور میں بھی تفسیر لکھتے تو کیا ان کی بھولی بھالی جماعت بے تمیزی کی وجہ سے اپنی ضلالت پر زیادہ پکی نہ ہوجاتی۔ ان کی ذاتی لیاقت اس قدر کہاں تھی کہ اس تفسیر کے مضامین واہیہ اور محرفہ پر اطلاع پاویں یا مرزاجی کے سرقہ کو پکڑ سکیں۔ وہ تو صرف عربی عبارت مسروقہ کو دیکھ کر اور زیادہ گمراہ ہوجاتے۔ اسلئے نہایت ضروری تھا کہ پہلے علماء کرام کے سامنے قرآن وحدیث کو نکال کر بلحاظ سیاق وسباق اثبات مدعیٰ کیا جاتا اور علماء اسلام انصاف فرماتے کہ کس کا مضمون یا استنباط اصول شرعیہ کے مطابق ہے تاکہ اس کو قبول کرلیا جائے۔ اور کس کا مخالف اور جاہلانہ چارکونسلی ہے تاکہ اس سے حاضرین کو تقریراً اور غائبین کو تحریراً سمجھا دیا جاوے کہ اس مسلک سے بچنا مسلمانوں کو نہایت ضروری ہے۔ مرزائیوں کی اس کم توجہی پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ انہوں نے نبوت اور قرآن دانی کا معیار انشاپردازی کو سمجھ رکھا ہے۔ اور پھر انشاپردازی بھی وہ جس کی لفظی اور معنوی کمال کی قلعی کھل رہی ہے۔ بھلا مثلاً اگر کوئی عربی زبان میں یہ مضمون لکھ دے کہ نماز عبارت صرف توجہ الی اللہ سے ہے اور اوضاع معمول اہل اسلام کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور اپنے دعویٰ کی دلیل اس امر کو ٹھہرادے کہ میری طرح چونکہ کوئی شخص عربی نویس نہیں اور فی الواقع ایسا ہو بھی۔ تو کیا کوئی عاقل ایسی واہی دلیل سے اس کے دعویٰ کو مان سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

قال: صفحہ ۲۲۔ **وکان یعلم انه ان تخلف فلا غلبة ولا حجاس۔**

اقول: جب غیر مامور من اللہ حصول غلبہ کے لئے پیچھے نہ رہا تو مامور من اللہ کو وجوہ مذکورہ بالا کے رو سے تخلف کسی طرح جائز نہ تھا اس سے معلوم ہوا کہ معاملہ بالعکس ہے۔

قال: صفحہ ۲۲۔ **فکاد کیدا۔**

اقول: یہ کید چونکہ ﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًاO (الطارق:۱۵)﴾ کے مقابلہ میں تھا، لہٰذا اس کو ﴿وَاَكِيْدُ كَيْدًا﴾ کا ظہور سمجھنا چاہیے۔ اسی لئے ﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَO (آل عمران:۵۴)﴾ کے مطابق غالب رہا۔ اور کیوں نہ ہوتا ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌO (المجادلہ:۱۵)﴾۔

قال: صفحہ ۲۳۔ **و یحکم من کان لک عدوا و اشد بغضا من علماء الزمان۔**

اقول: ان کی عداوت اس وقت نہیں سوجھی تھی جس وقت اشتہار دعوت میں آپ ہی نے ان لوگوں کو یعنی مولوی عبداللہ صاحب و مولوی عبدالجبار صاحب و مولوی محمد حسین صاحب کو حَکم لکھا تھا۔ کیا اس وقت آپ نے اجابت دعوت کو غیر ممکن الوقوع سمجھا ہوا تھا اس لئے تینوں صاحبوں کو لکھ مارا۔ اور جب سر پر آ گئی تو اس وقت یہ حیلہ سوچ میں آیا کہ یہ علماء میرے دشمن ہیں۔ یہ بھی ہم مسلّم کر لیتے اگر انہیں ایام میں آپ عدم تشریف آوری کی وجہ بھی لکھ دیتے تا کہ ہم ان حضرات کے سوا تین اور اہل علم مقرر کر لیتے۔ کیا آپ کو رجسٹری شدہ چٹھی حافظ محمد دین صاحب تاجر کتب لاہوری کی ۲۵ اگست سے پیشتر ۲۰ یا ۲۱ کو نہیں پہنچی تھی؟ جس میں لکھا ہوا تھا کہ آپ کو اگر کسی شرط کی ترمیم کرانی ہو تو کرا لیجئے، ورنہ آپ کا کوئی عذر وحیلہ قابل اعتبار نہ ہوگا۔ اگر آپ کو اشتراط تقریر یا علماء ثلثہ کا محکم ہونا گوارا نہ تھا تو قطع حجت کے لئے فوراً اشتہار اور چٹھی کے پہنچتے ہی خود اپنی دستخطی جواب یا اپنے نام کے اشتہار سے اس خاکسار کو واضح کر دیتے کہ اس قید کو اٹھا دو، تب ہم آ سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اگر آپ یہ خیال فرماویں کہ ہمارے مرید امروہی نے یہ بات پہنچا دی تھی تو ہماری طرف سے ہمارے مخلص حکیم سلطان محمود نے جواب ترکی بہ ترکی شائع کر دیا تھا کہ اگر آپ تقریر کسی صورت میں تسلیم نہیں کرتے تو بعینہ پیش کردہ شرطیں آپ کی بلاکم وکاست محرر سطور منظور کر کے لاہور آتے ہیں۔ آپ بھی مقررہ تاریخ پر لاہور آویں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے مرید کی بات تو ہم پر

حجت ہو اور ہمارے مخلص کی بات قابل التفات نہ ہو۔ بھلا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر معاملہ بالعکس ہوتا یعنی ہماری طرف سے اشتہار دعوت شائع ہوتا اور آپ یہی جواب دیتے جو ہم نے لکھا تھا اور پھر آپ مقررہ تاریخ پر آتے اور میں حاضر نہ ہوتا یا آپ کے اشتہار دعوت کا میں جواب نہ دیتا بلکہ آپ کی طرح خاموش ہو جاتا، تو میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ انصاف سے کہو کہ اندریں صورت آپ معہ اپنے چیلوں چانٹوں کے مارے خوشی کے بغلیں نہ بجاتے اور اشتہاروں پر اشتہار نہ دیتے کہ دیکھو آسمانی نشان ظاہر ہو گیا ہے۔ پس چونکہ یہی نشان علماء اسلام کے حق میں ظاہر ہو چکا تو پھر کیوں نہیں ضد کو چھوڑتے۔

قال: صفحہ ۲۷۔ **وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔**

اقول: قرآنی آیت ہے۔

قال: صفحہ ۲۷۔ **وحجة بالغة تلدغ الباطل كالنضناض۔**

اقول: حریری کے صفحہ ۴۹ سے مسروق ہے۔ بتغیر ما۔

قال: صفحہ ۲۷۔ **وما انا الاخادى الوفاض۔**

اقول: حریری صفحہ ۸ کا سرقہ ہے۔ بازدیادِ ما۔

قال: صفحہ ۲۸۔ **ومن نواد رما اعطى لى من الكرامات۔**

اقول: **ما اعطى** کی جگہ **ما اُعطِيت** چاہیے۔

قال: صفحہ ۲۹۔ **فواللّٰه انى ارجو من حضرة الكبرياء ان يكون لى غلبة و فتح مبين على الاعداء ولذٰلك بثثت الكتب۔**

اقول: ارجو اور یکون مضارع نہیں چاہیے کیونکہ **لَوْ** کے مابعد ماضی کا محل ہوتا ہے **الالنكتةٍ** اور نیز **ولذٰلک بثثت** بھی **ارجو** کے ساتھ مناسب نہیں ہے، کیونکہ رجا اب ہے یا آئندہ ہوگی، تو کتابوں کا پھیلانا جو ماضی میں ہوا اس امید پر کیونکر معلول ہو سکتا ہے۔

قال: صفحہ۳۲۔ **ولاترهق بالتبعة المعتبة۔**

اقول: حریری کے صفحہ۲ کا سرقہ ہے۔

قال: صفحہ۳۲۔ **عن معرة اللكن۔**

اقول: حریری کے پہلے صفحہ کا سرقہ ہے۔

قال: **وتوفيقا قائدا الى الرشد والسداد۔**

اقول: حریری سے لیا ہے۔

قال: صفحہ۳۶۔ **ان ارى ظالعه كالضليع۔**

اقول: مسروق من الحریری صفحہ۵۔ بتغیر ما۔

قال: صفحہ۳۷۔ **يقال عثاره۔**

اقول: حریری کے صفحہ۵ سے مسروق ہے۔ بتغیر ما۔

قال: صفحہ۳۹۔ **اقتعد منا غارب الفصاحة وامتطى مطايا الملاحة۔**

اقول: حریری کا سرقہ ہے۔

قال: صفحہ۴۱۔ **فقد انعدم علم كثلج ينعدم بالذوبان۔**

اقول: **انعدم** کا لفظ غیر مستعمل ہے بجائے اس کے **عدم** چاہیے۔ دیکھو قاموس۔

قال: صفحہ۴۱۔ **لابدان ان يكون له هذاالعلم۔**

اقول: ضمیر کا موقع ہے اس کا ماقبل ملاحظہ ہو۔

قال: صفحہ۴۲۔ **ولو فرضنا۔**

اقول: **لو** کا محل نہیں۔

قال: صفحہ۴۳۔ **بالاعانة على الابانة۔**

اقول: حریری کے صفحہ۳ کا سرقہ ہے۔

قال: صفحہ۴۳۔ و یعصمم من الغوایت ویحفظھم فی الروایة والدرایة۔

اقول: حریری سے ہے۔ بتغیر ما۔ صفحہ۳۔

قال: صفحہ۴۳۔ موقف مندمة۔

اقول: حریری صفحہ۳ کا سرقہ ہے۔

قال: صفحہ۴۵۔ وای معجزة۔

اقول: و اية معجزة چاہیے۔

قال: صفحہ۴۹۔ کمجھول لایعرف و نکرة لاتعرف۔

اقول: حریری صفحہ۵ سے مسروق ہے۔

قال: صفحہ۵۰۔ فکل رداءٍ ترتدیه جمیل۔

اقول: ایک مشہور شعر کا سرقہ ہے۔ قال السموئیل بن عادیا "اذ المرء لم یدنس من اللوم عرضه۔ فکل رداءٍ یرتدیه جمیل۔" حماسه۱۴۔

قال: صفحہ۵۵۔ لاشیوخ ولاشآب۔

اقول: ایک کا جمع اور دوسرے کا مفرد لانا کیا وجہ رکھتا ہے۔

قال: صفحہ۵۵۔ کنز المعارف و مدینتها وماء الحقائق وطینتها۔

اقول: مقامات کی عبارت ہے۔

قال: صفحہ۵۸۔ کمایملأ الدلو الی عقدالکرب۔

اقول: مقامات بدیع کے شعر کا ثانی مصرعہ ہے۔ بازیادلفظ کما۔

قال: صفحہ۵۹۔ اوزاد منهم سیری۔

اقول: "زاد" اکثر متعدی آتا ہے۔

قال: صفحہ۶۰۔ القیت بها جرانی۔

اقول: مقامات حریری کے صفحہ ۱۲۴ کا سرقہ ہے۔

قال: صفحہ ۶۱۔ کا دراک العهاد۔ لسنة جماد۔

اقول: مقامات حریری کے صفحہ ۱۲۴ سے مسروق ہے۔ بتغیر ما۔

قال: صفحہ ۶۲۔ اخرنبل من النبال۔

اقول: خلاف محاورہ ہے قابل غور ہے۔

قال: صفحہ ۶۴۔ فصاروا کمیت مقبور۔ وزیت سراج احترق وما بقی معهٗ من نور۔

اقول: دوسرا سجع پہلے سے بہت بڑا ہے۔ جس کو عند الفصحاء والبلغاء عیب سمجھا گیا ہے۔ اور دونوں مضمون مسروق ہیں۔

قال: صفحہ ۶۴۔ فما کانوا ان یتحرکوا۔

اقول: مصدر کا حمل ناجائز ہے اس لئے ''ان'' نہ چاہیے تھا۔

قال: و لیس فیهم الا السب والشتم قاعدین فی الحجرات۔

اقول: کس سے حال ہے۔

قال: صفحہ ۶۷۔ وانا جئناک۔

اقول: تقدیم مسند الیہ بے وجہ ہے۔

قال: صفحہ ۷۷۔ ومثلها کمثل ناقة تحمل کلما تحتاج الیه وتوصل الی دیار الحب من رکب علیه۔

اقول: ناقة کی طرف مذکر ضمیر کا ارجاع غلط ہے۔

قال: صفحہ ۷۹۔ کما جاء فی القرآن۔

اقول: یہ سجع قلیل الالفاظ بعد کثیرہا واقع ہے۔ ماقبل ملاحظہ ہو۔

قال: صفحہ ۸۱۔ وهذا الرجیم هو الذی ورد فیه الوعید اعنی الدجّال۔

اقول: عجیب مسئلہ ہے کہ **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ** میں جو شیطان ہے، اس سے مراد تو ابلیس ہے اور **رَجِيْم** جو اس کی صفت ہے، اس سے مراد دجّال ہے، جسے عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔ آج تک یہی سنا تھا کہ موصوف اور صفت کا مصداق ایک ہی ہوا کرتا ہے، مگر **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ** سے مرزا صاحب نے کیسا ثابت کردیا ہے کہ انکا مصداق مغایر بھی ہوسکتا ہے۔ **سبحان اللّٰه۔**

قال: صفحہ ۸۲۔ **وكم من حامل العظام۔**

اقول: منصوب ہوکر پھر مکسور پڑھا گیا ہے۔

قال: صفحہ ۸۲۔ **بكف المصطفى اضحى الزمام۔**

اقول: مرفوع کو مجرور کا قافیہ کیا گیا ہے۔

قال: صفحہ ۸۳۔ **الزم اللّٰه كافة اهل الملة۔**

اقول: **كافة** کا لفظ عربی میں مضاف نہیں آتا۔

قال: صفحہ ۸۷۔ **ان الاسم مشتق من الوسم۔**

اقول: ہذا اخلاف ماصرح بہ الثقات۔

قال: صفحہ ۱۲۶۔ **ثم ان لفظ الحمد مصدر مبنى على المعلوم والمجهول وللفاعل وللمفعول من الله ذى الجلال۔**

اقول: **من اللّٰه ذى الجلال** بے ربط ہے۔

قال: صفحہ ۱۲۷۔ **فقد يزيد عالم الضلال** الخ۔

اقول: اس جگہ سے جو مضمون چلا ہے اس کو آیت سے کوئی ربط نہیں۔

قال: صفحہ ۱۲۷۔ **طرق اللّٰه ذا الجلال۔**

اقول: **ذا الجلال** منصوب، غلط ہے۔

قال: صفحہ۱۲۹۔ **ولم یزل ھذہ الجنود وتلک الجنود یتحاربان۔**

اقول: **تتحاربان** مؤنث چاہیے۔

قال: صفحہ۱۲۹۔ **الامن اعطی لہ عینان۔**

اقول: خلاف اولیٰ ہے کیونکہ **اعطی** کا پہلا مفعول نائب عن الفاعل ہونے کا حقدار ہے۔

قال: صفحہ۱۲۹۔ **و انعدم ما یرٰی۔**

اقول: **انعدم** خلاف محاورہ ہے۔

قال: صفحہ۱۳۰۔ **ومن اشرف العالمین و اعجب المخلوقین وجود الانبیاء والمرسلین۔**

اقول: **وجود** کا لفظ نہیں چاہیے۔ لعدم صحۃ الحمل۔

قال: صفحہ۱۳۴۔ **ومن العالمین زمان ارسل فیھم خاتم النّبیین۔**

اقول: یہاں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم زمانہ کا نام ہے۔ پہلے یہ ثابت کیا کہ انسان حمد کرنے سے عالم ہو جاتا ہے۔ پھر آیت سے یہ مضمون ہرگز مستفاد نہیں ہوتا۔

قال: صفحہ۱۳۵۔ **قد استنبطت ھذہ النکتۃ من قولہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔**

اقول: مرزا جی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں **وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ** دو احمدوں کی طرف اشارہ ہے ایک اولیٰ احمد مصطفےٰ ﷺ اور آخری احمد بن غلام مرتضی شفاہ اللہ عن المالیخولیا۔ سبحان اللہ عجیب استنباط ہے۔

قال: صفحہ۱۳۶۔ **الا علی النفس التی سعٰی سعیھا۔**

اقول: **سعٰی** کی جگہ **سعت** مؤنث چاہیے۔

قال: صفحہ۱۳۹۔ **الا تری ان سلسلۃ خلفاء موسٰی انتھت الی نکتۃ مالک یوم الدین۔**

اقول: کیسا استنباط ہے۔ **سبحان اللّٰہ۔**

قال: صفحہ۱۳۹۔ **کما یفھم من لفظ الدین فانہ جاء بمعنی الحمد و الرفق۔**

اقول: اس جگہ بمعنی جزاء کے ہے، بدلیل قولہ تعالیٰ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ○ (انفطار:۱۷)

قال: صفحہ ۱۴۰۔ وذلک وقت المسیح الموعود وھو زمان ھذا المسکین والیہ اشار فی ایۃ یوم الدین۔

اقول: لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین المحرفین۔

قال: صفحہ ۱۴۳۔ وسمی زمان المسیح الموعود یوم الدین۔

اقول: ثانیا لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین المحرفین۔

قال: صفحہ ۱۵۹۔ الا قلیل، الذی ھو کا لمعدوم۔

اقول: فصیح بلیغ ملیح صاحب! موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ۔

قال: صفحہ ۱۶۳۔ ان یجعل اللّٰہ احمد کل من تصدی للعبادہ۔

اقول: جعل کا دوسرا مفعول بے وجہ مقدم کیا گیا ہے۔

قال: صفحہ ۱۶۳۔ وعلی ھذا کان من الواجبات ان یکون احمد فی اٰخر ھذہ الامۃ۔

اقول: نہ کوئی اشارت ہے، نہ دلالت۔

قال: صفحہ ۱۶۵۔ وان لا توذی اخیک۔

اقول: اخاک چاہیے۔

قال: صفحہ ۱۶۶۔ فی الحاشیۃ و اشارۃ الٰی ان اللّٰہ اعطٰھم کلما اعطی الانبیاء السابقین۔

اقول: محض غلط ہے۔

قال: صفحہ ۱۷۰۔ وانھم ثمرات الجنۃ فویل للذی ترکھم۔

اقول: ترکھا چاہیے۔

قال: صفحہ ۱۷۰۔ اتظن ان یکون الغیر۔

اقول: فصیح صاحب! کلمہ غیر معرف باللام نہیں ہوتا۔

قال: صفحہ ۱۷۱۔ **ان یبعث فی ھذہ الامۃ۔**

اقول: بعد التسلیم مفید مطلوب نہیں ہے۔

قال: صفحہ ۱۷۲۔ **و انہ لن یأتی احد من السماء۔**

اقول: کہاں سے معلوم ہوا۔

قال: صفحہ ۱۸۰۔ **ینضنضون نضنضۃ الصّل و یحملقون حملقۃ البازی المطل۔**

اقول: مقامات حریری کے صفحہ ۱۵۶ سے مسروق ہے۔ بتغیر ما۔

قال: فاشتدت الحاجۃ۔

اقول: مستنبط نہیں ہوسکتا۔

قال: صفحہ ۱۸۹۔ **وذکر الضالین فی مقام کان واجبا فیہ ذکر الدجّال وان کان الامر کما ھوزعم الجھال لقال اللّٰہ فی ھذہ المقام غیرالمغضوب علیھم ولا الدجّال** الخ۔

اقول: دجّال کا ذکر **ضالین** کے ضمن میں بسبب عموم مفہوم اس کے ہو چکا ہے۔ اور ذکر شخصی اگر ضروری سمجھا جائے تو پہلے آپ کا چاہیے تھا، کیونکہ دجال مفسر و محدث بن کر دھوکا نہ دے گا بخلاف آپ کے کہ حامیان اسلام کے لباس میں ممبر پر کھڑے ہو کر تحریف کر رہے ہیں۔ لہذا آپ کا ذکر نہایت ہی ضروری تھا۔

واضح ہو کہ اس تفسیر میں مرزا جی نے مطاعن اور گالیوں اور تحریف معنوی کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ کبھی کسی سے بھی نہ ہوسکی۔ بالخصوص محرر سطور عفی عنہ ربہ الغفور کے حال پر بڑے بڑے عنایت فرمائے ہیں، جن کے بالمقابل میں بغیر اس مصرعہ کے کچھ نہیں عرض کرسکتا۔

ع بترزانم کہ خواہی گفت آنی

اور سوائے اس مصرعۂ خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ کے کوئی معاوضہ ادانہیں کر سکتا۔

ع بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی

میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے منہ بھر گالیاں دے لیویں، مگر کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ واجماع امت مرحومہ میں دخل بے جانہ کریں، اور تیز گالیوں کو ہماری ذات تک ہی محدود رکھیں اور ہمارے منہ سے جو کلمات نکلتے ہیں، ان کو گالیاں نہ دیں۔ کیونکہ بفضل اللہ وحولہ اکثر اوقات آپ کے مخالفین کے منہ سے آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ وتسبیحات و تہلیلات بھی نکلتی رہتی ہیں۔ لہٰذا گزارش ہے کہ آپ اس کہنے میں کہ صفحہ ۱۹۶۔ **وھو خبیث و خبیث ما یخرج من شفتیہ**۔ یعنی وہ پلید ہے اور پلید ہے جو کچھ کہ اس کے منہ سے نکلتا ہے۔ ماخوذ نہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو کتاب اور سنت اور اجماع امت والے صراط مستقیم پر چلائے۔ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ وَاَدِمْ عَلٰی سَیِّدِنَا اَبِی الْقَاسِمِ وَحَبِیْبِنَا الْمَظْھَرِ الْاَتَمِّ لِاسْمِکَ الْاَعْظَمِ وَاٰلِہٖ وَعِتْرَتِہٖ**۔

ارض ذات النخلۃ

سوال: ارض ذات النخلہ کو یمامہ خیال فرمانا جو فی الواقع مدینہ طیبہ کی طرف اشارہ تھا اور ایسا ہی **لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ** کا وقت صلح حدیبیہ والا سال سمجھ لینا۔ کیا یہ ہر دو اور نظائر ان کے از قبیل قصور فی الکشف اور خطا فی التعبیر نہ تھے۔ جب مکاشفات مذکورہ میں قصور اور خطا فی التعبیر واقع ہو گئے تو نزول مسیح ابن مریم والی پیشین گوئی میں کیوں نہیں واقع ہو سکتے۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے غلام احمد قادیانی کو عیسیٰ بن مریم کی صورت میں دیکھا ہو۔

جواب: ارض ذات النخلہ والے مکاشفہ میں آنحضرت ﷺ نے کسی سے پیشین گوئی نہیں فرمائی کہ بالضرور یمامہ ہی میں جانا ہوگا صرف آپ کا خیال شریف یمامہ کی طرف گیا تھا سو وہ بھی قائم نہ رہا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا **فذھب وھلی الی الیمامۃ** اور دخول مسجد حرام کے متعلق بھی آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ضرور تم اسی سال مسجد حرام میں داخل ہوگے۔ الغرض کشف ایک اجمالی ہوتا ہے اور ایک تفصیلی۔ اور اجمالی میں کبھی اجمال فی نفس المضمون ہوتا ہے۔ یعنی واقعی امر برنگ استعارہ وتمثیل نظر آتا ہے۔ چنانچہ مدینہ کی وبا کو آپ نے بشکل ایک عورت پراگندہ سر کے دیکھا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور کبھی اجمال فی اوضاع المضمون من الزمان وغیرہ۔ چنانچہ دخول مسجد حرام والے مکاشفہ میں نفس دخول مسجد حرام کما ہو فی الواقع صرف مکشوف ہوا، مسجد حرام کے داخل ہونے کا وقت معلوم نہیں ہوا تھا لہٰذا آپ اُس سال حدیبیہ میں تشریف لے گئے بلکہ مناسب بشان نبوت یوں معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ والے سال بھی جانا آپ کا قصور فی الکشف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حصول صلح حدیبیہ کے لئے جو مقدمہ فتح کا تھا بحسب فرمان خداوندی واقع ہوا۔ کشف اجمالی کی دونوں صورتوں میں آپ نے کبھی پیشین گوئی یقینی طور پر نہیں فرمائی یعنی جس جز میں اجمال وخفا ہوتا تھا اس کے بارہ میں اس طرح پر نہیں فرماتے تھے کہ یہ جز بالضرور اسی طرح وجہ مخصوص پر واقع ہوگی اس قسم کی پیشین گوئی میں قبل از وقوع ایمان علی حسب مراد اللہ رکھنے کے ہم مکلف ہیں نہ ایمان علی وجہ خصوص کے طور پر، بخلاف کشف تفصیلی عینی کے۔ یعنی جس امر کو کھلا کھلا آپ نے معائنہ فرمایا اور اس کے بارے میں پیشین گوئی یقینی طور پر فرما دی تو مومن **بما جاء بہ الرسول** علیہ السلام کو ہرگز تاویل سے کام لینا جائز نہیں۔ چنانچہ بعض اقسام اس کے شمس الہدایت میں بحوالہ کتب حدیث لکھے گئے ہیں جن میں سے اکثر کا وقوع بھی مطابق پیش گوئی آپ ﷺ کے ہو چکا ہے۔ نزول مسیح ابن مریم وظہور دجال وغیرہ علامات قیامت والی پیشین

گویاں کشف عینی کے قبیلہ سے ہیں۔ گو بعض کی تفصیل وقتاً فوقتاً معلوم ہوتی رہی جن میں آپ کو نہایت اہتمام سے امت مرحومہ کو متنبہ کرنا منظور تھا تا کہ امت مرحومہ کسی جھوٹے مسیح کے دام میں نہ پھنس جاوے۔ چنانچہ مسیح ابن مریم بھی کہتے گئے کہ میرے آنے سے پہلے کئی جھوٹے مسیح آئیں گے۔ دیکھو انجیل کی کتاب اعمال۔ اور نیز قصہ نزول ایلیا بھی عبرت کے لئے کافی نظیر وقوع میں آچکا تھا جس کے لحاظ سے آپ کو تفصیلی وتاکیدی بیان فرمانا ضروری تھا اور آنحضرت ﷺ کا خطا پر قائم رہنا فی التعبیر ہی کیوں نہ ہو، ہرگز ممکن نہیں۔ کہاں یہ بات کہ عمر بھر یہ دھوکا آپ کو واقع رہے اور بذریعہ وحی کے اطلاع نہ دیجاوے۔ الغرض بحکم **فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ** انبیاء کا خطا پر قائم رہنا اور ایسا ہی بمقتضی **فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا○** (جن:۲۷) وحی کا غلط ہونا شرعاً وعقلاً محال ہے۔ الحاصل کشف اجمالی بھی بعد البیان اللاحق تفصیلی کے طرح واجب الایمان ہوتا ہے۔

نزول مسیح علیہ السلام کا مسئلہ

چونکہ حاضرین کو محل تعجب واستبعاد معلوم ہوتا تھا معہذا نزول ایلیا والے اشتباہ سے بھی امت مرحومہ کو بچانا منظور تھا لہٰذا آپ نے اس پیشین گوئی کو تاکید بالقسم ونون ثقلیہ و لام تاکید سے مؤکد کر کے بیان فرمایا **والذی نفسی بیدہ لیوشکن** آخر تک۔ تا کہ امت مرحومہ اس نزول کو بھی نزول ایلیا کی طرح خیال نہ کریں اس قسم کی پیشین گوئی کے ساتھ قبل از وقوع ایمان لانا ضروریات سے ہے۔ کما قال تعالیٰ **مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ** اس مقام پر مرزا جی نے بمعہ اپنے علماء کے سب پیشین گوئیوں میں ایک ہی قانون مقرر کر رکھا ہے کہ قبل از وقوع ہم کو ایمان لانا ضروری نہیں۔ حق یہ ہے کہ کشف اجمالی اور

تفصیلی میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ان کو سخت دھوکہ ہوا ہے۔ میں حیران ہوں کہ قیامت کو بھی قبل از وقوع نہ مانتے ہوں گے۔ ہاں اس الزام کا یہ جواب دیتے ہیں کہ قیامت تو مطابق حدیث **الدنیا سبعة الاف و انا فی آخرھا الفا** کے سات ہزار سال سے پہلے نہیں آسکتی۔ میں کہتا ہوں اول تو یہ حدیث ثقات کے نزدیک مثل مناوی و شیخ سیوطی وغیرہما کے موضوعات یا ضعاف سے ہے اور نیز یہ تحدید برخلاف ہے تصریح رئیس المکاشفین حضرت شیخ کے۔ دیکھو فتوحات۔ تیسرا بر تقدیر تسلیم الزام مذکور کی دافع بھی نہیں کیونکہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک سات ہزار کے اوپر تین سو گزر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرزا اور امروہی صاحبان حساب میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ بیت

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

الغرض بحکم **ولن یصلح العطار ما افسده الدھر** جہاں تک بھی ہاتھ پاؤں مارے جاتے ہیں مگر قادیانی صاحب کا دعویٰ ہرگز کتاب و سنت و اجماع سے تطبیق نہیں رکھتا۔ مجھے اس مقام کے متعلق ایک بزرگ کی بات یاد آ گئی جس کا لکھنا بعید از مقام معلوم نہیں ہوتا۔ حبیب شاہ صاحب خوشابی سے جن کا نام نامی مرزا جی ایک اشتہار میں اپنے مولویوں اور مریدوں میں لکھتے ہیں۔ میں نے راجڑ کے اسٹیشن پر بعد ملاقات کے پوچھا کہ آپ کے بیعت کرنے کا مرزا جی سے کیا باعث ہے؟ بجواب اس کے فرمانے لگے کہ قرآن کی تفسیر لکھنے میں عدیم المثیل ہیں، اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ پھر میں نے پوچھا آپ مرزا صاحب کو مسیح موعود مانتے ہیں؟ فرمانے لگے کہ ان کے اس دعوے سے میں علیحدہ ہوں۔ پھر میں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ جب آپ ان کو اس دعوے میں کاذب اور مفتری علی اللہ خیال فرماتے ہیں تو پھر بیعت کیسی ہوئی کیونکہ جس شخص کو مفتری علی اللہ سمجھا جاتا ہے اس کی وقعت اتنی نہیں ہوتی کہ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ سمجھ کر اپنے ہاتھ میں رکھا جاوے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ قرآن

دان بہت عمدہ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مرزا جی کی تفسیر متعلق سورہ زلزال کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کہنے لگے کہ اس تفسیر سے بھی علیحدہ ہوں۔ تو اس پر میں نے نہایت ہی متعجب ہو کر کہا کہ کیا آپ کو کوئی شخص مفتری علی اللہ اور قرآن کا محرف مرزا صاحب جیسا اپنے علاقہ میں نہیں ملا تھا۔ اس لئے قادیان میں جا کر مرزا جی سے بیعت کی۔ بعد اس کے فرمایا کہ خیر میں نے بیعت سے توبہ کی ہے۔ یہ اور طرفہ نکالا۔ آخر الامر کہنے لگے کہ ازالہ اوہام کو دیکھوں گا۔

واضح ہو کہ اللہ جل شانہ رسولوں کے مطلع علی الغیب کرنے کی نسبت فرماتا ہے **عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ○** (جن:۲۷) جاننے والا غیب کا پس نہیں خبردار کرتا اوپر غیب اپنے کے کسی کو مگر جس کو پسند کرتا ہے پیغمبروں میں سے پس تحقیق وہ چلاتا ہے آگے اس کے سے اور پیچھے اس کے سے نگہبان۔ یعنی رسولوں کی وحی کے ساتھ چوکی پہرے کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ شیطان دخل نہ کرنے پاوے۔ لہٰذا پیغمبروں کے لئے عصمت ہے اوروں کے لئے نہیں اور انکی وحی یقینی ہے اوروں کی وحی میں شبہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی پیشین گویوں میں شیطان کا ہرگز دخل نہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب نے ازالہ کے صفحہ ۶۲۹ میں چار سو نبی کی نسبت لکھا ہے کہ ”ان کو شیطانی وحی ہوئی اور وہ جھوٹے نکلے۔“ اور قادیانی صاحب گو کہ بزعم خود اپنی پیشین گویوں کو پیغمبروں کی پیشگویوں کے برابر خیال کرتے ہیں مگر ان کی پیشگویوں کا کاذب ہونا واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں۔

ضمیمہ شحنۂ ہند کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں

ضمیمہ شحنۂ ہند کی عبارت

اجی مرزاجی بس رہنے دیجئے خلق اللہ تمیں سال تک آپ کے نمونے دیکھتے دیکھتے سیر ہوگئی ہے۔

۱...... کسی شخص کے بیٹا پیدا ہونے کے لئے آپ نے بہتیرا سر مارا بلکہ ایک معقول رقم بھی اس سے پھٹکار لی مگر بیٹا اب تک ندارد۔

۲...... عبداللہ آتھم کے لئے از حد گڑگڑائے مگر وہ میعاد معیّنہ میں نہ مرا۔

۳...... ملا محمد بخش وغیرہ کی بربادی کے لئے ہزار آہ وزاری کی مگر اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔

۴...... لیکھرام کے لئے ہر چند سر پٹکا مگر اس کی موت نے آخر آپ کو ہی مشتبہ کیا۔

۵...... آسمانی منکوحہ کے لئے آپ کا چہرہ بھی خشک ہوگیا مگر حسرت ہی رہی۔

۶...... کسی شخص کی بیوی کے اچھا ہونے کے لئے بہتیرے توڑ جوڑ کئے مگر وہ بیمار رہ کر چل ہی بسی۔

۷...... اپنے جس لڑکے کو موعود قرار دیا اور اپنے لئے اور دنیا کے لئے باعث برکت سمجھا وہ بھی آپ کو مفارقت دے گیا۔

۸...... جس قدر مباحثے آپ نے کئے شکست ہی کھا کر بھاگے۔ اب مباحثہ کے نام سے بھی اوسان خطا ہوتے ہیں۔

۹...... جن آدمیوں نے آپ کو بالمقابل دعا کرنے کے لئے بلایا آپ ایک دن بھی سامنے نہ ہوئے۔

۱۰...... ہمیشہ آپ نشان دکھانے کے لئے میعاد مقرر کرتے رہے مگر آخر ندامت ہی اٹھانی پڑی چنانچہ اب بھی ایک بڑے بھاری نشان کے لئے میعاد مقرر ہے۔

۱۱...... آپ کہتے ہیں کہ شاہان یورپ کو اسلام کی دعوت کی اور اپنی تصانیف بھیجیں مگر ایک عیسائی بھی آپ پر ایمان لاتے نہ دیکھا۔

۱۲......آپ نے کہا کہ سب خلقت مجھے قبول کرے گی۔ مگر سب آپ سے متنفر اور بیزار ہی رہے سوائے معدودے چند اشخاص کے جو کسی شمار میں نہیں آسکتے۔

۱۳......آپ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر دعویٰ سے لکھی۔ لوگوں نے اس کے پرخچے اڑائے۔

۱۴......آپ نے منشی الٰہی بخش صاحب کی نسبت گیارہ کا ہندسہ ظاہر کر کے الہام شائع کیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اب گیارہ ماہ بھی قریب الاختتام ہیں مگر ان کی ''عصائے موسیٰ'' نے آپ کا سارا بنا بنایا کھیل درہم و برہم کر دیا۔

۱۵......پیر مہر علی شاہ صاحب کے لئے آپ ہر چند دانت پیستے رہے مگر ان کی شہرت ہی شہرت اور عزت ہی عزت ہوتی رہی۔

۱۶......آپ نے عرصہ سے منارہ بنانا چاہا مگر ہنوز روز اول۔

۱۷......آپ نے رسالہ انگریزی شائع کرنا چاہا۔ مگر اب تک اقرار اور وعدہ کے مطابق آپ کو ناکامی حاصل ہے۔

۱۸......آپ نے بجائے اتوار کے جمعہ کے دن تعطیل کرانی چاہی۔ مگر سوائے ناکامی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

۱۹......سینکڑوں اشخاص کے لئے آپ دعا کرتے رہے ہیں مگر کوئی اثر یا نتیجہ نہیں نکلتا اور پھر آپ کہتے ہیں کہ دعا کرانے والے کو یہ کرنا چاہیے، وہ کرنا چاہیے، دعا کرنے والے سے تعلق پیدا کرنا چاہیے وغیرہ۔ مرزا جی کیا یہ دعائیں مشتے نمونہ از خروارے کافی نہیں ہیں؟ پھر آپ کو بار بار اعلان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

رسالہ الہامات کی عبارت ذیل بھی قابل غور ہے۔

تیسری پیش گوئی

مرزا احمد بیگ اور اس کے داماد کی موت اور آسمانی منکوحہ کے نکاح کے متعلق

اس پیش گوئی کو مرزا جی نے خاص مسلمانوں کے حق میں بتلایا ہے اس لئے یہ

ہمارا بھی حق ہے کہ ہم بھی جی کھول کر سعی کریں اور تحقیق کر کے بال کی کھال اتاریں۔ گو اور پیشین گوئیوں میں بھی مرزا جی زور لگایا کرتے ہیں مگر اس پیشین گوئی کے متعلق جو کچھ مرزا جی نے مساعی جمیلہ خرچ کئے ہیں ان کا ذکر نہ کرنا غالباً ناشکری ہوگی۔ پہلے ہم اس پیشین گوئی کا اشتہار نقل کرتے ہیں۔ ازاں بعد مرزا جی کی مساعی جمیلہ بتلاویں گے۔ **ھو ھذا۔**

ایک پیشین گوئی پیش از وقوع کا اشتہار

پیشین گوئی کا جب انجام ہویدا ہوگا　　قدرت حق کا عجب ایک تماشا ہوگا

جھوٹ اور سچ میں جو ہے فرق وہ پیدا ہوگا　　کوئی پا جائے گا عزت کوئی رسوا ہوگا

اب یہ جاننا چاہیے کہ جس خط کو ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء کے ''نور افشاں'' میں فریق مخالف نے چھپوایا ہے وہ خط محض ربانی اشارہ سے لکھا گیا تھا ایک مدت دراز سے بعض سرگروہ اور قریبی رشتہ دار مکتوب الیہ کے جن کی حقیقی ہمشیرہ زادہ کی نسبت درخواست کی گئی تھی۔ نشان آسمانی کے طالب تھے اور طریقہ اسلام سے انحراف رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اگست ۱۸۸۵ء میں جو ''چشمۂ نور'' امرتسر میں ان کی طرف سے اشتہار چھپا تھا یہ درخواست ان کے اشتہار میں مندرج ہے ان کو نہ محض مجھ سے بلکہ خدا اور رسول سے بھی دشمنی ہے اور والد اس دختر کا باعث شدت تعلق قرابت ان لوگوں کی رضا جوئی میں محو اور ان کے نقش قدم پر دل و جان سے فدا اور اپنے اختیارات سے قاصر و عاجز بلکہ انہیں کا فرمانبردار ہو رہا ہے اور اپنی لڑکیاں انہیں کی لڑکیاں خیال کرتا ہے۔ اور وہ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں اور ہر بات میں اس کے مدار المہام اور بطور نفس ناطقہ کے اس کے لئے ہو رہے ہیں۔ (تب ہی تو نقارہ بجا کر اس لڑکی کے بارے میں آپ ہی شہرت دے دی، یہاںتک کہ عیسائیوں کے اخباروں کو اس قصہ سے بھر دیا۔ آفریں بریں عقل و دانش۔ ماموں ہونے کا خوب ہی حق ادا کیا۔ ماموں ہوں تو ایسے ہی ہوں۔) غرض یہ لوگ جو مجھ کو میرے دعویٰ الہام میں مکار اور

دروغگو خیال کرتے ہیں۔ اور اسلام اور قرآن شریف پر طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے اور مجھ سے کوئی نشان آسمانی مانگتے تھے تو اس وجہ سے کئی دفعہ ان کے لئے دعا بھی کی گئی تھی۔ سو وہ دعا قبول ہو کر خدائے تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی کہ والد اس دختر کا ایک اپنے ضروری کام کے لئے ہماری طرف ملتجی ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبردہ کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچازاد بھائی غلام حسین نام کو بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا اور مفقود الخبر ہے اس کی زمین ملکیت جس کا حق ہمیں پہنچتا ہے۔ نامبردہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے، نامبردہ یعنی ہمارے خط کے مکتوب الیہ نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین جو چار ہزار یا پانچ ہزار روپیہ کی قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں، چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا۔ چونکہ وہ ہبہ نامہ بجز ہماری رضا مندی کے بیکار تھا اسلئے مکتوب الیہ نے تمام تر عجز و انکسار سے ہماری طرف رجوع کیا تا کہ ہم اس ہبہ پر راضی ہو کر اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں۔ اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے لیکن یہ خیال آیا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہیے۔ سو یہی جواب مکتوب الیہ کو دیا گیا۔ پھر مکتوب الیہ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا، گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آپہنچا تھا، جس کو خدائے تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کر دیا۔

اس خدائے قادر حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر۔ اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط سے کیا جاوے گا۔[1] اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور ان تمام رحمتوں اور

[1] کیا ہی عجب موقعہ تھا۔ ا‌ﻫ

برکتوں سے حصہ پاؤ گے، جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لئے کئی کراہت اور غم پیش آئیں گے۔

پھر ان دنوں میں جو زیادہ تر تصریح اور تفصیل کے لئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا اور بے دینوں کو مسلمان بنائے گا اور گمراہوں میں ہدایت پھیلائے گا۔ چنانچہ عربی الہام اس بارے میں یہ ہے۔ **کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِؤُوْنَ٥ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَیَرُدُّھَا اِلَیْکَ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ٥ اَنْتَ مَعِی وَاَنَا مَعَکَ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔** یعنی انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور وہ پہلے سے ہنسی کر رہے تھے۔ سو خدائے تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لئے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس کی اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ تیرا رب وہ قادر ہے کہ جو کچھ چاہے وہی ہو جاتا ہے۔ تُو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور عنقریب وہ مقام تجھے ملے گا جس میں تیری تعریف کے جاوے گی۔ یعنی گو اول میں احمق اور نادان لوگ بدباطنی اور بدظنی کے راہ سے بدگوئی کرتے ہیں اور نالائق باتیں منہ پر لاتے ہیں، لیکن آخر کار خدا تعالیٰ کی مدد دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تعریف ہوگی۔[1]

خاکسار غلام احمد از قادیاں ضلع گورداسپور ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء۔

---

[1] آج تک تو جیسی ہوئی وہ نمایاں ہے۔

اس اشتہار کے متصل ہی صرف پانچ دن کے فاصلے سے ایک اشتہار اور دیا جو بعنوان ذیل ہے۔

تتمہ اشتہار

دہم جولائی ۱۸۸۸ء

ا......اشتہار مندرجہ عنوان کے صفحہ ٦ میں جو یہ الہام درج ہے۔ **فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ**۔ اس کی تفصیل مکرر توجہ سے یہ کھلی ہے کہ خدائے تعالیٰ ہمارے کنبے اور قوم میں سے ایسے تمام لوگوں پر جو اپنی بے دینی اور بدعتوں کی حمایت کی وجہ سے پیشگوئی کے مزاحم ہونا چاہیں گے، اپنے قہری نشان نازل کرے گا اور ان سے لڑے گا اور انہیں انواع واقسام کے عذابوں میں مبتلا کرے گا اور وہ مصیبتیں ان پر اتارے گا جن کی ہنوز انہیں خبر نہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہوگا جو اس عقوبت سے خالی رہے، کیونکہ انہوں نے نہ کسی اور وجہ سے بلکہ بے دینی کی راہ سے مقابلہ کیا۔ ایک عرصہ سے یہ لوگ جو میرے کنبے سے اور میرے اقارب ہیں، کیا مرد اور کیا عورت، مجھے میرے الہام، دعاوی میں مکار اور دکاندار خیال کرتے ہیں۔ اور بعض نشانوں کو دیکھ کر بھی قائل نہیں ہوتے۔ اور انکا اپنا حال یہ ہے کہ دین اسلام کی ایک ذرہ محبت ان میں باقی نہیں رہی اور قرآنی حکموں کو ایسا ہلکا سا سمجھ کر ٹال دیتے ہیں جیسا کوئی ایک تنکے کو اٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔ وہ اپنی بدعتوں اور رسموں اور ننگ و ناموس کو خدا اور رسول کے فرمودہ سے ہزار درجہ بہتر سمجھتے ہیں۔ پس خدائے تعالیٰ نے انہیں کی بھلائی کے لئے انہیں کے تقاضہ سے انہیں کی درخواست سے اس الہامی پیشین گوئی کو جو اشتہار میں درج ہے، ظاہر فرمایا ہے، تا وہ سمجھیں کہ وہ درحقیقت موجود ہے اور اس کے سوا سب کچھ ہیچ ہے۔ کاش! وہ پہلے نشانوں کو کافی سمجھتے اور یقیناً وہ ایک ساعت بھی مجھ پر بدگمانی نہ کر سکتے، اگر ان میں کچھ نور ایمان اور کانشنس ہوتا، ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ سب ضرورتوں کو خدائے تعالیٰ نے پورا کر دیا تھا، اولاد بھی عطا کی۔

اوران میں وہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ[1] ہوگا بلکہ ایک اورلڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا، جس کا نام محمود احمد ہوگا۔ اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔ یہ رشتہ جس کی درخواست کی گئی ہے محض بطور نشان کے ہے، تا خدائے تعالیٰ اس کنبہ کے منکرین کو عجوبہ قدرت دکھلاوے، اگر وہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کی نشان ان پر نازل کرے اور ان بلاؤں کو دفع کرے جو نزدیک چلی آتی ہیں۔ لیکن اگر وہ رد کریں تو ان پر قہری نشان نازل کرکے ان کو متنبہ کرے۔ برکت کا نشان یہ ہے کہ اس پیوند سے ان کا دین درست ہوگا اور دنیا ان کی من کل الوجوہ صلاحت پذیر ہو جائے گی۔ اور وہ بلائیں جو عنقریب اترنے والی ہیں، نہیں اتریں گی اور قہر کا نشان وہی ہے، جو اشتہار میں ذکر ہو چکا اور نیز وہ جو تتمہ ہذا میں درج ہے۔ **والسلام علی عباد اللّٰہ المومنین۔**

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور، پانزدہم جولائی ۱۸۸۸ء

یہ دونوں اشتہار اپنے مضامین بتلانے میں بالکل واضح اور لائح ہیں۔ کسی مزید توضیح یا تشریح کی حاجت نہیں رکھتے۔ صاف بتلا رہے ہیں کہ تاریخ نکاح سے تین سال تک دونوں (احمد بیگ اور اس کا داماد) فوت ہو جائیں گے۔ البتہ تاریخ معلوم کرنے کے لئے کہ نکاح کب ہوا؟ اور کب ان دونوں کی موت کی تاریخ ہے؟ مرزاجی کی دوسری ایک تحریر سے شہادت لینے کی ضرورت ہے۔

''شہادت القرآن'' میں مرزاجی خود ہی اس کی میعاد بتلاتے ہیں کہ ۲۱؍ستمبر ۱۸۹۳ء سے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی تھی۔ (مفصل عبارت صفحہ ۴ کتاب ہذا دیکھو) پس بموجب اقرار مرزاجی، ۲۱؍اگست ۱۸۹۴ء کو مرزا سلطان محمد، داماد مرزا احمد بیگ کو دنیا پر رہنے کی اجازت نہ تھی۔ مگر افسوس کہ وہ مرزا کے سینے پر مونگ دلتا ہوا آج یکم دسمبر ۱۹۰۱ء تک زندہ

[1] الف لیلیٰ کے الہ دین کا چراغ تو نہیں۔

کیمپ ملتان میں ملازم ہے۔ مگر مرزا جی کیا ایسے نرم اور کم گو تھے کہ خاموش ہو جاتے۔ انہوں نے بڑے بڑے امور مشکلہ کو نہایت آسانی سے حل کر دیا تھا تو اس پیشگوئی کا پورا کر لینا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''اس پیش گوئی کے دو حصے تھے ایک احمد بیگ کی نسبت اور ایک اس کے داماد کی نسبت۔ اور پیش گوئی کے بعض الہامات میں جو پہلے سے شائع ہو چکے تھے، یہ شرط تھی کہ توبہ اور خوف کے وقت موت میں تاخیر ڈال دی جائے گی۔ سو افسوس کہ احمد بیگ کو اس شرط سے فائدہ اٹھانا نصیب نہ ہوا، کیونکہ اس وقت اس کی بدقسمتی سے اس نے اور اس کے تمام عزیزوں نے پیش گوئی کو انسانی مکر اور فریب پر حمل کیا اور ٹھٹھا اور ہنسی شروع کر دی اور وہ ہمیشہ ٹھٹھا اور ہنسی کرتے تھے کہ پیش گوئی کے وقت نے منہ دکھلا دیا اور احمد بیگ ایک محرقہ تپ کے ایک دو دن کے حملے سے ہی اس جہان سے رحلت کر گیا۔ تب تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور داماد کی بھی فکر پڑی اور خوف اور توبہ اور نماز و روزہ میں عورتیں لگ گئیں اور مارے ڈر کے ان کے کلیجے کانپ اٹھے۔ پس ضرور تھا کہ اس درجے کے خوف کے وقت خدا اپنی شرط کے موافق عمل کرتا سو وہ لوگ سخت احمق اور نادان اور کاذب اور ظالم ہیں جو کہتے ہیں کہ داماد کی نسبت پیش گوئی پوری نہیں ہوئی بلکہ وہ بدیہی طور پر جہالت موجودہ کے موافق پوری ہو گئی اور دوسرے پہلو کی انتظار ہے۔'' (سراج منیر حاشیہ صفحہ ۳۰)

مرزا جی کا عذر بھی کہ فلاں شخص دل میں توبہ کر گیا۔ نماز، روزہ کا پابند ہو گیا۔ اس بے ایمان عطار کی بوتل سے کم نہیں جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ تعجب ہے کہ مرزا جی کے مقرب علم کے مدعی ایسے واہیات تاویلوں کو مان لیتے ہیں بلکہ ان کے نہ ماننے پر غرّاتے ہیں۔ ناظرین بغور اشتہار مذکور کو دیکھ سکتے ہیں خصوصاً فقرہ زیر خط کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ

اس کلام سے اصل غرض کیا ہے یہ عجب (بے ادبی معاف) ڈھکوسلا ہے کہ ''تو مان نہ مان میں تیرا مہمان''۔ مخالف اسی طرح اپنی مخالفت پر جما ہوا ہے۔ ذات شریف پر تبرّے اور صلواتیں سناتا ہے اور ہاں بوجہ مسلمان ہونے کے نماز بھی پڑھتا ہوگا تو اس کا نام خوف زدہ رکھا جاتا ہے۔ آتھم کے متعلق صفحہ ۱۰ کتاب ہذا۔ ایک حدیث کی شہادت سے ثابت کر آئے ہیں کہ اگر آپ کی پیش گوئی سے وہ بھی ڈرتا تو بھی وہ رجوع مستلزم تاخیر عذاب نہ ہوتا چہ جائیکہ وہ مخالفت پر ویسا ہی تلا بیٹھا ہے کہ جیسا اس وقت تھا بلکہ اس سے بھی زائد۔

اس پیش گوئی کے متعلق جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں مرزا جی کی مساعی جمیلہ خاص قابل ذکر ہیں۔ اس ضمن میں بھی ان کے وہ خطوط ہم نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو اس نکاح کے متعلق بھیجے تھے۔

پہلا خط یہ ہے۔

مشفقی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو آپ سے کسی طرح سے فرق نہ تھا اور میں آپ کو ایک غریب طبع اور نیک خیال آدمی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں، لیکن اب جو آپ کو ایک خبر سناتا ہوں آپ کو اس سے بہت رنج گذرے گا، مگر میں محض لِلّٰہ ان لوگوں سے تعلق چھوڑنا چاہتا ہوں جو مجھے ناچیز بتاتے ہیں اور دین کی پرواہ نہیں رکھتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے بارے میں ان لوگوں کے ساتھ کس قدر میری عداوت ہورہی ہے۔ اب میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے۔ اور آپ کے گھر کے لوگ اس مشورے میں ساتھ ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے سخت دشمن ہیں، بلکہ میرے کیا دین اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ عیسائیوں کو ہنسانا چاہتے ہیں، ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اللہ و رسول کے دین

کی کچھ بھی پروا نہیں رکھتے۔ اور اپنی طرف سے میری نسبت ان لوگوں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ اس کو خوار کیا جائے، ذلیل کیا جائے، روسیاہ کیا جائے۔ یہ اپنی طرف سے ایک تلوار چلانے لگے ہیں۔ اب مجھ کو بچالینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر میں اس کا ہوں گا تو ضرور مجھے بچائے گا۔ اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کر کے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھ سکتا۔ کیا میں چوہڑا یا چمار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عار یا ننگ تھی۔ بلکہ وہ تو اب تک ہاں سے ہاں ملاتے رہے۔ اپنے بھائی کے لئے مجھے چھوڑ دیا۔ اور اب اس نکاح کے لئے سب ایک ہوگئے۔ یوں تو مجھے کسی کی لڑکی سے کیا غرض، کہیں جائے۔ مگر یہ تو آزمایا گیا کہ جن کو میں خویش سمجھتا تھا اور جن کی لڑکی کے لئے چاہتا تھا کہ اس کی اولاد ہو اور وہ میری وارث ہو، وہی میرے خون کے پیاسے، وہی میری عزت کے پیاسے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ خوار ہو اور اس کا روسیاہ ہو۔ خدا بے نیاز ہے جس کو چاہے روسیاہ کرے، مگر اب تو وہ مجھے آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ میں نے خط لکھے کہ پرانا رشتہ مت توڑو۔ خدا تعالیٰ سے خوف کرو۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ آپ کی بیوی نے جوش میں آکر کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے، صرف عزت بی بی کے نام کے لئے جو فضل احمد کے گھر میں ہے۔ بے شک وہ طلاق دیدیوے۔ ہم راضی ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے خلاف مرضی نہیں کریں گے۔ یہ شخص کہیں مرتا بھی نہیں پھر میں نے رجسٹری کرا کر آپ کی بیوی کے نام خط بھیجا، مگر کوئی جواب نہ آیا اور بار بار کہا کہ اس سے کیا ہمارا رشتہ باقی رہ گیا ہے جو چاہے کرے۔ ہم اس کے لئے اپنے خویشوں سے اپنے بھائیوں سے جدا نہیں ہوسکتے۔ مرتا مرتا رہ گیا، کہیں مرا بھی ہوتا۔ یہ باتیں آپ کی بیوی صاحبہ کی مجھے پہنچی ہیں بے شک میں ناچیز ہوں، ذلیل ہوں، خوار ہوں، مگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں میری عزت ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا

[1] اس سے صاف معلوم ہے کہ صرف نکاح پر صدق، کذب موقوف تھا، جو ہو چکا۔ فافہم ۱۲

ہے۔ اب جب میں ایسا ذلیل ہوں تو میرے بیٹے سے تعلق رکھنے کی کیا حاجت ہے؟ لہٰذا میں نے ان کی خدمت میں خط لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادے سے باز نہ آویں اور اپنے بھائی کو اس نکاح سے روک نہ دیں، پھر جیسا کہ آپ کی خود منشاء ہے کہ میرا بیٹا فضل احمد بھی آپ کی لڑکی کو اپنے نکاح میں رکھ نہیں سکتا، بلکہ ایک طرف جب محمدی[1] کا کسی شخص سے نکاح ہوگا تو دوسری طرف فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دے دے گا۔ اگر نہیں دے گا تو میں اس کو عاق اور لاوارث کردوں گا۔ اور اگر میرے لئے احمد بیگ سے مقابلہ کروگے اور یہ ارادہ بند کرادوگے تو میں بدل وجان حاضر ہوں۔ اور فضل احمد کو جواب میرے قبضہ میں ہے ہر طرح سے درست کر کے آپ کی لڑکی کی آبادی کے لئے کوشش کروں گا۔ اور میرا مال ان کا مال ہوگا۔ لہٰذا آپ کو بھی لکھتا ہوں کہ آپ اس وقت کو سنبھال لیں اور احمد بیگ کو پورے زور سے خط لکھیں کہ باز آجائے۔ اور اپنے گھر کے لوگوں کو تاکید کردیں کہ وہ بھائی کو لڑائی کر کے روک دیں۔ ورنہ مجھے خدائے تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب ہمیشہ کے لئے یہ تمام رشتے ناطے توڑ دوں گا۔ اگر فضل احمد میرا فرزند اور وارث بننا چاہتا ہے تو اسی حالت میں آپ کی لڑکی کو گھر میں رکھے گا۔ اور جب آپ کی بیوی کی خوشی ثابت ہو ورنہ جہاں میں رخصت ہوا۔ ایسا ہی سب ناطے رشتے بھی ٹوٹ گئے۔ یہ باتیں خطوں کی معرفت مجھے معلوم ہوئی ہیں میں نہیں جانتا کہ کہاں تک درست ہے۔ واللہ اعلم

راقم خاکسار غلام احمد از لودھیانہ اقبال گنج ۴ مئی ۱۸۹۱ء

دوسرا خط یہ ہے

والدہ عزت بی بی کو معلوم ہو کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ چند روز تک محمدی مرزا احمد بیگ کی لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے۔ اور میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھا چکا ہوں کہ اس نکاح سے

---

[1] آسمانی منکوحہ کا نام۔۱۲

سارے رشتے ناطے توڑ دوں گا اور کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ اس لئے نصیحت کی راہ سے لکھتا ہوں کہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقوف کراؤ۔ اور جس طرح تم سمجھا سکتے ہو اس کو سمجھا دو۔ اور اگر ایسا نہیں ہوگا، تو آج میں نے مولوی نور الدین صاحب اور فضل احمد کو خط لکھ دیا ہے کہ اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آؤ تو فضل احمد عزت بی بی کے لئے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے۔ اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عذر کرے تو اس کو عاق کیا جاوے۔ اور اپنے بعد اس کو وارث[1] نہ سمجھا جاوے اور ایک پیسہ وراثت کا اس کو نہ ملے۔ سو امید رکھتا ہوں کہ شرطی طور پر اس کی طرف سے طلاق نامہ لکھا آجاوے گا۔ جس کا مضمون یہ ہوگا کہ اگر مرزا احمد بیگ محمدی کا غیر کے ساتھ نکاح کرنے سے باز نہ آوے تو پھر اسی روز سے جو محمدی کا کسی اور سے نکاح ہو جاوے عزت بی بی کو تین طلاق ہے۔ سو اس طرح پر لکھنے سے اس طرف تو محمدی کا کسی دوسرے سے نکاح ہوگا اور اس طرف عزت بی بی پر فضل احمد کی طلاق پڑ جاوے گی۔ سو یہ شرطی طلاق ہے۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب بجز قبول کرنے کی کوئی راہ نہیں۔ اور اگر فضل احمد نے نہ مانا تو میں فی الفور اس کو عاق کر دوں گا اور پھر وہ میری وراثت سے ایک دانہ نہیں پا سکتا۔ اور اگر آپ اس وقت اپنے بھائی کو سمجھا لو تو آپکے لئے بہتر ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے عزت بی بی کی بہتری کے لئے ہر طرح سے کوشش کرنا چاہا تھا اور میری کوشش سے سب نیک بات ہو جاتی مگر آدمی پر تقدیر غالب ہے۔ یاد رہے کہ میں نے کوئی بات کچی نہیں لکھی۔ مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ اور خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ جس دن نکاح ہوگا اس دن عزت بی بی کا نکاح باقی نہ رہے گا۔

راقم مرزا غلام احمد از لودھیانہ اقبال گنج ۴ مئی ۱۸۹۱ء

---

[1] مجدد صاحب یہ بھی کوئی مسئلہ ہے یا محض تجدید ہے۔ ۱۲

تیسرا خط مرزا جی نے اپنی بہو سے لکھا کر بھجوایا جو یہ ہے

از طرف عزت بی بی بطرف والدہ

اس وقت میری بربادی اور تباہی کی طرف خیال کرو۔ مرزا صاحب کسی طرح مجھ سے فرق نہیں کرتے۔ اگر تم اپنے بھائی میرے ماموں کو سمجھاؤ تو سمجھا سکتے ہو۔ اگر نہیں، تو پھر طلاق ہوگی اور ہزار طرح کی رسوائی ہوگی۔ اگر منظور نہیں تو خیر۔ جلدی مجھے اس جگہ سے لے جاؤ پھر میرا اس جگہ ٹھہرنا مناسب نہیں۔

اس خط پر مرزا صاحب کی طرف سے یہ ریمارک ہیں

جیسا کہ عزت بی بی نے تاکید سے کہا ہے، اگر نکاح رک نہیں سکتا تو پھر بلاتوقف عزت بی بی کے لئے کوئی قادیان سے آدمی بھیج دو تا کہ اس کو لیجاوے۔

چوتھا خط یہ ہے

مشفقی مکرمی اخویم مرزا احمد بیگ صاحب سلمہ تعالیٰ

السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قادیان میں جب واقعہ ہائلہ محمود فرزند آں مکرم کی خبر سنی تھی تو بہت درد اور رنج اور غم ہوا لیکن بوجہ اس کے کہ یہ عاجز بیمار تھا اور خط نہیں لکھ سکتا تھا اس لئے عزا پرسی سے مجبور رہا۔ صدمہ وفات فرزندان حقیقت میں ایک ایسا صدمہ ہے کہ شاید اس کے برابر دنیا میں اور کوئی صدمہ نہ ہوگا، خصوصا بچوں کی ماؤں کے لئے سخت مصیبت ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو صبر بخشے اور اس کا بدل صاحب عمر عطا کرے۔ اور عزیزی مرزا احمد بیگ کو عمر دراز بخشے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی بات اس کے آگے انہونی نہیں۔ آپ کے دل میں گو اس عاجز کی نسبت کچھ غبار ہو، لیکن خداوند علیم جانتا ہے کہ اس عاجز کا دل بکلی صاف ہے اور خدائے قادر مطلق سے آپ کے لئے خیر و برکت چاہتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کس طریق اور کن لفظوں میں بیان کروں تا کہ

میرے دل کی محبت اور خلوص اور ہمدردی جو آپ کی نسبت مجھ کو ہے، آپ پر ظاہر ہو جائے۔ مسلمانوں کے ہر ایک نزاع کا اخیری فیصلہ قسم پر ہوتا ہے جب ایک مسلمان خدائے تعالیٰ کی قسم کھا جاتا ہے تو دوسرا مسلمان اس کی نسبت فی الفور دل صاف کر لیتا ہے۔ سو ہمیں خدائے تعالیٰ قادر مطلق کی قسم ہے کہ میں اس بات میں بالکل سچا ہوں کہ مجھے خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا تھا کہ آپ کی دختر کلاں کا رشتہ اس عاجز سے ہوگا۔ اگر دوسری جگہ ہوگا تو خدائے تعالیٰ کی تنبیہیں وارد ہوں گی اور آخر اسی جگہ ہوگا کیونکہ آپ میرے عزیز اور پیارے تھے اس لئے میں نے عین خیر خواہی سے آپ کو جتلایا کہ دوسری جگہ اس رشتے کا کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا۔ میں نہایت ظالم تباہ ہوتا جو آپ پر ظاہر نہ کرتا۔ اور میں اب بھی عاجزی اور ادب سے آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ اس رشتہ سے آپ انحراف نہ فرماویں کہ یہ آپ کی لڑکی کے لئے نہایت درجہ موجب برکت ہوگا، اور خدائے تعالیٰ ان برکتوں کا دروازہ کھول دے گا جو آپ کے خیال میں نہیں۔ کوئی غم اور فکر کی بات نہیں ہوگی جیسا کہ یہ اس کا حکم ہے جس کے ہاتھ میں زمین و آسمان کی کنجی ہے۔ تو پھر کیوں اس میں خرابی ہوگی۔ اور آپ کو شاید معلوم ہوگا یا نہیں کہ یہ پیشین گوئی اس عاجز کی ہزار ہا لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہوگا کہ جو اس پیشین گوئی پر اطلاع رکھتا ہے اور ایک جہاں کی اس طرف نظر لگی ہوئی ہے۔ اور ہزاروں پادری شرارت سے نہیں، بلکہ حماقت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلّہ بھاری ہو۔ لیکن یقیناً خدائے تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا اور اپنے دین کی مدد کرے گا۔ میں نے لاہور میں جا کر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیشین گوئی کے ظہور کے لئے بصدق دل دعا کرتے ہیں۔ سو یہ ان کی ہمدردی اور محبت ایمانی کا تقاضا ہے اور یہ عاجز جیسے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ**

ل جب ہی تو ذلّت کی موجب ہوئی ہے۔ ۱۲

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لایا ہے، ویسے ہی خدائے تعالیٰ کے ان الہامات پر جو تواتر سے اس عاجز پر ہوئے، ایمان لاتا ہے۔ اور آپ سے ملتمس ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے لئے معاون بنیں تاکہ خدائے تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ خدائے تعالیٰ سے کوئی بندہ لڑائی نہیں کر سکتا اور جو امر آسمان پر ٹھہر چکا ہے زمین پر وہ ہرگز بدل نہیں سکتا۔ خدائے تعالیٰ آپ کو دین اور دنیا کی برکتیں عطا کرے۔ اور اب آپ کے دل میں وہ بات ڈالے جس کا اس نے آسمان پر سے مجھے الہام کیا۔ آپ کے سب غم دور ہوں اور دین اور دنیا دونوں آپ کو خدائے تعالیٰ عطا فرماوے۔ اگر میرے اس خط میں کوئی نالائم لفظ ہو تو معاف فرمادیں۔ والسلام

خاکسار احقر العباد غلام احمد عفی عنہ ۱۷ جولائی ۱۸۹۲ء

بروز جمعہ (از کلمہ فضل رحمانی)

ان لفظوں سے ظاہر ہے کہ مرزا جی اپنے اغراض نفسانی کو پورا کرنے کے لئے عموماً بقول حافظ شیرازی ؎

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

اسلام اور قرآن ہی کو پیش کیا کرتے ہیں مگر چونکہ خدا اپنے دین کا آپ حامی ہے کسی ایسے ویسے الہامی وغیرہ کی حمایت پر اس کی امداد موقوف نہیں، اس لئے ہمیشہ مرزا جی کو ناکامی ہوتی ہے اور یہ بھی ایک معنی ہے قطع الوتین[1] کے۔ انتہی۔

ناظرین خدارا انصاف! کیا ایسی ہی پیشین گوئی کرنے والے کو مطابق ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ کہ نبی اور رسول بننے کا حق ہے۔ چنانچہ قادیانی صاحب اس اشتہار سے

---

[1] آیت لقطعنا منہ الوتین (اس کی شہ رگ کاٹ دیں گے) کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

پہلے بھی بڑے زور سے لکھ چکے ہیں۔ دیکھو توضیح صفحہ ۱۸ اگ۔

۱......محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔

۲......امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جاتے ہیں۔

۳......رسولوں اور نبیوں کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے۔

۴......مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے۔

۵......وہ بعینہ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔

۶......انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باآواز بلند ظاہر کرے۔

۷......اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جاویں۔ انتہی بعبارتہ۔

امروہی صاحب کیا یہ پیشین گوئیاں اور دعائیں مشتے نمونہ از خروارے آپ کے پیغمبر کی نبوت پر اور آپ کے ایمان پر خاک نہیں ڈالتیں۔ بالفرض اگر پیشین گوئی بھی سچی نکلے اور دعا بھی مستجاب ہو تو کیا فرمانِ ''خاتم النّبیین'' کے برخلاف آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی بھی ہو سکتا ہے؟

سوال: بعد آنحضرت ﷺ کے کوئی نبی یا رسول صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا۔ **کما قال الشیخ الاکبر فی الباب الثالث والسبعین وھذا معنی قولہ ﷺ ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولانبی ای لانبی بعدی یکون علی شرع یخالف شرعی.** الخ۔ اور قادیانی نبوت اور رسالت غیر تشریعیہ کا مدعی ہے۔

جواب: پہلے گذر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے علی کرم اللہ وجہہ کو ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دے کر **الا انہ لانبوۃ بعدی** کے ساتھ نبوت کی نفی کردی مع آنکہ ہارون کی نبوت غیر تشریعی تھی، یعنی موسوی شریعت سے الگ کوئی شرع ان کے پاس نہیں تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے کوئی نبی غیر مشرعی بھی نہیں ہوسکتا۔ رہا شیخ اکبر کا حوالہ سووہ قادیانی کو مضر ہے، مفید نہیں۔ کیونکہ وہ اسی باب میں عیسیٰ ابن مریم بعینہٖ بغیر کسی مثیل کے زندہ بجسدہ العنصری زمین پر اتارتے ہیں۔ دیکھو اسی باب کا صفحہ ۶۔ جس میں لکھتے ہیں۔ **ابقی اللّٰہ بعد رسول اللّٰہ ﷺ من الرسل الا حیاء باجسادھم فی ھذہ الدار الدنیا ثلثة الٰی ان قال وابقی فی الارض ایضاً الیاس وعیسٰی وکلا ھما من المرسلین۔** اور نیز حضرت شیخ گو کے بعد آنحضرت ﷺ کے مقام نبوت کی تحقق کا قول فرماتے ہیں۔ مگر نبی کہلوانے اور کہنے کو جائز نہیں رکھتے۔ چنانچہ اسی باب کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں: **فسددنا باب اطلاق النبوۃ علی ھذا المقام۔** اور نیز فتوحات کے فصل تشہد میں فرماتے ہیں **فانہ لوعطف علیہ سلم علی نفسہ من جھة النبوۃ وھو باب قدسدہ اللّٰہ کما سد باب الرسالة عن کل مخلوق بعد رسول اللّٰہ ﷺ الی یوم القیامة** یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت اور رسالت کا دروازہ سب مخلوق پر بند کیا گیا۔

سوال: قادیانی کی اس قدر مغلظ قسمیں کس طرح جھوٹی سمجھی جاویں۔

جواب: پہلے ملہمین ومحدثین لکھ گئے ہیں کہ کبھی شیطان انسان کے قلب پر بہکانے کے لئے کوئی مضمون خاص ڈالتا ہے اور کبھی امر عام جس سے نتائج عجیبہ وغریبہ نکلواتا ہے۔ جیسا کہ **مانحن فیہ** میں قادیانی صاحب نتائج نکال رہے ہیں۔ **قال الشیخ الاکبر فی الباب الخامس والخمسین وحدث فی ما بینھما فی الانسان شیطان معنوی۔ الخ** کما مرفی صفحہ ۴۱۔ ۴۲ من ھذا الکتاب۔ یعنی شیاطین بعض آدمی کو ایسا مضمون پکڑا دیتے ہیں

جس سے وہ نتائج مہلکہ نکالتا ہے اور اس اغوا شیطانی کی تردید نہیں کرسکتا اور پھر ایسا مشاق ہوجاتا ہے کہ شیطان کو بھی شاگرد بنالیتا ہے۔ **کما قال الشیخ فی هذا الباب و ماعلموا ان الشیاطین فی تلک المسائل تلمیذ لهم یتعلم منهم**۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ سرورِ عالم شہ لولاک و مالک اعطیت علم الاولین والآخرین ﷺ نے تمام امور کو جو قیامت تک ہونے والے ہیں، بطور پیشین گوئی کے بیان فرمایا ہے۔ حذیفۃ بن الیمان کی حدیث صحیحین میں محفوظ ہو۔ چنانچہ اس مدت تیرہ سو برس تک صدہا امور جو احادیث میں مندرج تھے، مطابق ارشاد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام ظہور میں آکر حجت علی المنکرین ہوئے۔ من جملہ ان کے ایک پیشین گوئی یہ بھی ہے جو بروایت مقدام بن معدیکرب ابن ماجہ اور دارمی وابوداؤد میں مذکور ہے۔

ترجمہ حدیث: فرمایا آنحضرت ﷺ نے مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور قرآن کے ساتھ اس کی مثل بھی۔ خبردار ہو! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا (کھاتا پیتا مغرور) شخص اپنے چھپر کٹ پر بیٹھا یہ کہے گا کہ تم صرف قرآن ہی کو لو اور اس میں جو حلال ہو اس کو حلال سمجھو اور جو حرام ہو اس کو حرام خیال کرو۔

تحقیق یہ ہے کہ جس کو رسول اللہ ﷺ حرام فرماتے ہیں وہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ خدا نے اسے حرام کیا ہے۔ یہ پیشین گوئی ۱۳۰۸ھ میں ظاہر ہوئی یعنی مرزا غلام احمد قادیانی نے احادیث کی صحت کا مدار قرآن مجید کو مطابق اجتہاد و استنباط اپنی کے ٹھہرایا۔ یعنی پہلے قرآن کریم کا مطلب حسب مدعی اپنے کے ٹھہرایا جاوے گو کہ نصوص کا انکار و تحریف ہی ہو اور بعد ازاں احادیث کو اگرچہ مع الصحت شہرت بھی رکھتی ہوں، پھینک دیا جاوے گا۔ ہاں اگر حدیث کو بھی پیرایہ تحریف پہنایا جاوے گو کہ صحت ہم ندارد۔ تو البتہ مقبول ہوسکتی ہے۔

قادیانی اور اُس کے تابعین کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی پیشین گوئی

فرمائی ہے جوترجمان غیب تھے۔ **عن ابن عباس قال خطبنا عمر فقال یا ایھا الناس سیکون قوم من ھذہ الامۃ یکذبون بالرجم ویکذبون بالدجّال ویکذبون بطلوع الشمس من مغربھا** الخ۔ ترجمہ۔ کہا ابن عباس نے حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں پیشین گوئی فرمائی کہ اے لوگو اس امت میں سے ایک قوم پیدا ہونے والی ہے جو رجم کی تکذیب کرے گی اور دجّال معہود کا انکار کرے گی اور مغرب کی طرف سے آفتاب کے طلوع ہونے کو باطل کہے گی۔ الخ (ازالۃ الخفاص ۱۸)

نیز آنحضرت ﷺ نے ان تیس کذابوں کے وجود سے اطلاع دی جو کہ اپنے کو خدا کا نبی زعم کریں گے۔ **سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انہ نبی اللّٰہ**، راوی ثوبان، ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ۔ اور نیز ان تیس دجّالوں کے حدوث سے آگاہ فرمایا جو اپنے کو خدا کا رسول ہونا زعم کریں گے۔ **لا تقوم الساعۃ حتی یبعث دجّالون کذابون قریب من ثلثین کلھم یزعم انہ رسول اللّٰہ**۔ (ابوہریرہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم)۔

پس اگر ان پیشین گوئیوں کو بھی خارج میں مطابق کر کے دیکھا جاوے تو مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور حمدان بن قرمط اور محمد بن عبدالوہاب کے بعد یہی قادیانی صاحب ہیں، جنہوں نے اپنے کو نبی سمجھا۔ اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۷۳ میں آیت **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** کے تحت لکھا کہ آنے والے کا نام جو احمد کہا گیا ہے وہ بھی اسی مثیل کی طرف اشارہ ہے اور اشتہار ''معیار الاخیار'' میں شائع کیا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ **قل یاایھاالناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا فھل انتم مسلمون** یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے قادیانی، لوگوں سے یہ کہہ دے کہ میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

علامات ظہور مہدی

ناظرین پر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہوگا کہ امروہی صاحب اپنے اس قول **واشهد ان محمدا خاتم النّبيين لا نبی بعده** میں تب ہی صادق سمجھے جاویں گے جب کہ قادیانی صاحب کو نبوت کے دعویٰ میں کاذب سمجھیں اور مشاہرہ معینہ کی لالچ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو مطلق رزاق جانیں۔

ناظرین کو معلوم ہو کہ قادیانی صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے پر اس حدیث رسول سے استدلال کیا ہے۔ جس میں خسوف اور کسوف رمضان المبارک میں جمع ہونا نزول مسیح کی علامت فرمائی گئی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ میرے دعوے کے ثبوت میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ دیکھو مکتوب عربی صفحہ ۷۷۔ ایسا ہی اس نبی کے مومن امروہی صاحب اپنی کتاب شمس بازغہ صفحہ ۳ سطر ۲۰ پر فرماتے ہیں۔

قوله: مثلاً اجتماع سورج گرہن و چاند گرہن کا ماہ مبارک رمضان شریف میں جو نشان صدق مہدی علیہ السلام کا کتب احادیث میں مندرج تھا جب کہ ۱۳۱۱ھ میں واقع ہوا تو تمام دنیا میں پیشتر وقوع ہی سے اس کا شہرہ ہو گیا تھا۔ ہیئت دانوں اور منجموں نے پیشتر وقوع سے ہی اس کو شائع کر دیا تھا اور بعد ازاں وقوع تو کوئی بستی بھی نہ رہی ہوگی جس میں اس کا چرچا واقع نہ ہوا ہو۔ اب کس کی مجال ہے کہ اس کو مخفی کرے۔

اقول: دارقطنی میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ مہدی موعود کے ظہور کے لئے دو ایسی علامتیں ہیں جو ابتدا پیدائش آسمان و زمین سے کبھی واقع نہیں ہوئیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن ہوگا اور نصف رمضان میں کسوف آفتاب ہوگا۔ **ان للمهدی ایتَین لم تکونا منذ خلق السموات والارض ینکسف القمر فی اول لیلة من رمضان و تنکسف الشمس فی نصف منه۔** لفظ "**فی اول لیلة**

من رمضان'' کا ترجمہ لڑکے بھی جانتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات یعنی پہلی رات رمضان میں خسوف ہوگا اور رمضان کے پندرہویں دن کو کسوف۔ انقلاب زمانہ کی وجہ سے چونکہ ہلال کو بھی قمر کی طرح خسوف عارض ہوگا تو گویا ہلال قمر ہوا لہٰذا اس حدیث میں قمر کا اطلاق بھی پہلی رات کے چاند پر کیا گیا۔ چنانچہ تغیر زمانہ کی وجہ سے قریب قیامت کے ایک دن والے کو بوڑھا کہا جائے گا۔ سو یہ آج تک واقع نہیں ہوا اور نیز یہ نزول مسیح کی علامت نہیں بلکہ یہ ظہور مہدی کی علامت ہے کہ برخلاف عادت زمان اور برخلاف حساب منجمان رمضان کی پہلی تاریخ خسوف ہوگا اور اسی کی پندرہویں کو کسوف ہوگا اور جیسا کہ یہ علامت ظہور مہدی کی وقوع میں نہیں آئی۔ ایسا ہی باقی علامات بھی آج تک ظاہر نہیں ہوئیں۔

۱..... قریب ظہور مہدی کے دریائے فرات کھل جائے گا اور اس میں ایک سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا۔

۲..... آسمان سے ندا ہوگی **الا ان الحق فی ال محمد** ﷺ اے لوگو حق آل محمد ﷺ میں ہے۔

شناخت مہدی کی علامت

۱..... ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کرتہ، تیغ اور علم ہوں گے یہ نشان بعد آنحضرت ﷺ کبھی نہ نکلا ہوگا اس پر لکھا ہوگا **البیعة للّٰہ** بیعت اللہ کے واسطے ہے۔

۲..... امام مہدی کے سر پر ایک بادل سایہ کرے گا اس میں سے ایک پکارنیوالا پکارے گا **ھذہ المھدی خلیفة اللّٰہ فاتبعوہ** یہ مہدی خلیفہ خدا کا ہے اس کا اتباع کرو۔

۳..... ایک سوکھی شاخ خشک زمین میں لگائیں گے، ہری ہو جاوے گی اس میں برگ وبار آوے گا۔

۴..... وہ کعبہ کے خزانہ کو نکال کر تقسیم کر دیں گے۔

۵..... دریا ان کے لئے یوں پھٹ جائے گا جیسا کہ بنی اسرائیل کے لئے پھٹ گیا تھا۔

۶......ان کے پاس تابوت سکینہ ہوگا جسے دیکھ کر یہود ایمان لائیں گے، مگر چند۔

۷......امام مہدی اہل بیت نبوی سے ہوں گے۔ **عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لاتذهب الدنیا ولا تنقضی حتی یملک رجل من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی** (ابوداؤد، ترمذی) دنیا ختم نہ ہوگی جب تک میری اہل بیت سے ایک شخص جس کا نام میرے نام محمد(ﷺ) پر محمد ہوگا، دنیا کا مالک نہ ہوجائے۔ ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے **یواطی اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی** اس کا نام میرے نام پر اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا۔ یعنی محمد بن عبداللہ **المهدی**[1] **من عترتی من ولد فاطمة** (ابوداؤد، حاکم، ابن ماجہ) عن ام سلمہ۔ مہدی میرے کنبہ میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔

۸......ان کا مولد مدینہ طیبہ ہے۔ (رواہ ابونعیم) عن علی کرم اللہ وجہہٗ۔

۹......مہاجر یعنی جگہ ہجرت ان کی بیت المقدس ہوگی۔

۱۰......حلیہ ان کا یہ ہے۔ کہ گندم رنگ، کم گوشت، میانہ قد، کشادہ پیشانی، بلند بینی، کمان ابرو، دونوں ابروں میں فرق، بزرگ اور سیاہ چشم، سرگین آنکھ، دانت روشن اور جدا جدا، دہنے رخسار پر تل سیاہ، چہرہ نورانی ایسا روشن جیسا کوکب دُرّی، ریشِ پُر انبوہ، کشادہ ران، عربی رنگ، اسرائیلی بدن، زبان میں لکنت، جب بات کرنے میں دیر ہوگی تو ران چپ پر

---

[1] قادیانی صاحب اشتہار مذکور میں لکھتے ہیں کہ مہدی موعود کے فاطمی ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اجی حضرت ضرورت تو اس لئے ہوئی کہ مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے۔ آپ فرمائیے کہ مثل بچہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر فرماتے ہیں مہدی موعود بجائے نواسہ ہونے کے آپ کا بیٹا ہونا چاہیے تھا۔ کیوں حضرت! کوئی پیار کوسلی مضمون تو نہیں بلکہ آپ ﷺ کو جیسا بذریعہ وحی معلوم ہوا، اسی طرح بیان فرمایا۔ آپ فرمائیے کہ فاطمی ہونے کی منافات کیا ہے؟ مہدویت، بلکہ تبلیغ واحیاء دین کا زیادہ مستحق اور وارث فاطمی ہی ہے۔ ۱۲ منہ۔

ہاتھ ماریں گے، کف دست میں نبی ﷺ کی نشانی ہوگی۔ یہ سب احادیث مؤلفات نواب محمد صدیق حسن سے لی گئی ہیں۔

ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ پیشین گوئی اور ایسی ہی مسیح موعود والی اور ایسی ہی دجال شخصی کی ان سب میں جو آنحضرت ﷺ نے مفصل طور پر حلیہ کا بیان فرمایا جس میں کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو، گویا یہ پیشین گوئی در پیشین گوئی ہے یعنی غلام احمد قادیانی یا امثال اس کے مسیح موعود ہونے یا مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کریں گے۔ اور بالخصوص غلام احمد قادیانی دجال شخصی کا منکر ہوگا گویا آپ نے پہلے ہی مفصل حلیہ بیان فرما کر ان کی تکذیب پر علامات سمجھا دیئے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر ان خلل اندازوں کا آنحضرت ﷺ کو علم اور اندیشہ نہ ہوتا تو بیان میں اتنے اہتمام کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ضرورت کی وجہ تو یہی ہے کہ یہ مدعیان اور ان کے مؤیدان، جیسے امروہی صاحب

ع — دوز دطمع دیدہ ہوشمند

یا یوں کہو۔

ع — ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

کے مصداق اور اُن جیسے دوسرے حضرات جو حق بین والی آنکھ سے اور صراط مستقیم پر چلنے والے قدم سے محروم ہیں اور عزت اسلام سے سر برہنہ۔ بیت

گنجان ولنگران وکوران وشل — ہر آں جا کہ باشند در آں جا خلل

امت مرحومہ کو دھوکا نہ دے سکیں **فسبحان من جعلہ** ﷺ **حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم** آپ نے کمال خیر خواہی سے یہ بیان تفصیلی فرمایا۔

نزول مسیح ابن مریم کی متعلقہ احادیث

اب ناظرین نزول مسیح بن مریم کی احادیث کو بھی ملاحظہ فرماویں۔

۱...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا اور وہ تم میں نزول فرماویں گے۔ جب ان کو دیکھو تو (اس حلیہ سے) پہچان لو۔ قد درمیانہ، رنگ سرخ وسفید، لباس زردی مائل گویا ان کے سر سے باوجود تر نہ کرنے کے پانی ٹپکتا ہوگا۔ وہ دین اسلام کے لئے لوگوں سے جنگ وقتال کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ خدائے تعالیٰ ان کے زمانہ میں تمام مذاہب کو محو کر دے گا۔ صرف اسلام باقی رہے گا۔ وہ دجال کو ہلاک کریں گے اور زمین پر چالیس سال تک قیام فرمائیں گے اور پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

۲...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی اور قیامت تک غالب رہے گی۔ پس عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اتریں گے، تو امیر جماعت کہے گا۔ آیئے نماز پڑھایئے۔ وہ فرمائیں گے۔ نہیں! تم ایک دوسرے کے امام ہو خدا نے اس امت کو یہ بزرگی دی ہے کہ پیغمبر بنی اسرائیل اُمتِ محمدی کے پیچھے اقتداء کریں گے۔ مسلم کی یہ حدیث جو بروایت جابر ہے، واضح طور پر بیان کرتی ہے، مسلم کی دوسری حدیث کو جو بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ **کیف اذ انزل فیکم ابن مریم وامامکم منکم** یعنی **وامامکم منکم** سے دوسرا شخص عیسیٰ بن مریم کا مغائر مراد ہے، نہ جیسا کہ مرزا جی نے اپنے مطلب کے لئے **وھو امامکم** نکال کر امام بھی وہی ابن مریم یعنی مثیل ابن مریم ٹھہرایا ہے۔

۳...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں شب معراج میں ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ سے ملا

قیامت کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ فیصلہ حضرت ابراہیم کے سپرد ہوا، انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ پر بات ڈالی گئی انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ پر اس کا تصفیہ رکھا گیا انہوں نے کہا قیامت کے وقت کی خبر تو خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ ہاں خدائے تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجّال نکلے گا اور میرے ہاتھ میں شمشیر برندہ ہوگی جب وہ مجھے دیکھے گا تو پگھلنے لگے گا جیسے رانگ پگھل جاتا ہے۔

ناظرین! ذرا مرزا جی سے پوچھیں کہ کیا شب معراج میں آپ ہی تھے اور اگر آپ کے عیسیٰ بن مریم نے نزول بروزی بصورت قادیانی سے خبر دی تو آنحضرت ﷺ نے اپنے نزول بروزی بصورت قادیانی سے، جیسا کہ آپ کا مزعوم ہے کیوں نہ خبر دی۔

۴...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ مجھے خدا پاک کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بیشک قریب ہے کہ ابن مریم تم میں حاکم عادل ہو کر اتریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو اٹھائیں گے، مال کی کثرت ہو جائے گی اور زر و مال کو کوئی قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ تمام دنیا اور دنیا بھر کے مال و متاع سے ایک سجدہ کرنا اچھا معلوم ہوگا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے اگر تم ارشاد نبوی ﷺ کے ساتھ قرآن سے دلیل چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ** (النساء:۱۵۹)

۵...... عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال قیام فرماویں گے اگر وہ پتھریلی زمین سے کہہ دیں کہ شہد ہو کر بہہ جا وہ بہہ چلے۔ پہلی حدیث ابوداؤد، دوسری مسلم، تیسری مسند احمد، چوتھی بخاری، پانچویں مسند کی ہے اور مختلف صحابہ سے مروی ہیں امام شوکانی نے کتاب التوضیح میں ان احادیث کو متواتر کہا ہے۔

خصوصیات زمانہ نزول مسیح علیہ السلام

۱......ان کے زمانہ میں جزیہ نہ لیا جائے گا کیونکہ مال کی مسلمانوں کو کچھ ضرورت نہ ہوگی۔
آج کے عیسیٰ بننے والے خود ہی چندہ کے (کبھی تو بحیلہ منارہ اور کبھی بہ بہانہ تصنیف اور کبھی بذریعہ مسافرنوازی) محتاج ہیں۔

۲...... مسلمان اپنے مال کی زکوۃ نکالے گا اور اسے زکوۃ لینے والا کوئی نہ ملے گا۔ سب متمول اور تونگر ہوں گے۔ آج دنیا کی تمام اقوام میں سب سے زیادہ مفلس اور غریب مسلمان ہیں۔ زکوۃ دہندگان نہایت ہی قلیل ہیں۔

۳......آپس کے بغض اور عداوتیں جاتی رہیں گی۔ سب میں اتحاد اور محبت قائم ہو جائے گی۔

۴...... ہر زہریلے جانور کا زہر جاتا رہے گا۔ وحوش میں سے درندگی نکل جائے گی۔ آدمی کے بچے سانپ بچھو سے کھیلیں گے، ان کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔ بھیڑیا بکری کے ساتھ چرے گا۔

۵......زمین صلح سے بھر جاوے گی۔

۶......زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل پیدا کر۔ اور اپنی برکت لوٹا دے۔ اس دن ایک انار کو ایک گروہ کھائے گا۔ اور انار کے چھلکے کو بنگلہ سا بنا کر اس کے سایہ میں بیٹھیں گے۔ دودھ میں برکت ہوگی یہاں تک کہ ایک دودھار اونٹنی آدمیوں کے بڑے گروہ کو، دودھار گائے ایک برادری کے لوگوں کو اور دودھار بکری ایک جدی شخصوں کو کفایت کرے گی۔

۷......گھوڑے سستے بکیں گے کیونکہ لڑائی نہ رہے گی۔ بیل گراں قیمت ہو جاویں گے کیونکہ تمام زمین کاشت کی جائے گی۔

سیرت مسیح علیہ السلام

۱......عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق میں مسلمانوں کے ساتھ نماز عصر پڑھیں گے۔ پھر اہل دمشق کو ساتھ لے کر طلب دجال میں نہایت سکینہ سے چلیں گے۔ زمین ان کے لئے

سمٹ جاوے گی۔ ان کی نظر قلعوں کے اندر گاؤں کے اندر تک اثر کر جاوے گی۔

۲......جس کافر کو ان کے سانس کا اثر پہنچے گا وہ فوراً مر جائے گا۔

۳......یہ بیت المقدس کو بند پاویں گے۔ دجّال نے اس کا محاصرہ کر لیا ہوگا۔ اس وقت نماز صبح کا وقت ہوگا۔

۴......ان کے وقت میں یاجوج ماجوج خروج کریں گے۔ تمام خشکی وتری پر پھیل جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ مسلمانوں کو کوہ طور پر لیجاویں گے۔

۵......یہ روضۂ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدفون ہوں گے مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

۶......دجال کو باب لُد پر قتل کریں گے۔ اس کا خون اپنے نیزہ پر لوگوں کو دکھلائیں گے۔

امروہی صاحب! دعویٰ کرنا تو آسان ہے مگر ثبوت دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

ناظرین کو بعد ملاحظہ مضامین احادیث صحیحہ مذکورہ بالا کے کالشمس فی نصف النہار واضح ہو چکا ہے کہ مسیح موعود وہی مسیح بن مریم ہے نہ مثیل اس کا۔ بعد اس قطعی المراد ہونے اس نبی اللہ کے احادیث نزول سے غلام احمد قادیانی وغیرہ ہرگز مراد نہیں ہو سکتے۔ اب کسی فقرہ احادیث میں اگر مجاز وتشبیہ واستعارہ بھی ہو، تو وہ دلیل اس پر نہیں ہو سکتی کہ عیسیٰ بن مریم کے لفظ سے مجاز وغیرہ کے طور پر قادیانی لیا جاوے، کیونکہ یہاں پر قرینہ صارفہ قطعیۃ الدلالۃ موجود ہے۔ مرزا صاحب کا اجتماع کسوف وخسوف کو جو مہدی کے ظہور کے علامات میں سے ہیں اور ابھی تک وقوع میں نہیں آیا۔ کمامر۔ اپنے مسیح موعود ہونے کے لئے دلیل ٹھہرانا مبنی ہے اس پر کہ ان کے نزدیک مسیح موعود اور مہدی موعود ایک ہی شخص ہے۔ اور اوپر احادیث صحیحہ سے واضح ہو چکا ہے کہ مسیح موعود تو ابن مریم، خدا کا نبی ہے۔ جس کے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ اور مہدی اہل بیت نبوی سے ہوگا۔ مرزا صاحب بمع

اتباع کے **لا مهدی الاعیسی** کے ساتھ متمسک ہیں، مگر یہ استدلال بالکل ضعیف اور **اوهن من بیت العنکبوت** ہے کیونکہ

۱......اول تو یہ حدیث علامہ زرقانی نے مردود ٹھہرائی ہے۔

۲......دوئم یہ کہ اس کو ابن ماجہ نے اخراج کیا ہے حالانکہ خود ابن ماجہ ابی امامہ کی حدیث میں تصریح فرمارہے ہیں کہ عیسیٰ کے نزول کے وقت بیت المقدس میں ایک رجل صالح نماز کی جماعت کرا رہا ہوگا کہ اتنے میں عیسیٰ کا نزول ہوگا اور وہ امام پچھلے پاؤں ہٹنا چاہے گا تا کہ عیسیٰ آگے بڑھے۔ اور یہی مضمون ہے امام بخاری کی حدیث کا جو بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے۔

۳......سوئم بعد تسلیم صحت کے چونکہ یہ فقرہ ٹکڑا ہے حدیث طویل کا، جو انقلاب وتغیر زمانہ کے بارے میں فرمائی گئی۔ اور ماقبل اس کے **ولن تقوم الساعة الاعلی شرار الناس** (ترجمہ: ہرگز قیامت قائم نہ ہوگی مگر اوپر شریروں کے) موجود ہے۔ لہٰذا سیاق وسباق کے لحاظ سے معنی یہ ہوا کہ اور کوئی ہدایت یافتہ نہ ہوگا بغیر عیسیٰ کے۔ یعنی قیامت کے قریب بغیر عیسیٰ بن مریم اور اتباع اس کے سب شریر ہوں گے۔ لفظ **شرار** کا جو جمع ہے شریر کی۔ صاف بتلا رہا ہے کہ مہدی سے مراد معنی وصفی یعنی ہدایت یافتہ ہے نہ علمی۔

قوله: صفحہ ۴۔ یا مثلاً حلیہ مسیح موعود جو احادیث میں آیا تھا، بذریعہ ہزار ہا رسائل و اشتہارات کے ایک عالم میں شائع ہو چکا حتی کہ فوٹو گرافروں نے اس کا عکس کھینچ کر ایک دنیا میں شائع کر دیا۔ اب یہ حلیہ کوئی پوشیدہ کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اقول: حلیہ مسیح موعود مع سائر خصوصیات کے جو بغیر اس نبی اللہ کے کسی پر منطبق نہیں ہوسکتا۔ بذریعہ بہتیری کتب مصنفہ اہل تحقیق کے جو آج تک محدثین میں متداول ہیں، شائع ہو چکا، برخلاف اس کے اگر کوئی فوٹو گرافروں سے تصویر کھنچوائے تو اس سے مسیح موعود نہیں ہوسکتا۔ ہاں بسبب تحلیل ماحرمہ اللہ ورسول کے ملعونیت کا تمغہ حاصل ہوسکتا ہے۔

قولہ: صفحہ ۴۔ اس جگہ پر ہم تصویر کے جواز یا عدم جواز میں کچھ گفتگو نہیں کرتے۔ ہاں مخالفین کو اس قدر متنبہ کئے دیتے ہیں کہ یہ تو سب کو معلوم ہوگا کہ تصویر کی حرمت حرمت لغیرہ ہے، حرمت لذاتہ نہیں۔ جیسا کہ بت خانہ میں جانا بحرمت لغیرہ حرام ہے۔ بت پرست جو بت خانہ میں بت پرستی کے لیے جاتا ہے اس کو بت خانہ میں جانا بھی حرام ہے لیکن بت شکن کو بھی بت خانہ میں جانے کی ضرورت پڑتی ہے مگر اس کو بت خانہ میں جانا بڑا ثواب ہے

ع　　　　ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

ونعم ما قیل

احمد و بوجہل در بت خانہ رفت　　　درمیانِ این و آں فرقیست زفت

اقول: الحمد للہ　ع　　عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

آپ نے مرزا صاحب کے عکس کھینچنے کو جب حرام ٹھہرا کر گو کہ لغیرہ سہی بت خانہ میں جانے کے ساتھ تشبیہ دی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جیسا کہ بت خانہ میں جانا بت شکنی کے لئے جائز اور بت پرستی یعنی بتوں کی تعظیم کرنے کے لئے حرام۔ ایسا ہی مرزا صاحب کی تصویر کی طرف جانا تصویر شکنی کے لئے جائز اور تصویر پرستی یعنی اس کی تعظیم کرنے کے لئے حرام ہوگا اور ظاہر ہے[۱] کہ تصویر کا بنانا اور اس کا رکھنا تعظیم اور برکت جوئی کے لئے ہے نہ اس کے توڑنے اور تحقیر کے لئے۔

آذر و بوجہل در بت خانہ رفت　　ہر یکے را قصد بد آں بت پرست

بت تراشی آذر از تعظیم بود　　سجدۂ بوجہل از تکریم بود

مولانا روم صاحب کا شعر یہاں پر بے موقعہ تھا!

ع　　　　ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

---

[۱] یعنی جن لوگوں کو جن سے عقیدت ہوتی ہے اُن کی تصویر عموماً بغرض تعظیم وتبرک رکھتے ہیں اور شرعاً تصویر کی تعظیم اور اسے متبرک سمجھنا حرام ہے۔۱۲

قولہ: صفحہ ۱۴۰ یا مثلاً قادیان کا جانب شرقی دمشق ہونا جو علم جغرافیہ سے ہم نے ثابت کر دیا ہے وہ تمام نقش جات میں لکھا ہوا ہے۔ کیا اب اس کو کوئی رد کر سکتا ہے؟ کلا و حاشا وغیرہ وغیرہ۔

اقول: شرقی دمشق چونکہ نواس بن سمعان والی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ اور مرزا جی اس حدیث کی نسبت لکھ چکے ہیں کہ اس کے مضامین عقل، شرع، توحید کے خلاف ہیں، لہٰذا مرزا صاحب کا استدلال اس حدیث سے اور آپ کی جانفشانی جس پر لڑکے بھی ہنسی اڑا رہے ہیں، عقل، شرع، توحید کے خلاف ہوگا۔ دوسرا جب کہا جاوے۔ شرقی دہلی یا شرقی لاہور تو دہلی یا لاہور کے مضافات قریبہ سے کوئی جگہ جو جانب شرق میں واقع ہو، مراد ہوتی ہے نہ یہ کہ ہزارہا کوس کے فاصلہ پر جو کہ شرق میں واقع ہو وہ مراد لی جاوے۔ ولنعم ما قیل۔

چہ عذرہائے موجہ زبہر خود گفتی ‎ ‎ بخش لعاب دہانت کہ قند میخائی

تمام عرصہ قیامت مگس فرو گیرد ‎ ‎ اگر چنیں بہ قیامت شکر فروش آئی

نیز دمشق سے اگر خط مستقیم سیدھا جانب شرق کو کھینچا جائے تو لاہور بلکہ جموں وغیرہ بھی راستہ میں نہیں پڑتا۔ دیکھو نقشہ ایشیا مرتبہ و مروجہ مدارس سرکاری۔ دمشق سے جانب شرق اگر ایک خط مستقیم کھینچا جائے تو حسب ذیل مشہور مقامات سے عبور کرے گا۔ تبریز، بحیرہ خرز یا جیل، شمالی حصہ ترکستان، سلسلہ کوہ الطائی، صحرائے منگولیا، صوبہ منچوریا۔ اب آپ اگر چشم حق بین کو کھول کر بنظر انصاف ملاحظہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ خط مذکور قادیان سے بجانب شمال ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلہ پر گزرتا ہے۔ پس مرزا صاحب کو تو اس کی ہوا کا پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ اب انصاف فرمائیے کہ کیا حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول آپ کے دعویٰ کی پوری دلیل نہیں ہے؟

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی ‎ ‎ کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

خط سیدھا عرفی طور پر چھوڑ دو اور کرویۃ الارض کا لحاظ کرو تو بھی دمشق اور قادیان ایک محاذات میں واقع نہیں ہوتے بلکہ قادیان سے بجانب شمال عبور کرے گا۔

شمس الہدایت پر قادیانی کے اعتراضات اوران کے جوابات

قولہ: صفحہ ۵۔معہذا منکرین کے لئے کوئی دلیل تکذیب وانکار کی بھی نہیں مل سکتی۔ہاں صرف یہ بہانہ ہے کہ مجاز وتشبیہ واستعارہ کو ہم نہیں مانتے اوراس کو فقط ظاہر ہی پر محمول کرنا چاہتے ہیں،مگر یہ طریقہ انکار انہوں نے ایسا قبیح اختیار کیا ہے، جو مخالف ہے تمام محاورات کتب آسمانی اور محاورات قرآن مجید وسنن صحیحہ کے، بلکہ محاورات کل السنہ مروجہ دنیا کے بھی خلاف ہے۔الخ۔

اقول: اوپر معلوم ہو چکا ہے اور علمائے کرام بواسطہ رسائل واشتہارات آپ کی جماعت کو بچوں کی طرح سمجھا چکے ہیں کہ قرینہ صارفہ چونکہ حقیقی معنی کے لینے سے بھی مانع ہوتا ہے،تو مجازی کس طرح عند قیام القرینۃ الصارفہ مراد ہوسکتا ہے۔احادیث نزول میں چونکہ مسیح ابن مریم کا متعین المراد ہونا بشہادت سیاق وسباق وخصوصیات زمان مسیح اظہر من الشمس ہے۔ اوراسی لئے اہل اجماع آج تک احادیث نزول سے وہی مسیح بن مریم ہی سمجھتے چلے آئے ہیں۔تو غلام احمد قادیانی، عیسیٰ بن مریم سے مجازاً کس طرح مراد ہوسکتا ہے۔آپ ہی اگر مرزاجی کی طرح **یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ**۔(الصف۔۶)یادمشقی حدیث کا مجازی طور پر مصداق بنیں تو بغیر از قاعدہ مقررہ مذکورہ بالا کون روک سکتا ہے۔اب تو آپ کی جماعت میں سے سمجھدار لوگ تائب ہو کر مرزاجی اورآپ کے وجوہ استنباط پر تبرّے بولتے ہیں۔ آپ خواہ بذریعہ اخبار الشرار یا اشتہار یا تصنیفات کے،خلاف واقعہ اپنے نئے پنتھ کی ترقی شائع کریں۔مگر مچھر اور مکھی اپنے پروں سے آفتاب کو چھپا نہیں سکتی۔ہاں صرف اسی پر پوشیدہ ہو جاوے تو ہو جاوے۔ولنعم ما قیل شعر

و اذا رامت الذبابة للشمس　　　غطاء امدت علیها جناحا

ترجمہ: جب مکھی سورج کو چھپانا چاہتی ہے تو اس کے سامنے دو پر پھیلا دیتی ہے۔

قولہ: صفحہ ۷۔ مگر جب یہ خاکسار وطن امروہہ سے اواخر مئی ۱۹۰۰ء میں بمقام قادیان پہنچا تو بعض ان احباب کی زبانی جو حضرت مہر علی شاہ صاحب سے عقد دوستی کو توڑ کر داخل سلسلۂ الٰہیہ مسیح موعود و مہدی موعود ہوئے ہیں۔ سنا کہ ایک رسالہ ''شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح'' تالیف ہوا ہے۔ اور پنجاب میں اس کا بڑا شور وغل ہو رہا ہے۔ جب دریافت کیا کہ وہ رسالہ کہاں ہے؟ تو قادیان میں کہیں اس کا پتہ نہ ملا۔ اور کیونکر مل سکتا ہے کہ یہاں پر تو وہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے جس کے سامنے نام کے نہ کام کے تمام آفتاب کسوف میں آ گئے ہیں۔ یہ تو نام کا ہی شمس ہے، نہ کام کا۔ اور قادیان میں کیونکر طلوع ہو سکتا ہے۔ شعر

افلت شموس الاولین و شمسنا ابدا علی افق العلی لا تغرب

اقول: آپ کا قادیان سے جانا جس طرح اظہر من الشمس ہے کہ دراہم معدودہ کی وجہ سے ناراض ہو کر جانا ہوا تھا اسی طرح پھر آنا آپ کا انہیں دراہم معدودہ کے لئے ہوا۔ اس سے امروہہ، قادیان، بٹالہ کے لوگ بخوبی واقف ہیں۔ بعض احباب جن کی زبانی آپ نے سنا تھا۔ ان کا عقد دوستی اس عاجز کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسے آپ کا مرزا جی سے یعنی دنیا کے لئے۔ چنانچہ آج تک سردار محمد ابراہیم خان صاحب کابلی سے وہ سلسلہ جو بذریعہ اس خاکسار کے ہوا تھا، موجود ہے۔ ''شمس الہدایت'' اسم با مسمّٰی سب رسائل مؤلفہ سے جداگانہ طور پر ممتاز ہے۔ کیوں نہ ہو علاوہ تحقیقات علمیہ کے خیر و برکت بھی ساتھ ہی رکھتا ہے، جس کی روشنی اور نور سے ہزار ہا گم گشتگان وادیٔ مرزائیت صراط مستقیم پر آئے۔ یہ وہ عصائے موسیٰ ہے جس نے تمہارے تیس سال کے سحروں اور شعبدہ بازیوں کو دفعۃً ہی نگل لیا۔ مخلصی عبدالجبار کاپی نویس یعنی اخبار نویس چودھویں صدی کو معلوم ہے کہ مصنف عفااللہ عنہ تھوڑے دنوں میں اوقات فاضلہ یعنی ۹ اور ۱۲ بجے کے مابین دو یا اڑھائی گھنٹے یا کم و بیش میں

روزمرہ کاپی نویس کو حسب الطلب مضامین دیتا رہا۔ اس رسالہ کو آٹھ نو برس کی محنت خیال کرنا، جیسا کہ آپ لکھتے ہیں۔ اور آپ کی جماعت کا مزعوم ہے، بالکل خلاف واقعہ اور آپ لوگوں کی بزدلی یا یوں کہو کہ کم لیاقتی کی دلیل ہے۔ اس رسالہ کو آخر رمضان میں مطبع سے نکلتے ہی جناب مولوی محمد غازی صاحب نے سب سے اول قادیان میں مرزا صاحب کے پاس بھیج دیا تھا جس کی رسید کی خبر پختہ مرزا جی کے ایک مرید ساکن راولپنڈی سے بعد از عید رمضان گولڑہ میں پہنچی۔ اس نے بیان کیا کہ میں قادیان سے عید کے بعد روانہ ہوا ہوں اور میرے سامنے مرزا جی کو بذریعہ ڈاک ایک کتاب ملی تھی۔ جس کا نام ''شمس الہدایت'' تھا۔ حاضرین مجلس مرزا جی سے اس کتاب کے بارے میں پوچھتے تھے مگر مرزا جی اس وقت متفکر ہو رہے تھے۔ میں کہتا ہوں گویا اس وقت اس شعر کا ظہور ہو رہا تھا۔ شعر

افلت شموس القادیان و شمسنا　　　ابدا علی افق العلی لا تغرب

ترجمہ: قادیان کا سورج ڈوب گیا لیکن ہمارا سورج کبھی غروب نہ ہوگا۔

شمس الہدایت میں پہلے ہی امتحاناً کلمہ طیبہ کا معنی استفسار کیا گیا ہے اعتراض کی صورت میں۔ اور پھر جو جو جوابات سلف نے فرمائے تھے ان پر بھی اعتراض کیا گیا ہے **تشحیذ الاذھان**۔ اصل اعتراض اور شیخ اکبر قدس سرہ یا علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی تردید صرف مرزا صاحب کے فضلاؤں کی علمی لیاقت دیکھنے کے لئے تھی۔ طلبا کو بھی جواب اصل اعتراض کا اور ایسے ہی تردید الجوابین کا جواب بعون اللہ وقوتہ واحسانہ سمجھایا گیا ہے۔ ہم حلفی طور پر بلاتعصب شہادت دیتے ہیں کہ امروہی صاحب نے جو جواب لکھا ہے وہ بالکل مادۂ اعتراض کی قلع وقمع نہیں کرتا صرف امتناع تعدد فی الوجوب پر علامہ رازی و شارح مواقف وغیرہ کے دلائل کا ترجمہ لکھا ہے۔ ہاں بیشک ایک دو فقرہ ایسے بھی جن کو دفع اعتراض میں واقعی دخل ہے، ''تحقیق الحق'' سے چرا کر طوطی کی طرح لکھ دیئے ہیں مگر وہ بھی

ناتمام۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ اس کے بعض احباب کالذباب نے ہماری کتاب مسمّی بہ ’’تحقیق الحق‘‘ جو قبل ازیں جواب میں اسی اعتراض وغیرہ کے لکھی گئی تھی، امروہی صاحب کو پہنچائی۔ باوجود اس کے پھر بھی جواب میں ناکامیاب ہی رہے۔ سال بھر ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔ مگر بقول سعدی علیہ الرحمۃ ؎

چو گاوے کے اعصار چشمش بہ بست ۔۔۔ دواں تابشب شب ہمانجا کہ ہست

جہاں تھے وہاں ہی رہے۔ شیخ اکبر اور علامہ تفتازانی کے جواب کی تشریح بھی نہ کی، جواب ان کی طرف سے دینا تو درکنار رہا۔ امروہی صاحب صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں۔ کہ مختصر سا جواب اکثر تو بطور معارضہ بالقلب وغیرہ کے اندر میعاد بارہ تیرہ روز کے تحریر کیا گیا تھا۔ بھلا صاحب مولوی نورالدین صاحب کے شاگرد رنگ آبادی وغیرہ حضار قادیان موجود تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ نے کئی دفعہ جواب لکھ کر پھاڑ ڈالا۔ اور رات دن ’’شمس الہدایت‘‘ کے مطالعہ میں مبہوت تھے۔ اور آپ کو یاد ہوگا کہ مطالعہ میں جس وقت کچھ نہیں بن پڑتی تھی تو کہتے تھے کہ ارے ظالم کیا غضب کیا؟ دریا کو کوزہ میں بھر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر بارہ تیرہ روز لکھنا کیسا ناپاک جھوٹ ہے۔

ایہا الناظرون! محرر سطور کو اس تحریر میں اس کے صرف چند جہالات کو جو متعلق جواب کے ہیں، ظاہر کرنا منظور ہے۔ ورنہ کوئی فقرہ اس کا علاوہ بطلان مضمون کے مخالفت مصطلحات علوم آلیہ سے خالی نہیں اور یہ بھی ناظرین کو معلوم ہو کہ ہم امروہی کی لافوں کی طرف جن سے اس کی کتاب کے صفحوں کے صفحے بھرے ہوئے ہیں متوجہ ہو کر تضیع اوقات نہ کریں گے بلکہ **من حسن اسلام المرء ترک ما لایعنیہ** کے مطابق ہمارا مختصر سا مضمون اس کے صفحات لاف آمودہ کا جواب ہوگا۔ غرض تو صرف اسی قدر ہے کہ امروہی صاحب کا فخر وناز وسرور، ان اغلوطات پر جو اس نے لکھے ہیں جاتا رہے۔ ہاں بعض جگہ

مطاعن آمودہ اشعار وفقرات اس کے بالقلب اسی پر وارد کئے جائیں گے۔ شعر

اشد الغم عندی فی السرور   تیقن عنه صاحبه انتقالاً

قوله: صفحہ۹۔ پھر آپ کا شمس الہدایت کیونکر اب طلوع ہوسکتا ہے مگر جب سورج ہدایت کا غروب ہوجاتا ہے تو پھر بعد انقضائے لیل بدعت کے شمس مجدد کا طلوع کیا کرتا ہے۔

اقول: شمس الہدایت کے غروب اور لیل بدعت کے زمانہ میں جب جھوٹے نبی اور محرف مفسر پیدا ہوئے تو پھر حسب قول آپ کے شمس مجدد یعنی علماء اسلام اور ان کی تصنیفات کا طلوع ہونا ضروری تھا۔ انہی علماء حدیث مجدد دین وقت کے بارہ میں شیخ اکبر فتوحات کے تین سو بارہویں باب میں فرماتے ہیں۔ **وما فاز ابهذه الرتبة و يحشر يوم القيامة مع الرسل الا المحد ثون الذين يرؤن الاحاديث بالاسانيد المتصلة بالرسول** علیہ السلام **فی كل امة فلهم حظ فی الرسالة وهم نقلة الوحی وهم ورثة الانبياء۔** الخ یہ سب کچھ تو محدثین بنے۔ تو پھر آپ لوگ کیا ٹھہرے فتدبر۔[1]

قوله: صفحہ۲۲ کے الفاظ مشہورہ **کنت سمعه** کی بھی صحت لفظی نہیں کرسکے۔

اقول: ذرا صحیح بخاری ہی کے شروع کو کھول کر دیکھو۔ کیا **بی یسمع** کی روایت موجود نہیں؟ کاش اگر آپ کو فتوح الغیب سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ عنہ بھی زیر نظر ہوتی تو بے جا مواخذہ نہ فرماتے۔ دیکھو فتوح الغیب صفحہ۳۱ سطر۳۔ **وفی لفظ آخر فبی يسمع وبی يبصر وبی يبطش وبی يعقل۔** بلکہ **بی يسمع** کی روایت تو فحول شریعت وطریقت کی کلاموں میں بہت شہرت پذیر ہے، مگر آپ کی بلا جانے۔ دیکھو صحائف السلوک میں صفحہ۱۳۹ پر مستغرق بحر شہود حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ لکھتے ہیں۔ اے دوست او راجز

---

[1] یعنی احادیث صحیحہ کو باسند روایت کرنے والے محدثین حضرات کو یہ شان وشرف حاصل ہوا کہ وہ ناقلین وحی اور وارث انبیاء علیہم السلام ہوئے ان کا حشر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوگا۔

بدونتواں دیدونتواں شناخت لاتحمل عطایاہم الامطایاہم زیراچہ بارستتم جز رخش رستم نکشد بی یسمع وبی یبصر وبی یبطش الخ بیت

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

قولہ: صفحہ ۲۲۔ اور آپ نے کون کون سے گروہ اہل اللہ مشاہیر یا مستورین کو دیکھا۔ الی ان قال۔ ہم نے جس گدی نشین کو دیکھا شرک وبدعت ومحرمات ومنہیات شرعیہ میں مبتلا دیکھا۔

اقول: صرف علم ظاہری ہی کی وجہ سے ایسے شہبازوں کا پہچاننا مشکل ہے، خصوصاً جب علمی لیاقت کا بھی یہ حال ہو، جو ناظرین پر ظاہر ہورہا ہے۔ بے بصیرت باطن بباصرۂ ظاہر جمال ایں شاہد نتواں دید۔ سچ ہے۔

ع مجوب راز ہیچ چراغے نصیب نیست

فَاِنَّهَا لَاتَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (حج:۴۶)۔

کسی صاحب دل سے سرمہ لے کر بصیرت کی آنکھ میں ڈالیں شاید بینا ہوجائیں۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ** آپ کا ہر ایک کو مشرک مبتدع دیکھنا یہ بھی بجا ہے۔

رباعی

نظارگیاں روئے خویش چوں در نگر نداز کرانہا

در روئے او روئے خویش بینند زیں جاست تفاوت نشانہا

ولنعم ما قیل

اگر بر وصلت لیلیٰ بخاطر رغبتے داری

چومجنوں فرد باید شد ہم از خویش وہم از خویشاں

آپ قادیان میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کی تحریف میں مشغول ہوکر اہل اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

ع ہم پستہ خوری بتاؤ ہم نائی زنی

ترجمہ: یعنی پستہ بھی کھاتا ہے اور بانسری بھی بجاتا ہے دونوں کام اکٹھے ممکن نہیں۔

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ۔ بیت

تو کہ آگاہ نۂ حالت درویشاں را
توچہ دانی کہ چہ سودا وسراست ایشاں را

نعوذ[1] باللّٰہ من اناس
تشیخوا قبل ان یشیخوا
استوطنوا القادیان طمعاً
فاحذرھم انھم فخوخُ

قولہ: سلمنا کہ آپ نے گروہ اہل اللہ کو بھی دیکھا ہے مگر مہدی معہود اور مسیح موعود امام آخرالزماں کو تو نہیں دیکھا تھا جس کے شان کی عظمت احادیث صحیحہ میں بڑے اہتمام سے بیان کی گی ہے۔

اقول: نسلم جس مسیح اور مہدی کی عظمت شان احادیث صحیحہ میں بڑے اہتمام سے بیان کی گئی ہے۔ جب وہ تشریف لاویں گے تو بحسب ان ہدایات اور علامات وخصوصیات کے جن کو سرور عالم ﷺ نے قادیانی دھوکہ سے بچنے کے لئے بوضاحت تامہ فرمادیا تھا ان کو پہچان کر ان کے ساتھ ہو جائیں گے مگر اس وقت دجّال قادیانی اور اس کے انصار کا برا حال ہوگا۔

قولہ: صفحہ ۲۲۔ اور اب آسمان وزمین اس کی بعثت من اللہ ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔

اقول: آپ مرزا کا تمسخر تو نہیں اڑا رہے؟ اگر زمین وآسمان کی وہ شہادتیں جو آج کل

---

[1] ایسے لوگوں سے خدا کی پناہ! جنہوں نے شیخ بن جانے سے قبل شیخ بن جانے کا دعویٰ کیا اور قادیان میں لالچ کے مارے پڑے ہیں۔ ان لالچی چوزوں سے احتراز کرنا چاہیے۔۱۲

عالم کی چشم دید و گوش شنید ہو رہی ہیں، انکا ذکر ہے۔تو اہل اسلام کے چشم خنک و دل شاد۔ اس سے بڑھ کر مرزاجی کی تکذیب کے لئے اور کیا چاہیے۔

قولہ: صفحہ۲۲۔ یاد کرو اجتماع کسوف و خسوف کو جو ماہ مبارک رمضان شریف ۱۳۱۱ھ میں واقع ہوا۔ اور اس کا چرچا تمام دنیا میں مشتہر ہوا۔ اور نیز یاد کرو الہام در بارہ لیکھرام جس کا ذکر حدیثوں میں بھی موجود ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور مستورین یا مستورات کا ذکر ایسی بحث میں بالکل بے محل ہے۔

اقول: خسوف پیشین گوئی کے مطابق نہیں ہوا جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں۔ لیکھرام والی پیشین گوئی بھی پہلے ذکر کی گئی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر آپ مستورات کا ذکر بے محل سمجھتے ہیں۔ کیا منکوحہ آسمانی کا ذکر خیر بھی تم کو نامناسب ہے؟۔

قولہ: صفحہ۲۲۔ یہاں پر اس شخص کا ذکر کرنا چاہیے جو مصداق ہو پیشین گوئی مندرجہ **لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ** کا جس کی ایک شان خاص علی منہاج النبوۃ واقع ہوئی ہے۔

اقول: یہی فقرہ آپ کا ''جس کی شان خاص علی منہاج النبوۃ واقع ہوئی ہے''۔ صاف بتلا رہا ہے کہ آپ کی شہادت خطبہ میں **واشهد ان محمداً خاتم النّبيين** صرف زبان ہی سے تھی۔ ہر چند کہ آپ عوام میں سرخروئی کے لئے اہل اسلام کا کلام زبان پر لاتے ہیں مگر پھر بھی بحسب **کل اناء يترشح بمافيه** کے راز ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اور تاڑنے والے تو پہلے ہی تاڑ چکے ہیں کہ آپ چندہ کے روپیہ کے مستحق بھی انہیں شہادات علی نبوۃ قادیانی کی وجہ سے ہیں۔ نبوت بھی ایسی ارزاں اور عام جو دوسرے علماء میں مجازاً بھی موجود نہ ہو، بلکہ شان خاص کے ساتھ بعد خاتم النّبیین ﷺ کے قادیانی کی دکان میں ملتی ہو۔ کیا علی منہاج النبوۃ اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس نے کشف نبوی کو خطا پر حمل کیا ہو۔ کمازعم القادیانی فی احادیث النزول۔

اشعار

فدع[1] صاحب التحریف والفخر والریا
وما اختاره من طاعة اللّٰه مذهباً
ویعلم ما قد کان فیه حیاته
اذا صارت اعماله کلها هبا
حملوا القران ثم لم یحملوها
بل حرفوا علنا فی کتاب اللہ
فکالحمیر علی المنابر تناهقوا
اذ التحریف ابعد من عباد اللّٰه
فبهتان علی الخلاق والخلق کلهم
ارایت قط عبادة بمناهی

ناظرین پر واضح ہے کہ خاکسار **رزقه اللّٰه موجبات رضائه** نے بمقابلہ لاف زنی مرزا غلام احمد قادیانی در بارہ عدیم المثل ہونے کے خداشناسی وتفسیر دانی میں امتحاناً اورمحض اس کے اتنے بڑے دعوے کوتوڑنے کے لئے اس سے کلمہ طیبہ کا معنی ظاہری طور پر اپنی کتاب ”شمس الہدایت“ کے ابتداء میں استفسار کیا تھا۔ جس کے جواب پر قادیانی صاحب باوجود بے تعداد اصراروں معتقدین کے قادر نہ ہوسکے۔ یہاں پر امر وہی صاحب کے جہالات مرکبہ کے ظاہر کرنے سے پیشتر پبلک کی توجہ اس طرف دلائی جاتی ہے کہ دو سال کے عرصہ سے قادیانی کا جواب پر قادر نہ ہونا کیا اس کی لاف زنی مندرجہ ایام الصلح

1. ان تحریف کرنے والوں کو چھوڑ جس نے فخر وریا، کو مذہب بنالیا۔ اسے قیامت کے دن پتہ چلے گا جب اس کے اعمال برباد ہوجائیں گے۔ اللہ کی کتاب میں اعلانیہ تحریف کی اور گدھے کی طرح منبروں پر آواز کرتے ہیں۔

فارسی صفحہ ۱۳۲ مسطورہ ذیل کو خاک میں نہیں ملا دیتا؟۔ ''ایں وقت زیر سقف نیلگوں ہیچ متنفس قدرت ندارد لاف برابری با من زند۔ من آشکار میگویم و ہرگز باک ندارم۔ اے اہالی اسلام در میان شما جماعتے مے باشند کہ گردن بدعوے محدثیت و مفسریت برمیفرا زندو طائفہ اند کہ از نازش ادب پا بر زمین نگذارند و گروہے اند کہ دم بلند از خدا شناسی زنند و خود را چشتی و قادری ونقشبندی و سہروردی و چہا چہا گویند۔ ایں جملہ طوائف را نزد من بیارند''۔ اور ظاہر ہے کہ ممتحن کو کلمہ طیبہ میں استفسار کرنے کی غرض صرف اتنی ہی تھی جو پبلک پر ظاہر ہو چکی تھی اور **قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ** کا ظہور ہوگیا۔

اب ہم مختصر طور پر امروہی صاحب کی صرف عبارت متعلقہ جواب کو بعینہا بغیر آپ کے مطاعن کے نقل کرکے اس کی قلعی کھولتے ہیں اور محققین عصر و مدققین دہر سے مثل جناب مولوی عبداللہ صاحب پروفیسر لاہوری و جناب مولوی غلام احمد صاحب مدرس نعمانیہ و جناب مولوی غلام قادر صاحب و نظائر ہم سے منصفانہ رائے چاہتے ہیں کیا اُن کی یہ تحریر واقعی جواب ہے یا جہل مرکب۔ سو معلوم ہو کہ جس شق کو امروہی صاحب نے لے کر جواب دیا ہے۔ اس کا حاصل تو یہ تھا کہ اگر **لا الٰہ الا اللّٰہ** میں **اِلٰہ** سے مراد واجب الوجود لیا جاوے تو برہان استثنائے میں ترتب **لفسدتا** کا مقدم یعنی تعدد وجبا پر صحیح نہیں ہوسکتا بلکہ بجائے **لفسد تا** کے **لما کانتا** یا **لما وجدتا** چاہیے تھا کیونکہ قدم، وجوب کا لازم ہے تو وجبا پر تقدیر تعدد سب کے سب قدیم ہی ہوں گے اور بر تقدیر تخالف مرادان کی ایجاد عالم کا متصور ہی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہر ایک واجب مانع ہے، نفوذ ارادہ دوسری سے۔ جب عالم کا وجود ہی نہ ہوا، تو پھر فساد کہاں۔ اور نیز مزعوم مخاطبین یعنی مشرکین عرب کا شرک فی العبادت ہے، نہ شرک فی الوجوب بدلیل قولہ تعالیٰ **وَلَئِنْ سَئَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ** (زمر: آیت ۳۸) باقی شقوق اعتراض کے چونکہ مجیب نے نہیں لئے

اس لئے ہم بھی ان کی تشریح نہیں کرتے۔

امروہی صاحب کی عبارت متعلقہ جواب یہ ہے واضح ولائح ہو کہ محاورۂ قرآن مجید میں بلحاظ تخصیص عقلی اور شرعی کے لفظ اللہ سے مراد وہ معبود حقیقی ہے جو واجب الوجود لذاتہ ہے۔ صفحہ ۲۳ سطر ۸، ۹، ۱۰۔ اس کے بعد نفی تعدد اور انحصار واجب الوجود فی فرد واحد پر دلائل عقلیہ و نقلیہ لکھ کر فرماتے ہیں۔ پس معنی کلمہ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے واضح اور صاف ہیں یعنی نہیں کوئی معبود حقیقی موجود سوا اللہ کے۔ پس اس میں کذب کہاں ہے بلکہ معترض خود محض کاذب ہے اور آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: آیت ۲۲) بھی تعدد الٰہ کے بطلان کے لئے برہان قطعی ہے جس کو دوسرے مقام پر خود جناب باری تعالیٰ نے مفصل طور پر بیان فرمایا ہے کما قال اللہ تعالیٰ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۝ (مومنون: آیت ۹۱) حاصل اس استدلال کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ولد متصور نہیں ہوسکتا کیونکہ ولد کے لئے ضروری ہے کہ اپنے والد کے اخص اوصاف میں مثلاً جیسا کہ یہاں پر واجب الوجود ہے، مشارک ہو۔ ورنہ وہ ولد کیا ہوا۔ لیکن ولد میں صفت وجوب الوجود ہرگز ممکن نہیں ہوسکتی کیونکہ ولد تو والد سے مؤخر ہوتا ہے۔ فاین وجوب الوجود؟ اور نہ کوئی دوسرا الٰہ وجوب الوجود میں اس کے ساتھ معیت رکھتا ہے کیونکہ اوس صورت میں ہم دریافت کرتے ہیں کہ ان دونوں الٰہ کا تمہارے نزدیک متخالف بالذات ہونا واجب ہے یا نہیں؟ بشق ثانی دونوں الٰہ بالضرور کسی ذاتی میں مشترک

۱؎ ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ مضمون شمس الہدایت کے مصنف کی کتب ''تحقیق الحق'' سے چرایا ہوا ہے جس مخلص کا ذکر امروہی صاحب نے دیباچہ کتاب میں لکھا ہے اسی مخلص نے وہ کتاب قادیان میں پہنچائی تھی باوجود اس کے پھر بھی جواب پر قدرت نہ پائی۔

حرف درویشاں بدزد دمرد دون　　تا بخواند بر سلیمے او فسون　　۱۲۔ محمد غازی

ہوں گے اور دوسری ذاتی میں متخالف ہوں گے پس ترکیب لازم آئی اندریں صورت دونوں کی احتیاج اپنی اجزاء ذاتیہ کی طرف لازم آئے گی۔ وھو مناف لوجوب الوجود۔ اور بشق اول متخالفان بالذات کے افعال کا متخالف ہونا بھی ضروری ہوگا اور اس کا اقل درجہ یہ ہے کہ عالم کا فساد لازم آئے گا اور نظام وارتباط باہمی عالم کا بالضرور بگڑ جائے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں اور عالمان علوم طبیعات بخوبی جانتے ہیں کہ ہر ایک اشیاء عالم کا ارتباط دوسری اشیاء عالم کے ساتھ منضبط ہے اور تمام اشیاء عالم باہم منتظم ومرتبط ہیں۔ پس انتفاء تالی مستلزم ہے، انتفاء مقدم کو۔ وہو المطلوب۔ اور یہی حاصل مطلب ہے آیت **وَمَاکَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ کُلُّ اِلٰهٍ بِمَاخَلَقَ** (مومنون: آیت ۹۱) کا۔

اور دوسری دلیل ابطال تعدد الٰہ کی یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ایک الٰہ دوسرے الٰہ پر علو کامل چاہے گا۔ **اذ الالٰہ من له غایة الکمال ولایکون علو الالهیة الا بالعلو الکامل**۔ اور دوسرا الٰہ اسی طرح پر علو کامل من کل الوجوہ کا مقتضی ہوگا لیکن ہر ایک الٰہ کا علو کامل دوسرے الٰہ پر محال ہے اور یہی معنی ہیں **لَعَلٰی بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ** کے۔ پس اس طرف نسبت ولد اور شریک کے ہرگز جائز نہیں۔ اور اس کی ذات پاک ہے ان دونوں بہتانوں سے۔ اور یہی معنی ہیں **سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ** کے۔ فبطل التعدد وثبت التوحید بناءً علیہ اگر ارادہ استحقاق للعبادت کا حقیقی طور پر جو مساوق للوجوب ہے، عنوان موضوعی یا محمولی سے لیا جائے تو مستلزم **لَفَسَدَتَا** کو ضرور ہوگا لما مر استدلالہ تفصیلا انتہی صفحہ ۲۳،۲۴،۲۵،۲۶۔

محرر سطور عفا عنہ رب الغفور اہل علم کی خدمت میں ملتمس ہے کہ ہم ان مقدمات خطابیہ کی طرف جن پر استدلال مذکور کا توقف ہے اور جن کی وجہ سے اس استدلال کو برہان نہیں کہا جا سکتا۔ تطویل کے خوف سے ناظرین کو توجہ نہیں دلاتے۔ صرف اتنا ہی پوچھتے ہیں کیا یہ تحریر دو ورق، اس چھوٹے جیسے سوال کے ٹکڑے کا جواب ہے، جو پہلے ہدیہ ناظرین

کیا گیا ہے یا صرف شرح آیات۔

برائے خدا! کوئی امروہی صاحب سے پوچھے کہ کیا آپ کو مرزا صاحب نے زر نقد جماعت کی چندہ کی اسی لئے عطا فرمائی تھی کہ فقط چند آیات قرانیہ کی تفسیر لکھ دیجاوے اور وہ بھی تفسیر کبیر وغیرہ کے دلائل محررہ پر ترجمہ اپنے نام سے منسوب کیا ہوا ہو؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ انہوں نے مزید برآں عطیہ منتیں اور زاری کر کے اپنی جان کو جولا کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی خلاص کرنا چاہا تھا سچ کہا ہے کسی نے۔

زدریائے شہادت چوں نہنگ لا بر آرد سر
تیمّم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

ادھر تو وہ بیچارہ جکڑا ہوا **من انصاری** پکار کر چلا رہا ہے اور ادھر امروہی صاحب زرنقد لے کر **اِذْ تَبَرَّءَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا**۔(بقرہ:۱۶۶) کا مصداق بنے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تعدد وجوب کی تقدیر پر عالم کا وجود ہی متصور نہیں۔ لما مر فی شق الاعتراض۔ اور فساد تو بعد الوجود ہوتا ہے۔ علماء عصر پر عبارت مذکورہ امروہی صاحب سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ امروہی نے جہل مرکب کا پورا پورا ثبوت دیا مگر اس کی چالا کی قابل آفرین ہے کہ اپنی جہالت کے اوپر پردہ ڈالنے کے لئے منہیہ میں لکھ دیا کہ ''واضح خاطر عاطر ناظرین ہو کہ ہم نے اس جواب میں مؤلف کا ایسا تعاقب کیا ہے کہ جدھر کو مؤلف گیا ہے ادھر ہی کو ہم بھی اس کے ساتھ ساتھ گئے ہیں''۔ الخ حاشیہ صفحہ ۲۶۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں بیشک یہ کہنا آپ کا بجا اور سچ ہے نافہم طالب علم کا یہی وتیرہ ہوتا ہے کہ معلم کے پیچھے طوطی کی طرح صرف الفاظ بعینہا کہتا چلا جاتا ہے۔ گویا مجیب نے صاف صاف سچ کہہ دیا کہ میں شمس الہدایت کے اس مقام پر بزاخفش ہوں۔

قولہ: حاشیہ صفحہ ۲۶۔ حال آنکہ اس محل پر لفظ عنوان موضوعی اور محمولی لکھنا سرتا پا غلط ہے۔

اقول: لیجئے ہم ہی پڑھا دیتے ہیں اس عبارت کا تعلق کلمہ **لا الٰہ الا اللہ** سے ہے اور ظاہر ہے کہ بر تقدیر ارادہ استحقاق للعبادت کے مدعیٰ اور براہین میں بھی بوجوب التطابق یہی معنی مراد ہوگا۔ اور بنا بر مسئلہ استیلاء صفاتی الخ تعدد وجوب و استحقاق براہین میں مستلزم **لما کانتا یا لمافسدتا** کو نہیں ہو سکتا بعد اس تشریح کے بھی اگر آپ صرف سوال ہی کی تقریر ہمارے سامنے بیان کریں تو بھی آپ کو آفرین کہیں گے۔ جواب کو تو ہم نے معاف کیا۔

اور سنیے بعد اس کے صفحہ ۲۷ سطر ۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ ''پس مؤلف پر ضروری ہے کہ صفات احدیت و صمدیت مسئلہ مجعولہ خود یعنی استیلاء صفاتی بعضہا علی بعض کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اول ثابت کرے کہ صفات احدیت و صمدیت میں استیلاء بعضہا علی بعض ہے تب ہم بھی اس مسئلہ استیلاء صفاتی بعضہا علی بعض پر گفتگو کریں گے''۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں یہ چالاکی بھی قابل آفرین ہے اپنی نافہمی کو کس پیرایہ میں چھپایا۔ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہم نے اس سوال کے سارے مقدمات کو نہیں سمجھا اور نہ شیخ اکبر اور تفتازانی کے جواب تک پہنچے ہیں۔ ان کے جوابات کی اصلاح کیسے کریں۔

پھر اسی صفحہ میں کودن طالب علم کی طرح شمس الہدایت کی عبارت کو پڑھتے جاتے ہیں لکھتے ہیں۔ ''کہ اور سلمنا کہ ازلیت امکان مستلزم ہے امکان ازلیت کو مادہ وجوب میں لیکن ممکنہ عامہ موجبہ جزیہ یعنی بعض الالہ موجود بالامکان العام جو نقیض ہے ضروریہ سالبہ کلیہ کی۔ یعنی لا الہ موجود بالضرورت اگر صادق ہے تو کیا اور کاذب ہے تو کیا اس کا صدق یا کذب کلمہ توحید کے معنوں میں ہم پر کیوں وارد کیا جاتا ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ قولہ اگر صادق ہے تو کیا اور کاذب ہے تو کیا صاف شہادت دے رہا ہے۔ کہ مجیب نے اس عبارت کا مطلب نہیں سمجھا تب ہی عبارت مذکورہ شمس الہدایت کو بے ربط ٹھہرایا۔ لہٰذا ہم شہادت دیتے ہیں کہ مجیب صاحب اس سارے جواب میں

ع ایں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

کا مصداق ہورہا ہے ہم اس مقام کے سوال اور جواب مشرح لکھنے کے اسی صورت میں مجاز ہیں کہ قادیانی صاحب معہ اپنے معاونوں کے صریح لفظوں میں اپنی جہالت کا تفسیر دانی میں اقرار کریں۔ اور یہ بھی ناظرین کو معلوم ہو کہ نہ تو یہ اعتراض لاحل تھا اور نہ شیخ اکبر وغیرہ علماء کرام کے جواب پر اعتراض اعتقاداً کیا گیا تھا بلکہ محض امتحاناً مدعی کا دعویٰ توڑنے کے لئے لکھا گیا۔ الحمد للہ کہ ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ جو شخص کلمہ طیبہ کے معنی ظاہری علمی طور پر نہیں لکھ سکتا وہ تفسیر نویسی میں سرآمد بناء زمان کیسا ہو سکتا ہے۔

بعد اس کے اسی صفحہ ۷۲ میں لکھتے ہیں۔ "اگر کلمہ توحید کو موجہات کا لباس پہنا کر بھنا ہے تو یوں کہیے کہ لا الہ غیر اللہ موجود بالضرورت۔ کیونکہ یہاں پر حرف الا موجود ہے جو بمعنی غیرا ہے اور الہ کی صفت نحوی واقع ہوئی ہے۔"

علماء عصر کی خدمت میں التماس ہے کہ کلمہ اِلَّا بمعنی غیر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں کہنا کیا جہالت نہیں ہے؟ کافیہ پڑھنے والا بھی کہہ سکتا ہے کہ اِلَّا بمعنی غیر ہرگز نہیں کیونکہ وہ مشروط ہے بدیں شرط **اذا کانت تا بعة لجمع منکور غیر محصور نحو لو کان فیهما الهة الا اللّٰه لفسد تا** اور یہ سوچنا کہ **کلمات الاستثناء هل وضعت لاحکام مخالفة لما قبلها ثابتة لما بعدها اولاخراج مابعدها وجعله فی حکم المسکوت عنه** تو بمراحل در کنار رہا۔ ناظرین پر واضح ہو کہ یہ سوال متعلق کلمہ طیبہ بمع جواب اس کے کئی سال پہلے اس کے مطبع مصطفائی لاہور میں جمادی الثانی ۱۳۱۰ھ میں طبع کرا کر شائع کر دیا تھا۔ اور یہ جواب امروہی صاحب کا اسی کی نقل ہے۔ مگر علمی لیاقت کا ماشاء اللہ مجیب کو اتنا زور ہے کہ عرصہ ایک سال کامل تک اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکا اور تاخیر جواب کا عذر یہ لکھتے ہیں کہ ہم کو کتاب "شمس الہدایت" نہیں پہنچی گئی۔

---

[۱] امروہی صاحب کی نحو دانی تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں اِلَّا بمعنی غیر کے لکھنے سے معلوم ہو گئی ہے۔ ۱۲ منہ

[۲] یہاں سے مراد کتاب تحقیق الحق ہے جس میں آپ نے سوال و جواب کی تشریح فرمائی ہے۔ ۱۲ منہ

ایھا الناظرون! جناب مولوی نور الدین کا خط مطبوعہ الحکم شاہد کافی ہے۔ جس میں جناب موصوف نے خاکسار پر ۱۲ سوال وارد کئے تھے۔ امروہی صاحب نے حسب قواعد فائدہ جلیلہ کے بزعم خود رفع روحانی کو ثابت کرنا چاہا، مگر ہنوز دہلی دور است۔ خلاصہ اس کا یہ ہے ما بعد بل یعنی رفع جو کنایہ اعزاز وتکریم سے ہے اس میں اور ماقبل بل یعنی قتل صلیبی میں جو بحکم تورات مستلزم لعن، ہے تنافی اور تضاد ہے۔ کیونکہ ملعون معزز عند اللہ نہیں ہوتا۔ یہی ہے خلاصہ اس کے جواب کا۔

اس مقام میں میں کہتا ہوں بجواب الجواب اتنا ہی کافی سمجھا جاتا ہے کہ کنایہ میں چونکہ تعذر معنی حقیقی کا نہیں ہوتا بخلاف مجاز کے۔ لہٰذا درصورت کنایہ بھی بمقتضائے قصر قلب قتل اور رفع روحانی میں تضاد چاہیے۔

یہ بتائیں کہ کہاں ہے توریت کا حکم کہ جو کوئی بذریعہ صلیب قتل کیا جاوے وہ ملعون عند اللہ ہوگا خواہ بیگناہ ہی ہو۔ کیا مقتول بغیر الحق خواہ پتھر سے ہو، یا تیر سے، یا تلوار سے، یا صلیب وغیرہ اسباب قتل سے، شہداء میں بموجب احکام توریت وقرآن مجید کے داخل نہیں؟ کوئی مومن بہ کتب سماویہ اس کا انکار کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مرزاجی کو بمعہ چیلوں چانٹوں اپنے کے آیت تورات کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ صرف ۲۳ ویں آیت ’’کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے‘‘ کے ظاہر پر نظر ہے۔ اگر ۲۲ ویں آیت کو پڑھ کر تدبر فرماویں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم ہر ایک مصلوب کے لئے نہیں۔ بلکہ خاص اس شخص کے لئے ہے جو کسی جرم کی سزا میں پھانسی دیا گیا۔

بائیسویں اور تیسویں آیات یہ ہیں۔

۲۲۔ اور اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو۔ جس سے اس کا قتل واجب ہو اور وہ مارا جاوے۔ اور تو اسے درخت میں لٹکا دے۔ ۲۳۔ تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی

نہ رہے بلکہ تو اسی دن اسے گاڑ دے، کیونکہ جو پھانسی دیا جاتا ہے۔ خدا کا ملعون ہے۔

ظاہر ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فی الواقع غیر مجرم تھے تو بنا بر واقع ماقبل بل یعنی قتل اور مابعد اس کے یعنی رفع اعزاز میں تنافی اور تضاد کہاں ہوا؟ بلکہ مقتول غیر مجرم عند اللہ معزز ہوا۔ اور اگر مسیح کو مجرم بزعم یہود خیال کر کے تنافی پیدا کی جاوے تو بحسب علم المتکلم بھی ضروری ہے۔ تاکہ قصر قلب کی روح سے وجود وصف مزعوم مخاطب کا متصور نہ ہو اور کتب معانی کا بیان شروط قصر میں قاصر ہے۔ دیکھو سید شریف و دسوقی وغیرہ۔ قال عفی عنہ فی شمس الہدایت صفحہ ۹ سطر ۱۷۔ جس کو باطل کرنا منظور ہے وہ ہے **قتلوہ**۔

اس پر ہمارے ایک بزرگ اور مہربان کا اعتراض۔ آپ فرماتے ہیں **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** (النساء: ۱۵۸) کو مقولہ یہود **اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ** کے ابطال کے لئے کہنا چاہیے نہ **قتلوہ** کے لئے۔ کیونکہ **قتلوہ** کلام الٰہی میں واقع ہے، مقولہ یہود کا نہیں۔

جواباً گذارش ہے کہ علم معانی کے خبر داروں پر ظاہر ہے کہ قصر قلب اعنی **تخصیص شی مکان شی** میں مخاطب کا معتقد برعکس اور برخلاف ہوتا ہے اس حکم کے جس کو متکلم ذکر کرتا ہے **کما قالوا والمخاطب بالثانی من یعتقد العکس ای عکس الحکم الذی اثبته المتکلم** لہٰذا **قتلوہ** یہود کا مزعوم ہوا جو برعکس اور مخالف ہے **ماقتلوہ** کے۔ اور قصر قلب کو بوجہ قلب حکم مخاطب کے قصر قلب کہتے ہیں **قال العلامة و یسمٰی ھذا القصر قصر قلب لقلب حکم المخاطب**۔ یعنی اگر مخاطب کا مزعوم حکم ایجابی ہے تو متکلم اس کی تردید میں حکم سلبی مع اثبات وصف منافی ذکر کرے گا۔ **وبالعکس کما قال ایضاً فالمخاطب بقولنا ما زیدٌ الا قائم من اعتقد اتصافه بالقعود دون القیام**۔ پس **مازیدٌ الاقائم** کو جو حکم سلبی مع اثبات وصف منافی ہے، تردید وابطال مزعوم مخاطب یعنی **زید قاعد** حکم ایجابی کے لئے کہیں گے۔ ایسا ہی **ماقتلوہ** کے

لئے تردید و ابطال **قتلوہ** کے لئے اولاً و بالذات کہیں گے اور **قتلوہ** چونکہ مزعوم مخاطب سے تعبیر ہے۔ مثل **انا قتلنا** کے لہٰذا **قتلوہ** کا ابطال مستلزم ہوا **اناقتلنا** کے ابطال کو۔ اور اثبات وصف منافی اگرچہ سلب وصف مقابل کا افادہ دیتا ہے لیکن بغیر تصریح بالسلب کے تنبیہ علیٰ ردالمخاطب نہیں ہو سکتی جس کا اظہار متکلم کو منظور ہے **کما قال ایضاً فانقلت اذا تحقق تنافی الوصفین فی قصر القلب فاثبات احداهما یکون مشعرا بانتفاء الغیر فما فائدة نفی الغیر واثبات المذکور بطریق الحصر قلت الفائدة فیه التنبیه علی رد المخاطب اذ المخاطب اعتقد العکس فان قولنا زیدٌ قائمٌ وان دل علی نفی القعود لکنه خالٍ عن الدلالة علی ان المخاطب اعتقدانه قاعد**۔ ان عبارات مسطورہ بالا سے واضح ہے کہ حکم سلبی کلام قصری کا تردید ہے مزعوم مخاطب یعنی حکم ایجابی کے لئے۔ چنانچہ حکم ایجابی تردید ہے حکم سلبی کے لئے۔ لہٰذا **ما قتلوہ** تردید ٹھہری حکم ایجابی یعنی **قتلوہ** کی جو تعبیر ہے مزعوم یہود سے من جانب المتکلم سبحانہ وتعالیٰ۔

نیز معلوم ہو کہ مزعوم مخاطب عام ہے مقولہ مخاطب سے۔ یعنی صرف حکم ایجابی یا سلبی مخاطب کا مزعوم ہے اور خصوصیات تکلم یا غیبوبت عند التعبیر خارج ہیں ذات مزعوم سے، اسی مزعوم سے مخاطب بصیغہ متکلم اور متکلم مردّد بصیغہ غائب تعبیر کرے گا۔ گویا صیغہ متکلم اور غائب تعبیرات موارد تحقیق میں سے ہوئی مزعوم مخاطب کے لئے۔ لہٰذا تردید مزعوم مستلزم ہے تردید مقولہ کو۔ جیسا کہ آیت **وَمَاقَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ**۔ (نساء: ۱۵۸،۱۵۷) میں حکم سلبی یعنی **مَاقَتَلُوْهُ** تردید ہے مزعوم یہود یعنی حکم ایجابی کے لئے جس کو یہود نے **اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ** سے تعبیر کیا اور متکلم مردّد نے بصیغہ غائب یعنی **قتلوہ** سے تعبیر کی۔ **کما قال اللّٰہ تعالٰی اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا** اور وہ خود تعبیر کے وقت **انا احسنا صُنعاً** کہیں گے۔ **وایضاً قال اللّٰہ تعالٰی فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ**

اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَائِهِمْ سَآءَ مَايَحْكُمُوْنَ۔(انعام:۱۳۶)
اب اس آیت میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مزعوم مشرکین کا بیان بصیغہ غائب ہے۔
یعنی شُرَكَائِهِمْ اور انکی جانب سے تعبیر لِشُرَكَائِنَا کے ساتھ بصیغہ متکلم ہوگی پھر سَاءَ مَا
يَحْكُمُوْنَ تردید ہے مزعوم مذکور کے لئے۔ ایسا ہی علامہ کی عبارت اخیرہ میں مزعوم مخاطب
سے تعبیر انه قاعد کے ساتھ بالا ضمار ہے اور مخاطب کا مقولہ زید قاعد بالا ظہار ہے۔
الغرض اہل معانی کی عبارات مشہورہ مثل من يعتقد العكس اور و يسمى قصر
القلب لقلب حكم المخاطب وغیرہ وغیرہ سے ثابت ہے کہ حکم قصری قلب اور تردید
ہے حکم مخالف یعنی نقیض اپنی کا اولاً و بالذات اور تردید ہے مقولہ مخاطب کے لئے ثانیا و
بالعرض۔ نام کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ ما زيد قائما بل قاعد تردید ہے زيد قائم
کے لئے اولاً و بالذات اور مقولہ مخاطب کے لئے ثانیا و بالعرض۔ مثلاً صورت مسطورہ میں
فرض کیا کہ زاعم زید ہی ہو تو مقولہ اس کا انا قائم ہوگا اور بعد ملاحظہ اتحاد معنون زید اور انا کے
زيد قائم کی تردید انا قائم کی تردید سمجھی جاوے گی۔ چنانچہ ما نحن فیہ میں نا اور واؤ ضمیر انا قتلنا
اور قتلوه میں دونوں تعبیر ہیں یہود سے۔ لہٰذا قتلوه کی تردید قتلنا کی تردید ہے۔ ہاں جس
صورت میں مزعوم سے تعبیر بمقولہ مخاطب کی جاوے تو تردید مزعوم عین تردید مقولہ کی ہوگی۔
جیسا کہ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ میں اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مزعوم بھی ہے اور مقولہ بھی۔ كما قال
اللّٰه تعالىٰ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ(بقرہ:۱۱۶) بخلاف ما نحن فیہ کے کہ یہاں پر
مزعوم یہود کا قتل صادر از یہود و واقع بر مسیح ہے جس سے یہود قتلنا المسيح کے ساتھ تعبیر
کرتے ہیں اور غیر یہود بوقت بیان مزعوم ان کے قتلوا المسيح سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ منشاء اعتراض نہ صرف فن معانی ہی سے
بے خبری ہے بلکہ ایسا غوجی کی مبحث تناقض کی طرف بھی توجہ نہیں کیونکہ سالبہ شخصیہ کی نقیض

موجبہ شخصیہ ہوتا ہے اور صدق احد النقیضین یستلزم کذب الاخر ایک مشہور مقدمہ ہے بناءً علیہ صدق **ما قتلوہ** کا مستلزم ہوگا کذب **قتلوہ** کو۔ جناب کو اگر مضمون مذکورہ کی طرف توجہ ہوتی تو **قتلوہ** کے باطل ٹھہرانے کو مستبعد خیال نہ فرماتے۔ ظاہر ہے کہ زید کے مزعوم اور مقولہ مثلاً **ضربت عمروا** کو جب خالد نے رد کرنا چاہا تو **ماضرب عمروا** کہے گا جو تردید ہے اپنی صریح نقیض کے لئے یعنی **ضرب عمرو** جس کا ابطال مستلزم ہے بطلان **ضربت عمروا** کے لئے کیونکہ ضمیر مرفوع متصل جو مستتر ہے ضرب میں اور تا ضربت کی دونوں کا معنون زید ہی ہے۔

نیز واضح خاطر ناظرین ہو کہ مورد ابطال **قتلوہ** ہے مگر بعد اعتبار الحکم المزعومی۔ کیونکہ **ماقتلوہ** میں ایک ہی حکم سلبی ہے، لعدم اشتمال القضیۃ علی الحکمین مطلقاً۔ گویا قتلوہ بعد اعتبار الحکم مصداق ہوا العکس کے لئے جو کہ اہل معانی کی عبارت ہذہ میں واقع ہے **والمخاطب بالثانی یعتقد العکس** اور شمس الہدایت کی عبارت کا یہ مطلب ٹھہرا کہ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے عکس **ما قتلوہ** کا باطل کیا گیا یعنی **قتلوہ** جو نقیض ہے **ما قتلوہ** کی جس کا ابطال مستلزم ہے بطلان **قتلنا المسیح** کو۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام

سوال: یہود کا مزعوم جب کہ **قَتْلُهُمُ الْمَسِيحَ** ٹھہرا، کما صرح بہ آنفاً۔ تو شمس الہدایت کے صفحہ ۱۳، سطر ۱۸ پر جو لکھا ہے۔ کہ ”مراد ماقبل بَلْ سے نفس قتل اور صلب ہے۔“ اس کا کیا معنی ہوا؟

جواب: یہاں پر تجرید اضافی ہے بہ نسبت وصف منفی ہونے کے۔ چنانچہ اسی سطر پر لکھا ہوا

ہے۔ ''قطع نظر منفی ہونے اس کے سے''۔ یعنی گوکہ قتل وصلب بزعم یہود ان سے صادر ہوکر مسیح پر واقع ہوئی ہیں، مگر ''نفس قتل'' اس لئے بولا گیا ہے کہ **قَتَلُوْہُ** چونکہ بوجہ نقیض ہونے **مَاقَتَلُوْہُ** کے مع الحکم الایجابی ملحوظ ہے۔ کمامرّ۔ تو منفی ہونے کے وصف سے تجرید ضروری ٹھہرے گی۔ یعنی **قَتَلُوْہُ** جملہ مستقلہ ہوگا، نہ در ضمن **مَاقَتَلُوْہُ** کے۔ چنانچہ فائدہ جلیلہ کی سطر ۷ اپر لکھا ہے: ''حرف عطف ٹھہرا ابطال جملہ اولی یعنی **قَتَلُوْہُ** کے لئے۔ ہاں جملہ ہونا اس کا بعد اعتبار انہ نقیض الحکم القصری ہے''۔ الحاصل **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** ابطال ہوا عکس **مَاقَتَلُوْہُ** کا۔ یا یوں کہیں ابطال ہوا **قَتَلُوْہُ** کا۔ مگر بعد اعتبار الحکم الایجابی ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ فتامل فلا تعجل۔ اور اسی پر دال ہے شمس الہدایت کی عبارت مسطورہ کے بعد کا جملہ تعلیلیہ۔ دیکھو سطر ۱۹، صفحہ مذکور پر'' کیونکہ نفی حکایت میں ہے نہ محکی عنہ میں'' محکی عنہ سے مراد اس جگہ پر مزعوم مخاطب کا ہے جس سے **قَتَلُوْہُ** جملہ مستقلہ کے ساتھ منجانب المتکلم تعبیر کی جاسکتی ہے۔ **کما یدل علیہ ماقال العلامۃ۔قلت الفائدۃ فیہ التنبیہ علی رد المخاطب اذ المخاطب اعتقد العکس** الخ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ **مَاقَتَلُوْہُ** میں تنبیہ ہے اور پر تردید یہود کے، کیونکہ وہ عکس کے معتقد تھے، یعنی **قَتَلُوْہُ** کے۔ اور نفی محکی عنہ یعنی مزعوم مخاطب اور حکایت یعنی **قَتَلُوْہُ** دونوں میں نہیں۔ ہاں حکایت بکلام قصری یعنی **وَمَاقَتَلُوْہُ** میں نفی ہے گویا متکلم کی جانب سے دو حکایتیں ہوئیں جن کا محکی عنہ جدا جدا ہے۔ ایک **قَتَلُوْہُ** جس کا محکی عنہ مزعوم یہود ہے۔ اس حکایت اور محکی عنہ دونوں میں نفی نہیں۔ دوسری **وَمَاقَتَلُوْہُ** جس کا محکی عنہ **نسبۃٌ واقعیۃٌ موجودۃٌ بوجود المنشاء او موضوع من حیث انہ یصح انتزاع النسبۃ عنہ** ہے۔ **فلایرد انہ لابد لصدق القضیۃ من المطابقۃ للمحکی عنہ فی الثبوت والانتفاء فکیف یصح اعتبار المنفی فی الحکایۃ لافی المحکی عنہ**

لماعرفت ان الحکایة المعتبرفیها النفی لیست حکایة عن المحکی عنه المزعومی المراد فی العبارة المذکورة۔

نیز معلوم ہو کہ فائدہ جلیلہ کی بنا تحقیق پر ہے نہ صرف ان امور پر جو محض شہرت پذیر ہیں۔ لہٰذا **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** کا نص ہونا رفع جسمی مسیح میں ایک ہی امر تحقیقی واقعی پر مبنی ہے جو کہ بہ تجدد اصطلاحات متغیر نہیں ہوسکتا۔ یعنی تنافی بین القتل المزعومی والرفع الجسمی امر واقعی ہے۔ پس جب کہ اثبات رفع کا سلب القتل کیا گیا تو بالضرور ابطال مزعوم یہود پر علی طرز الاستدلال دال ہوگا، کیونکہ مزعوم یہود کی تردید گو کہ صرف سالبہ شخصیہ یعنی **وَمَاقَتَلُوْهُ** سے ہے، مگر اثباتِ رفع جو وصف منافی القتل المزعوم ہے، بمنزلہ اقامۃ الدلیل علی خلاف مزعوم المخاطب ہوگا۔ اس لئے بل کو ابطالیہ نام رکھا گیا یعنی مابعد اس کا دلیل ہے بطلان مزعوم مخاطب پر۔ **فاندفع ما قیل وایضاً لایظهر وجه تسمیة بل بالابطالیة لحصول الابطال بکلمة ماالابل۔** خواہ اثبات رفع دررنگ فعلیہ کے ہو یا اسمیہ کے یعنی **وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْناً بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** ہو یا بحسب الاوّل **ماکان المسیح مقتولا بایدی الیهود یقینا بل کان مرفوعاً الیه** کی طرف راجع ہو۔ کیونکہ معیار استدلال دونوں صورتوں میں مشترک ہے۔ وھو تنافی المذکور۔ ہاں درصورت وقوع مفرد بعد **بل** کے اس کو عاطفہ کہنا اور بر تقدیر وقوع جملہ کے اس کو ابطالیہ نام رکھنا مبنی علی الظاہر ہے۔ **کمازعمه ابن هشام وغیره من النحاة وهو خلاف التحقیق کما نص علیه بحر العلوم فی شرح مسلم الثبوت و نقلنا عبارته فی هذه العجالة۔** الحاصل فائدہ جلیلہ کا مدعٰی یعنی **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** کا نص ہونا رفع جسمی میں ہر صورت میں اور ہر تقدیر پر ثابت ہے، خواہ قصر اصطلاحی یعنی **تخصیص شئ بشئ بطریقٍ مخصوص** ہو یا کہ قصر غیر اصطلاحی مثل **اختص الرفع الیه بالمسیح اوالمسیح مقصورعلی**

الرفع۔ اور برتقدیر قصر اصطلاحی کے طُرق اربعہ مشہورہ میں سے ہو یا نہ۔ کیونکہ اثبات الرفع مع سلب القتل بعد تحقق التنافی بینہما کافی ہے حصول مدعا کے لئے۔

اب ہم بنا بر مشہور بھی مدعا کو بپایہ ثبوت پہنچاتے ہیں۔ **ما کان المسیح مقتولاً یقینا بل مرفوعاً الیہ** جو مساوق ہے **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کے لئے۔ کلام قصری مشتمل بر قصر قلب ہے۔ اور طرق اربعہ میں سے قصر بالعطف ہوا کیونکہ درصورت وقوع مفرد بعد بل کے اس کا حرف عطف ہونا اتفاقی ہے اور **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** میں بغیر ارجاع مذکور کے **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ** ابطال مزعوم یہود کا افادہ دیگا۔ لتحقق التنافی۔ یعنی ابطال **مَاقَتَلُوْهُ** کے لئے نہیں اور نہ ابطال **قَتَلُوْهُ** کے لئے بغیر اعتبار الحکم الایجابی، بلکہ **قَتَلُوْهُ** جو جملہ مستقلہ اور نقیض ہے **مَاقَتَلُوْهُ** کی، اس کے بطلان پر دال ہوگا۔ ہاں **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** نظر بہ **مَاقَتَلُوْهُ** کے ابتدائیہ محض انتقال کے لئے ہوگا اور یہ تقدیر تاوقتیکہ ضروری الارادہ ہونا اس کا، یا ممتنع المراد ہونا شق اول یعنی ابطالیہ کا، ثابت نہ کیا جاوے ہمارے مدعٰی کو مضر نہیں۔ ودونہ خرط القتاد۔ اور اختلاف احکام نظر باختلاف لحاظ، کثیر الوقوع ہے۔ اور کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آیت **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ ط بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ**o (الانبیاء:۲۶) میں ابطالیہ ہونا **بَلْ** کا بلحاظ مقولہ ہے، نہ قول کے۔ اور ابتدائیہ ہونا اس کا بلحاظ قول ہے، نہ مقولہ کے۔ **کما قال العلامة الصبان قوله نحو وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ** الخ۔ **ای قبل فی نحو ذلک للاضراب الابطالی بناءً علی ان المضرب عنه المقول (بالمیم) اما اذا کان المضرب عنه القول فالاضراب انتقالی اذ الاخبار بصدور ذالک منهم ثابت لایتطرق الیه الابطال** انتھی۔ اور ظاہر ہے کہ اضافات برتقدیر تعدد مضاف الیہ کے باہم مجتمع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ابوۃ و بنوۃ زید ہی۔ مثلاً باپ ہو سکتا

ہے بہ نسبت عمرو کے اور بیٹا بھی ہوسکتا ہے بہ نسبت خالد کے۔ لہٰذا بَلْ کا ابطالیہ اور انتقالیہ ہونا نظر باختلاف مضاف الیہ معاً ہوسکتا ہے۔ الغرض ابطالیہ ہونا اس کا بہر کیف ثابت ہے اور انتقالیہ ہونا اس کا منافی نہیں، لتعدد مضاف الیہ کما عرفت مفصلاً۔

دوبارہ معروض ہے کہ اگر معترض صاحب کو علم معانی و منطق و نحو کی تصریحات مذکورہ بالا سے اطمینان نہ ہو تو ہم قرآن مجید سے ہی نظیر محل نزاع کے مطابق تصریح شمس الہدایت کی عبارت کی دکھا دیتے ہیں۔ دیکھو **مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ** (مومنون:۹۱) سالبہ شخصیہ صادقہ باری تعالیٰ کا مقولہ ہے اور نقیض صریح اس کی **اِتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَداً** موجبہ شخصیہ کاذبہ مزعوم ہے مشرکین کے لئے۔ اور اسی **اِتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَداً** کا ابطال اس آیت **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ**○ (الانبیاء:۲۶) میں کیا گیا ہے۔ اب کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ **مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ** کی نقیض یعنی **اِتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَداً** کا ابطال نہیں ہوا، یا یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس سے قول الٰہی کا ردوبدل لازم آتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو ایسا ہی **وَمَا قَتَلُوْہُ** کی نقیض صریح یعنی **قَتَلُوْہُ** کو **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰہُ اِلَیْهِ** سے باطل کہنے میں کونسا ردوبدل کلام الٰہی میں آگیا۔ اگر کہا جاوے کہ **بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ** تو **اِتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَداً** کے بعد مذکور ہے نہ **مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ** کے بعد تاکہ **مَاقَتَلُوْہُ** الخ کی نظیر بن سکے۔ تو جواباً گذارش ہے کہ بعد تسلیم اتحاد مضمون دونوں کلاموں یعنی **اِتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَداً** اور **اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ** کے عذر مذکور قابل سماع نہیں ہوسکتا۔ اور دلیل کا انفصال دعویٰ سے اور جواب کا سوال سے قرآن کریم کی طرز کے مخالف نہیں۔ دیکھو **وَقَالُوْا یٰاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ**○ (حجر:۶) اور جگہ ہے، اور جواب اس کا **مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ**○ (قلم:۲) دوسری سورت میں۔ بس بیت

مازیاراں چشم یاری داشتیم — خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

قوله: صفحہ ۳۰۔ اے ناظرین برائے خدا بحکم الانصاف احسن الاوصاف۔ ذرا انصاف فرمایا جاوے۔ جس مسئلہ کی نسبت ایک شوروغل مچ رہا تھا کہ خلاف اجماع ہے۔ اب اس کی نسبت مؤلف رسالہ شمس الہدایت فرماتے ہیں۔ کہ ''بعض اہل تحقیق رفع جسم برزخی کے بھی قائل ہیں''۔ پھر مؤلف صاحب سے عرض ہے کہ ہم لوگوں کو آپ اہل تحقیق میں ہی رکھیے۔ اور آپ تو عوام اور کافہ اہل اسلام میں شامل ہیں۔ حضرت کیا ایسے ہی مسئلہ کو ثابت بالاجماع کہا جاتا ہے؟ جس میں اہل تحقیق اس کے مخالف ہوں۔

اقول: کاش اگر آپ شمس الہدایت کو کسی محقق عالم سے پڑھ لیتے تو اتنی رسوائی آپ کو حاصل نہ ہوتی۔ اتنے بڑے فخر اور تعلّی کے بعد جب جہالت در جہالت ظاہر ہو تو پھر حیادار کے لئے زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ ناظرین خدارا انصاف! شمس الہدایت کی عبارت میں ''اِلَّا بعض اہل تحقیق'' اضافت کے ساتھ ہے یعنی اہل تحقیق میں سے بعض۔ مطلب یہ ہوا کہ اکثر اہل تحقیق نے تو صرف رفع بجسم عنصری ذکر کیا ہے مگر بعض اہل تحقیق میں سے قائل برفع جسم عنصری برزخی کے ہیں یعنی جسم عنصری بعد سلب شہوۃ طعام وشراب اُٹھا دیا گیا۔ امروہی صاحب نے ''بعض اہل تحقیق'' کو مرکب توصیفی سمجھ کر بے وقت کی راگنی حسب عادت ہانکنی شروع کر دی۔

سوال: ''بعض اہل تحقیق'' ترکیب اضافی کی تقدیر پر جب مفاد یہ ٹھہرا کہ اہل تحقیق میں سے بعض قائل برفع جسم برزخی ہوئے ہیں۔ پھر رفع جسمی پر اجماع نہ رہا۔ اور نیز یہ امر قابل تسلیم ہی نہیں کہ اہل تحقیق کے دو ایسے متخالف مذہب ہوں۔ حق تو ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ **وَمَاذَابَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالِ**۔ اور نیز بعد الاختلاف فی الرفع اتفاق فی النزول ممکن نہیں۔

جواب: پہلے یہ بیان کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ مراد بعض سے ''بعض اہل تحقیق'' میں کون ہے۔ سو معلوم ہو کہ ایک تو محدث دہلوی المعروف بہ شاہ ولی اللہ اور دوسرے شیخ محی

الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہما۔ اور جسم برزخی سے مراد ان دونوں حضرات کی وہی جسم عنصری ہے مگر بعد سلب کر لینے کے شہوت طعام وشراب وغیرہ ضروریات بشریہ کے، جیسا کہ حقیقی برزخی بعد الموت مسلوب الشہوت ہوتا ہے۔ برزخی کو بمعنی مسلوب الشہوت لینے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں صاحبوں کا مذہب حیات مسیح کا ہے۔ دیکھو حضرت شیخ فتوحات باب ۳۶۷ حدیث معراج میں لکھتے ہیں۔ **فلما دخل اذا بعیسٰی علیہ السلام بجسدہ عینہ فانہ لم یمت الی الاٰن بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ الی ھذہ السّماء واسکنہ بھاوحکمہ فیھا وھو شیخنا الاول الذی رجعنا علی یدہ ولہ بناعنایۃ عظیمۃ لایغفل عنا ساعۃ واحدۃ** (فتوحات مکیہ) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک زندہ ہیں، مرے نہیں۔ نیز فتوحات کے باب پانچ سو چھترویں میں فرماتے ہیں۔ **اعلم وفقنا اللّٰہ وایاک ان من کرامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی ربہ ان جعل من امتہ رسلا ثم انہ اختص من الرسل من بعدت نسبتہ من البشر فکان نصفہ بشراً ونصفہ الاخر روحاً مطھراً ملکا لان جبریل علیہ السلام وھبہ لمریم علیھا السلام بشراً سویا رفعہ اللّٰہ الیہ ثم ینزلہ ولیا خاتم الا ولیا فی اخر الزمان بحکم شرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی امتہ** الخ۔ فتوحات کی نقلیں اس مسئلہ پر پہلے گزر چکی ہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ ''فوز الکبیر'' میں لکھتے ہیں۔ ''نیز از ضلالت ایشاں یعنی نصاریٰ یکے آنست کہ جزم میکنند کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول شدہ است وفی الواقع در قصہ عیسیٰ اشتباہے واقع شدہ بود۔ رفع برآسمان راقتل گمان کردند و کابراً عن کابر ہماں غلط راروایت نمودند۔ خدائے تعالیٰ در قرآن شریف ازالہ شبہہ فرمودہ کہ ﴿مَاقَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ﴾'' انتہیٰ۔ اسی طرح شاہ صاحب ترجمۃ القرآن میں ﴿فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ﴾ کے تحت لکھتے ہیں۔ ''پس ہرگاہ کہ برداشتی مرا''۔ اور ''میراندی مرا''۔ نہیں کہتے۔ لہٰذا رفع سے جو ''فوز

الکبیر" میں ہے رفع روحانی لینا از قبیل توجیہ القول بما لا یرضٰی بہ قائلہ ہوگا۔

بعد تمہید ہذا مطلب عبارت شمس الہدایت کا یہ ہوا کہ کافہ اہل اسلام اور اکثر اہل تحقیق نے صرف حیات مسیح اور رفع بجسدہ العنصری کا ذکر کیا ہے، بغیر تحقیق اس امر کے کہ جسم عنصری کا رفع بعد سلب الشہوت کے ہوا یا بغیر اس کے۔ الغرض اس میں خوض ہی نہیں کیا۔ بخلاف بعض کے اہل تحقیق میں سے کہ وہ گو کہ قائل بحیات و بہ نزول دوبارہ مسیح کے ہیں مگر انہوں نے مسلوب الشہوت ہونے کو بھی ملحوظ رکھا۔ اختلاف صرف ذکر کرنے مسلوب الشہوت و عدم ذکر اس کے میں ہوا، نہ حیات و ممات میں۔ اور مراد نزول سے اس قول میں "مگر نزول مسیح پر سب ہی اتفاق رکھتے ہیں" نزول جسمی ہے۔ ظاہر ہے کہ کافہ اہل اسلام اور بعض اہل تحقیق کا اتفاق فی النزول الجسمی فرع ہے، اتفاق فی الرفع الجسمی کے۔ حاصل یہ ہوا کہ بعض اہل تحقیق کی مخالفت کافہ اہل اسلام سے صرف تعبیر برزخی میں ہے۔ اور یہ اس امر کی منتج نہیں کہ ان کے نزدیک رفع اور نزول روحانی ہو، بلکہ وہ بھی رفع اور نزول جسمانی ہی کے قائل ہیں۔ چنانچہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے۔

سوال: بجائے برزخی کے اگر مسلوب الشہوت ہوتا تو ناظرین عبارت شمس الہدایت کو دقت نہ ہوتی؟

جواب: مصنف کو نقل بعینہ منظور تھا۔ دیکھو فیوض الحرمین اور تفسیر محی الدین ابن عربی۔

سوال: نقل بعینہ کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: مقصود اس سے دفع وہم کا ہے جو ناظرین کو برزخی کے لفظ کو ظاہر پر حمل کرنے سے واقع ہوتا تھا۔ بناءً علیہ حضرت شیخ اور محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی قائلین بوفات المسیح سے شمار کیا جاتا تھا۔ لہٰذا بعد ذکر کرنے "برزخی" کے "مگر نزول المسیح الخ" کے ساتھ دفع کیا گیا۔ والا اتنا ہی کافی تھا کہ سب اہل اسلام متفق ہیں رفع جسمی پر۔

سوال: شمس الہدایت کی عبارت میں کونسا قرینہ ہے جو دلالت کرتا ہے ارادہ مذکور پر۔ یعنی کافہ اہل اسلام اور بعض اہل تحقیق دونوں حیات کے قائل ہیں۔

جواب: جملہ ''مگر نزول مسیح پر سب ہی اتفاق رکھتے ہیں''۔ کا شاہد بیّن ہے، ارادہ مذکور پر۔ کیونکہ نزول جسمی من السماء بغیر حیات کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اوپر بیان کیا گیا ہے کہ مراد نزول سے نزول جسمی ہے کیونکہ نزول روحانی پر اتفاق کافہ اہل اسلام اور حضرت شیخ ومحدث دہلوی کا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ چنانچہ فتوحات وفوز الکبیر وغیرہ سے مشرّح کیا گیا ہے۔ اس مقام میں بھی جناب مہربان صاحب مذکور نے بہ تقلید امروہی صاحب کے ہر محفل میں شور مچا رکھا ہے۔ گویا یہ آپ کا پانچواں اعتراض ہے۔ ارے امروہی کے معتقدو! اب تو آپ کے فاضل نے فیصلہ کر دیا اور بذریعہ اپنی کتاب کے اشتہار دے دیا کہ ہمارا علمی مادہ یہی کچھ ہے۔ اور ہم اور ہمارے مسیح الزمان جو ہمارے سہارے پر جواب دینا چاہتے تھے اور کل مقلّدین ہمارے جاہل مرکب ہیں۔ تم اہل اسلام ہماری جاہلانہ تحریرات کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ۔ قرآن کریم واحادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر میں جو کچھ پہلے لوگ فرما گئے ہیں، وہی حق ہے۔ ولنعم ما قیل

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد — خمیر مایۂ دُکانِ شیشہ گر سنگ است

امروہی صاحب نے اس مقام پر صفحہ ۳۱ میں اپنی جہالت وتذبذب واشتباہ کے مناسب حال یہ شعر فتوحات وغیرہا سے لکھ دیا ہے۔

رق الزجاج و رقت الخمر
فتشابها وتشاكل الامر
فكانما خمر ولاقدح
وكانما قدح ولاخمر

گویا امروہی اس قطعہ کے لکھنے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ شیشہ اور شراب دونوں لطیف ہیں۔ یعنی شمس الہدایت کے الفاظ ومضامین گویا شراب ہے، صراحی نہیں۔ اور اگر یہ کہوں کہ صراحی ہے، شراب نہیں۔ تو بھی بجا ہے۔

قوله: صفحہ۳۲۔ لیکن مرفوعیت جسمانی اور ملعونیت (جو لازم مقتولیت بالصلیب کو ہے) باہم متنافی نہیں۔

اقول: ملعونیت کا لزوم مقتولیت بالصلیب کو صرف آپ کا اور یہود کا زعم فاسد ہے۔ ورنہ بائیسویں اور تیئیسویں آیت کی عبارت بعینہا جو اوپر نقل ہو چکی ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے۔ کہ ملعونیت لازم ہے صرف اس مقتولیت بالصلیب کو جو مجرم میں متحقق ہو۔ اور چونکہ قتل اور مرفوعیت جسمانی میں تنافی موجود ہے۔ لہٰذا قصر قلب کا مقتضی بھی متحقق ہوا۔ ناظرین کو اتنی ہی تشریح کے بعد امروہی صاحب کے صفحہ۳۲، ۳۳، ۳۴، اور ایسے ہی اس کے حاشیہ متعلقہ صفحہ۳۱ سطر ۹ کے چار صفحوں کی بناء فاسد علی الفاسد معلوم ہو سکتی ہے۔

قوله: صفحہ۳۲۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا مشرکین وکفار جن کی کوٹھیاں بلند پہاڑوں پر بنی ہوئی ہیں، باعتبار جسم کے مرفوع ہیں۔ اور ایسے ہی ۲۶۱۷ فٹ اونچا جو غبارہ جا سکتا ہے اس میں اکثر ہی مرفوع الجسم ہوتے ہیں، نہ مرفوع الدرجات، بلکہ عنداللہ ملعون ہیں۔ اور کئی ہزار فٹ نیچے زیر زمین دامنِ کوہ موحدین مومنین جسمانی طور سے مخفوض ہیں، لیکن عنداللہ مرفوع الدرجات ہیں۔ تو کیا آپ کے نزدیک وہ کفار مرفوع بجسم عنصری مرفوع الدرجات یا مقبول الٰہی ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اور کئی ہزار فٹ نیچے جو مومنین موحدین سکونت پذیر ہیں، کیا آپ کے عندیہ میں نعوذ باللہ مردود وملعون ہیں؟ کلّا وحاشا۔

اقول: سبحان اللہ ماشاءاللہ! معقول ہو تو ایسا ہی ہو اور منقول تو ویسا کہ **بی یسمع وبی یبصر** کی روایت بھی نامعلوم۔ ایں رفت وآں ہم رفت۔ رفت ورفت رفت ونعم ما قیل۔ شعر

عاشق ہوئے ہیں یار کے ہم کس امید پر　　　جز آہ نارسا کوئی سامان بھی نہیں

پہاڑ کے اوپر کافر کی بالا رادہ حرکت وسکون کہاں، اور ملائکہ کا اٹھا کر لے جانا آسمان پر جو **رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کے مضمون کی کیفیت ہے یہ کجا۔ مولانا یہاں پر مطلق رفع جسمی اور خفض جسمی میں کلام نہیں۔ ذرا آنکھ کھول کر دیکھو **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** میں کلام ہورہا ہے۔ کیا **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اشتباہ کی رنگت میں رنگین ہو گئے ہیں؟ یا وسمہ لگانے کو دیر ہو گئی ہے؟ جو کچھ ہو مبارک ہو، مگر رفع جسمی مذکور فی الآیت کے تحقق کے لئے مادہ عباد مقربین میں سے وہ اچھے لوگ ہوں گے جن کو ملائکہ نے اعزاز و تکریم کے ساتھ اوپر کو اٹھا لیا ہو اور جن کے رفع جسمی سے نصوص و اخبار پتہ دیتے ہیں۔ آپ نے پہاڑ سے مشرک کو اور ایسا ہی ان کفار کو جو بذریعہ غبارہ اُڑائے جاویں کہاں سے دیکھ لیا۔ کیا **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** میں آپ کا نرالا معقول ان دونوں کو داخل کر سکتا ہے؟ آپ نے ''شرح الصدور'' کو نہیں ملاحظہ فرمایا۔ **حکی الیا فعی فی کفایة المعتقدین عن الشیخ عمر بن الفارض انه حضر جنازة رجل من الاولیاء قال فلما صلینا علیه و اذالجو قد امتلاء بطیور خضر فجاء طیر کبیر منهم فابتلعه ثم طار فتعجب من ذٰلک فقال لی رجل قد نزل من الهواء و حضر الصلوة لاتعجب فان ارواح الشهداء فی حواصل طیور خضر ترعی فی الجنة اولٰئک شهداء السیوف و اما شهداء المحبة فاجسادهم ارواح**۔ ترجمہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''کفایۃ المعتقدین'' سے بروایت یافعی شیخ عمر بن فارض مکی کا چشم دید واقعہ نقل کرتے ہیں کہ شیخ عمر ایک ولی اللہ کے جنازہ پر جا پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ جبکہ ہم نماز جنازہ ادا کر چکے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس قدر سبز جانور آسمان سے اترے ہیں کہ ان سے آسمان چھپ گیا پس ان میں سے ایک بڑا جانور الگ نیچے اترا اور اس نے اس ولی اللہ کو اس طرح نگل لیا جیسے کہ جانور ایک دانہ نگل لیتا ہے اور آسمان کی طرف اڑ گیا۔ شیخ عمر فرماتے ہیں کہ

میں اس واقعہ سے متعجب ہوا لیکن اتنے میں ایک شخص میرے سامنے آ گیا کہ وہ بھی آسمان سے اترا تھا اور نماز میں شریک ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ اے عمر! اس واقعہ سے تعجب مت کر۔ کیونکہ وہ شہید جن کی روحیں جنت میں سبز جانوروں کی حواصل میں رہتی ہیں، وہ تلوار کے شہید ہیں۔ لیکن محبت کے شہیدوں کے بدن، روح کا حکم رکھتے ہیں۔

شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اسی کے مشابہ ہے وہ قصہ جس کو ابن ابی الدنیا نے ذکر موتی میں زید بن اسلم سے روایت کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عابد و زاہد پہاڑوں کی غاروں میں خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اور دنیا کے لوگوں سے کنارہ کش تھا۔ اس زمانہ کے لوگ قحط کے دنوں میں اس سے دعا منگوایا کرتے تھے اور اس کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان پر ابر رحمت برسایا کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ فوت ہو گیا لوگ اس کے غسل کی تیاری کرنے لگے کہ ناگہاں ایک تخت آسمان کی بلندی سے اترتا ہوا نظر آیا یہاں تک کہ اس ولی کے نزدیک آ پہنچا۔ اور ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس تخت کو پکڑ لیا اور اس ولی کو تخت پر رکھا اور وہ تخت آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور لوگ دیکھتے رہے کہ وہ ہوا میں اڑا جاتا ہے یہاں تک کہ ان سے پوشیدہ ہو گیا۔ **قلت و یشبہ ھذا ما اخرجہ ابن ابی الدنیا فی ذکر الموت عن زید بن اسلم قال کان فی بنی اسرائیل رجل قد اعتزل الناس فی کھف جبل و کان اھل زمانہ اذا قحطوا استغاثوا بہ فدعی اللّٰہ فسقاھم فمات فاخذوا فی جھازہ فبیناھم کذالک اذاھم بسریر برفرف فی عنان السماء حتی انتھی الیہ فقام رجل فاخذہ فو ضعہ علی السریر فارتفع السریر و الناس ینظرون الیہ فی الھواء حتی غاب عنھم۔**

عامر بن فھیرہ کا آسمان پر اٹھایا جانا: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس کا مؤید وہ واقعہ ہے جس کو بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں بروایت عروہ نقل کیا ہے

کہ عامر بن فہیرہ غلام ابی بکرؓ معونہ کے دن شہید ہوا۔ اور عمرو بن امیہ الضمری نے بچشم خود دیکھا کہ وہ اسی وقت آسمانوں کی طرف اٹھایا گیا۔ چنانچہ یہی عجیب وغریب واقعہ ضحاک بن سفیان کلابی کے اسلام کا باعث ہوا اور اس نے عامر بن فہیرہ کے قتل کا اور رفع کا چشم دید واقعہ اور اس پر اپنا اسلام لانا آنحضرت ﷺ کی طرف لکھا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ملائکہ نے عامر بن فہیرہ کے جسم کو چھپالیا اور اس کو علیین پر جا اتارا۔ اور یہی قصہ ابن سعد اور حاکم نے کبیر میں بطریق عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کیا کہ عامر بن فہیرہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور ملائکہ نے اس کا جسم چھپالیا۔ اور عامر بن طفیل بھی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہے۔ اس نے عامر بن فہیرہ کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا دیکھا۔ اور اسی طرح خبیب بن عدی کی نسبت احمد اور ابونعیم اور بیہقی نے بروایت عمرو بن امیہ الضمری تخریج کی۔ شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابونعیم کے نزدیک خبیب بن عدی کا آسمانوں کی طرف مرفوع ہونا قطعی ہے۔ چنانچہ ابونعیم نے جواب وسوال کی صورت میں کہا کہ اگر یہ کہا جاوے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں کی طرف اٹھا لئے گئے ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ ہمارے نبی ﷺ کی امت میں سے ایک قوم آسمانوں کی طرف اٹھائی گئی۔ اور یہ امر عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سے بھی عجیب تر ہے۔ اور اس کے بعد عامر بن فہیرہ اور خبیب بن عدی اور علاء بن حضرمی کا واقعہ بھی بیان کیا۔ جس کے رفع کا ذکر شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے باب احوال الموتیٰ فی قبورہم میں کیا۔ اس کے بعد شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مشہور حدیث سے جس کو نسائی اور بیہقی اور طبرانی وغیرہم نے بروایت جابرؓ تخریج کیا ہے۔ ان واقعات رفع کے غیر محال اور ممکن الوقوع ہونے پر استدلال کر کے کہا کہ غزوہ احد میں جبکہ حضرت طلحہؓ انگلیوں کے زخم کے درد سے کلمۂ حس کہہ رہے تھے (جو عرب کے محاورہ میں شدت درد کے وقت منہ سے نکلتا ہے) تو اس وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے

خطاب کر کے فرمایا کہ اے طلحہ! اگر تو بجائے کلمہ حس کے بسم اللہ کہتا تو ملائکہ بالضرور تجھے اٹھا لے جاتے اور لوگ تیری طرف دیکھتے رہ جاتے، یہاں تک کہ تو وسط آسمان میں جا پہنچتا۔ یہ ترجمہ ہے شرح الصدور کی عبارت کا صفحہ ۱۷۳ میں ملاحظہ ہو۔

امروہی صاحب! افسوس ہے کہ آپ کے نبی قادیانی کہیں تو رفع مسیح کو محال عقلی اور کہیں اس پر تمسخر اڑاتے ہیں کہ آسمان پر مسیح بول و براز کس جگہ کرتا ہوگا اور اتنی عمر کا ہو کر نکمانہ ہو گیا ہوگا۔ پھر اترنے کے بعد کس کام کا ہوگا۔ (ناظرین صفحہ ۱۴ے "ازالہ اوہام" کا ملاحظہ کریں اور نیز ازالہ صفحہ ۵۰ و صفحہ ۴۷۔)

شعر گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا

کار طفلاں تمام خواہد شُد

خدارا قرآن مجید کی تحریف سے باز آؤ۔ بعد اس کے معلوم ہو کہ رفع جسمی بمعنی رفع الملائکہ الی السماء جو مستلزم ہے اعزاز کو۔ اس کا مقابل خفض فی الارض ہے جو بذریعہ ملائکہ کے ہوتا ہے کفار مخسوفین میں (یعنی زمین میں دھنسائے ہوئے) اور وہی متحقق ہوگا۔ آپ نے اس کے لئے مومنین موحدین کو کس طرح مادہ تحقیق بنالیا۔

قولہ: صفحہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۳۱۔ ثانیاً ہم کہتے ہیں کہ امام مالک صاحب کا مذہب موت اور وفات مسیح بن مریم کا مثلاً ہے۔ اور آپ کے نزدیک وہ بالضرور اہل تحقیق میں سے ہوں گے۔ کیونکہ ائمہ اربعہ میں سے ایک بڑے امام ہیں۔ اب آپ فرماویں کہ باقی تین آئمہ نے اپنے مذہب رفع جسمانی یا نزول جسمانی کی کہاں تصریح کی ہے۔ درصورت عدم تصریح اقل درجہ ان کی نسبت سکوت مانا جاویگا۔ پھر وہی مذہب ہمارا لوٹ آیا۔ کہ بعض اہل تحقیق نے اپنے مذہب کی تصریح کردی ہے اور بعض محققین نے مجملاً اس پیشین گوئی کو تسلیم کرلیا ہے۔ اپنے وقت پر جس طرح ہو، واقع ہو کہ علمہ عند اللہ اور قبل وقوع پیشین گوئی کے یہ طریقہ اختیار کرنا بھی اسلم ہے۔ ثالثاً فرضاً کہ بعض اہل تحقیق سے کوئی قول مؤید آپ کے مذہب کا

منقول ہوتو پھر ہم یہ کہیں گے کہ وہ آپ کا اجماع کہاں گیا جس کے خرق کا الزام ہم پر لگا کر ہماری تحقیر کی گئی تھی۔ اے مرید ومؤلف صاحب کے اب تو آپ کے پیر نے فیصلہ کر دیا اور بذریعہ اپنی کتاب کے اشتہار دے دیا کہ بعض محققین رفع روحانی اور وفات کے قائل ہیں نہ حیات اور رفع جسمانی کے۔ الخ۔

اقول: الفاظ ''الا بعض اہل تحقیق'' کا معنی اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب آئمہ کے تصریحات سنیے۔ امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ **وخروج الدجّال و یاجوج وماجوج وطلوع الشمس من المغرب ونزول عیسٰی علیہ السلام من السماء وسائرعلامات یوم القیٰمہ علی ماوردت به الاخبار الصحیحة حق کائن**۔ (فقہ اکبر) اور یہی مذہب کل آئمہ شفعویہ کا ہے۔ جیسے کہ آئمہ صحاح ستہ اور شیخ سیوطی وغیرہ کی تصریحات سے ظاہر ہے۔ اور یہی مذہب آئمہ مالکیہ کا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام احمد[۱] نفراوی المالکی نے فواکہ دوانی میں تصریح کر دی کہ اشراط ساعت سے ہے آسمانوں سے عیسٰی علیہ السلام کا اترنا۔ اھ۔ اور جیسا کہ علامہ زُرقانی مالکی شرح مواہب قسطلانی میں بڑی بسط سے لکھتے ہیں۔ جس کا نقل کرنا حسب مدعٰی اس موقع پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ **فاذا نزل سیدنا عیسٰی**علیه الصلوة والسلام **فانه یحکم بشریعة نبینا** صلی اللہ علیہ وسلم **بالهام واطلاع علی الروح المحمدی اوبما شاء اللّٰه من استنباط لها من الکتاب والسنة**

---

[۱] بحسب تصریح شیخ الاسلام احمد مالکی اور علامہ زرقانی مالکی وعلامہ سیوطی وغیرہم کے ثابت ہے کہ امام مالک کا مذہب بھی اجماع کے برخلاف نہیں۔ اسی لیے (**قال مالک مات وهوابن ثلث وثلثین سنة**) کی تاویل شیخ محمد طاہر مجمع البحار میں یوں لکھتے ہیں (**ولعله اراد رفعه الی السماء حقیقةً ویجیٔ آخرالزمان لتواتر خبرالنزول**. جلد ا ص ۲۸۶) الغرض رفع ونزول جسمی کے سب آئمہ قائل ہیں اور حیات مسیح **الی مابعد النزول ماشاء اللّٰه** سب کا اجماعی عقیدہ ہے۔ یہی معنٰی ہے شمس الہدایت کے اس قول کا ''مگر نزول مسیح پر سب ہی اتفاق رکھتے ہیں۔'' ۱۲ منہ۔

ونحو ذلک۔ شاید آپ نزول کو جو علامہ زرقانی مالکی المذہب کی عبارت ''فاذانزل سیدنا عیسٰی'' سے مفہوم ہوتا ہے حسب العادت مؤوّل ٹھہراویں یعنی نزول بروزی تو اس کج رفتاری کو یہ عبارت جو اس کے بعد لکھتے ہیں۔ **فھو ﷺ وان کان خلیفة فی الامة المحمدیة فھو رسول و نبی کریم علی حاله لاکما یظن بعض الناس انه یاتی واحداً من ھذہ الامة بدون نبوة و رسالة وجھل انھما لایزولان بالموت کماتقدم فکیف بمن ھوحیّ نعم ھو واحد من ھذہ الامة مع بقائه علی نبوته ورسالته**۔ خاک میں ملا دیتی ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاعلام میں لکھتے ہیں کہ عیسیٰ نبی اللہ جو بعداز نزول آسمانوں سے ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کے مطابق حکم کریگا، اس پر اجماع ہے۔ عبارت یہ ہے۔ کہ **انه یحکم بشرع نبینا وردت به الاحادیث و انعقد علیه الاجماع**۔ فتح البیان میں ہے۔ **وقد تواترت الاحادیث بالنزول جسما اوضح ذلک الشوکانی فی مؤلف مستقل یتضمن ذکر ما ورد فی المنتظر والدجّال والمسیح وغیرہ وصحح الطبری ھذاالقول ووردت بذلک الاحادیث المتواترة**۔ (فتح البیان: صفحہ ۳۴۴ ج ۲)۔

آئمہ اربعہ کی مسانید اور ایسے ہی ان کے مقلدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف میں احادیث نزول مسیح موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے لفظ **عیسٰی** سے وہی مریم کا بیٹا علی نبینا و ﷺ سمجھا ہوا تھا نہ مثیل اس کا۔ الغرض تالیفات آئمہ اربعہ وسائر علماء اسلام محدثین ومفسرین کی الی یومنا ہذا کے اوپر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کل محدثین اور آئمہ مذاہب اربعہ اور اصحاب روایت ودرایت صحابہ کرام جیسے حضرت عمر اور حضرت ابن عباس اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود اور ابو ہریرہ اور عبداللہ بن سلام اور ربیع

اور انس اور کعب اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ چنانچہ ان کا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کلام بالتشریح اپنے مقام پر آئے گا۔ اور جابر اور ثوبان اور عائشہ اور تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بخاری و مسلم اور ترمذی اور نسائی اور ابوداؤد اور بیہقی اور طبرانی اور عبد بن حمید اور ابن ابی شیبہ اور حاکم اور ابن جریر اور ابن حبان اور امام احمد اور ابن ابی حاتم اور عبدالرزاق اور قتادہ اور سعید بن منصور اور ابن عساکر اور اسحٰق بن بشیر اور ابن ماجہ اور ابن مردویہ اور بزاز شرح السنۃ و ابونعیم اور شیخ سیوطی اور علامہ ذہبی اور ابن حجر عسقلانی اور قسطلانی اور امام ابوحنیفہ اور کل آئمہ شفعویہ اور مالکیہ اور حنبلیہ اور شیخ اکبر صاحب فتوحات و مجدّدِ وقت حضرت امام ربّانی وسائر صوفیہ[1] کرام علیہم الرضوان اور تابعین جیسے ابن سیرین اور امام شوکانی اور ابن قیم و ابن تیمیہ وغیرہ کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ نبی علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اور قبل از قیامت آسمانوں سے اتریں گے۔ قادیانی صاحب نے اس افتراء اور ناپاک جھوٹ مسطورہ ''مکتوب عربی'' سے سفید کاغذوں کا منہ سیاہ کردیا۔ کہ ''اکثر اکابر امت اور آئمہ مسیح کے

---

[1] مرزا صاحب نے جو نزول بروزی کو صوفیہ کا مذہب لکھا ہے (ایام الصلح فارسی ص ۱۸۰) یا امروہی صاحب نے شمس بازغہ میں۔ ان دونوں نے نقل میں دھوکے اور دجل سے کام لیا ہے۔ شیخ محمد اکرم صابری کی کتاب ''اقتباس الانوار'' سے نقل کرتے ہیں۔ ''وبعضے برانند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ایں بروز است مطابق ایں حدیث **لامھدی الا عیسی ابن مریم**''۔ بس حالانکہ اس کے بعد اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ ''وایں مقدمہ بہ غایت ضعیف است'' (اقتباس الانوار صفحہ ۵۲) ۔ اور دوسری جگہ اسی کتاب ''اقتباس الانوار'' کے صفحہ ۲ے میں لکھتے ہیں۔ ''یک فرقہ برآں رفتہ اند کہ مہدی آخرالزمان عیسیٰ بن مریم است وایں روایت بہ غایت ضعیف است۔ زیرا کہ اکثر احادیث صحیحہ ومتواترہ از حضرت رسالت پناہ ﷺ ورود یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواہد بود و عیسیٰ باو اقتدا کردہ نماز خواہد گذارد و جمیع عارفان صاحب تمکین برایں متفق اند۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ در فتوحات مکی مفصل نوشتہ است کہ مہدی آخرالزمان از آلِ رسول ﷺ من اولاد فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ظاہر شود و اسم او اسم رسول اللہ باشد'' الخ۔ ۱۲ منہ۔

مرجانے کے قائل ہیں اوراس کی حیات پر اجماع نہیں بلکہ اس کی موت پر اجماع ہے۔اور صحابہ اور تابعین اور آئمہ اور تبع تابعین اس کی موت کے قائل ہیں۔اور یہی مذہب مالک اور ابن حزم اور امام بخاری وغیرہ اکابر محدثین کا ہے اور اسی پر اتفاق اکابر معتزلہ اور بعض اولیائے کرام کا ہے۔اور رجوع کا لفظ کسی حدیث نبوی میں نہیں۔اور آسمان سے نزول کا لفظ بھی نہ کسی حدیث میں آیا اور نہ متقدمین کے ملفوظات اور کلمات میں۔کیا تم ان الفاظ کو خائنوں کی طرح تراشتے ہو۔اور تم ہرگز ان الفاظ کو رسول کریم ﷺ اور متقدمین کی کلام یا ''**توفی**'' کے لفظ کو غیر معنی موت میں نہ پاسکو گے، اگرچہ حسرت اور ندامت کے ساتھ مرنا چاہو''۔ یہ ہے ترجمہ مکتوب عربی قادیانی کا صفحہ۱۵۱۔ امروہی صاحب بھی مثل مشہور کا مصداق چھوٹے میاں واہ واہ! اور بڑے میاں سبحان اللہ۔

بھائی مسلمانو! تفسیروں میں مفسرین نے جس امر کو نصاریٰ کا قول یا کسی ایک مسلم کا یعنی وفات مسیح ٹھہرایا ہے۔اس کو قادیانی نے بمعہ چیلے چانٹوں اپنے کے مجمع علیہ اہل اسلام کا بنالیا ہے۔دیکھو بیضاوی **قیل اماته اللّٰه سبع ساعات ثم رفعه اللّٰه الی السماء والیه ذهب النصاری**۔ یعنی یہ قول کہ عیسیٰ علیہ السلام رفع کے قبل سات ساعت تک مرے رہے، یہ نصاریٰ کا قول ہے۔اور معالم وتفسیر ابن کثیر میں ہے۔کہ **قال وهب توفی اللّٰه عیسیٰ ثلث ساعات من النّهار ثم احیاه ثم رفعه اللّٰه الیه وقال محمد بن اسحاق ان النصاری یزعمون ان اللّٰه توفاه سبع ساعات من النهار ثم احیاه و رفعه الیه**۔ اور شیخ الاسلام حرانی کی عبارت جس میں قول بالوفات کو نصاریٰ کی طرف منسوب کیا ہے، ابتداء کتاب ہذا میں نقل کی گئی ہے۔اور جیسے کہ حاکم نے مستدرک میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک سو برس تک زندہ رہے۔اور ہر نبی اپنے ماقبل نبی کے نصف عمر پاتا ہے۔اور آنحضرت ﷺ

نے فرمایا کہ میں ساٹھ برس کے سرے پر جانے والا ہوں۔ پہلے قول کو سب نے نصاریٰ کی طرف منسوب کیا اور حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذکر کر کے حافظ ابن حجر عسقلانی نے خود غیر معتبر ٹھہرایا۔ اور کہا کہ صحیح یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ اٹھایا گیا۔ اور ابن عساکر کی حدیث اس کے بعد نقل کر کے ثابت کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مدینہ منورہ میں فوت ہوں گے۔ اگر کتب سیَر وتواریخ پر بالاستقراء نظر ڈالی جائے تو ہرگز یہ قضیہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر نبی اپنے ماقبل نبی کے نصف عمر پاتا ہے۔ اور فساد مضمون کا من جملہ علامات وضع حدیث کے ہوتا ہے۔

قادیانی نے اپنے مکتوب میں جن امور کی نسبت ساری امت کو مفتری ٹھہرایا ہے انکا ثبوت

۱...... لفظ ''من السماء'' کا ثبوت صراحتاً یا دلالۃً **روی اسحق بن بشر وابن عساکر عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ فعند ذلک ینزل اخی عیسیٰ بن مریم من السماء۔**

۲...... فقہ اکبر میں امام الائمہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء فرماتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے نقل کیا گیا۔

۳...... شیخ اکبر فتوحات میں فرماتے ہیں۔ **فانہ لم یمت الی الاٰن بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ الیٰ ھذہ السماء روی ابن جریرو ابن حاتم عن ربیع قال ان النصاریٰ اتوا النبی ﷺ الی ان قال الستم تعلمون ربنا حی لایموت وان عیسیٰ یاتی علیہ الفناء۔** کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا ربّ زندہ ہے جس پر موت نہیں آئے گی اور عیسیٰ پر موت آئے گی۔

۴...... درۃ الدرانی۔ (۱) بخاری کا مذہب۔ **اخرج البخاری فی تاریخہ والطبرانی عن عبداللہ بن سلام قال یدفن عیسیٰ بن مریم مع رسول اللّٰہ وصاحبیہ**

فیکون قبرہ رابعاً۔(۲) ''رجوع کا لفظ'' **قال الحسن قال رسول اللہ ﷺ للیھود ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیٰمۃ**(درمنثور)۔

امروہی صاحب اس **لم یمت** کی تاویل فرماتے ہیں۔ ''کہ حضرت عیسٰیؑ سولی پر نہیں مرے''۔(دیکھوشمس بازغہ صفحہ ۷۰، سطر ۲۰)۔مگر آگے جا کر **وانہ راجع الیکم قبل یوم القیٰمۃ** میں سکتہ عارض ہوجاتا ہے۔شاید اس لئے کہ کیا کروں اگر **انہ راجع** میں **انہ** کی ضمیر عیسٰیؑ کی طرف عائد کرتا ہوں تو خود عیسٰیؑ کا دوبارہ دنیا میں آنا ثابت ہوجاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو روپیہ چندہ کا میرے پاس بجسدہ العنصری پہنچایا گیا تھا۔وہی بعینہ دوبارہ لوٹ کر جس جگہ سے آیا تھا وہاں پر ہی نازل ہوگا۔اور اگر **انہ** کا مرجع قادیانی ٹھہراتا ہوں تو آیت میں اس کا ذکر ہی نہیں۔اب ذرا دم کھا جانا مصلحت وقت معلوم ہوتا ہے۔

نزول ورجوع بروزی کی تاویل اور اس کی تردید ابتداء کتاب میں مفصل گذر چکی ہے، ملاحظہ ہو۔اور حاکم نے اس حدیث معاہدہ کے اخیر میں جس کو امام احمد نے اخراج کیا ہے، اپنی مستدرک میں کہا ہے۔**فذکر من خروج الدجّال فاھبط فاقتلہ لااترککم یتامٰی انی اٰتی الیکم بعد قلیل واما انتم فترونني انی اناحیّ**۔ (انجیل مطبوعہ بیروت ۱۸،۲)۔خیرالدین آفندی جواب فصیح میں لکھتے ہیں۔کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا یہ قول اور آنحضرت ﷺ کا قول کہ ''ابن مریم تم میں حکم وعادل ہوکر نزول کرے گا''۔**اتی الیکم** اور **حی** اور **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کو ملاحظہ فرماویں۔

۵......ہبوط کا لفظ **لیھبطن عیسٰی بن مریم حکماً عدلا** الخ۔ابوہریرہ ابن عساکر کی حدیث کے اخیر میں **حاجاً او معتمراً ولیقفن علی قبری ویسلمن علی ولاردن علیہ** موجود ہے۔اور ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً میں حاضر ہوکر سلام عرض کرنا اور جواب سلام سے مشرّف ہونا، یہ نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی۔

۶.....شمس الہدایت میں زریت بن برثملا وصی عیسیٰ والی حدیث مذکور ہے۔جس کو ابن عباس نے روایت کیا ہے۔ کمافی ازالۃ الخفاء۔اس حدیث میں **الیٰ حین نزوله من السماء** کا لفظ بھی موجود ہے۔اس حدیث سے برخلاف مشن قادیانی کے کئی امور پائے جاتے ہیں۔

۱.....زریت بن برثملا کا اس قدر زمانہ دراز تک بغیر اکل وشرب کے زندہ رہنا۔۲.....عیسیٰ علیہ السلام کے نزول بنفسہ کی بشارت دینا۔۳.....حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نضلہ اور تین سو سوار کی روایت وصی عیسیٰ کو تسلیم کر کے اپنا سلام وصی عیسیٰ کی طرف بھیجنا۔۴.....حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بمعہ چار ہزار صحابہ مہاجرین وانصار کے عیسیٰ نبی اللہ کے نزول من السماء کو صحیح سمجھنا نہ یہ کہ کوئی اس کا مثیل آویگا۔۵.....یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات شریف کے دن **کمارفع عیسیٰ** کا فقرہ صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلکہ سائر صحابہ جو اس وقت حاضر تھے،سب کا تسلیم شدہ تھا۔ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر **کما رفع عیسیٰ** کو بھی مثل رفع محمدی کے خطبہ صدیقی رضی اللہ عنہ غلط ومردود سمجھے ہوتے تو نضلہ کی روایت وصی عیسیٰ کو تسلیم کر کے سلام نہ بھیجتے۔اور معلوم ہو کہ وفات شریف کے دن محل کلام صرف یہی تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بسبب اضطراب وقلق کے وفات شریف کے بارہ میں اور کچھ نہیں بن پڑتی تھی بغیر اس کے کہ **رفع کمار فع عیسیٰ بن مریم** کہتے تھے۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اٹھائے گئے ہیں۔چنانچہ ابن مریم اٹھایا گیا۔ازالۃ الخفا کے مقصد دوئم میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔کہ ''چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از عالم دنیا برفیق اعلیٰ انتقال فرمود تشویشہا بیشمار بخاطر مردم راہ یافت ظن ا[1] بعضے آنکہ ایں موت نیست حالتے ست کہ عند الوحی پیش مے آید گمان بعضے آنکہ موت منافی مرتبۂ نبوت است۔الخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خیال کی تردید کے لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] اس سے صاف ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مدعٰی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کا اثبات ہے جس سے صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پہلے فقرہ **انما رفع** کی تردید منظور ہے نہ دوسرے فقرہ **کمارفع عیسیٰ** کی۔۱۲منہ

ایها الرجل اربع علیٰ نفسک فرما کر کہا۔ فان رسول اللّٰہ ﷺ قدمات الم تسمع اللّٰہ یقول اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ ○ (زمر:۳۰) وَمَاجَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ ط اَفَاِئْنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخَالِدُوْنَ ○ (انبیاء:۳۴) پھر منبر پر چڑھ کر بعد حمد وثناء فرمایا۔ ایھاالناس ان کان محمد الٰھکم الذی تعبدون فان الٰھکم قدمات وان کان الٰھکم الذی فی السماء فان الٰھکم لم یمت پھر یہ آیت پڑھی وَمَامُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ (آل عمران:۱۴۴) اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کا خیال تشویش کے باعث اسی طرف تھا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ عیسیٰ بن مریم کی طرح زندہ ہیں۔ اس کی تردید حضرت صدیقؓ نے فان رسول اللّٰہ ﷺ قدمات سے فرمائی۔ اور پھر اس وہم کو (کہ موت منافی نبوت کے ہے) اس آیت اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ ○ (زمر:۳۰) ونظائرہا سے دور فرمایا۔ یعنی موت منافی نبوت کے نہیں۔ اور یہی ہے ماسبقت لاجلہ الآیات یعنی آیات کا سوق صرف اتنے ہی مضمون کے لئے ہے کہ یہ خیال تمہارا کہ انبیاء بھلا کب مرتے ہیں، غلط ہے۔ پیغمبری اور موت باہم متنافی نہیں۔ رہا یہ امر کہ سب انبیا مر چکے۔ نہ تو مفاد آیات کا ہے اور نہ اس پر مزعوم مخاطبین کی تردید موقوف ہے اِنَّکَ مَیِّتٌ ظاہر ہے کہ تحقق موت کا افادہ نہیں دیتا۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بروقت نزول اس آیت کے وفات پا چکے ہوں۔ اور ایسا ہی وَمَاجَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ ط۔ کیونکہ مفاد اس کا خلود کی نفی ہے اور مسیح بھی چونکہ اپنی ہستی کے لئے ابتداء اور انتہاء رکھتا ہے لہٰذا خلود سے بے بہرہ ہے۔ اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ کا دال ہونا کل انبیاء کی موت پر موقوف ہے خلت کے بمعنی ماتت اور لام الرُّسُل میں استغراقی ہونے پر۔ سو یہ دونوں ممنوع ہیں۔ بلکہ خلت کا بمعنی مضت ہونا اور لام کا جنسی ہونا متعین ہے۔ پہلا لغت اور شہادت نظائر سے ثابت ہے مثل قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ (آل عمران:۱۳۷)۔

الایام الخالیۃ وغیرھا اور لام کے استغراقی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں بھی نازل ہوا ہے۔ **قال تعالیٰ مَاالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** ط (المائدہ:۷۵) پس برتقدیر استغراق معنی یہ ہوا کہ مسیح سے پہلے سارے رسول مر چکے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے۔ لہٰذا **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** ط (آل عمران:۱۴۴) میں بھی لام استغراقی نہ ہوا تا کہ مسیح کی وفات پر دلالت کرے۔ الغرض اس آیت کا مسیح کی وفات پر دال ہونا دو امر پر موقوف ہے جو دونوں ہی ثابت نہیں۔ کما عرفت۔ بناءً علیہ صدیقی خطبہ میں محل استشہاد صرف **اَفَاِنْ مَّاتَ** اور **اِنَّکَ مَيِّتٌ** ہے نہ **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ**۔ تو معلوم ہوا کہ نزول آیات مذکورہ کے وقت مسیح بن مریم کا زندہ رہنا آیات مذکورہ کے لئے منافی نہیں۔ ہاں دائمی حیات بے شک منافی ہے آیات مذکورہ کو۔ سو مسیح بن مریم کو بلکہ کسی کو مخلوق میں سے ہم بھی حی قیوم نہیں جانتے۔ ہم بھی قائل ہیں کہ بعد النزول مریں گے۔ اور یہی مطلب ہے امام ہمام محمد بن عبدالکریم شہرستانی صاحب کتاب ''الملل والنحل'' کا اس عبارت سے **وقال عمربن الخطاب من قال ان محمدا قدمات قتلته بسیفی ھذا وانما رفع کمارفع عیسیٰ بن مریم وقال ابوبکر بن قحافۃ من کان یعبد محمدا فان محمدا قدمات.**

نہایت افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ مرزا جی اسی خطبہ صدیقی کو اپنی ''ایام الصلح''، وغیرہ اور امروہی صاحب ''قسطاس'' میں دلیل ٹھہراتے ہیں اجماع کے اس امر پر کہ مسیح بن مریم مر گیا۔ دیکھو قسطاس کے صفحہ ۷، سطر ۳۔ ''کہ بھلا تم اس اپنے خیالی عقیدہ کو حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ہی ثابت کر دو جو دعویٰ اجماع صحابہ وغیرہم کا کئے جاتے ہو کہ حضرت عیسیٰ اس جسد خاکی کے ساتھ باجماع

آسمانوں پر چڑھائے گئے اور وہاں پر اسی جسد خاکی کے ساتھ آسمانوں پر سے نزول فرماویں گے۔ اگر صادق ہو تو کوئی ایک روایت ہی ان خلفاء اربعہ سے پیش کرو“۔ (اس بیچارے لایعقل کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اگر کسی صحابی کا یہ خیال ثابت بھی ہو تو وہ فہم صحابہ بمقابل نصوص بینۂ قرآنیہ کے کب حجت ہو سکتا ہے۔) علاوہ یہ کہ بروز وفات رسول مقبول ﷺ کے اس خیال سے سب حاضرین صحابہ نے رجوع کیا ہے۔ چنانچہ امام ہمام محمد بن عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب ”الملل والنحل“ میں لکھتے ہیں۔ **وقال عمر بن الخطاب۔** انتہی

سبحان اللہ! قرآن وحدیث میں مہارت ہو تو ایسی ہو کہ بوجہ جہالت الٹا مضمون سمجھ کر امر اجماعی کو غیر اجماعی وبالعکس قرار دیا۔ بھلا یہ کب ہو سکتا ہے کہ آیات قرآنیہ کے برخلاف حیات مسیح الی الآن پر اجماع ہو۔ اور آنحضرت ﷺ برخلاف آیات قرآنیہ کے ایک مضمون مخالف کو نہایت اہتمام سے کرات ومرات ارشاد فرماویں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ خطبۂ صدیقی کا مطلب وہی ہے جو بیان کیا گیا۔ قادیانی مع اتباعہ بوجہ جمع ہونے الرسل کے لام کو استغراقی خیال کرتے ہیں۔ ناظرین معلوم کر چکے ہیں کہ لام استغراقی بوجہ مذکورہ بالا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ معہذا جمع پر لام کا استغراقی ہونا بشہادت نظائر ضروری بھی نہیں۔ **قال تعالیٰ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلَائِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ والآیۃ** (آل عمران:۴۵) **وایضاً وَاِذْ قَالَتِ الْمَلَائِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفَاکِ الآیۃ** (آل عمران:۴۲) الغرض قادیانی نے اسی تفسیر دانی پر نازاں ہو کر وفات مسیح کو منصوص اور مجمع علیہ ٹھہرایا۔ جس کی علت غائی یہ تھی کہ احادیث نزول مسیح میں میری (قادیانی) بشارت ہے۔

تنبیہ: بعد ظہور اس امر کے کہ رفع جسمی مسیح بحالت حیات اور ایسا ہی اس کا نزول ایک اجماعی عقیدہ ہے اہل اسلام کا۔ جس پر آج تک **بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ** کو سب اہل اسلام نص قطعی خیال کرتے چلے آتے ہیں۔ اور مراد نزول سے احادیث متواترہ میں نزول

جسمی اسی مسیح کا ہے، جو نبی اور مریم کا بیٹا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت ﷺ کے فہم مبارک اور سب امت مرحومہ کے اذہان میں یہی مرکوز ہے، لہٰذا قادیانی صاحب اپنے مدعٰی بغیر اس کے حاصل نہیں کر سکتے کہ آنحضرت ﷺ کے اس خیال کو کہ وہی مسیح جو نبی ہے نزول کرے گا یا تو العیاذ باللہ غلط ٹھہرا کر آپ کو آیات قرآنی سے بے خبر تصور کریں۔ یا یہ ثابت کریں کہ آنحضرت ﷺ کا خیال بھی ان کے مطابق تھا۔ ان دو شقوں میں سے قادیانی صاحب بمعہ اپنے چیلوں کے ہر ایک کو ہاتھ ڈالتے ہیں مگر الحمد للہ کہ نا کامیاب ہی رہتے ہیں۔ شق اول کی نسبت لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو تعبیر کشف[1] میں غلطی ہوگئی ہے۔ یعنی غلام احمد قادیانی برنگ عیسیٰ ابن مریم مکشوف ہوا۔ مگر آپ ﷺ نے عیسیٰ بن مریم بعینہٖ سمجھ لیا۔ سو اس بکواس کی نسبت گذارش ہے کہ یہ خیال بالکل لغو اور منافی بحکمت تبلیغ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے امت مرحومہ کی خیر خواہی کے لئے بڑی تفصیل وبسط وعلامات وخصوصیات وتاکیدات سے اس پیشین گوئی اور ایسا ہی سائر علامات قیامت کو بیان فرمایا ہے تاکہ میری امت جھوٹے مسیح اور فتنہ دجال سے محفوظ رہے۔ اور بر تقدیر خطائی التعبیر کے اس خیر خواہی کا ثمرہ یہ نکلا کہ خدائے جل وعلا سے لے کر موجودہ اہل اسلام تک خطا ہی خطا ہوگیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو بھی یہ نہ سوجھی کہ واضح طور پر وحی بھیجوں یا بحکم **فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَايُلْقِي الشَّيْطَانُ** کے خطا کی ترمیم وتصویب کر دوں اور اسی ناسمجھی پر آنحضرت ﷺ وصحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین وہلم جرا آج تک رہے اور بخیال مرزا جی کے اس مسیح کے دوبارہ آنے کے قائلین باجمعہم مشرک ٹھہرے کیونکہ اب ایک بشر کو انہوں نے حی قیوم مان لیا۔ دیکھو ایام الصلح وشمس بازغہ وغیرہ وغیرہ۔

نیز ورود اور خطور خطا کا کشف یا تعبیر میں گو کہ منافی نہیں شان نبوت کو، مگر بقاء علی الخطاء بالکل نازیبا اور ناجائز ہے بحکم **فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَايُلْقِي الشَّيْطَانُ** (حج:۵۲) اور نیز اس

[1] دیکھو ایام الصلح صفحہ ۳۴، سطر ۱۰۔ بجنسہٖ لازم نیست کہ کل استعارات را علم نبی از قبل احاطہ کندآہ۔ ۱۲ منہ۔

وجہ سے کہ بقاء علی الخطاء مصادم ہے عصمت کو جس پر رسالت واتباع کے کارخانہ کا دارومدار ہے۔ اس اجماع کے بارے میں مرزا صاحب کبھی تو اجماع کو رانہ لکھتے ہیں۔ دیکھو ازالہ جلد اوّل۔ جس سے رفع جسمی کے اجماعی ہونے پر انکا اقرار پایا جاتا ہے۔ اور جب اجماع امت کے کورانہ ٹھہرانے پر چاروں طرف سے لعن طعن نظر آتے ہیں تو جھٹ کروٹ بدل کر اس طرف منہ کر لیتے ہیں کہ مسیح کے رفع نزول جسمی پر امت کا اجماع ہی نہیں بلکہ اس کی موت پر اجماع ہے۔ دیکھو مکتوب عربی وغیرہ وغیرہ۔

رہا یہ دعویٰ کہ کل اکابر معتزلہ کا عیسٰی کے مرنے پر (یعنی وہ مرگیا) اتفاق ہے۔ ناظرین علامہ زمخشری معتزلی کا ''قول کشاف'' میں ملاحظہ فرماویں۔ **انی متوفیک ای مستوفی اجلک ومعناہ انی عاصمک من ان تقتلک الکفار ومؤخرک الی اجل کتبتہ لک وممیتک حتف انفک لاقتلاً بایدیھم ورافعک الی سمائی ومقر ملائکتی۔** (کشاف) **مُتَوَفِّیْکَ** کے معنی میں اتنا طول (کہ میں تیری اجل پوری کروں گا یعنی میں تجھے کفار کے ہاتھوں سے بچالوں گا۔ اور تجھ کو اس اجل اور زمانہ تک مہلت اور وقفہ دونگا جو تیرے لئے میں نے لکھدیا ہے الخ) اور اس کا معنی **مُمِیْتُکَ** نہ لینا جیسا کہ بعد اس کے **قِیْلَ مُمِیْتُکَ** بصیغۂ تمریض لکھا ہے۔ اسی لئے تو ہے کہ احادیث متواترہ وعقیدۂ اجماعی ونص قطعی **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** کا مفاد **مُتَوَفِّیْکَ** کے مطابق بلا تکلف تقدیم وتاخیر کے ہو۔ امام بخاری کی طرف یہ نسبت کہ اس کا مذہب عقیدہ اجماعیہ کے برخلاف تھا، بالکل لغو اور جہالت ہے۔ کیونکہ امام بخاری نے ''کتاب الانبیاء'' میں ایک باب بعنوان باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام مرتب کیا۔ جس میں ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے **والذی نفسی بیدہ** الخ جس کے اخیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آیت **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتَابِ** استشہاد کے طور پر ذکر فرماتے ہیں۔ اور دوسری حدیث **کیف انتم اذا نزل**

ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔ اس باب کا عنوان اور معنون صاف بتلا رہے ہیں کہ امام بخاری کا مذہب یہی ہے جس پر اجماع امت کا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں سورۂ آل عمران کے لفظ **مُتَوَفِّیکَ** کی تفسیر فقط **مُمِیْتُکَ** سے کردی ہے۔ **وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیکَ مُمِیْتُکَ**۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ امام بخاری کا مذہب یہی ہے کہ اس آیت میں **توفی** کے معنی موت ہیں اور مسیح ابن مریم مر چکا۔ اور ہو بھی کیونکر سکتا ہے جیسا کہ اوپر باب کے عنوان و معنون سے صاف ظاہر ہے، اصحاب روایت کے مدنظر فقط روایت کے اس سلسلے کو بیان کرنا ہے جو ان کو ملا۔ اس روایت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا مذہب بھی یہی ہے کیونکہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نسبت بوجہ اس تفسیر کے کہ **مُتَوَفِّیکَ مُمِیْتُکَ** یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ان کا مذہب بھی وفات مسیح ہے تو امام بخاری کا مذہب بوجہ روایت کیونکر ہوسکتا ہے۔ نیز چونکہ **مُتَوَفِّیکَ** میں وعدہ وفات کا ہے نہ تحقق وفات۔ لہٰذا **قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیکَ مُمِیْتُکَ** وفات مسیح کا افادہ نہیں دیتا۔ جب تک **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** کے متعلق کسی صحابی یا مفسر سے معنی موت کا نقل نہ کیا جاوے، بلکہ ابن عباس سے **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** کے متعلق **رفعتنی** کا معنی مروی ہے کما فی الدر المنثور و نقل فی شمس الہدایت۔ اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** میں بھی اگر معنی موت کا ہی لیا جاوے تو بھی یہ آیت چونکہ حکایت ہے مابعد النزول سے، لہٰذا وفات قبل النزول پر دلالت نہیں کرتی۔ کما یجئی مفصلاً۔ ابن عباس کا مذہب یہی ہے کہ عیسیٰ نبی اللہ فوت نہیں ہوئے اور دوبارہ آسمان سے نزول کریں گے۔ اسی لئے بر تقدیر ارادہ معنی موت کے **مُتَوَفِّیکَ** سے ابن عباس آیت میں تقدیم و تاخیر فرماتے ہیں۔ اور دوسری کتب صحاح میں جیسے نسائی اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اپنے تراجم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہے۔ **عن ابن عباس ان رهطا من اليهود سبوه و أمر فدعا عليهم فمسخهم قردة و خنازير فاجتمعت اليهود**

علی قتله فاخبره اللّٰہ بانه یر فعه الی السماء و یطهره من صحبة الیهود۔ (صحیح نسائی، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) **قال ابن عباس سیدرک اناس من اهل الکتاب عیسٰی حین یبعث فیؤمنون به**(فتح البیان)۔

علاوہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک اور وجہ بھی ہے جو قادیانی صاحب نے بزعم خود دستاویز بنا رکھی ہے۔ **فاقول کما قال العبد الصالح** الخ کی حدیث جو بخاری میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ذکر کی ہے۔ جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنے اور مسیح ابن مریم کے قصے کو ایک ہی رنگ کا قصہ قرار دے کر وہی لفظ **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** اپنے حق میں استعمال فرمایا جو عیسیٰ بن مریم نے اپنے حق میں کہا۔ اور ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً میں آنحضرت ﷺ کا مزار شریف موجود ہے اس لئے بکلی منکشف ہوگیا کہ دونوں برابر طور پر آیت **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** کے اثر سے متاثر ہیں۔ اس تقریر کو قادیانی صاحب نے بوجہ خود غرضی سیاق سے آنکھ بند کر کے دستاویز بنالیا ہے۔ فی الواقع یہ ہے کہ **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** کا تعلق قیامت کے دن سے ہے۔ جیسا کہ درمنثور میں مذکور ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ اس آیت کا قصہ کب ہوگا؟ کہا قیامت کے دن۔ اس پر دلیل یہ فرمائی کہ کیا تو نہیں دیکھتا، خدا خود فرماتا ہے۔ یہ تمام باتیں اسی دن ہوں گی جس میں سچوں کو سچائی نفع دے گی **هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ**(مائدہ:۱۱۹)۔ حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے فرمائے گا کہ تم کو معلوم نہیں کہ تیرے اصحاب نے تیرے بعد کیا کچھ بنایا؟ تو بجواب اس کے میں کہوں گا جیسا کہ کہے گا بندۂ صالح (یعنی مسیح) کہ **وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّادُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ**(مائدہ:۱۱۷) کہ میں ان کا نگران تھا جب تک کہ ان کے بیچ تھا میں۔ پھر جب کہ مار دیا تو نے تو تو ہی ان پر نگہبان رہا۔ اس حدیث میں **کما قال العبد الصالح** میں قال بمعنی **یقول** ہے۔ **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** بمعنی موت ہوا۔ مگر یہ وہ موت ہے جو بعد النزول من السماء مسیح پر وارد ہوگی

جسکے سارے اہل اسلام صحابہ سے لے کر آج کے علماء تک قائل ہیں۔ ہاں اگر قال بمعنی ماضی ہی ہوتا تو **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ** مسیح کی موت پر بروقت تحقق **رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کے دلالت کرتا۔ کیونکہ اس تقدیر پر مطلب یہ ٹھہرا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں کہوں گا قیامت کے دن جیسا کہ کہا تھا مسیح ابن مریم نے بعد اٹھائے جانے کے دنیا سے جب کہ اس سے عیسائیوں کی نسبت سوال کیا گیا تھا کہ **ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ** الآیۃ۔ دلیل اس بات کی کہ امام بخاری نے بھی اس آیت کو متعلق قیامت ہی کے سمجھ رکھا تھا۔ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کے قبل[1] اپنا مذہب بیان کر دیا کہ اس آیت میں جو مسیح ابن مریم کے حق میں اتری ہے لفظ **و اذ قال اللّٰہ** بمعنی **یقول** ہے اور اذ صلہ یعنی زائدہ ہے۔ یعنی امام بخاری نے اپنے اجتہاد سے اپنا مذہب متعلق اس آیت اور اس حدیث کے بیان کر دیا کہ یہ سارا قضیہ اور کل سوال و جواب قیامت کے دن ہوگا۔ اور کلمہ **اذ** نے یہاں معنی ماضی میں کوئی اثر مخالف نہیں دکھایا جیسا کہ مرزا جی اپنی متعدد تالیفات میں **اذ** کو **قال** کی ماضویت کے منصوص کرنے کے لئے لکھتے ہیں، بلکہ کلیہ کے طور پر لکھ دیا کہ ہر[2] جگہ ماضی **اذ** کے تحت واقع ہو تو بالضرور اس سے معنی ماضی کا لیا جاتا ہے اور جس نے یہاں ماضی کو بمعنی مضارع کہا اس کو ظالمین اور کاذبین میں سے شمار کیا دیکھو مکتوب عربی صفحہ ۱۳۵۔ امام بخاری کو اس تخالف کا یہ انعام ملا جیسا کہ ابن عباس کو بروقت ظاہر کرنے مذہب اپنے کے یعنی قول بالتقدیم والتاخیر فی الآیۃ کو تحریف ٹھہرایا۔ یہ وہی امام بخاری تھے کہ بڑے زور سے ان کا نام اپنے موافقین سے لیا جاتا تھا اور اب وہی امام بخاری ہیں کہ بباعث اظہار مذہب اپنے یعنی حیات مسیح کے جو **قال** کو بمعنی **یقول** کے لکھا ہے ان کو وہ انعام دیا جاتا ہے، جو مکتوب عربی میں موجود ہے۔ اور پہلے تو

[1] دیکھو صحیح بخاری۔۱۲ منہ

[2] **اذ تبرأ الذین اتبعوا** آہ کو بھول گئے۔۱۲ منہ

ابن عباس کو **افقه الناس** اور **حبر هذه الامة** کا لقب دے کر بمقابلہ ان لوگوں کے جو **مُتَوَفِّیکَ** سے معنی غیر موت کا لیتے تھے، چلا چلا کر کہا جاتا تھا کہ ایسے بڑے صحابی عظیم الشان جلیل القدر کی تفسیر کو تم نہیں مانتے مگر جب ان کا مذہب ان کے مرویات فی التفسیر و الحدیث سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوا تو اب وہ محرفین میں اور غلط کاروں سے شمار کیے جا رہے ہیں۔ دیکھو ''شمس بازغہ'' متعلق آیت **و انه لعلم للساعة** جو عنقریب آئے گا۔ اور ''ازالہ اوہام'' وغیرہ مرزا جی کا اپنے مریدوں کے ساتھ بھی یہی وطیرہ ہے جب تک وہ مرزا جی کے گیت گاتے ہیں مرزا جی بھی ان کی ثناء خوانی تحریرات میں شائع کر دیتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے سے نیچے نہیں چھوڑتے اور جب الگ ہو گئے تو سارے جہاں میں کوئی ان کے برابر ملعون اور مردود نہیں ہوتا۔

ایک دقت اور بھی ہے کہ مرزا جی **قال** سے ماضی کا معنی لیتے ہیں اور جناب مولوی نور الدین صاحب بمعنی مضارع لیتے ہیں۔ دیکھو مقدمہ ''اہل کتاب'' صفحہ ۱۷۸۔ ہاں ہم پر یعنی جو لوگ اس قصے کو قیامت سے متعلق سمجھتے ہیں، مرزا صاحب کا ایک اعتراض ہے کہ سوال خداوندی تو یہ تھا کہ کیا تو نے اپنے اور اپنی والدہ کی الوہیت کی طرف ان کو بلایا تھا جس کا جواب مسیح نے یہ دیا **سُبْحَانَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ** الآیہ (مائدہ:۱۱۶) جس میں یہ بھی کہا کہ جب تک میں ان میں تھا ان کا نگران حال تھا اور جب تو نے مجھے فوت کر لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ مسیح کو عیسائیوں کے شرک کی کوئی خبر نہیں اور یہ جب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ اب مسیح زندہ نہ ہو۔ کیونکہ اگر زندہ ہیں اور دنیا میں آویں گے (جیسا کہ مسلمانوں کا عام طور پر یہی عقیدہ ہے) تو عیسائیوں کے کفر و شرک سے ان کا بے خبر رہنا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ پھر انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ بجواب اس کے گذارش ہے کہ مسیح کے ذمہ پر جواب صرف اتنا ہی ہے کہ یا اللہ تو شرک سے پاک ہے۔ جو بات مجھے لائق نہیں وہ میں نے

کیوں کہی تھی۔ بعد اس کے مسیح کو اس سے بے زاری کا اظہار بھی مقصود ہے چنانچہ **مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ شَهِیْدًا** (مائدہ:۱۱۷) تک اس پر دال ہے اور ان کے لئے سفارش بھی کرنی ان کے لئے منظور ہے جیسا کہ ضمناً **اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ** (مائدہ:۱۱۸) سے مفہوم ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ سفارش کے مقام میں مشفوع لہ کے جرائم کی تصریح مقتضٰی مقام کے برخلاف ہے، معہذا ان کے شرک کرنے نہ کرنے سے سوال ہی نہ تھا بلکہ سوال صرف اتنا ہی تھا کہ کیا تو نے ان کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنالو؟ پس جب کہ سوال ہی اس سے نہیں اور مسیح کا بالتصریح ذکر کرنا مقتضٰی مقام شفاعت کے برخلاف بھی ہے تو مسیح کو کیا ضرورت ہے کہ اس کا ذکر کرے۔

الغرض قادیانی وامروہی صاحبان کا خیال سب آیات واحادیث کے متعلق چار کونسلی ہے، علمی لیاقت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اور اسی بناء فاسد سے انہوں نے امام بخاری کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں **قال** کے ماضی ہونے سے یہ اعتقاد کرلیا کہ آنحضرت ﷺ اور عیسیٰ ابن مریم دونوں **توفی** کے اثر سے متاثر ہوگئے ہیں۔ چنانچہ خطبۂ صدیقی مذکورہ بالا سے بھی ساری امت سے الگ بوجہ جہالت الٹا مضمون سمجھ لیا اور اس اعتقاد پر جہالت کا منشاء **توفی** کا اطلاق مشترک طور پر بھی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ان کے خیال میں نہیں آیا کہ جیسا کہ سورہ زمر کی آیت **اللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی** (زمر:۴۲) **انفس** کے اوپر ایک ہی طور پر اطلاق **توفی** کا ہوا ہے لیکن نفوس مائتہ یعنی مرنے والوں کی **توفی** اور ہے اور نفوس نائمہ کی **توفی** اور ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی تنویع ہے کیونکہ حالات خاصہ ہر ایک کے تنویع کو تقاضا کرتے ہیں۔

اب ناظرین کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ مکتوب عربی وغیرہ تصانیف میں قادیانی صاحب فرماتے ہیں کہ تم اگر حسرت سے مر بھی جاؤ تب بھی توفی کا معنی بغیر موت کے نہ بتا سکو گے۔ لیجئے صاحب توفی کے معنی کتب لغت سے سنیے:۔

۱...... ایک چیز کو بالتمام پکڑنا۔ لسان العرب میں ہے **توفیت المال منه واستوفیته اذا اخذته کله۔**

۲...... پوری گنتی کرنا۔ لسان العرب میں ہے **توفیت عدد القوم اذا عددتهم کلهم و من ذٰلک قوله عز وجل (اللّٰه یتوفی الانفس حین موتها) ای یستوفی اجالهم فی الدنیاو قیل یستوفی تمام عددهم الیٰ یوم القیامة و اما توفی النائم فهو استیفاء وقت عقله و تمیزه الی ان نام۔** اور صاحب تاج العروس نے اس کی شہادت میں لکھا ہے۔ **وانشد ابو عبیدة لمنظور الویری العنبری،**

ان بنی الادرد لیسوا من احد

ولاتوفاهم قریش فی العدد

ای لا تجعلهم قریش تمام عددهم ولاتستوفی بهم عددهم

۳...... سوال کرنا۔ لسان العرب میں ہے۔ **قال الزجاج فی قوله تعالیٰ (حتی اذا جاء تهم رسلنا یتوفونهم.** اعراف:۳۷) **ای سألوهم ملائکة الموت عند المعینة فیعترفون عندموتهم انهم کانوا کافرین۔**

۴...... عذاب دینا۔ **قال الزجاج ویجوزان یکون (حتی اذا جائتهم ملائکة العذاب یتوفونهم عذاباً و هذا کما تقول قد قتلت فلانا بالعذاب و ان لم یمت و دلیل هذا القول قوله تعالیٰ (ویاتیه الموت من کل مکان و ما هو بمیت.** ابراہیم:۱۷)۔

۵.....نیند۔ جیسے کہ ابونواس نے کہا

فلما توفاہ رسول الکریٰ

و دبت العینان فی الجفن

اور اسی معنی میں ہے **ھو الذی یتوفکم باللیل**۔ مجمع البحار میں ہے۔ **ای ینیمکم** اس آیت کریمہ میں بعینہ مرزا صاحب کے سوال کا جواب موجود ہے۔ کیونکہ فاعل اللہ ہے اور مفعول ذی الروح انسان۔ حالانکہ موت کا معنی مراد نہیں۔ اسی طرح **اللّٰہ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا** الآیۃ میں بھی۔ بلکہ بمعنی قبض کے ہے اس آیت نے قطعاً فیصلہ کردیا ہے کہ **توفّی** اور چیز ہے اور موت اور چیز اور نیند اور چیز۔

۶.....مجازاً میت پر بعد تحقق موت کے بولا جاتا ہے۔ تاج العروس۔ **ومن المجاز ادرکتہ الوفاۃ ای الموت والمنیۃ و توفّی فلان اذا مات و توفاہ اللّٰہ** عزوجل **اذا قبض نفسہ وفی الصحاح روحہ**۔ مجمع البحار میں ہے۔ **وقدیکون الوفاۃ قبضا لیس بموت**۔

اگر کل تعریفات ت، و، ف، ی، پر یعنی شخصی و صنفی و نوعی نظر ڈالی جاوے تو صاف واضح ہوجاتا ہے کہ **توفّی** بمعنی حقیقی موت نہیں۔ اس تحقیق سے ناظرین پر واضح ہوگیا ہے کہ **قال** کو بمعنی **یقول** کے لینا امام بخاری کا مسلک ہے، جس سے ان کو اجماعی عقیدہ اور احادیث نزول سے تطبیق دینی منظور ہے۔ ورنہ بنا بر تحقیق مذکور متعلق بمعنی **توفّی** اگر قال اپنے معنی حقیقی میں ہی لیا جاوے اور تنویع وفات اس حدیث میں بھی مثل آیت **اللّٰہ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ** کی ملحوظ ہو تو بھی حدیث **اقول کما قال العبد الصالح** الخ اور اسی طرح آیت **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** ہرگز اجماعی عقیدہ کے بر خلاف افادہ نہیں دیتی کیونکہ **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** کا معنی **فلما قبضتنی** ہوگا۔

قولہ: صفحہ ۳۴۔ ہم یہاں پر بحث نحوی متعلقہ کلمۂ **بل** اور نیز ان اغلاط کو جو مؤلف سے

اس جگہ پر صادر ہوئی ہیں، تعرض نہیں کرتے۔

اقول: اس مقام پر بھی جناب مولوی صاحب بہ تقلید امروہی، مکھڈ شریف و میرا شریف و حویلیاں و پشاور و کوہ مری وغیرہ مواضع میں بہت کچھ فرماتے رہے۔ باوجود اس کے پھر عدم تعرض کی وجہ یہ بیان کی کہ درصورت تعرض کرنے کے لوگ مجھے مرزائی سمجھیں گے۔ دونوں صاحبوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ ''بحر العلوم'' کا حوالہ جو کہ فائدہ جلیلہ میں لکھا ہوا ہے۔ آپ اس کی طرف توجہ فرماویں۔ دیکھو **وبل یکون فی الجملة للابطال والانتقال وماقیل بل هذه لیست بعاطفة بل ابتدائیة و ذهب الیه ابن هشام من النحاة واختاره فی التحریر فممنوع لابد من اقامته دلیل علیه بل قام الدلیل علی خلافه لانه یعجب الاشتراک فی العطف والابتداء وعدم الاشتراک خیرٌ کما مربل هو حقیقة فی الاعراض وهو متنوع تارة یکون لجعل الاول مسکوتا او مقرر الابطال الاول نفسه اوعرضه هذا** (بحر العلوم مسلم الثبوت)۔

قوله: صفحہ ۳۵۔ مؤلف بتاوے کہ جسم مع الروح کا ذکر اس رکوع بلکہ اس کل سورہ میں بلکہ کل قرآن میں کسی جگہ آیا ہے۔ ہاں البتہ مسیح عیسیٰ ابن مریم کا بالضرور مذکور ہوا ہے۔

اقول: مسیح عیسیٰ بن مریم کا مذکور ہونا جس کو آپ نے تسلیم کیا ہے یہی مراد ہے جسم مع الروح سے نہ لفظ جسم مع الروح کا۔

قوله: سو اسی کا رفع درجات ذکر فرمایا گیا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔ **تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ م مِنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ط** (البقرۃ:۲۵۳) ایضا قال اللہ تعالیٰ **وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ** (انعام:۱۶۵) ایضاً قال تعالیٰ **وَلَوْشِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰکِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ** (اعراف:۱۷۶) ایضاً **وَرَفَعْنٰهُ مَکَانًا**

عَلِيًّا (مریم:۵۷) ایضا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ:۱۱) وغیرہ۔

اقول: ان سب آیات میں کوئی قرینہ بالخصوص جسم عنصری مع الروح لینے پر موجود نہیں بخلاف ما نحن فیہ محل نزاع میں۔ کیونکہ سیاق وسباق اور صلب وقتل قطعی طور پر قرینہ ہے عیسیٰ بن مریم سے جسم عنصری لینے کے لئے۔

قولہ: صفحہ ۳۶۔ مثل مصنف مفردات راغب اصفہانی وغیرہ نے معنی رفع کے تقریب لکھے ہیں۔

اقول: یہ معنی وہی معنی ہیں جس کو قاموس نے لکھا۔ اور یہاں پر بھی وہی لغزش ہے جو قاموس کی عبارت میں آپ لوگوں نے کھائی۔ یعنی تقریب اعزاز کا معنی وہاں ہی ہوگا جہاں **رفع** کا صلہ **الی** ہو لفظاً یا تقدیراً، نہ یہ کہ جہاں صلہ **رفع** کا **الی** ہو وہاں پر بلا تخلف معنی اعزاز ہی کا لیا جاوے، اگرچہ قرینہ صارفہ بھی موجود ہو۔

قولہ: ص ۳۷۔ لفظ **رفع** کو بھی مخالفین نے جو **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ** میں رفع جسمانی سمجھ رکھا ہے اسی قبیل سے ہے جو بیان کر چکا ہوں۔ یعنی یہ بڑی جہالت ہے کہ جو بعض جگہ پر معنی **رفع** کے رفع جسمی لئے گئے ہیں تو ان کو علت موجبہ اس بات کا قرار دینا کہ **رَفَعَ اللّٰهُ اِلَيْهِ** میں بھی رفع جسمی ہی مراد ہے۔

اقول: جناب من! کیا بانکے جا رہے ہو؟ کس جگہ ''شمس الہدایت'' کے مصنف نے رفع جسمی لینے کے لئے صرف یہی وجہ لکھی ہے کہ بعض مواقع میں رفع سے رفع جسمی کا مراد ہونا علت موجبہ ہے رفع جسمی ہی کے لینے کے لئے ہر محل میں۔ اب تک نہیں سمجھے کہ رفع جسمی لینے کے لئے تو ماقبل **بل** اور مابعد اس کے تضاد کا ہونا جو اوپر **بالتفصیل** ''شمس الہدایت'' میں لکھا گیا ہے قطعی دلیل اور برہان قاطع ہے۔ آپ نے بحوالہ تورات جو تضاد کا تحقق رفع اعزاز و تکریم کی صورت میں لکھا تھا اس کا تار و پود کس طرح پبلک کے سامنے اکھاڑ کر رکھا گیا

ہے بلکہ منقول ومعقول دونوں کی قلعی کھل گئی ہے۔ الغرض جو کچھ آپ نے تغیر وتبدل ''شمس الہدایت'' کے قوانین میں بحسب زعم خود اثبا تاللمدعٰی یا تردید اللقضیۃ کیا۔ اس میں آپ کی غلطی اور جہالت روز روشن کی طرح ناظرین پر واضح ہوچکی ہے۔

قوله: صفحہ ۳۷۔ ''منبیہ'' میں آپ لکھتے ہیں۔ یہ سب محاورات جو مؤلف نے اس جگہ پر ذکر کیے ہیں، کسی میں رفع جسمی نہیں ہے بلکہ رفع روحانی ہے۔ **فهذه المحاورات دليل لنا لا لكم وعليكم لا علينا.** ۱۲منہ۔

اقول: من جملہ ان محاورات کے جو ''شمس الہدایت'' میں لکھے ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے **فرفعه الى يده اى رفعه الى غاية طول يده ليراه للناس فيفطرون.** مجمع البحار۔ یعنی اس پانی کو آنحضرت ﷺ نے اوپر اٹھایا تا کہ لوگ دیکھ کر افطار کریں۔ حضرت جی اب فرمائیے کہ اس پانی کی روح کو آپ نے اٹھا کر لوگوں کے سامنے دکھلایا یا خود اس پانی کو؟ دوسرا محاورہ **يرفع الحديث الى عثمان**۔ تیسرا **يرفعه الى النبى** ﷺ۔ چوتھا **يرفع اليه عمل الليل قبل عمل النهار اى الى خزائنه ليضبط الى يوم الجزاء**۔ (مجمع البحار)۔ مطلق اعمال انسان کے لئے خواہ وہ ذکر وتسبیح ہوں یا غیر ان کے حق سبحانہ وتعالیٰ بحسب تفاوت مراتب نیۃ العامل صورتیں اور شکلیں پیدا کر دیتا ہے اور ان اشکال کے لئے ایک جسم ہوتا ہے اور ایک روح۔ چنانچہ حضرت شیخ قدس سرہ تلویحات واسرار اقطاب کے بیان میں فرماتے ہیں۔ **واماالحروف اللفظية فانها تتشكل فى الهواء ولهذا تتصل بالسمع على صورة مانطق المتكلم فاذا تشكلت فى الهواء قامت بها ارواحها**۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ **ثم بعد ذلک تلتحق بسائرالامم فيكون شغلها تسبيح ربها ويصعد علوا اليه يصعد الكلم الطيب وهو عين شكل الكلمة من حيث ما هى شكل مسبّحٌ للّٰه تعالىٰ**۔

شاید آپ نے لفظ جسم کو خاص انسان ہی کے لئے سمجھ رکھا ہے۔ لہٰذا منہیہ میں لکھ دیا کہ ان محاورات میں رفع جسمی نہیں بلکہ رفع روحانی ہے۔ رہا حدیث کا رفع الی عثمان یا الی النبی ﷺ سو اس مقام پر مرفوع، چونکہ حدیث ہے۔ اور اس کے لئے حسب بیان مذکور حضرت شیخ کے جسم بھی ہے۔ لہٰذا رفع جسمانی متحقق ہے۔ صرف رفع درصورت انتساب ہوگا الغرض بہرکیف رفع جسمانی ہی ہوا۔ اور ایسا ہی اعمال کے لئے بھی جسم، حسن یا قبح مع الروح ہونا بحسب اختلاف النیۃ والہمۃ، چنانچہ حضرت شیخ فتوحات میں لکھتے ہیں، ثابت ہے۔ اگر آپ کتاب سبقاً ہی پڑھ لیتے تو اتنا تکلف ہم کو بھی ہر ہر فقرہ میں نہ اٹھانا پڑتا۔

قوله: صفحہ ۳۸۔ کہ وہ تو (یعنی رفع) جسمانی ہو ہی نہیں سکتا۔

اقول: ہوسکتا ہے چنانچہ اوپر لکھا گیا ہے۔

قوله: صفحہ ۳۷۔ کیونکہ ایسے معنی (رفع جسمی) کرنے میں نہ اصل واقعہ کو خیال کیا گیا ہے اور نہ مابہ النزاع کا لحاظ ہوا ہے اور نہ رفع الی اللہ کی طرف التفات کیا گیا ہے اور نہ اس طول کلام کی طرف توجہ کی گئی ہے کہ یہ طوالت کیوں ہے۔ جو **ما قتلوه و ما صلبوه** سے شروع ہو کر **ویکون علیهم شهیدا** پر بحث ختم ہوئی۔

اقول: رفع جسمی کے معنی لینے میں سب امور مذکورہ ملحوظ ہیں، سنئے۔ دونوں فریق یہود و نصاریٰ مسیح کے مقتول ہونے پر متفق تھے گو ان کے اغراض مختلف تھے۔ یہود کی غرض تو بموجب تعلیم توریت اثبات ''ملعونیت'' تھی اور عیسائیوں کی ''کفارۂ گناہ''۔ اس کا بیان ذکر نہیں اصل واقعہ صلیبی اگر واقعی ہے تو یہ نتائج زعمی ہر ایک نکال سکتا ہے اور اگر سرے سے قتل صلیبی ہی متحقق نہیں ہوئی تو اس کی عدم وقوع کے بیان سے ان نتائج و اغراض کا انتفاء اور اُڑ جانا خود ہی ظاہر ہے۔ واضح ہو کہ اگر قتل صلیبی فی الواقع پایا جاتا تو قتل کی نفی **ما قتلوه** سے ہرگز صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ کذب لازم آتا ہے بلکہ تردید میں اغراض کی طرف توجہ

ضروری تھی، **ماکان المسیح ملعونا او کفارة کما زعموا ونحوه** کہنا چاہیے تھا ایسا ہی اگر صلیب پر چڑھانا بغیر قتل کے واقعی ہوتا جیسا کہ مرزا صاحب خیال کرتے ہیں اور **ماصلبوه** کی تاویل اس طور پر لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ صلیب پر چڑھانے کی غرض یعنی قتل حاصل نہ ہوئی تو گویا صلیب پر چڑھانا ہی نہ ہوا تو اس صورت میں صدر کلام یعنی **وقولھم** کے **واخذھم ورفعھم المسیح علی الصلیب** کہنا چاہیے تھا۔ اس لئے کہ بہ نسبت غلط بیانی کے ایذا رسانی خصوصاً جو اپنی طرف سے گویا مار ہی ڈالنا ہو، بڑا جرم سنگین اور بمقتضائے مقام واجب الذکر ہے۔ صدر کلام کو بھی رہنے دیجئے یہ تاویل صریح آیت یعنی **وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَنْکَ** (مائدہ:۱۱۰) کے برخلاف ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ من جملہ ان انعامات کے جو مسیح پر کیے گئے ہیں اور اس آیت کے ماقبل مذکور ہیں ایک یہ انعام بھی بیان فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک رکھا ہے اور تم کو ان کی ایذا سے بچالیا۔ بموجب زعم مرزا صاحب کے انعام یہ ہوا کہ تم کو گلی کوچہ میں مخالفوں کے ہاتھ میں خوب پٹوا کر اور رسوا کر کے صلیب پر چڑھا دیا۔ واہ رے مرزا صاحب واہ! اگر مسیح قادیانی انہیں حقائق و اسرار قرآنی کو اپنے ساتھ لایا ہے تو اسی کو مبارک ہوں۔ خدا کسی مسلمان کے نصیب نہ کرے۔ پھر ہم آیت کے ترجمہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کی غلط بیانی کی تردید میں فرماتا ہے **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَھُمْ** (النساء:۱۵۷) حالانکہ نہ انہوں نے اس کو قتل کیا اور نہ سولی دیا لیکن وہ ان کے سامنے مشتبہ کیا گیا کہ وہ مقتول، مسیح کا شبیہ سمجھا گیا۔ چنانچہ ہر دو محاورہ قاموس میں موجود ہیں **وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مَالَھُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ** (النساء:۱۵۷) جو لوگ اس امر میں قرآن کے بیان سے مخالف ہیں وہ اس واقعہ سے بے خبری میں ہیں۔ اس دعویٰ کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ہاں انکلوں اور خیالوں کے تابع ہیں۔ **وَمَا قَتَلُوْهُ**

يَقِينًاo بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (نساء:۱۵۸،۱۵۷) انہوں نے ہرگز اس کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے پاس اس کو اٹھا لیا اور اس ہمارے اٹھانے کو کوئی شخص مشکل اور بعید از قدرت ہماری کے نہ سمجھے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (نساء:۱۵۸) اور خدا غالب ہے حکمت والا۔

ناظرین کے خیال میں آ گیا ہوگا کہ یہ معنی جن پر آج تک اہل اسلام کا عقیدہ ہے اور مفسّرین نے بھی بغیر مرزا صاحب کے یہی سمجھا اور لکھا ہے۔ کس طرح قرآن مجید کی نظم سے صاف صاف ثابت ہے اور سب آیات ایک دوسرے سے چسپاں ہو جاتی ہے، بخلاف اس معنی کے جو مرزا صاحب واتباعہ نے لیا ہے۔ یعنی رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رفع سے مراد رفع درجات ہے کیونکہ آیت کے تمام الفاظ بھی اس تقدیر پر درست اور چسپاں نہیں ہوتے اس لئے کہ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا الفاظ کا بولنا تو اس جگہ پر مناسب ہوتا ہے جہاں کہیں مشکل امر کو سہل بتلانا منظور ہو اور رفع درجات نیک آدمی خصوصاً انبیاء کے لئے مشکل اور انہونا نہیں سمجھا جاتا بخلاف رفع جسم بجسدہ العنصری کے کہ یہ ایک انوکھا واقعہ ہے اور نیز رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ پر اس وعدہ کا تحقق ہے جو يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ (آل عمران:۵۵) میں کیا گیا تھا۔ اس کو مرزا صاحب بھی مانتے ہیں۔ (دیکھو مباحثہ دہلی) تو بالضرور یہ رفع درجات مغائر ہوگا اس رفع درجات کہ جو مسیح کو یوم ولادت سے لے کر عمر بھر شامل رہا حتیٰ کہ وعدہ مذکور کے وقت بھی۔ کیونکہ وعدہ اس امر کا دیا جاتا ہے جو کہ موعود لہ کو حاصل نہ ہو لہٰذا ماضویت رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی بہ نسبت قتل زعمی کے نہ ٹھہری۔ فظہر بطلان ما زعم الامروہی۔ اور جب ہم نے محاورات قرآنیہ وغیرہ کو تتبع کیا تو ایسا کہیں نہ ملا کہ تحقق مضمون اس جملہ کا جو بصورت ماضی مابعد بل کے واقع ہو، متاخر ہو اس جملہ کے تحقق سے جو ماقبل بل کے واقع ہوا ہے اس لئے ثابت ہوا کہ مسیح کی موت طبعی کا تحقق مع لازم اپنے رفع درجات کے بعد از واقعہ قتل صلیبی جیسا کہ مزعوم مرزا صاحب کا ہے، مخالف ہے بیان قرآن سے۔ نیز یہ معنی مخالف ہے ارجاع ضمیر

موتہ کو لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ میں مسیح کی طرف۔ حالانکہ مرزا صاحب کے پیر و مرشد مولوی نورالدین صاحب نے موتہ کی ضمیر کو مسیح کی طرف باقی ضمائر کی طرح راجع کیا ہے (دیکھو فصل الکتاب لمقدمۃ اہل الکتاب جلد۲، ص۸۰) مابعد کی آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النساء:۱۵۹) کا ترجمہ جو مولوی نورالدین صاحب نے کیا ہے اور جو مطابق ہے ہماری رفع جسمی کی تقدیر کو وہ یہ ہے۔ ''اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لاویگا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا اوپر ان کے گواہ'' یہ ترجمہ صراحۃً بتلا رہا ہے کہ مرزا صاحب کا مطلب وقولهم انا قتلنا الآیہ سے لے کر شهيدا تک سارا ہی غلط ہے کیونکہ مولوی نورالدین صاحب نے تمام ضمیریں مسیح کی طرف ہی پھیری ہیں۔ جو شخص قیامت میں گواہ ہوگا اسی کے ساتھ اس کی موت سے پہلے اہل کتاب ایمان لاویں گے اور عیسائیوں پر قیامت کے دن مسیح گواہ ہوں گے۔ پس گویا مرزا صاحب ہی کے کلام سے ثابت ہوگیا کہ مسیح علیہ السلام فوت نہیں ہوئے کیونکہ مولوی صاحب اور مرزا صاحب فناء کامل کے باعث جو مولوی صاحب کو مرزا صاحب میں ہے (یا بالعکس کہو) ایک ہی ہیں۔ جناب امروہی صاحب! اب فرمایئے۔ اس طوالت کا وَمَا قَتَلُوْهُ سے لے کر شهيدا تک کچھ پتہ ملا۔ اور مابہ النزاع اور اصل واقعہ اور رفع الی اللہ کا لحاظ ہے یا نہیں۔

قوله: تو پھر اثر ابن عباس وغیرہ در بارہ مرفوع ہونے جسم مسیح کے جو روایات اسرائیلیات سے ہے بمقابلہ ادلۂ مذکورہ و وجوہ مزبورہ کے کیونکر قابل قبول ہوسکتا ہے۔

اقول: کیوں نہیں ہوسکتا جب آپ کی ادلۂ مذکورہ و وجوہ مزبورہ **هباءً منثوراً** ہوکر اڑ گئیں۔ رہا یہ امر اثر ابن عباس کا جسے آپ نے اسرائیلیات سے ٹھہرایا ہے، اس کے متعلق سنیے۔ قبل از واقعہ صلیب مسیح کے زندہ بجسدہ العنصری اٹھایا جانے کا کوئی اہل کتاب میں سے قائل نہیں تو بالضرور ابن عباس نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہوگا کیونکہ کئی دفعہ ابن عباس

وغیرہ نے آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید من اولہ الی آخرہ سنایا۔ اور فرماتے ہیں کہ وہ ہر دفعہ ایک آیت میں استفسار کیا کرتے تھے بغیر تحقیق کے آگے نہیں جاتے تھے۔ (دیکھو مقدمہ تفسیر ابن کثیر)۔ اور چونکہ یہ مضمون اجتہادی بھی نہیں یعنی ابن عباس اپنے قیاس سے یہ خبر نہیں دے سکتے تو لامحالہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا۔ (دیکھو امروہی صاحب کی تصنیف مسک العارف ص ۲۷ جس میں مخالفت قیاس کو دلیل مرفوعیت حدیث کی بحوالہ کتب اصول مسلم کرتے ہیں) اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ابن عباس کے اثر کا مضمون بالکل مطابق ہے آیات مذکورہ کے۔ بلکہ بغیر مضمون اس اثر کے کوئی مضمون آپ کی نرالی تفسیر کا مطابق ہی نہیں ہوتا۔ نیز واضح ہو کہ جسم عنصری کا اٹھایا جانا کوئی محال امر نہیں اس کے واقعات ہماری اسی کتاب میں جو اوپر گزر چکے ہیں بحوالہ ''شرح الصدور'' ملاحظہ فرماویں۔ اور معراج جسمی آنحضرت ﷺ کا جس پر سب اہل کشف وشہود متفق ہیں بڑی قوی نظیر ہے استبعاد رفع جسمی کے لئے۔

قولہ: صفحہ ۳۸ سطر ۱۷۔ اور ہم یہ کب کہتے ہیں کہ جہاں پر رفع کا صلہ الی ہو بالضرور رفع منزلت بغیر رفع جسمی کے مدلول لفظ رفع کا ہوگا۔

اقول: یہ آپ کے نبی بھائی نے ''قول جمیل'' کے صفحہ ۱۰ سطر ۸ میں لکھا ہے۔ اور نیز اس مقام میں صلہ بھی کلمہ الی کے ساتھ واقع ہے۔ جس سے صریح قربت کے معنی ہی مراد ہیں انتہی (قربت کے معنی ہی میں جو ''ہی'' ہے حصر کے لئے ہے) یعنی یہی معنی قربت کا مراد ہوگا نہ غیر اس کا۔

قولہ: صفحہ ۳۸۔ الغرض صلہ رفع الی اللہ مع اوصاف مذکورہ اور اَدلّہ مزبورہ کے قرینہ صارفہ ارادہ معنی رفع جسمی سے ہے۔

اقول: اَدلّہ مزبورہ کا حال ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے۔

قولہ: صفحہ ۳۹۔ پس اس عرفیہ عامہ کو آپ مطلقہ عامہ کیونکر بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ قضیہ کہ (جس جگہ پر رفع الی اللہ مع اوصاف مذکور کے ہو اس جگہ معنی رفع منزلت کے ہی ہوں گے

بالدوام) قضیہ عرفیہ عامہ ہے نہ مطلقہ عامہ۔

اقول: سنیے حضرت قضیہ یہاں پر یہ ہے[1] **الرفع المستعمل بالی یدل علی رفع المنزلۃ** یا یوں کہیے **الرفع المستعمل بالی یراد منہ رفع المنزلۃ** یعنی لفظ رفع کا جس کا صلہ الی ہو دلالت کرتا ہے رفع منزلت پر یا مراد اس سے رفع منزلت ہوتا ہے رفع مستعمل بالی کے وجود کہ متعددہ اوقات میں سے بعض وہ اوقات ہیں جن میں دلالت یا ارادہ مذکورہ پائے جاتے ہیں۔ اور بعض وہ اوقات ہیں جن میں مطابقت باصل واقعہ سیاق و سباق پائی جاوے اور انہیں متعددہ اوقات میں سے بعض وہ اوقات ہیں جن میں دلالت یا ارادہ مذکورہ متحقق نہیں ہوتے یعنی وہ اوقات جن میں مطابقت مذکورہ متحقق نہ ہو بعد اس تمہید کے ادنیٰ طالبعلم بھی جانتا ہے کہ قضیہ مذکورہ **الرفع المستعمل بالی یدل علی رفع المنزلۃ** الخ مطلقہ عامہ ہے نہ عرفیہ عامہ۔ کیونکہ مطلقہ عامہ اسی قضیہ سے عبارت ہے جس میں حکم بالثبوت یا بالسلب فی وقت من اوقات وجود الذات کیا جاوے۔ و ما نحن فیہ میں ذات موضوع رفع ہے جو مستعمل بکلمہ الی ہو اور مطابقت باصل الواقعہ یا عدم مطابقت باصل الواقعہ کے اوقات وجود الذات موضوع کے اوقات میں سے ہیں۔ اور عرفیہ عامہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ عرفیہ عامہ میں حکم بدوام الثبوت یا بدوام السلب بشرط وصف الموضوع کیا جاتا ہے مراد اس وصف الموضوع سے وصف عنوانی موضوع کی ہے یعنی جس وصف کو تعبیر ٹھہرایا جاوے ذات موضوع کے لئے۔ جیسا کہ **کل کاتب متحرک الاصابع بالدوام مادام کاتبا** اس میں وصف کاتب عنوان ٹھہرایا گیا ہے ذات موضوع سے اور ظاہر ہے کہ قضیہ مذکورہ **الرفع المستعمل** الخ میں وصف مطابقت یا عدم مطابقت کو عنوانِ

---

[1] امروہی صاحب، اپنی ہی عبارت صفحہ ۳۸ سطر ۱۵ یعنی (کہ لفظ رفع کا ایسی حالت کذائی میں معنی مذکور میں استعمال ہوتا ہے) یا عبارت اسی صفحہ کی سطر ۲۲ کو ۲۳ تک ملاحظہ کرو۔ ۱۲ منہ

موضوع نہیں ٹھہرایا گیا اور قید (مع اوصاف مذکورہ) آپکا حاشیہ ہے۔ ہمارے مخاطب مرزا صاحب اور مصنف ''قول جمیل'' نے صرف الی کے صلہ واقع ہونے کو ملحوظ رکھا ہے جس کا مآل **الرفع المستعمل بالی یدل علی رفع المنزلة** ہی کی طرف ہے۔ دیکھو عبارت منقولہ قول جمیل ص ۶۰ س ۸ کی جو اوپر لکھی گئی ہے۔ اور ''ازالہ'' اور آپ کا حاشیہ بھی بعد ملاحظہ تردید متعلق بہ تحقق اوصاف مذکورہ جو ناظرین کے پیش نظر کی گئی ہے **هباء امنبثا** ہوگیا ہے۔ قطبی پڑھنے والے طلبہ! دیکھو حضرت امروہی صاحب کی نرالی منطق کہ اس جگہ پر دائمہ مطلقہ کو عرفیہ عامہ بنا رہے ہیں۔

قوله: صفحہ ۳۹، سطر ۴۔ دیکھو حضرت پیر صاحب کی منطق کہ اس جگہ پر مطلقہ عامہ اور محصورہ کلیہ میں تقابل سمجھ رکھا ہے کیا مطلقہ عامہ محصورہ کلیہ نہیں ہوسکتا اور نیز بالعکس؟

اقول: حضرت من! سنیئے۔ بیت

فہم سخن گر نہ کند مستمع　　　　قوت طبع از متکلم مجوے

''شمس الہدایت'' کی عبارت (مطلقہ عامہ کو محصورہ کلیہ سمجھ رکھا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں نے اپنے مدعٰی کے اثبات میں صرف کلیہ کبریٰ پر جو شرط ہے شکل اول میں اکتفاء کی۔ چاہیے تھا کہ دوام اطلاق یا عرفیہ عامہ ہونا اس کا بھی ثابت کرتے تصویر دعویٰ **رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے مراد رفع منزلت ہے دائما۔ دلیل اس لئے کہ یہ رفع مستعمل بالی ہے اور جو رفع مستعمل بالی ہو مراد اس سے رفع منزلت ہوا کرتا ہے۔ (اعتراض شمس الہدایت)۔ اس کبریٰ میں صرف کلیت پر نازاں ہونا جہالت ہے کیونکہ اگر کبریٰ کو مطلقۂ عامہ ٹھہرایا جاوے تو نتیجہ بھی مطلقہ عامہ ہی نکلا یعنی رفع مستعمل بالی مراد اس سے رفع منزلت ہوتا ہے **فی وقت من اوقات وجود الذات ای وقت المطابقة باصل الواقعة والسیاق والسباق** اور مدعٰی یہ تھا ''رفعہ اللہ سے مراد رفع منزلت ہوتا ہے دائما'' اور اگر

کبریٰ فرضی طور پر عرفیہ عامہ مانا جاوے تو حداوسط مکرر نہیں ہوتی کیونکہ صغریٰ میں محمول رفع مستعمل بالی ہے مطلقاً اور کبریٰ میں موضوع رفع مقید بالاوصاف ہے۔ پس بوجہ عدم تکرار اوسط کے دلیل منتج مطلوب نہ ہوئی اور آپ کا سوال ذیل ''کیا مطلقہ عامہ محصورہ کلیہ نہیں ہوسکتا'' ہاں صاحب نہیں ہوسکتا درصورت یہ کہ مطلقہ عامہ مہملہ ہو یا دائمہ مطلقہ۔

سوال: صغریٰ میں بھی محمول رفع مستعمل بالی موصوف بالاوصاف المذکورہ ہے۔

جواب: ہرگز نہیں۔ کیونکہ اثر ابن عباس کا جو حکم مرفوع میں ہے اور آیات کا سیاق اس پر شاھد ہیں کہ درصورت مراد ہونے رفع منزلت کے علاوہ نہ ہونے مطابقۃ لاصل الواقعہ کے کئی مفاسد لازم آتے ہیں جو اوپر آیات کے ترجمہ میں بیان کی گئی ہیں۔ خلاصہ مطلب شمس الہدایت کی عبارت کا یہ ہوا کہ قول مذکور جو فی الواقعہ مطلقہ عامہ اور مخالف ان کے مدعٰی کا ہے لاختلاف جہتی الاطلاق العام والدوام صرف اس کے محصورہ کلیہ ہونے پر خوش ہورہے ہیں۔ حالانکہ جب تک، عرفیہ عامہ ہونا اس کا مع کلیتھا اور پھر بعد ازاں حداوسط کا تکرار کسی دلیل قابل الاعتبار سے ثابت نہ کریں صرف کلیت ان کے لئے مفید نہیں ہوسکتی۔ اور یا مدعٰی کو بھی مطلقہ عامہ ٹھہرا کر مراد وقت من اوقات الذات سے بالخصوص وہی وقت الاوصاف لیا جاوے اور پھر صغریٰ میں بھی تحقق الاوصاف دلیل معقول سے ثابت کردیا جاوے تو بھی ان کا مدعٰی حاصل ہوسکتا ہے۔ الغرض قضیہ کو خواہ مطلقہ عامہ بنادیں یا عرفیہ عامہ۔ بہرکیف پھر بھی بغیر اس کے کہ اوصاف کا تحقق صغریٰ میں ثابت کردیا جائے قیاس مذکور ان کے مدعا کے لئے منتج نہ ہوگا۔ اور ناظرین پر ظاہر ہوچکا ہے کہ تحقق اوصاف کے لئے جتنی کاروائی امروہی صاحب نے کی تھی وہ سب نصوص قاطعہ اور براہین ساطعہ سے **ھباء منثورا** ہوگئی۔

بیان واقعی: اس میں شک نہیں کہ شمس الہدایت تھوڑے دنوں میں فاضلہ اوقات میں لکھی گئی اور چونکہ بعض اوقات کاپی نویس کو استعمال شدہ کاغذات پر مضامین لکھ دیئے جاتے تھے

لہٰذا کاتب کو بعض کلمات میں اشتباہ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ لکھے ہوئے کاغذوں پر لکھنا ہی ظاہر ہے کہ موجب اشتباہ ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ کاپی نویس علم بھی نہ رکھتا ہو۔ مسودہ میں پہلی عبارت اس طرح پر ہے ''مطلقہ عامہ کو دائمہ مطلقہ اور مہملہ کو محصورہ کلیہ سمجھ لیا ہے''۔ کاپی نویس چونکہ منطق کے مصطلحات سے واقف نہ تھا اور کاغذ بھی موجب اشتباہ تھا۔ لہٰذا نقل کرتے وقت اس نے عبارت مذکورہ سے صرف ''مطلقہ عامہ'' اور ''محصورہ کلیہ'' لکھا اور لفظ مہملہ اور ایسا ہی دائمہ مطلقہ دونوں نقل میں رہ گئے۔

قوله: صفحہ ۳۹، سطر ۱۰۔ اور مؤلف رسالہ کی یہ بڑی غلطی ہے کہ رفع جسمی اور رفع بحسب الدرجہ میں نسبت تساوی کی سمجھ لی ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں اگر ہم رعایت مؤلف کی کریں تو عام خاص من وجہ کی نسبت ان میں مان سکتے ہیں۔ مگر یہاں پر تو بوجوہ مذکورہ سوا رفع بحسب القدر کے رفع جسمی ہو ہی نہیں سکتا۔

اقول: ارے خدا کے بندے! کبھی تو سچ بولا کرو۔ ہم نے کس جگہ رفع جسمی اور رفع بحسب الدرجہ میں نسبت تساوی لکھی ہے، بلکہ صرف استلزام کا رفع بحسب المرتبہ کو یا اجتماع دونوں کا مانحن فیہ یعنی مادہ مسیح میں لکھا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک استلزام اور اجتماع میں تساوی ہے؟ ''شمس الہدایت'' کی عبارت یہ ہے۔ ''حالانکہ مانحن فیہ میں تو رفع جسمی کی صورت میں رفع بحسب القدر بالاولیٰ وبالاحسن معلوم ہوتا ہے۔ صفحہ ۱۱، س ۱۸''۔ اور آپ نے ہماری جو رعایت فرما کر عموم وخصوص من وجہ کہا ہے بالکل لغو ہے۔ کیونکہ رفع جسمی سے مراد تو وہ رفع ہے جو مدلول ہے **رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کا یعنی رفع جسم مسیح کا بذریعہ ملائکہ کے آسمان کی طرف۔ اور ظاہر ہے کہ اس رفع جسمی اور رفع بحسب الدرجہ میں عموم وخصوص مطلق ہے نہ من وجہ۔

قوله: صفحہ ۳۹ و ۱۹، سطر ۲۱۔ میں آپ لکھ چکے ہیں۔ کہ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کو قیاس **يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝** (الفجر: ۲۷، ۲۸) پر کرنا

بے جا ہے۔ اور اب ان دونوں کو متسادق فی المعنی فرماتے ہیں۔ **هذا شئ عجیب**۔ ولنعم ما قیل دروغگو ئے را حافظہ نباشد۔

اقول: ہم نے تو الی اللہ اور الی الرب ایسا ہی علی السماء کو متسادق فی المعنی قرار دیا ہے۔ کودن طالب علم بھی اس مضمون کو ''شمس الہدایت'' کی عبارت سے سمجھ سکتا ہے۔ عبارت یہ ہے۔ ''خدا کی طرف مرفوع ہونا یا رجوع ہونا یا چڑھ جانا اس کی صورت یہی ہے کہ آسمان کو جو محل عباد مکرمین کا ہے قرار گاہ انکی بنائی جاوے''۔ لفظ ''خدا کی طرف'' کا عبارت مذکور میں مطمح نظر ہے۔ اور معنی حرفی چونکہ بغیر انضمام متعلق کے مستفاد صرف حرف سے نہیں ہو سکتا لہذا رفع اور رجوع اور صعود کا ذکر بھی ضروری کیا گیا ہے۔ کاش اسم فعل حرف کی تعریف ہی بخوبی سمجھ لی ہوتی تو نہ آپ ایسے رکیک اعتراضات فرماتے نہ ہم کو ان کی تردید میں تضیع اوقات کرنی پڑتی اور **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کا قیاس **يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ** الآیۃ پر بیجا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ متعلق رفع کا یعنی مرفوع جسم عیسوی ہے بدلیل سباق **ای و ما قتلوه** بخلاف **يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ** میں کہ منادی نفس ہے اور **ارجعی** کی ضمیر سے مراد بھی نفس ہے کہ اور کوئی قرینہ جسم کی مراد لینے پر نہیں۔ الحاصل **يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ** الآیۃ میں محل بحث نفس ہے اور **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** الآیۃ میں جسم۔ اور یہ مطلب نہیں کہ **اِلٰى رَبِّكِ** اور **اِلَيْهِ** کا ایک دوسرے پر قیاس مع الفارق ہے تا کہ مخالفت بین القولین کا الزام عائد ہو۔ اسی طرح **اِلَى اللّٰهِ** اور **اِلَى الرَّبِّ** اور **الی السَّمَآءِ** کو متسادق ٹھہرایا گیا ہے جن کے عدم تسادق کا ذکر کہیں نہیں۔ اور رفع اور رجوع کو متخالف ٹھہرایا گیا ہے جن کے تسادق کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ ولنعم ما قیل

وکم من عائبٍ قولا صحیحاً

وآفته من الفهم السقیم

ایسے مسیح کو ایسا ہی عالم چاہیے۔

قولہ: صفحہ ۴۰۔ مؤلف کو یہ بڑی غلطی ہوئی ہے کہ رفع جسمی کو رفع الی اللہ سمجھ لیا۔

اقول: رفع الی اللہ سے رفع جسمی کا مستفاد ہونا مدلل ہو چکا ہے۔ دیکھو آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کے متعلق فائدہ جلیلہ، نیز محاورہ، حدیث شریف اور عام عربی زبان کا بھی ثبوت دیا گیا ہے۔ شیخ اکبر وغیرہ اہل لسان نے بھی رفع جسمی ہی لیا ہے اور چند عجمیوں کی مخالفت قابل اعتبار نہیں۔ دیکھو اصول عشرہ۔ آپ نے چونکہ ''شمس الہدایت'' سبقاً کسی عالم سے نہیں پڑھی تھی لہٰذا چند جہالات ظاہر کرنے میں معذور تھے۔ اب اس تشریح کو ملاحظہ فرمائیے۔

قولہ: اور پھر دیکھو اللہ تعالیٰ ایک بت پرست کی نسبت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظن بد رکھتا ہے۔ فرماتا ہے کہ **مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ**o (حج:۱۵) اس آیت میں لفظ **الی السمآء** کا موجود ہے تو وہ کافر سوء ظن اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھنے والا اس وجہ سے کہ سماء کی طرف بحکم **فلیمدد بسبب الی السمآء** مرفوع ہو۔ آپ کے نزدیک کیا مرفوع الدرجات ہو سکتا ہے؟ کلّا وحاشا۔

اقول: ''شمس الہدایت'' کی عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ مقرب اور عبد صالح کے بارے میں رفع جسمی مستلزم رفع درجات کو ہے۔ جیسا کہ آیت محل بحث میں عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں عامر بن فہیرہ کا بیر معونہ کے دن مقتول ہونے کے بعد بجسدہ العنصری مرفوع السمآء ہونا ملاحظہ فرماویں۔ جس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ **رفع عامر بن فھیرہ الی السمآء فلم توجد جثته یرون ان الملائکة وارته**۔ ایسا ہی خبیب بن عدی کا **ممن وارته الملائکة** ہونا وغیرہ وغیرہ۔ ''شرح الصدور'' صفحہ ۱۷۴۔ الغرض استلزام رفع جسمی علی السماء اور رفع درجات میں در مادہ عبد صالح مراد ہے۔ جس پر سوق آیت رفع صراحۃً دال ہے۔ تو پھر آیت **مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ**

الآیۃ مادہ نقض کس طرح ہو سکتی ہے۔ واہ رے مولوی امروہی صاحب کہاں کی کہاں لگادی۔

قولہ: بلکہ صعود علی السماء اور نیز نزول آسمان سے قرآن مجید میں فی محل الذم بیان فرمایا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ **وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضلہ یَجْعَل صدرہ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ** (انعام:۱۲۶) ایضا قال تعالیٰ **وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ** (حج:۳۱) اگر الی اللہ کو الی السماء بھی آپ کی خاطر سے مان لیا جاوے تو اس تحریف سے رفع بحسب الدرجات کب حاصل ہو سکتا ہے۔ کمامرّ۔

اقول: یہ آیت بھی کسی مقرب اور صالح بندہ کے حق میں نہیں۔ قولہ تعالیٰ **وَمَنْ یرد اَنْ یضلہ** سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت گمراہ شخص کے بارہ میں ہے۔ جیسے کہ آیت ثالثہ یعنی **وَمَنْ یُّشْرِکْ** الآیۃ مشرک کے بارے میں ہے۔ اور آیت **بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ** بشرطیکہ موضوع اس کا زیر لحاظ رکھا جاوے اور شہادت سیاق وسباق لی جاوے۔ اور اصل واقعہ بھی جسکا ثبوت اثر صحیح ابن عباس سے ہو چکا ہے۔ ملحوظ ہو۔ تو ایسے مواد میں **رفع الی السمآء** بیشک رفع درجات کو مستلزم ہوتا ہے۔ رہے وہ استنباطات جن سے نئے مفسّرین نے، ماشاء اللہ نظر بد دور، اسلام کو بزعم خود ممنون فرمایا ہے، چونکہ قرآن کریم کے معارض ہیں لہٰذ بنابر مذہب محققین اصولیوں کے، جن کا مسلک تقدیم الکتاب والسنۃ علی رائے الفلاسفہ کا ہے، مردود ٹھہریں گے۔ جس مسلمان کا ایمان **ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ** پر ہے وہ کب نرالے مفسّرین کے دام میں پھنستا ہے۔ سچ اور بجا ہے آنحضرت ﷺ کا پاک فرمان **یمر قون من الدین کما یمرق** الخ اہل اسلام کو وہی تفسیر اور استنباط مقبول ہو سکتے ہیں جو مطابق ہوں کلام باری کے، بعد رعایت قواعد عربیہ واصول ادبیہ کے۔ والاّ اہل اسلام کلام الٰہی کو بعد اس کے کہ تحقق **اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ** (البقرہ:۲۸۵) کا ہو چکا ہو۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک، کس طرح ترک کردیں۔ اور چند جہلاء زعمی مولویوں کا اتباع، جو مصداق **یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِؤُا نُوْرَاللّٰہِ** (توبہ:۳۲) کا ہو رہے ہیں، اختیار کریں۔ الغرض جبکہ قرآن کریم

حق کے ساتھ اسی تبارک وتعالیٰ نے اتارا۔ اور اسی نے اس کا بیان پاک زبان وحی ترجمان آنحضرتﷺ سے حسب الحکم **بما اراک اللّٰہ** کے کروایا۔ تو پھر یہ کتاب اور بیان پاک آنحضرتﷺ کا باہم کیونکر متعارض ہوسکتے ہیں تاکہ تاویلات وتحریفات مخترعہ گروہ قادیانی کی سنی جاویں۔ مسلمانو، یہ کب ہوسکتا ہے کہ حسب قولہ تعالیٰ **اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ ط وَلَا تَکُنْ لِّلْخَائِنِیْنَ خَصِیْمًاo** (النساء:۱۰۵) اور **وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَo** (نحل:۶۴) اور **وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَo** (نحل:۴۴) اور حسب فرمان نبویﷺ **الا وانی اوتیت القران ومثله معه۔** یعنی آنحضرتﷺ کو لوگوں کے تنازعات کے فیصلہ کرنے کا حکم ہوا اور آپ العیاذ باللہ اس کتاب یعنی قرآن کریم کے معنوں کو نہ سمجھے ہوں اور وہ نرالی سمجھ قادیانی اور اس کے دو تین حواریوں کے لئے امانت رکھی ہو۔ نعوذ باللہ من ھذہ العقیدۃ الواھیہ۔ مسلمانو! یاد رکھو کہ حسب وعدہ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَo** (حجر:۹) کے جبکہ تیرہ سو سال کے بعد قادیانی اور اس کے ذریّت نے ایسی گڑبڑ مچائی جس سے پناہ بخدا، تو اس گڑبڑ کے رفع کرنے کے لئے بحسب سنت اللہ صدی کے سرے پر ایسے مجدد ظاہر ہوئے جنہوں نے اس گڑبڑ کو ہباءً منبثاء کردیا۔ وہ مجددین کون ہیں یہی علماء اسلام شکر اللہ سعیھم جنہوں نے قادیانی کو بمعہ اس کی ذرّیت کے گھر تک پہنچایا۔ **فسبحان من خلقه**ﷺ **واجمله واکمله وادبه واحسن تادیبه ثم اید دینه بعد وفاته**ﷺ **باستخلاف خلفاء الراشدین المهدیین وجدد دینه ببعث المجددین المهدیین الیٰ یوم الدین۔**

قوله: بقرینہ **وما قتلوه وما صلبوه** کے قتل سے مراد قتل بالصلیب ہے جو تم کو بھی مسلّم ہے اور حسب احکام توریت اور زعم یہود موجب لعنت ہے۔ کمامر۔ پس ملعونیت اور مرفوعیت بحسب الدرجات آپس میں متضاد ہیں۔ جیسا کہ ثابت کیا گیا۔ انتہی۔

اقول: کیا خاک ثابت کیا۔ اوپر لکھ چکا ہوں کہ کتاب استثنا کی تیئسویں آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بے گناہ بھی اگر بذریعہ صلیب قتل کیا جاوے تو ملعون ہوگا۔ بلکہ بائیسویں آیت میں صراحۃً مجرم کا ذکر ہے اور مسیح بن مریم کا بحسب زعمِ یہود مجرم ہونا تحقق تضاد میں مفید نہیں۔ کیونکہ تضاد کا وجود حسب علم المتکلم بھی ہونا چاہیے جس کے کلام میں "بَلْ" کا کلمہ واقع ہے تاکہ قصر قلب کے رو سے تحقق وصف مزعوم مخاطب کا متصوّر نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ مسیح خدائے ﷻ کے ہاں بیگناہ ہے۔ ناظرین! عبارت تورات کی جو پہلے نقل کی گئی ہے، ملاحظہ فرماویں۔ سبحان اللہ نقل اور استنباط دونوں ماشاء اللہ صداقت اور لیاقت سے مالا مال ہیں۔

قولہ: صفحہ ۴۲۔ نبی کا رفع بحسب الدرجات اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے جس وقت سے کہ وہ درجات نبوت پر مشرف ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے یوم ولادت سے ہی کمالات ودرجات کی ترقی شروع ہو جاتی ہے۔ اس رفع کا زمانہ الی یوم الحشر ممتد ہوتا ہے۔ لہٰذا ماضویت رفع کی بہ نسبت ماقبل کلمہ "بَلْ" کے بخوبی ثابت ہے۔ الخ۔

اقول: اتنا بھی شعور نہیں کہ آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** میں ذکر تحقق اس رفع کا ہے جسکا پہلے وعدہ دیا گیا تھا، بقولہ تعالیٰ **يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ** الآیۃ۔ اور ظاہر ہے کہ وعدہ دینے کے وقت جیسا کہ **توفی** کا تحقق نہیں تھا ایسا ہی رفع موعود کا بھی ہونا چاہیے۔ وعدہ اسی چیز کا دیا جاتا ہے جو کہ وہ موعود لہ کے پاس موجود نہ ہو۔ جیسا کہ **توفی** موجود ہونے کے ساتھ وقت وعدہ دینے کے تم بھی قائل ہو۔ کہاں یہ رفع موعود بہ اور کہاں مطلق رفع درجات۔ چہ خوش گفت سعدی درزرادی

الا یاایھا الساقی ادر کاسا وناولھا[1]

---

[1] یہ مصرعہ دیوان حافظ کی پہلی غزل کا ہے۔ اور زرادی علم صرف کی کتاب ہے جو حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں۔ یہ ایک مثل مشہور ہے، خلاف واقعہ کی۔ جس سے مقصد امروہی صاحب پر طنز ہے کہ وہ بھی اسی قسم کی خلاف واقعہ باتیں ہانکتے ہیں۔ ۱۲۔ فیض

اور جب رفع بحسب الدرجہ موعود بہ خاص بمابعد الموت مراد ٹھہرا تو ماضویت رفع کی بہ نسبت ماقبلِ ''بَلْ'' یعنی قتل کے کیسے ہوئی کیونکہ آپ کے خانہ زاد مذہب میں تو مسیح بعد واقعہ صلیبی کے مرا ہے۔

قولہ: صفحہ۴۵۔ تعجب ہے کہ مؤلف صاحب ہمارے مقابلے میں تو حضرت عیسیٰ کے کمالات اور معجزات بڑے زور شور سے سب کچھ بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس مقام میں تمام رفع درجاتِ عیسوی کو جو وقتِ ولادت سے بتدریج تا آخر عمر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بیان فرمائے ہیں، سب نسیاً منسیا کردیئے۔ مثلاً **اِذْ اَیَّدْتُکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قف تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَ کَھْلاً ج وَاِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ج وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ج وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ج وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَنْکَ اِذْجِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنَاتِ**۔ الآیۃ (مائدہ:۱۱۰)۔ یہ نہیں کہ بعد وفات کے ہی رفع درجات ہوتا ہو۔ جیسا کہ مؤلف کو دھوکا ہوا ہے۔ انتہی

اقول: آپ کی بھولی بھالی جماعت اور نرالا نبی اگر جاہل ہیں تو سارا جہاں تو جاہل نہیں۔ ابھی اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ رفع موعود بہ کا تحقق بروقت ایعاد ممکن نہیں۔ کیونکہ نعمت موجودہ کا وعدہ دینا قول بالمتضادین ہے۔ اب معلوم ہوا کہ **بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ** میں جس رفع کا تحقق مذکور ہے، وہ رفع مغائر ہے اس رفع درجات سے جس کا ذکر آیت **اِذْ اَیَّدْتُکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ** الآیۃ میں کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر رفع جسمی کے کوئی فرد رفع کا مغائر افراد رفع الدرجہ مذکورہ فی الآیات المسطورہ کے نہیں جس کے لینے سے ماضویت بھی ملحوظ رہے۔ پس ثابت ہوا کہ مراد رفع سے **بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ** میں رفع جسمی ہے نہ رفع بہ حسب الدرجۃ۔ آگے رہا انکار معجزات مذکورہ فی الآیات المسطورہ کا۔ سو ناظرین پر روز روشن کی طرح ظاہر

ہے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے رفع بحسب الدرجات مراد نہ ہونے سے باقی معجزات و درجات مذکورہ فی الآیات المسطورہ کا انکار نہیں آتا۔ بلکہ خود رفع جسمی بعد الموت بھی مستلزم ہے رفع الدرجہ کو، جیسا کہ عامر بن فہیرہ وخبیب بن عدی کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور وہ آیات اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ الآیۃ فی نفسہا معجزات اور رفع الدرجات پر دال ہیں۔ اور سب اہل اسلام کے مومن بھائی بھی قائل ہیں بخلاف مرزا صاحب اور متبعین ان کے، کیونکہ اس انکار سے مرزا صاحب کی تالیفات مثل ''ازالہ اوہام'' اور ''ایام الصلح'' وغیرہ وغیرہ بھری ہوئی ہیں۔ کسی معجزہ کو مسمریزم اور کسی کو مؤول بتاویل آئل الی التحریف۔ جیسا کہ **تحی الموتیٰ** میں۔ اور کسی سے صاف انکار مثل ''مسیح ابن مریم کو یوسف نجار کا بیٹا کہنا'' وغیرہ وغیرہ۔ پس ثابت ہوا کہ معجزات کے منکر آپ ہی کے نئے پیغمبر اور نرالے مفسر ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ان سے الگ ہیں۔ مگر اس مقام میں آپ سے **کلمة حق ارید بها الباطل** کے طور پر اقرار بالمعجزات صادر ہو گیا۔ ورنہ آپ اول نمبر ہیں۔

قولہ: صفحہ ۴۶۔ آگے رہا اثر ابن عباس۔ سو چونکہ وہ معارض ہے کلام الٰہی کے مضمونِ مراد سے، لہٰذا حسب الحکم قواعد تعدیل وترجیح ادلہ کے قابل قبول نہیں۔

اقول: اثر ابن عباس چونکہ بہ اسناد صحیح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے ''شمس الہدایت'' میں نقل کیا گیا ہے۔ اور نیز مؤید ہے مضمون مراد من الآیۃ یعنی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کو۔ جیسا کہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ رفع موعود بہ جس کو مغائرت باقی رفع الدرجات سے بوجہ تحقق ووجود ان کے اور نہ موجود ہونے اس کے بروقت ایعاد یعنی وعدہ دینے کے ضروری ہے، وہ بغیر رفع جسمی کے ممکن ہی نہیں۔ اور رفع خاص بحسب الدرجہ بعد الموت کے احتمال کو ہونا ماضویت کا بہ نسبت ماقبل ''بَلْ'' کے مانع ہے۔ کیونکہ مستلزم ہے عدم تاخر رفع کو واقعہ صلیبی سے۔ اور یہ خلاف ہے مذہب قادیانی کے۔ ناظرین پر ظاہر ہو گیا ہے کہ اس نرالے نبی اور نئے مفسر کا

کوئی فقرہ بسبب جہالت یا افتراء کے قابل قبول نہیں۔

قولہ: صفحہ ۴۶۔علاوہ یہ کہ اس کے متن میں بھی خود ایک قسم کا اضطراب ہے۔کما یجیٔ۔

اقول: نہیں بلکہ آپ کے ادراک میں فساد ہے۔کما سیظہر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

قولہ: صفحہ ۴۶، سطر ۱۸۔ اور نیز معارض ہے خود ابن عباس کے اس اثر کے جو صحیح البخاری میں ہے۔جس میں **مُتَوَفِّیْکَ** کے معنی **ممیتک** لکھے ہیں۔

اقول: معارض جب ہو کہ ابن عباس قائل بتقدیم وتاخیر **مُتَوَفِّیْکَ ورافعک** میں نہ ہو یا کہ شواہد تقدیم وتاخیر کے قرآن کریم میں بکثرت موجود نہ ہوں یا **مُتَوَفِّیْکَ** دال ہو تحقق وفات پر۔ واذ لیس فلیس کمامر مفصلاً۔لہٰذا امام ہمام بخاری باوجود علم اس اثر کے اسی مسیح ابن مریم کے نزول کا قائل ہے بشہادت تراجم فتدبر۔ بلکہ مع عدم معارضہ مذکورہ اثر مذکور معاضد ہے ابن عباس کے ان آثار کو، جن کو محدثین نے نزول مسیح کے بارہ میں نقل کیا ہے۔اور ''شمس الہدایت'' میں مذکور ہیں۔

قولہ: صفحہ ایضاً۔اور نیز مخالف ہے ان احادیث صحیح بخاری کے جن میں **کماقال العبد الصالح** فرمایا گیا ہے۔جس کی تفصیل آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ آوے گی۔پس بمقابلہ ان اربعہ متناسبہ کے اثر ابن عباس کا مؤلف کو کیونکر مفید ہوسکتا ہے۔شعر

وھذا الحق لیس بہ خفاء

فدعنی عن اسات الطریق

اقول: اور نیز موافق ہے ان احادیث صحیح بخاری کے جن میں **کما قال العبد الصالح** فرمایا گیا ہے۔ **کما عرفت فی بیان الاجماع علی الرفع والنزول الجسمیین وستعرف**۔پس باوجود ان اربعہ متعاضدہ کے استبعاد عقلی رفع جسمی میں مؤلف کو کس طرح مذبذب **بما قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول** ﷺ کر سکتا ہے۔

قولہ: صفحہ ۴۷۔ اب کہاں ہے فقدان محکی عنہا جس کو مستلزم وقوع کذب کا آیت میں آپ نے فرمایا تھا۔ والعیاذ باللہ

اقول: اب وہاں ہی رہا فقدان محکی عنہا کا جو بر تقدیر تقدم رفع روحانی کے واقعہ صلیبی پر لازم تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے رفع بحسب الدرجہ والعزت تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ خود مؤلف بھی اقرار کر چکا ہے کہ نبی کا رفع بحسب الدرجات اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے جس وقت سے کہ وہ درجات نبوت پر مشرف ہوتا ہے الخ۔ تو بحسب اقرار اس کے رفع بحسب الدرجات چونکہ مسیح ابن مریم میں در وقتِ وعدہ اور اطمینان فرمانے کے بقولہ تعالیٰ **یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ** موجود ہے لہٰذا وہ رفع لینا چاہیے جو بروقت ایعاد مذکور کے موجود نہ ہو۔ اور وہ ہے رفع جسمی۔ نیز تضاد ماقبل اور مابعد ''بَلْ'' میں جو مقتضی ہے قصر قلب کا، رفع جسمی ہی کی صورت میں محقق ہے۔ لہٰذا رفع جسمی کا مراد ہونا ضروری ہے۔ اور جب ماضویت رفع کے بہ نسبت قتل کے آپ کو مسلّم ہے تو رفع روحانی کا واقعہ قتل سے پہلے ہونا آیت کا مفاد ٹھہرا۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی بشر اس کا قائل نہیں تو محکی عنہ کے انتفاء میں آپ کو کیا کلام ہے؟ سال کے بعد آپ کے امام ہمام کا معہ اپنی ساری ذریت کے یہ جواب دینا کہ ''بشہادت تیئیسویں آیت کتاب استثناء کے مقتول صلیبی ملعون ہوتا ہے پس تضاد در صورت رفع روحانی کے بھی محقق ہے''۔ طالب علموں نے بھی ہباءً منثوراً کی طرح اڑا دیا کیونکہ وہ آیت مجرم کے بارے میں ہے جس کا صریح ذکر بائیسویں آیت میں موجود ہے۔ اور مسیح گو کہ بحسب زعم یہود مجرم تھا مگر تضاد کا تحقق چونکہ در علم متکلم بکلام قصری بھی ہونا چاہیے، **لیتصور عکس ما یزعم المخاطب** اور ما نحن فیہ میں وہ کون ہے؟ وہ ہے حق سبحانہ تعالیٰ۔ کیونکہ وہ **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے تردید فرما رہا ہے یہود کے اس قول کی جو پہلے مذکور ہو چکا ہے یعنی **انا قتلنا المسیح**۔ اور خدائے عزوجل کے ہاں چونکہ

مسیح مجرم نہیں لہٰذا تضاد بھی فی علم الباری متحقق نہ ہوا۔ الحاصل بر تقدیر ارادہ رفع روحانی کے **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے تحقق رفع روحانی کا یا تو قبل از واقعہ صلیبی ہوگا یا عین صلیب پر یا بعد اس کے۔ پہلی شق کا قائل چونکہ کوئی بشر اہل اسلام وغیرہ سے نہیں تو ظاہر ہے کہ حکایت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کا محکی عنہ مفقود اور معدوم ہوا۔ دوسری شق کے آپ قائل نہیں ہیں۔ تیسری شق کو جس کے نئے نبی یعنی مرزا صاحب بمعہ نرالے مفسرین امروہی وغیرہ کے قائل ہیں یعنی وفات مسیح بعد از واقعہ صلیب۔ اسے وہی تضاد کا مسئلہ اور محاورہ قرآنیہ یعنی ماضویت رفع کی بہ نسبت قتل کے جو آپ کو بھی مسلّم ہے اڑا دیتے ہیں۔ جیسا کہ رفع درجات خاص بعد الموت کو بھی بعد ملاحظہ اس تقدیر کے۔ ناظرین! برائے خدا ذرا امروہی سے دریافت فرماویں کہ اس نے فقدان محکی عنہ کا کب جواب دیا؟ جواب تو بجائے خود رہا۔ پہلے یہ تو بتایئے کہ اس نے اس شق کو کب لیا ہے؟ اور اس کے مسلک (یعنی تحقق وفات بعد از واقعہ صلیب) کو کیا تعلق ہے فقدان محکی عنہ سے؟ بعد اس دریافت فرمانے کے ناظرین پر واضح ہوگا بلکہ ہوگیا ہے کہ وہ فقط بھولی بھالی جماعت کے خوش کرنے کے لئے اور روپیہ ہضم کرنے کو ایسے بڑ مار دیتا ہے جو نہ زمین پر ہوتی ہیں اور نہ آسمان پر۔ ہاں چند حمقاء اردو خوان صرف آیات واحادیث لکھے ہوئے دیکھ کر جن کو کوئی ربط مقام سے نہیں ہوتا، آفرین آفرین کہہ دیتے ہیں۔ ناظرین! ان کی کوئی تحریر قابل توجہ اہل علم واہل تحقیق کے نہیں کیونکہ وہ خود ہی اپنے بطلان اور مؤلف کی جہالت پر شہادت دیتی ہے۔ مگر بوجہ اصرار بعضے احباب کے امروہی کی کتاب کے جواب لکھنے پر تضیع اوقات کی جارہی ہے۔

قولہ: صفحہ ۷۴۔ پس مؤلف نے اس حاشیہ میں جس قدر بناء فاسد علی الفاسد کیا تھا اس کا سب تار و پود اکھڑ گیا۔ **جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا**o اور جب کہ آیت مذکورہ سے منصوبہ یہود کا باطل ہوا اور رفع جسمی مسیح بھی ہباءً منثوراً ہوگیا پس

آیت مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ بلا تقدیم و تاخیر جو ایک قسم کی تحریف ہے اپنے اصلی معنی پر بحال رہے جو حضرت ابن عباس سے صحیح بخاری میں مروی ہوئے ہیں اور جو رسول مقبول ﷺ سے اسی صحیح بخاری میں حدیث **کما قال العبد الصالح** کے سیاق میں مروی ہے۔ الحمد للہ مخالفین کی تحریر سے کلام محفوظ و مصؤن رہا۔ **صدق اللّٰہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ**O (حجر۹) پس ہماری طرف سے جو اشتہار ایک ہزار روپے کا مدت دس سال سے اس بارے میں شائع ہو رہا تھا کہ جو کوئی مخالف معنی **توفاہ اللّٰہ** کے سوا **قبض اللّٰہ روحہ** کے کتاب و سنت و محاورہ عرب اور امثال عرب سے نکال دیوے۔ سو اب تک تمام مخالفین اس کاروائی میں ناکام اور عاجز ہیں۔ الحمد للہ انتہی۔

اقول: ناظرین پر واضح ہو چکا ہے کہ ہم نے **بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ** سے قطعی طور پر رفع جسمی ثابت کر دیا ہے۔ اور احتمال رفع روحانی **کاھباءً منثوراً** کی طرح ہو گیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور آپ کے بے ربط مضامین سخیفہ کی قلعی کھل گئی۔ رہا تقدیم و تاخیر اور حدیث **کما قال العبد الصالح** اور معنی **توفی** کے سو وہ بھی عنقریب آویں گے۔ اور اشتہار بازی جو نئے پیغمبر نے مع اتباع کے طرز جدید عوام کے دھوکا دینے اور سونے کی مچھلی پھنسانے کے لئے دام تزویر بنا رکھا ہے۔ بھلا اہل عقل و دیانت کب اس دھوکے میں آتے ہیں۔ الحمد للہ! کہ سینکڑوں پھنسے ہوئے بھی تائب ہو گئے اور ہوویں گے۔ اس مقام میں بھی ذکر تقدیم تاخیر کا جو ابن عباس سے مروی ہے اور جسے امروہی صاحب تحریف تصور کرتے ہیں۔ مختصر طور پر ضروری ہے۔

ناظرین پر واضح ہو کہ **مُتَوَفِّیْکَ و رافعک** کے متعلق مرزا صاحب معہ اتباع کے واہی اعتراض کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ **مُتَوَفِّیْکَ** لفظ جو پہلے ہے اس کا معنی پیچھے کیوں لیا جاتا ہے۔ کہیں اس تاخیر کو تحریف یہود بتلایا ہے کہیں فعل شیطانی کہا ہے۔ جب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر بھی ان دریدہ دہنوں سے نہیں بچے۔ تو پھر اور کسی کو شکایت

کرنے کا منصب ہی کیا ہے۔ دیکھو ''شمس بازغہ'' متعلق **وانہ لعلم للساعۃ** کے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ناظرین کتب اصول ومعانی کو ملاحظہ فرمائیے کہ واؤ کا حرف ترتیب کے لئے نہیں ہوتا۔ یعنی یہ ضرور نہیں کہ جو پہلے ذکر کیا جاوے، واقعہ میں اس کا موجود ہونا بھی پہلے ہی ضرور ہو دیکھو۔ **اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَاتَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ**o (روم:۳۱) اس آیت میں پہلے نماز کا ذکر ہے بعد اس کے دفع شرک کا۔ تو بقول مرزاصاحب چاہیے کہ نماز پہلے ادا کرے اور اس کے بعد شرک چھوڑے۔ اگر پہلے شرک چھوڑ دیگا تو حسب اجتہادِ مرزاصاحب قرآن کے برخلاف ہوگا۔ دوسری آیت **اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوالزَّکٰوۃَ** جس شخص مالدار پر سال گذر چکا ہو تو بحسب قول مرزاصاحب اگر وہ نماز سے پہلے زکوٰۃ دیوے تو مخالف قرآن ہوگا، جس کا کوئی قائل نہیں۔ اسی طرح تیسری آیت **رب موسٰی و ھارون** اور دوسری جگہ **رب ھارون و موسٰی** فرمایا گیا یہ جادوگروں کے مقولہ کا بیان ہے اور ظاہر ہے کہ انہوں نے ایک طور پر کہا ہوگا یا تو پہلے موسیٰ اور بعد اس کے ہارون یا بالعکس۔ بحسب قول مرزاصاحب ضرور ہے کہ ایک آیت کو ان دونوں میں سے کاذب ٹھہرایا جاوے والعیاذ باللہ۔ علاوہ اس کے کئی ایک مقام پر پہلے انبیاء کا ذکر پیچھے ہوا ہے اور پچھلوں کا پہلے۔ چنانچہ **کَذٰلِکَ یُوْحِیْ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ اللّٰہُ** (شوریٰ:۳)۔

ان آیات سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ قادیانی کا زعم بالکل غلط اور دھوکا بازی ہے۔ جب واؤ کا ترتیب کے لئے ہونا ضروری نہ ٹھہرا بلکہ محض جمعیت یعنی دوامروں کے متحقق ہونے پر دلالت کرتی ہے تو **مُتَوَفِّیْکَ** کے معنی **رافعک** سے پیچھے موجود ہونے میں کون سی قباحت اور تحریف ہوگی؟ اس تقریر ہماری کے مطابق معنی آیت کا یہ ہوگا کہ اے عیسیٰ! میں ہی تجھ سے یہ سب معاملات قیامت تک کروں گا۔ رہا یہ کہ پہلے کون ہوگا اور پیچھے کون؟ اس کا ذکر نہیں اس کو دوسری آیت نے بیان کردیا کہ **رفع** ہوچکا ہے اور **توفی** آئندہ ہوگی پھر یہ سوال کہ کلام خداعز و جل کا نہایت فصیح وبلیغ ہے اس کا کیا سبب ہے کہ **متوفی** کو پہلے لائے ہیں؟ آخر بلاوجہ تو نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح کو بتقاضاء بشریت یہود سے ہروقت خوف رہتا تھا ان کی تسلی کے لئے اس لفظ کو پہلے فرمایا یعنی اے عیسیٰ؟ میں ہی تجھے موت طبعی سے ماروں گا یہ نہ ہوگا کہ تیرے دشمن تجھے کچھ تکلیف پہنچا سکیں۔ محاورہ ہے کہ تسلی بخش کلام پہلے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرتﷺ کے لئے **عَفَی اللّٰہُ عَنْکَ** پہلے لاکر **لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ** کو پیچھے فرمایا۔

قولہ: صفحہ ۴۸۔ اصل کتاب میں بل کی نسبت جو آپ نے قواعد نحویہ کو بیان فرمایا انہی قواعد سے مقتضائے بل نے اس رفع مسیح کے مسئلہ کی تمام کجیوں اور بلوں کو سیدھا کر دیا۔

اقول: سب پر روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ آپ نے **بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ** سے رفع روحانی مراد لینے میں سال بھر ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد تحقق تضاد کے لئے تیسویں آیت کو کورانہ ہاتھ مارا۔ اور منع استلزام رفع جسمی رفع الدرجہ کے لئے کافر جبلی کو مادہ نقض ٹھہرایا جس پر ایسا غوجی خواں طالب علم نے بھی قہقہہ اڑائے۔ مجھے اس موقع پر ایک طالب علم کی بات یاد آئی۔ انسان اور حمار کے درمیان نسبت بتائیں جو ایک مشہور بات ہے۔ اس پر اس نے اعتراض کیا کہ انسان اور حمار کے درمیان نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے۔ مادہ اجتماع کا یہ ہے کہ جب زید گدھے پر سوار ہو آپ کی نرالی منطق بھی اسی طالب علم کی منطق کی طرح موجزن ہے۔ سبحان اللہ! پہاڑ کے اوپر کافر کی بالارادہ حرکت وسکون کجا اور ملائکہ کا اٹھا کر لے جانا آسمان پر جو **رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ** کے مدلول کی کیفیت ہے وہ کہاں۔ بیت

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

حضرت مرزا جی کی جماعت کو بلکہ تمام ہندوستان کو بدنام کر دیا۔ مگر سچ کہا ہے۔ شعر

ہر چہ بر آدمی رسد ز زیان
ہمہ از آفت زبان باشد

اگر وہ متبحرین علماء کے حق میں ہرزہ سرائی نہ کرتے تو اتنی رسوائی کیوں اٹھاتے۔ اس سالانہ کارروائی کا

تار و پود اکھڑ گیا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○۔ (بنی اسرائیل:۸۱)

قولہ: صفحہ ۴۸۔ اور بے شک حضرت مسیح جو صلیب پر چڑھائے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل بالصلیب سے نجات دی۔

اقول: آپ اور آپ کے پیغمبر مسیح کو صلیب پر چڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وَمَا صَلَبُوْهُ فرماتا ہے۔ ذرا آنکھ کھول کر آیت وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَنْكَ (مائدہ:۱۱۰) اور ایسا ہی وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ (نساء:۱۵۷) الی اخرھا کو ملاحظہ فرماویں۔ اب تو روپیہ ہضم کرنے کے لئے یا صرف اتنی ہی لیاقت علمی کی بناء پر جو کچھ جی میں آتا ہے لکھے جاتے ہو اور کم علم اردو خوانوں کو زہریلے مضامین سے جو بالکل کتاب وسنت اور رائے سلف صالحین اور غرض قائل سے اور علوم آلیہ کے برخلاف ہیں، ہلاک کرتے ہو۔ مگر حشر کو کیا جواب دوگے۔ شعر

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور

قولہ: بعد سیر وسیاحت کے کشمیر خاص سرینگر میں دفن کئے گئے۔ دیکھو ''ایام الصلح'' اور ''راز حقیقت''۔

اقول: ارے بندے خدا کے! ''ایام الصلح'' کا مؤلف یعنی مرزا صاحب تو خود ہی مدفن مسیح میں مذبذب ہے۔ کسی کتاب میں بیت المقدس اور کسی میں سرینگر لکھتا ہے۔ دیکھو ''ازالہ اوہام'' ص۴۷۳ میں لکھا ہے کہ ''میں مسیح اپنے وطن گلیل جا کر فوت ہو گیا''۔ اور ادھر ''ایام الصلح'' میں لکھتا ہے۔ کہ ''کشمیر خاص سرینگر میں فوت ہوا'' اور ہر ایک کتاب کے الہامی ہونے کا مدعی ہے۔ پھر کیا کیا حیلے کئے گئے ہیں۔ مخلصی عزیز جی سوداگر کشمیری جو ایک بڑا نامی اور نہایت متدین آدمی ہے۔ اس کا بیان۔ ''کشمیر میں مرزا صاحب کے بھیجے ہوئے کئی آدمی ایک مزار متبرک کے مجاورین کو روپیہ کا طمع دے کر دستخط کروانا چاہتے تھے کہ ہم ابا عن جد سنتے

ہیں کہ یہ مزار عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ مگر مجاوروں نے جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا بلکہ ان کو بے عزت کر کے نکالا"۔ جب مؤلف "راز حقیقت" اور "ایام الصلح" کا ایسے حیلے سازی پر ہو تو بغیر راز شرارت کے اس سے کیا ظاہر ہوگا اور اس کے ایام ایام الشر کیوں نہ کہلائیں گے۔ آپ لوگوں کی حدیث دانی کہاں گئی۔ کیا آنحضرت ﷺ نے لسان وحی ترجمان سے نہیں فرمایا۔ **قال رسول اللہ ﷺ لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد**۔ کہ یہود اور نصاریٰ کو اللہ لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔ جب تم وفاتِ مسیح اور پھر سرینگر میں اس کے مدفون ہونے کے قائل ہو تو بحسب حدیث مذکور چاہیے تھا کہ یوز آسف کا مزار مسجود نصاریٰ ہو ورنہ آپ کے پاک فرمان کا کذب العیاذ باللہ لازم آویگا۔ اور ظاہر ہے کہ آج تک کسی نصرانی وغیرہ کو اس نرالے مزار کا علم ہی نہیں۔

قوله: صفحہ ۴۸۔ اس صفحہ کی بیسویں سطر سے لے کر صفحہ ۶۱ تک مؤلف شمس کا سفہ نے فائدہ جلیلہ کے ایک جملہ کو بھی نہیں توڑا صرف تفریعات اور افتاجات نرالے بیان کئے یا متعلق بعضے آیات کے تفسیر لکھنے میں کمال دکھایا۔ جن پر لسان الوقت یہ شعر پڑھ رہی ہے۔

ھذی شکوک من غشاوۃ لیلھا
تصلی القلوب الی الطریق الاعوج

(یہ ایسے تاریک وسیاہ شکوک ہیں جو دل کو ٹیڑھے رستوں پر لے جاتے ہیں)

قوله: صفحہ ۴۸۔ فائدہ جلیلہ بمقابلہ فائدہ ذلیلہ۔

اقول: "فائدہ ذلیلہ" کہنے کا آپ کو جب استحقاق تھا کہ اس کے کسی ایک جملہ کو بھی توڑتے ایسا ہی "بمقابلہ" کہنا اس وقت درست ہوتا کہ بالمقابل کوئی قواعد بیان فرماتے بغیر ان دونوں صورتوں کے ذلیل کہنا، دلیل ہے اپنی ذلت ورسوائی پر۔

قوله: کما قال تعالیٰ فی سیاق الآیات **مَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ** پس قرآن مجید سے ہی

ثابت ہوا کہ یہود حضرت عیسیٰ کے قتل بالصلیب کے قائل تھے ورنہ کلمہ **مَاصَلَبُوْہُ** بالکل حشو ولغو ہوا جاتا ہے۔

اقول: قرآن مجید سے ہی ثابت ہوا کہ فرقہ مرزائیہ بھی یہود کی طرح کاذب اور دھوکے میں ہے۔ کیونکہ جس طرح قرآن مجید **مَاقَتَلُوْہُ** سے قتل کی نفی فرما رہا ہے ایسا ہی **مَاصَلَبُوْہُ** سے صلیب پر چڑھانے کو بھی خلاف واقع ٹھہرا رہا ہے۔ اور واضح ہو کہ صلب ماخوذ ہو صلیب سے کمافی مجمع البحار ولسان العرب۔ جس کا معنی خون اور چربی کا ہے۔ اور سولی پر چڑھانے اور چار میخ کرنے سے بھی چوں کہ خون اور چربی بہتی ہے لہٰذا اس شخص کو جو سولی پر چڑھایا جاوے مصلوب کہا جاتا ہے۔ اور یہ نہیں کہ مصلوب کا اطلاق قبل از مقتولیت نہیں ہوسکتا۔ ہاں سولی پر چڑھانا بھی چونکہ منجملہ اسباب قتل کے ہے، اس وجہ سے صلب کا اطلاق مسبب یعنی قتل پر بھی مجاز مرسل کے طور پر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ **الصلب القتلة المعروفة** الخ۔ اور روایت میں چونکہ قتل صلیبی کی نفی پہلے **وَمَا قَتَلُوْہُ** سے ہو چکی ہے لہٰذا **وَمَاصَلَبُوْہُ** سے معنی قتل کا مجازی طور پر نہیں لے سکتے ورنہ کلام الٰہی لغو ہوا جاتا ہے۔ الغرض اگر کل تصریفات **ص، ل، ب۔** پر نظر ڈالی جاوے اور ایسا ہی صلب کے ماخذ یعنی صلیب کو جو بمعنی چربی یا بمعنی سولی کے ہے، ملحوظ رکھا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ صلب کا معنی سولی پر چڑھانا اور چار میخ کرنا ہے۔ اور مرزا صاحب خود بھی ''ازالہ'' میں مسیح پر باوجود زندہ اتار لئے جانے کے اطلاق مصلوب کا کرتے ہیں۔ کما مرّ۔

قولہ: اس کے علاوہ مؤلف خود حسب قول یہود قتل بالصلیب کا قائل ہے۔

اقول: معاذ اللہ! دروغ گویم بروئے تو کا معاملہ کیسے شروع کر دیا۔ ہمارا عقیدہ وہی ہے جسکے سب اہل اسلام قائل ہیں یعنی مسیح علی نبینا و علیہ السلام نہ مقتول ہوئے، نہ صلیب پر دیئے گئے۔ **اصلاح:** بجائے عبارت مذکورہ کے یوں کہو۔ ''اس کے علاوہ مؤلف خود قتل بالصلیب کو یہود کا مزعوم ٹھہراتا ہے۔''

قوله:۔ پس اگر مانحن فیہ میں ایک ذرہ بھر بھی غور کرتا تو مقصود ہمارا مندرجہ آیت اس کے پاس موجود تھا اور مقتضائے کلمہ بل جس کو مؤلف نے بقواعد نحویہ ثابت کیا ہے اس سے ہمارا ہی مطلب ثابت ہوتا ہے لاغیر۔ ولنعم ما قیل

قد یرحل المرء لمطلوبه

والسبب المطلوب فی الراحل

اقول: دعویٰ بے دلیل کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ کوئی اہل تحقیق ایسا نہ ہوگا جو آپ کے لاف آمودہ تقریرات پر دور سے ہی نہ تھوکے۔ آپ کو چاہیے تھا کہ رفع روحانی کی تقدیر کے شقوق ثلثہ پر جو جو استحالات وارد کیے گئے ہیں۔ ان کا دفعیہ کرنے کے بعد فرماتے۔ کہ ''اس سے ہمارا ہی مطلب ثابت ہوتا ہے'' ایسا ہی رفع روحانی اور مقتولیت میں مادہ افتراق کو ثابت فرما کر بعد ازاں لاغیر کہتے۔ **اصلاح**: ''مندرجہ آیت'' لفظ مندرجہ میں تانیث کیسے موصوف اس کا تو مذکر ہے یعنی ''مقصود'' پس بجائے ''مندرجہ'' کے ''مندرج'' چاہیے۔ شعر

کفی حزناً بانک مقیم ببلدۃ

والمعنی باخری مالک الیہ وصول

(یہی تو غم ہے کہ تو ایک شہر میں ہے اور معنی دوسرے شہر میں، جہاں تیری رسائی مشکل ہے)

قوله: پس مقصود یہود کا قتل بالصلیب سے حضرت عیسیٰ کی ملعونیت ثابت کرنی ہے، لاغیر۔ پس جس طرح پر نفی علت سے نفی معلول کی جاتی ہے اسی طرح پر حضرت عیسیٰ کی ملعونیت کو جو معلول قتل بالصلیب کی ہے نفی علت کر کر جو قتل بالصلیب ہے، نفی فرمایا۔

اقول: بائیسویں اور تیئسویں ہر دو آیات سے جو پہلے ہم کتاب استثناء سے نقل کر چکے ہیں روز روشن کی طرح ظاہر ہو چکا ہے کہ جس شخص سے جرم صادر ہو اور وہ شخص بذریعہ صلیب قتل کیا جاوے، خدا کے ہاں ملعون ہوتا ہے۔ بنا برآں قتل صلیبی مجرم کی ملعونیت کے

لئے علت ٹھہرے گی نہ غیر مجرم کی۔ بلکہ وہ شہادت کی طرح موجب رفع درجات عند اللہ ہوگی۔ اس مضمون سے صاف ثابت ہوا کہ آپ کا یہ زعم ''پس جس طرح پر نفی علت سے نفی معلول الخ'' بالکل خلاف واقعہ اور یہود کی رنگت سے رنگین ہے۔ خدارا قرآن کریم کی تفسیر ایسے بیہودہ زعمات پر مبنی نہ کریں۔ خدا کے بندے! اگر اللہ تعالیٰ کو نفی علت کے طور پر نفی معلول کرنا منظور ہوتی تو **مَاقَتَلُوْهُ وَ مَاصَلَبُوْهُ** سے ہرگز ہرگز مضمون بالا ادا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ نظم مذکور علاوہ نہ ادا کرنے معنی مراد کے موہم ہوجاتی ہے، مضمون غیر مراد کی طرف یعنی غیر مجرم کے قتل اور صلب کو علت لعن ٹھہرانا بلکہ اس تقدیر پر یوں فرمانا ضروری تھا۔ **وما کان عیسٰی مجرما حتی یکون قتله بالصلیب سببا للعنه اوما یودی معناه**۔ اب سنیے حق سبحانہ وتعالیٰ کو چونکہ رفع اختلاف بین الیہود والنصاریٰ بل بینہم والمسلمین منظور تھا۔ تو اس اختلاف کو اصل واقعہ کے بیان کے ضمن میں رفع فرمایا۔ **مَاقَتَلُوْهُ** یعنی یہود نے مسیح کو قتل نہیں کیا۔ یہ کہنا ان کا کہ **انا قتلنا المسیح عیسٰی ابن مریم رسول اللّٰه** ہم نے قتل کرڈالا مسیح کو خلاف واقعہ ہے۔ رہا یہ احتمال کہ صلیب پر چڑھایا گیا ہو بغیر قتل کے۔ جیسا کہ قادیانی اور اس کی ذریت کا عقیدہ ہے تو اس احتمال کی تردید فرمائی۔ **وَمَا صَلَبُوْهُ** سے (اور نہ سولی دیا اس کو)۔ معلوم ہوا کہ جس طرح **مَاقَتَلُوْهُ** مستقل طور پر یہود کے اس زعم کی تردید وتکذیب ہے کہ ہم نے مسیح کو قتل کیا۔ اسی طرح **مَاصَلَبُوْهُ** بھی بالاستقلال مکذب ہے یہود کے اس زعم کا کہ مصلوب یعنی جو سولی دیا گیا وہ مسیح ہی تھا۔ الحاصل اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ مقتول ومصلوب مسیح نہ تھا۔ اب بالطبع یہ وہم پیدا ہوا کہ یہود ونصاریٰ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک شخص سولی پر دیا گیا اور اسی صدمہ سے مر بھی گیا جس کو وہ دونوں اپنے زعم میں مسیح خیال کرتے تھے۔ وہ شخص اگر مسیح نہیں تھا تو کون تھا؟ اس وہم کے دفع کے لئے اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ**، لیکن وہ مقتول ومصلوب مسیح کا ہم شکل بنایا گیا۔ اور ان کے

سامنے سوق آیت سے ہی معلوم ہوگیا کہ نفس قتل اور صلب میں کلام نہیں نہ تو یہود کی آرزو مسیح کے بغیر کسی اور شخص کو قتل کرنے کی تھی اور نہ اللہ جل شانہٗ نفس قتل اور صلب کی نفی فرماتا ہے۔ بلکہ جو امر کہ یہود کی نظر کا نشانہ تھا یعنی مسیح کا قتل اسی امر کی تردید اللہ جل شانہٗ نے فرمائی آیت سے شاہد اس کا یہ ہے کہ یہود نے اپنے مقولہ **انا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللّٰہ** میں مقتول کا بیان بڑے اہتمام اور تکرار سے کیا یعنی الفاظ مسیح اور عیسیٰ اور رسول اللہ سے مطلب ان کا یہ تھا کہ لوجی ہماری مراد پوری ہوگئی جس کے اتمام اور پورا کرنے کے لئے چار چیزوں کا ہونا ضروری تھا۔ (۱) ایک علت فاعلیہ یعنی یہود، (۲) دوسری علت مادیہ یعنی مسیح، (۳) تیسری علت صوریہ یعنی ہیئت حاصلہ عند القتل، (۴) چوتھی علت غائیہ جو باعثہ علی القتل تھی۔ یعنی اظہار اس امر کا کہ مسیح اپنی نبوت کے دعویٰ میں کاذب تھا ورنہ بذریعہ صلیب مقتول نہ ہوتا کیونکہ مقتول بذریعہ صلیب عند اللہ ملعون ہوتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کی تردید کا محل بھی وہی ہوگا جو یہود کے ہاں مہتم بالشان تھا لہٰذا **وَمَاقَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ** بضمیر منصوب متصل فرمایا، نہ صرف **وماقتلوا وماصلبوا** یعنی مسیح کو تو انہوں نے نہ قتل کیا اور نہ سولی دیا۔ یہ انکی غلط بیانی ہے کہ **انا قتلنا المسیح** کہتے ہیں۔ اس لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے یہود کی سلک جرائم میں **وقولھم انا قتلنا** اگر فی الواقع مسیح مقتول بذریعہ صلیب ہوتا یا صرف سولی پر ہی دیا جاتا تو بیان سلک جرائم میں یہود کے یوں چاہیے تھا۔ **وقتلھم اوصلبھم المسیح** الخ کیونکہ غلط بیانی سے ایذا بھاری جرم ہے۔ تو بمقتضائے مقام اس جرم کا ذکر ضروری تھا باقی تفسیر متعلق آیات آئندہ کے عنقریب آئے گی۔ ناظرین انصاف فرماویں کہ قرآن کریم کا محرّف کون ہے؟

قولہ: صفحہ ۱۵، سطر ۱۔ چونکہ ہم نے یہ التزام کیا ہے کہ مہما امکن مؤلف ہی کی عبارت اور اس کے مسلمات سے اس کا تعاقب کر کر رد کرتے ہیں اور اکثر بالمعارضہ جواب دیتے ہیں۔

اور اسی کی عبارت کا رنگ ہماری عبارت میں **کلون الماء فی الاناء** ہو جاتا ہے۔

اقول: اس التزم کی وجہ گو کہ امروہی صاحب مارے شرم کے بیان نہیں فرماتے۔ مگر تاڑنے والے تو تاڑ گئے ہیں۔ اور اس وجہ کا ثبوت بھی ہم کو ان کے مصاحبوں سے حلفی بیان کے ساتھ پہنچ چکا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امروہی صاحب نے کلمہ طیبہ کے سوال اور ایسا ہی فائدہ جلیلہ اور رفع الیہ کی تشریح میں چونکہ شمس الہدایت کی عبارت سمجھنے پر قدرت نہیں پائی لہذا طوطی کی طرح وہی الفاظ بعینہا ہانکے جا رہے ہیں۔ کلمہ طیبہ کی مبحث میں تو صاف طور پر ان کے اپنے کلام سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ مطلب کلام کو نہیں پہنچے۔

قولہ: خواہ مؤلف کی عبارات اور الفاظ بے محاورہ اور غیر لائقہ ہی ہوں ہم بھی وہی الفاظ و عبارات نقل کر دیتے ہیں تا کہ طریق معارضہ بالقلب سے جو جواب دندان شکن ہوتا ہے مؤلف پر حجت ہو جاوے۔

اقول: امروہی صاحب کے الفاظ و عبارات بے محاورہ بلکہ دالہ بر معنی غیر مراد۔ جن کی اصلاح اس کتاب میں کی جاتی ہے پبلک پر ظاہر ہو گئی ہیں اور ہوتی جائیں گی۔ آپ کے مضامین کی غلطی اس قدر تھوڑی نہیں کہ ہم کو ایک جگہ دم لینے دے تا کہ ہم آپ کی عبارات کی اصلاح کرتے چلیں۔ خود غلط، املا غلط، انشاء غلط کا معاملہ ہے۔ جواب دندان شکن تو بجائے خود رہا ابھی تک تو دندان نگن بھی عطا نہیں فرمایا۔ اور یاد رکھو کہ ہرگز نہ دے سکو گے۔

قولہ: صفحہ ۱۵۱۔ چنانچہ اس جگہ پر ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ لفظ متکلم بلیغ کا شان میں اللہ تعالیٰ کے کیسا ایک لفظ رکیک اور گستاخانہ ہے۔ علی ہذا القیاس۔ اکثر عبارات بالکل بے محاورہ اور قواعد زبان اردو کے محض خلاف ہیں۔ ہم کہاں تک اس کی اصلاح کرتے۔ کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کے لئے متکلم بلیغ اطلاق کہیں نہیں آیا **وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ**○ (اعراف:۱۸۰)۔

اقول: امروہی صاحب ذرا یہ تو فرماویں کہ

ا......آپ نے جو واجب الوجود لذاتہ کا اطلاق اپنی کتاب شمس بازغہ کے ص ۲۴ سطر گیارہویں میں کیا ہے ایسا ہی اسی کتاب کا صفحہ ۲۳ سطر ۱۶ ملاحظہ ہو آپ ملحد کیوں بن گئے کہیں کتاب وسنت میں اس کا پتہ بتلا دیں؟

۲......پھر معروض ہے کہ اگر متکلم بلیغ کے اطلاق سے انسان ملحد ہو جاتا ہے۔ تو آپ نے اسی ص ۱۵ کی پہلی سطر میں کیوں دانستہ الحاد اختیار کیا۔ آپ کا یہ کہنا کہ ''نقل کفر کفر نباشد'' اس جگہ مفید نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ مجیب ہیں اور بعنوان عبارت مذکور جواب دے رہے ہیں۔ اس کو محض نقل نہیں کہہ سکتے۔

۳......سہ بارہ عرض کرتا ہوں کہ اسماء الٰہیہ کا توفیقی یا غیر توفیقی ہونا ایک مسئلہ مختلف فیہا بین المسلمین چلا آتا ہے یعنی دونوں فریق اسلام سے خارج نہیں۔ تو پھر آپ نے بے موقع آیت مذکورہ مسلمانوں کو ملحد بنانے کے لئے کیوں پڑھ دی۔ کیا آپ کے عندیہ میں غیر توفیقی کے قائلین سب ملحد ہیں؟

۴......چوتھی دفعہ مکلّف ہوں کہ آپ اسماء حسنیٰ کو انہیں **نوّدنہٗ** نام میں منحصر سمجھتے ہیں یہ آپ کا زعم غلط ہے۔ حدیث صحیح جو بروایت عبداللہ بن مسعود مسند امام احمد میں مذکور ہے۔ جس میں **اسئلک بکل اسم ہولک سمیت بہ نفسک وانزلتہ فی کتابک اوعلمتہ احدا من خلقک اواستاثرت بہ فی علم الغیب عندک** الخ موجود ہے، ملاحظہ ہو۔ ترمذی کی شرح احوذی پر بھی نظر ڈالیں اور نہ سہی تو شرح مواقف عبارت مسطورہ ذیل پر نظر ڈالی ہوتی۔ **وانما قال فی المشہور اذ قد ورد التوقیف فیہا۔**

۵......پانچویں مرتبہ معروض ہے کہ آیت کے معنی میں ابن عباس فرماتے ہیں۔ **یلحدون فی اسمائہ اشتقوا للات من اللّٰہ والعزیٰ من العزیز۔** تفسیر ابن کثیر وجلالین وغیرہ تفاسیر معتبرہ ملاحظہ ہوں۔

٦.....چھٹی دفعہ معروض ہے کہ متکلم کے لفظ کا جواز اطلاق سید محقق ''شرح مواقف'' کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ **وشاع فی عبارات العلماء المرید المتکلم الموجود بالذات** الخ۔ یہ جواز بھی مبنی ہے۔ **عدم انحصار فی تسعة و تسعین** پر۔

قوله: صفحہ ۱۵۔ اب اصل کلام کی طرف رجوع کی جاتی ہے کہ اولاً فرمایا کہ **وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ**۔ اب سامع کو یہ وہم پیدا ہوا کہ حضرت عیسیٰ باتفاق فریقین یہود و نصاریٰ کے صلیب پر تو چڑھائے گئے تھے۔ پھر کہنا کیونکر درست ہوا کیونکہ صلیب پر چڑھایا جانا ان کا ایک ایسا تاریخی واقعہ تھا جس سے اکثر اہل اسلام بھی انکار نہ کر سکے۔ ہاں ان لوگوں نے اس تاریخی واقعہ کی یہ تاویل کی کہ حضرت عیسیٰ کی شبیہ **کانه هو** صلیب پر چڑھائے گئے تھے، نہ حضرت عیسیٰ! چونکہ قرآن مجید رفع اختلاف بین الیہود و النصاریٰ و نیز بنا بر رفع نزاعات واقعہ بین المسلمین الی یوم القیامہ نازل ہوا ہے لہٰذا اس اختلاف کو بھی کلام الٰہی نے خود ہی رفع فرمایا۔ **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** ظاہر ہے کہ حرف **لکن** واسطے استدراک کے آتا ہے یعنی واسطے دفع کرنے اس وہم کے جو کلام سابق سے سامع کو پیدا ہوتا ہے۔ قاموس میں لکھا ہے۔ **ولكن ساكنة النون ضربان مخففة من الثقيلة و هى حرف ابتداء لايعمل خلافا للاخفش و يونس فان وليها كلام فهى حرف ابتداء لمجرد افادة الاستدراک و ليست عاطفة۔**

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ کلام سابق سے کیا وہم پیدا ہوا جس کو **لکن** کے ساتھ دفع کیا گیا۔ جب ہم کلام سابق پر نظر کرتے ہیں تو کوئی اور وہم پیدا ہی نہیں ہوتا بجز اس کے کہ حضرت عیسیٰ سولی سے ضرور قتل کئے گئے تھے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ ابتداء سے لیکر آج تک اسی امر پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ سولی پر قتل کئے گئے۔ اب اس وہم کے دفع کے واسطے جو کلام سابق **مَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ** سے پیدا ہوا بحرف استدراک **لکن** کے دفع کیا گیا کہ

ہاں حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھائے گئے تھے اور یہ صلیب پر چڑھایا جانا مشابہ قتل بالصلیب کے ہے اسی واسطے بحرف لکن فرمایا گیا ہے یعنی ولکن حضرت عیسیٰ مشابہ یا مشبہ مقتول الصلیب یہود کے لئے کیے گئے۔

اقول: ''اس وہم کے دفع کے واسطے'' کہہ کر پھر ''بحرف استدراک لکن کے دفع کیا گیا'' کہنا کیسی فصاحت ہے۔ سبحان اللہ!

اصلاح: اب اس وہم کو جو کلام سابق **مَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ** سے پیدا ہوا بحرف استدراک لکن کے دفع کیا گیا۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ نئی تفسیر بالکل تحریف اور غلط اور مخالف ہے آیات قرآنیہ کے۔

اوّل۔ تو ان جہلاء نے صلیب پر چڑھانا حضرت عیسیٰ کا مسلّم رکھا باوجود اس کے کہ اللہ جل شانہ مستقل طور پر **وَمَاصَلَبُوْهُ** فرماتا ہے یعنی مسیح کو صلیب پر یہود نے نہیں چڑھایا۔

دوسرا۔ اگر مسیح کو یہود نے صلیب پر چڑھایا تو اللہ تعالیٰ پہلے سلک جرائم یہود کے بیان میں کما قال **فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ** (النساء:۱۵۵-۱۵۶) **وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًاo وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ** (النساء:۱۵۷-۱۵۸) صرف **وَقَوْلِهِمْ** فرما کر غلط بیانی ہی کو منجملہ جرائم شمار کرتا ہے۔ مقتضیٰ مقام کا یہ تھا کہ ان کی ایذاء رسانی کو بھی ضروری ذکر کیا جاتا یعنی **وصلبهم المسيح** تا کہ یہود کے مردود وملعون ہونے کے اسباب کا سلسلہ نامکمل نہ رہتا اور سبب قوی واجب الذکر کو ترک کرنا خلاف بلاغت ہے۔

تیسرا۔ صلیبی اعتقاد صرف **وَمَاصَلَبُوْهُ** کے ہی مخالف نہیں بلکہ صریح آیت دوسرے مقام میں اس عقیدہ کی تردید فرما رہی ہے۔ دیکھو سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ در ضمن ذکر نعماء اپنے کے جو مسیح اور اس کی والدہ پر عطا کی تھیں، فرماتا ہے۔ **وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ**

اِسْرَائِیْلَ عَنْکَ اِذْ جِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ (مائدہ:۱۱۰) یعنی من جملہ میری نعمتوں کے جو تیرے پر فیضان کی ہیں۔ ایک یہ بھی نعمت ہے۔ یاد کر جبکہ روک رکھا تھا ہم نے بنی اسرائیل کو تجھ، سے یعنی تم کو ان کی ایذا سے بچالیا تھا۔ اگر واقعہ صلیبی مزعومہ مرزائیہ بہ تقلید یہود و نصاریٰ واقعی تھا تو پھر کففت فرمانا کاذب ہوا جاتا ہے۔ ایسا ہی اس آیت کے ابتداء میں اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ فرمانا بے جا ہوگا۔

چوتھا۔ بنا بر تقدیر مذکور مسیح کو بروقت مشورہ کرنے یہود کے ایذا رسانی کے بارہ میں اللہ جل شانہٗ کی اطمینان دہی کما قال اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ الایۃ العیاذ باللہ دھوکہ بازی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا ثمرہ تو یہ نکلا کہ یہود کے ہاتھوں پکڑوا کر صلیب دلا دینے کے بعد تیرا دم نہ نکلنے دوں گا اور تجھے مشابہ بالمقتول بناؤں گا۔ کیا اطمینان دہی اسی کا نام ہے؟

پانچواں۔ وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ یہ آیت بعد ملاحظہ فائدہ جلیلہ ''شمس الہدایت'' کے نص قطعی ہے رفع جسمی پر، جو منافی ہے صلیبی اعتقاد کو۔

چھٹا۔ آج تک کسی حدیث یا قول صحابی یا تابعی سے تسلیم صلیبی واقعہ ثابت نہیں بلکہ سب اہل اسلام اس اعتقاد سے علیحدہ ہی رہے ہیں۔ وجہ اس کی بغیر اس کے کوئی نہیں کہ آنحضرت ﷺ وصحابہ رضی اللہ عنہم وسائر اہل اسلام نے الی یومنا ھذا قرآن کریم کی شہادت کو یعنی وَمَا صَلَبُوْہُ ایسا ہی بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کو پیش نظر رکھ کر یہود و نصاریٰ کی روایات کو پس پشت پھینک دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ باجود اس کے کہ بلغ ما انزل الیک اور ایسا ہی اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ ط وَلَا تَکُنْ لِّلْخَائِنِیْنَ خَصِیْمًا ○ (النساء:۱۰۵) اور نیز وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْہِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○ (نحل:۶۴) ایضا قال تعالیٰ وَاَنْزَلْنَا

اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ (نحل:۴۴) ایضا قال تعالیٰ اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗO (القیمۃ:۱۷) اور ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَهٗO (القیمۃ:۱۹) کے ساتھ مامور و مبشّر ہو کر ان معانی سے کیسے بےخبر رہے ہوں گے۔ ہرگز ممکن نہیں۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ یہ نئی تفسیر بالکل تحریف اور خلاف محاورۂ عرب ہے۔ اور لسان العرب کا قول **الصلب القتلة المعروفة** معنی مجازی کا بیان ہے چونکہ صلیب پر چڑھانا اور خون اور چربی وغیرہ کا نکلنا من جملہ اسباب قتل کے ہے لہذا صلب کا اطلاق قتل پر مجاز مستعار کے طور پر ہوا کیونکہ صلب کا ماخذ صلیب ہے بمعنی خون و چربی کے یا بمعنی سولی کے نہ قتل۔

قوله: صفحہ ۵۲۔ اور جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شبیہ سولی پر قتل کئے گئے تھے لہذا یہ وہم پیدا ہوا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول بالصلیب ہوئے۔

اقول: یہ کیسا خبط ہے اور ”لہذا یہ وہم پیدا ہوا الخ“ کیسا بے ربط ہے ماقبل سے۔ بھلا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ کے شبیہ سولی پر قتل کئے گئے تھے۔ یہ مضمون کس طرح منشاء وہم ہوسکتا ہے۔ اس کے لئے کہ خود حضرت عیسیٰ مقتول بالصلیب ہوئے۔ بندے خدا کے! اس کا منشاء کہ خود حضرت عیسیٰ مقتول بالصلیب ہوئے، کلام سابق ہے یعنی **وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ**۔ کیونکہ جب حضرت عیسیٰ باتفاق فریقین یہود و نصاریٰ صلیب پر تو چڑھائے گئے تھے بلکہ بزعم ان کے مقتول بھی ہو گئے تو پھر نفی قتل و صلب کی کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ اس وہم کو اللہ تعالیٰ نے **وَلٰکِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ** سے دفع فرمایا یعنی واقعہ صلیبی جو ایک واقعات مشاہیر میں سے ہے اس کی نفی نہیں کی گئی قتل اور صلب تو متحقق ہوا مگر وہ مقتول و مصلوب مسیح نہ تھا بلکہ اس کا شبیہ تھا۔

قوله: مگر اس صورت میں استدراک جو مقتضائے حرف **لکن** کا ہے، کب ٹھیک ہوتا ہے، کیونکہ **لکن** کے سابق میں کہاں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ کے شبیہ مقتول بالصلیب ہوئے۔ جس سے یہ وہم پیدا ہو۔ تا کہ خود حضرت عیسیٰ مقتول بالصلیب ہو گئے ہوں پھر **لکن** کے

ساتھ کونسا وہم ناشی عن الکلام دفع کیا گیا۔

اقول: دماغ کے فساد کا معالجہ کروا کر بعد ازاں تفسیر لکھیں۔ آپ فرماتے ہیں "کہ سابق میں کہاں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ کے شبیہ مقتول بالصلیب ہوئے" خدا کے بندے! یہ مضمون کہ حضرت عیسیٰ کے شبیہ مقتول بالصلیب ہوئے یہ تو مدخول حرف **لکن** کا ہے جس سے دفع وہم ناشی عن الکلام السابق کا کیا گیا ہے۔ اگر یہ دفعیہ پہلے ہی مذکور ہو تو پھر وہم بھی قبل از **لکن** مدفوع ہو جاوے۔ ہدایۃ النحو پڑھنے والے بھی جانتے ہیں کہ **لکن** کے استعمال میں چار چیز کا ہونا ضروری ہے۔ ایک کلام سابق، دوسرا وہم ناشی عنہ، تیسرا دفع وہم جو مدلول ہے **لکن** کا، چوتھا وہ مضمون جس سے وہم سابق دفع کیا جائے جو دائما **لکن** کے بعد ہی ہوا کرتا ہے۔ **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** میں ایک تو کلام سابق ہے وہ ہے **وَمَاقَتَلُوْهُ وصلبوه**، دوسرا وہم ناشی جو اوپر بیان کیا گیا ہے، تیسرا **لکن**، چوتھا **ما یدفع به الوهم** یعنی **شُبِّهَ لَهُمْ** کا مضمون۔

ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ امروہی صاحب "شمس بازغہ" کے لکھنے کے ایام میں بوجہ اس کے کہ حق کے مقابلہ میں کھڑے ہو کر تحریف کر رہے ہیں، مخبوط الحواس والعقل ہو گئے ہیں یا ان کا کمال علمی یہی کچھ ہے جو نئے نئے رنگ دکھلا رہا ہے۔ کاش! اگر کسی محقق عالم سے شمس الہدایت کو پڑھ لیتے تو اس رسوائی سے محفوظ رہتے۔

قولہ: معہذا منشاء وہم کو تو پھر **لکن** کے بعد بھی ذکر کیا گیا جس سے وہ وہم اور قوی ہو گیا اندریں صورت حرف **لکن** جو دفع وہم ناشی عن الکلام السابق کے واسطے آتا ہے محض لغو اور حشو ہوا جاتا ہے۔ **تعالٰی کلامه تعالٰی عن ذٰلک علوا کبیرا** اس صورت میں عبارت یوں ہونی چاہیے تھی کہ **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ولکن قتلوا وصلبوا شبیه عیسٰی فلهذا شبه لهم و این هذا من ذٰلک۔**

اقول: منشا وہم کا **مَاقَتَلُوْهُ وصلبوه** ہے جو **لکن** کے ماقبل مذکور ہے۔ لہذا آپ کی

عبارت ''معہذا اسے لیکر ہوا جاتا ہے''۔ تک محض لغو اور حشو ہے۔ سبحان اللہ! اس لیاقت سے اللہ کو اصلاح دے رہے ہیں۔ فصیح صاحب! **وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ** کے جملہ سے وہی مضمون ادا کیا گیا ہے جس پر آپ کی دو سطریں دال ہیں یعنی **ولکن شبہ لھم المقتول بالمسیح**۔ قرآن کریم اگر آپ کی اصلاح کے مطابق ہوتا تو معجز کس طرح ہوسکتا تھا۔

قولہ: ہاں جو معنی آیت کے ہم لیتے ہیں اس میں یہ سب امور یعنی استدراک اور پیدا ہونا وہم کا کلام سابق سے اور دفع کرنا اس کا **لکن** سے وغیرہ وغیرہ سب متحقق ہو جاتے ہیں۔ یعنی **مَاصَلَبُوْہُ** سے یہ وہم پیدا ہوا کہ حضرت عیسیٰ کا مقتول بالصلیب ہونا تو یہود و نصاریٰ کا آج تک اتفاقی مسئلہ ہے پھر **مَاصَلَبُوْہُ** کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ جواب دیا گیا **وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ** یعنی **ولکن** حضرت عیسیٰ علیہ السلام **صلبوہ** کے مضمون سے مشبّہ اور مشابہ کئے گئے یعنی صلیب پر چڑھائے گئے اور پھر جلد تر زندہ اتار لئے گئے اس شبہ سے کہ مقتول بالصلیب ہو چکے۔

اقول: سب اہل اسلام وہم ناشی عن الکلام السابق یہی ٹھہراتے ہیں جو **مَاقَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ** سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ کا اور سب اہل اسلام کا تخالف **وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ** کی تفسیر میں ہے۔ حسب تفسیر آپ کے **وَمَاصَلَبُوْہُ** کاذب ہوگیا۔ الغرض آپ کی تفسیر **وَمَاصَلَبُوْہُ** کو کاذب یا محرف ٹھہراتی ہے اور نیز اس تقدیر پر **وَمَاصَلَبُوْہُ** جو مستقل طور پر نفی سولی چڑھانے کی کر رہا ہے، لغو ٹھہرتا ہے۔ علاوہ اس کے حضرت عیسیٰ **صَلَبُوْہُ** کے مضمون سے مشبّہ کیے گئے ہیں۔ یہ اور نرالی تفسیر ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مشبّہ بالمقتول والمصلوب معاً ٹھہرائے جائیں گے یا صرف مقتول سے یا فقط مصلوب؟ پہلی اور تیسری تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مسیح مصلوب نہ ہوا ہو جیسا کہ مقتول نہیں بلکہ مشبّہ ان دونوں سے ہو۔ اور یہ خلاف ہے مزعوم تمہارے کے، کیونکہ تم مصلوب ہونا مسیح کا یہود و نصاریٰ کی طرح واقعی سمجھتے ہو اور برتقدیر ثانی علاوہ مخل ہونے کے فہم مراد میں ترجیح بلا مرجح ہوگی۔ اور نیز **صلبوہ** کے مضمون کو

مشبّہ بہ کہنا سراسر جہالت ہے۔ کیونکہ تشبیہ عبارت ہے۔ **تشریک امرٍ بامرٍ فی وصف** ہے۔ایک امر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوا اور دوسرا **اصلبوہ** کا مضمون یعنی صلب الیہود المسیح۔اب فرمائیے کیا عیسیٰ علیہ السلام وصف صلب کے ساتھ جو معنی مصدری ہے،تشبیہ دیئے گئے،تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور وصف مذکور کس وصف میں شریک ہوئے۔ **بینوا وتوجروا۔**

قوله: ان معنوں میں علاوہ محاسن مذکورہ کے معنی تشبیہ جو باب تفعیل سے ہے،وہ بھی ٹھیک ہو گئے۔اور مرجع ضمیر شبہ کا بھی کلام سابق میں عیسیٰ مذکور ہے۔اور مشبّہ بہ یعنی مضمون **قتلوہ وصلبوہ** بھی مذکور ہے۔الحمد للہ کہ الفاظِ قرآن مجید سے ہی سب امور کا فیصلہ ہو گیا۔

اقول: ان معنوں میں علاوہ مفاسد مذکورہ کے معنی شبہ کے بھی ٹھیک نہیں ہوتے۔کیونکہ **الحمد** سے **والناس** تک بلکہ محاورہ عرب وغیرہ میں کبھی کوئی جملہ یا مضمون اس کا مشبّہ بہ کسی شخص کے لئے نہیں ٹھہرایا گیا۔اور نہ معنی تشبیہ کا صادق آتا ہے۔چنانچہ ابھی اوپر ثابت ہو چکا ہے۔الحمد للہ کہ نظم قرآن مجید سے ہی تمہاری تفسیر کا تحریف ہونا ظاہر ہو گیا۔اہل اسلام کی تفسیر پر مشبّہ بہ یعنی عیسیٰ کا مذکور ہونا تو ظاہر ہے۔اور مشبّہ یعنی مصلوب بھی مذکور ہے حکماً۔کیونکہ جب **مَاقَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ** سے یہ وہم پیدا ہوا کہ مصلوب اگر مسیح نہیں تو اور کون تھا؟ نظر بجز متواتر کوئی شخص تو مصلوب ضروری ہی ہوا ہوگا۔لہٰذا مصلوب کالمذکور ٹھہرا۔

قوله: صفحہ ۵۴،۵۶ تک سوال حل طلب کا حاصل: وہ شخص جس پر عیسیٰ کی شبیہ ڈالی گئی اس کے متعلق چند سوال ۱......وہ کون تھا؟ ۲......اس کا نام کیا تھا؟ ۳......اس کا کوئی خاندان دنیا میں موجود تھا یا نہیں؟ بشق اول اس کا ماتم کیا یا نہیں؟ یا کچھ جستجو بھی اس کی کی گئی یا نہیں؟ بصورت ثانی نہایت بعید از عقل ہے کہ ایک شخص تو سولی سے بچ جاوے اور ایسے سنگین مقدمہ میں دوسرا شخص غیر مجرم سولی دیا جاوے اور ایسے حواری کا ذکر نہ انجیل نہ کسی تاریخی کتاب میں لکھا جاوے۔ ۴......اور مریم علیہا السلام صلیب کے نیچے بیٹھ کر ماتم کرے اور اللہ

تعالیٰ اس کو بذریعہ الہام یا کسی حواری کے مسیح کے آسمان پر لے جانے سے مطلع نہ کرے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو **لاتخافی ولاتحزنی** سے تسلی بخشی تھی۔ اور مریم علیہا السلام کو **والسلام علی یوم ولدت و یوم اموت ویوم ابعث حیا** (مریم:۳۳) بھی بھول گیا جو عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو طفولیت میں پڑھا دیا تھا۔ ۵...... اور کیا یہ شخص حضرت عیسیٰ کا کفارہ بن گیا تھا؟ جیسا کہ عیسائی اس کو مقتول بالصلب ٹھہرا کر سب عیسائیوں کا کفارہ قرار دیتے ہیں۔

اقول (جواب): پہلے آپ اور آپ کے پیغمبر جن کا فرضِ منصب ہے شبہات کا نکالنا ذرا یہ تو فرماویں کہ بحسب عقیدہ آپ لوگوں کے مسیح سولی پر بھی دیا گیا اور ان کو تازیانے بھی لگائے گئے۔ اور جس قدر گالیاں سننا اور طمانچے کھانا اور ہنسی اور ٹھٹھے اڑائے جانا اس کے حق میں مقدر تھا سب اس نے دیکھا (دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۳۷۸ سے صفحہ ۳۸۴ تک) اور پلاطوس کی عورت کو بذریعہ خواب سمجھایا گیا کہ یہ شخص راستباز ہے اور اس کا قتل کرنا موجب تباہی پلاطوس کا ہے۔ (دیکھو ازالہ صفحہ مذکورہ) اور مسیح کا **ایلی ایلی لما سبقتنی** چلا چلا کر پکارنا بھی انجیلوں میں مندرج ہے۔ ان عقائد کے متعلق گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو سب کچھ کیا کہ مسیح کو روح القدس سے تائید فرمائی اور اَحیاءِ موتی اور ابراء اکمہ وغیرہ وغیرہ معجزات مزید برآں۔ پہلے سے مسیح کو تسلی و دلاسا بھی فرمایا تھا کما قال عزمن قائل **یعیسیٰ انی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ**۔ لیکن اس سے اس قدر نہ ہو سکا کہ حسب وعدہ اپنے کے مسیح کو یہودیوں کے تازیانے لگانے اور کوچہ بکوچہ رسوا کرنے اور سولی پر دینے سے بچا سکے۔ اور مریم صلیب کے نیچے ماتم کرے۔ جیسا کہ آپ کی انجیلوں موجود ہے۔ حضرت مریم کو وہ بھی یاد نہ رہا جو حضرت عیسیٰ نے طفولیت میں اس کو پڑھا دیا تھا کہ **وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا**۔ اور پھر بڑی تعجب کی بات ہے کہ پلاطوس کی عورت کو تو بذریعہ کشف منامی اطلاع دی جاوے اور مریم علیہا السلام محروم رہ جاویں۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے

ہم پلہ ہونے کی شکایت نہ سہی مگر پلاطوس یہودی کی بیوی جیسی بھی نہ ہو۔ پھر گزارش ہے کہ پلاطوس کی بیوی نے بھی حضرت مریم کو آگاہ نہ کیا اور نہ سمجھایا کہ تم کیوں روتی ہو حضرت عیسیٰ کو تو اللہ تعالیٰ نے مرنے نہیں دیا کیونکہ پلاطوس کو میں نے آگاہ کر دیا تھا کہ تمہاری ہلاکت مسیح کے مقتول ہونے میں ہے سو وہ حسب ہدایت میری کے سپاہیوں کو سمجھا کر ضرور زندہ ہی مسیح کو اتروائے گا۔ پھر گذارش ہے کہ مسیح کو باوجود اس کے کہ انبیاء اولوالعزم میں سے تھے اور پہلے سے اطمینان بھی دیا گیا تھا پھر کیوں چلا چلا کر **ایلی ایلی لما سبقتنی** پکارتے رہے۔ ہاں شاید اس لئے کہ میرے خدا نے العیاذ باللہ میرے ساتھ دھوکہ کیا۔ پھر گذارش ہے اور یہ سب سے حیرت انگیز بات ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو اپنا وعدہ بھول گیا تھا یا قدرت خداوندی العیاذ باللہ باقی نہ رہی تھی۔ پھر گذارش ہے کہ یہ بھی معلوم نہ ہوا پلاطوس کی بیوی کا نام کیا تھا؟ یا اس کے سپاہیوں کے نام بمعہ آباؤ امہات کیا تھے؟ اگر معلوم النسب والاسم تھے تو کسی انجیل یا کسی تاریخی کتاب نے کیوں نہیں لکھے اور اگر مجہول النسب والاسم تھے تو اندریں صورت یک نہ شد دو شد بلکہ سہ شد بلکہ یہ لوگ تو حضرت عیسیٰ سے بھی بڑھ گئے کیونکہ حضرت عیسیٰ کے اگر باپ نہیں تھے والدہ تو تھیں اور ان اشخاص کے نہ ماں نہ باپ۔ **ان هذا لشیٔ عجاب**۔ عیسائی تو ایک مسیح کو بدرجہ الوہیت پہنچاتے ہیں اور ان روایات اسرائیلیہ پر ایمان لانے والے تو بہتیروں کو خدا مانتے ہوں گے۔ ہم حیران ہیں کہ ان دونوں میں سے کس کو کاذب اور کس کو صادق سمجھیں۔ مصرع

شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیر ہا

اگر حضرت امروہی صاحب کہیں کہ روایات مسطورہ اسرائیلیات میں سے ہیں تو جواباً عرض ہے کہ اگر آپ کے نزدیک یہ روایات قابل اعتبار نہیں تو آپ نے اور آپ کے پیغمبر نے کس واسطے اپنی تصانیف انہی روایات سے بھر دیں۔ اور انہی پر اعتماد کر کے نصوص صریحہ کو سلام کہا

اور سب صحابہ وعلماء اسلام سے الگ ہوئے۔

تحقیقی جواب: مسیح کے مصلوب ومقتول ہونے کو چونکہ قرآن شریف نے صریح لفظوں میں رد کر دیا ہے اسی لئے آج تک **ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ** کے ساتھ ایمان رکھنے والے، اخبار نصاریٰ ویہود کو بدلیل **وَمَاقَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ** خلاف واقعہ خیال کرتے چلے آئے ہیں۔ اس زمانے میں مرزا صاحب نے بہ تقلید یہود ونصاریٰ کے واقعہ صلیبی کو واقعی خیال کر قرآن کریم کی صریح آیات میں ردو بدل کر دیا۔ یہود کا **انا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ** میں مفعول کو ذکر بدیں اصرار وتکرار کرنا اور پھر تردید میں بقولہ تعالیٰ **وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ** بھی اسی مفعول پر وقوع قتل وصلب سے نفی کرنا، صاف دلالت کر رہے ہیں اس پر کہ مقصود تردید اور مردود دونوں میں سلب یا ایجاب نسبت وقوعیہ کا ہے یعنی مسیح کا مقتول ومصلوب ہونا یا نہ ہونا محل بحث ہے، نہ نسبت صدوریہ۔ یعنی صرف صدور قتل وصلب میں کلام نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ یہود کا مطلب صرف یہی ہو کہ ہم سے قتل و صلب صادر ہو گیا ہے خواہ کسی شخص کو ہم نے مقتول ومصلوب کیا ہو اور بالخصوص مسیح مدنظر نہ ہو۔ ایسا ہی تردید میں بھی **اذا تقرر ھذا**۔ تو جب **وَمَاقَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ** نے قتل یا صلب کے مسیح پر واقع ہونے سے نفی کی۔ اور یہ ظاہر اور سب گروہ کا اتفاقی ہے کہ ضرور کوئی شخص تو مقتول ومصلوب ہوا ہے پس **مَاقَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ** کے بعد گویا وہ شخص بلحاظ مضمون سابق مذکور ٹھہرا۔ لہٰذا **وَلٰکِنْ شُبِّہَ** میں ضمیر نائب عن الفاعل کا مرجع وہی شخص ٹھہرایا گیا۔ جیسا کہ جلالین وغیرہ میں ہے۔ **یالھم** کو نائب عن الفاعل کہا جاوے۔ جیسا کہ دوسرا محاورہ ہے قاموس میں۔ بعد اس تشریح کے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمان کو حسب ہدایت ان آیات کے یہ اعتقاد ضروری ہے کہ مسیح مقتول ومصلوب نہیں ہوا بلکہ وہ کوئی اور شخص تھا۔ رہا یہ کہ وہ کون تھا؟ کیا نام رکھتا تھا؟ اس کے والدین کا کیا نام تھا سو آیت **وَمَاقَتَلُوْہُ**

وَمَا صَلَبُوْهُ کی غرض کو اس سے کچھ تعلق اور لگاؤ نہیں؟ لہٰذا قرآن کریم اس کے درپے نہیں ہوا، تو پھر ہم کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس شخص کے متلاشی بنیں۔ ہاں ایسی تلاش میں ان لوگوں کا ہونا ضروری ہے جو اہل کتاب کی روایات مندرجہ کتب محرفہ مخالفۃ لکتاب اللہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہوں۔ اور نہ صرف اس پر قانع ہوں بلکہ ان روایات کو کتاب اللہ پر ترجیح دے کر کلام اللہ کو ان کی طرف لیجاویں۔ قال اللہ تعالیٰ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (الذریت ۱۱۔۱۰) یعنی اٹکل کے تکے چلانیوالے قتل کئے جاویں جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔ بیت

لاہور سے محبت ملتاں بتاتے ہو　　　کابل پڑی ہے تم تو پشاور کو جاتے ہو

اثر ابن عباس جو باسناد صحیح ''شمس الہدایت'' میں مسطور ہے جس کی صحت کو بڑے بڑے فحول نے اہل حدیث سے مثل حافظ ابن کثیر وغیرہ کے قبول کیا ہے، مؤید اور مشرّح ہے اسی مضمون قرآن کا۔ جیسا کہ آج تک مفسّرین شکر اللہ سعیھم لکھتے چلے آئے ہیں اور اس اثر کا مضمون چونکہ قیاسی نہیں لہٰذا یہ حکم مرفوع میں ہوگا۔ کما ہو منقح فی اصول الحدیث۔ اور چونکہ یہود و نصاریٰ بالاتفاق مسیح کو مقتول بالصلیب مانتے ہیں تو قبل از قتل صحیح وسالم آسمان کی طرف اٹھایا جانا جیسا کہ وہ مضمون ہے اس اثر کا، ان کے معتقدات سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور اگر بعض ان کے قائل اور راوی ہوں بھی اور یہ بھی تسلیم کرلیا جاوے کہ ابن عباس نے انہی سے سنا ہے تو پھر بھی ابن عباس کا اس مضمون کو قبول کرنا، جو ان کے بیان بغیر التردید سے پایا جاتا ہے، دلیل ہے اس پر کہ یہ کتاب اللہ کی کسی آیت کے برخلاف نہیں۔ مسلمانو! خوب یاد رکھو اور غور کرو کہ مسیح کا مقتول بالصلیب ہونا یا صرف مصلوب ہی ہونا یہود و نصاریٰ و اتباعہما کا عقیدہ ہے۔ اور برخلاف ہے صریح آیت وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ کے۔ آج تک سب مفسّرین نے یہی لکھا ہے۔ مرزا صاحب نے آیات قرآنیہ کو اناجیل کے مطابق کرنا چاہا۔ یہ ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ وماعلینا الا البلاغ۔

اب ہم ناظرین کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ امروہی صاحب نے ص ۶۰ تک جو کچھ لکھا ہے۔ خلاصہ اس کا دو ہی باتیں ہیں۔ ایک تو جواب اس سوال کا جو کلمہ طیبہ کے متعلق۔ دوسرا **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے بلحاظ ہمارے فائدہ جلیلہ کے، وفات طبعی مسیح کا ثابت کرنا۔ جواب کا حال تو عرصہ سے چارورق میں شائع ہو چکا تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام علماء متبحرین نے جن کو ان چارورق دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہی کلمہ کہا کہ واقعی امروہی صاحب نے اس جواب میں اپنا جہل مرکب خوب ثابت کر دکھایا ہے۔

دوسرے کے متعلق گذارش ہے کہ اس میں امروہی صاحب نے بل کے ماقبل یعنی قتل صلیبی اور مابعد یعنی رفع اعزاز میں تضاد، حسب قواعد مرقومہ فائدہ جلیلہ کے ثابت کیا ہے۔ اس پر ہماری تردید کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ تورات کے حکم کے مطابق صرف اس مقتول بالصلیب کی ملعونیت ثابت ہے جو کہ مجرم ہو۔ اور مسیح علم باری میں بیگناہ ہے لہذا بل کے ماقبل اور مابعد میں برتقدیر مذکور تضاد فی علم باری نہیں۔ اور رفع جسمی کی تقدیر پر تضاد فی الواقعہ وفی علم الباری متحقق ہے۔ بناءً علیہ جو کچھ امروہی صاحب نے ص ۶۰ میں لکھا ہے اس کے مستحق ہم ٹھہرے۔ یعنی جب آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کی نص قطعی ٹھہری حیات مسیح میں، تو ہم نے جو کچھ فائدہ جلیلہ کے آخر میں تفریعات لکھی تھیں، وہی درست رہیں۔ سبحان اللہ والحمدللہ، "**لا**" کے شکنجہ اور "**بل**" کے بلوں نے مخالفین کے تمام بل اور پھوں کو سیدھا کر دیا۔ **لکن من یهده اللّٰه فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له۔**

قوله: اسی ص ۶۰ میں۔ اور یہی آیت قرینہ ہے حدیث **لو کان موسٰی و عیسٰی حیّین** الخ۔ جس کی صحت صاحب فتوحات کو مسلّم ہے۔ حیات سے حیات فی الارض مراد لینے پر۔

اقول: صاحب فتوحات نے چونکہ فتوحات ہی میں حیات مسیح کی تصریح کئی مقامات پر کر دی جیسا کہ اس تکملہ میں مذکور ہو چکا ہے۔ لہذا یہ حدیث صاحب فتوحات وغیرہ اہل اسلام کو، جو متفق ہیں حیات مسیح پر، مضر نہیں۔

ناظرین! اس جگہ امروہی صاحب کی علمی لیاقت کا خیال فرماویں۔ اس قول میں آپ نے **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کو مطابق مزعوم اپنے کے قرینہ ٹھہرایا ہے حیات سے حیات فی الارض مراد لینے کے لئے۔ اور ظاہر ہے کہ جب حدیث مذکور میں لفظ **حیین** کو مقید بحیات فی الارض ٹھہرایا تو بمقتضائے کلمہ **"لو"** کے اتباع موسیٰ وعیسیٰ کا شرع محمدی کے لئے منتفی ہوا۔ اس لئے کہ موسیٰ وعیسیٰ زندہ فی الارض نہیں تو حدیث مذکورہ سے صرف یہی مفہوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بروقت بولنے آنحضرت ﷺ کے اس حدیث کو زندہ زمین پر موجود نہ تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آسمان پر بھی زندہ نہ ہوں۔ **"فی الارض"** کی قید تو اس حدیث میں قائلین بحیات المسیح لگاتے ہیں جیسا کہ فائدہ جلیلہ میں اس کا یہی مقصود ہے۔ قائلین بوفات المسیح تو اس حدیث میں **"حیین"** کو مطلق چھوڑتے ہیں تاکہ مطلق حیات کا انتفا ہو جاوے۔ سبحان اللہ ماشاء اللہ نظر بد دور۔

قوله: اسی صفحہ ۶۰۔ "میں جسم کثیف کے اٹھایا جانے کو بعید سمجھا" من جملہ مؤیدات اپنی سے شمار کرتے ہیں۔

اقول: رفع جسمی کے کئی ایک واقعات پہلے علامہ سیوطی کی کتاب سے نقل کئے گئے ہیں۔ عقل اگر بعید جانتا ہے تو جسم کثیف کے بالطبع جانے کو بلندی کی طرف، نہ یہ کہ اگر جسم ثقیل کو کوئی بالقسر یعنی بغیر حرکت طبعی وارادی کے اوپر لیجاوے تو نہیں کہا جا سکتا۔ یہ استبعاد صرف قادیان ہی میں محصور ہے۔ معراج جسمانی آنحضرت ﷺ کا اس استبعاد کو قادیان تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔

قوله: صفحہ ۶۱۔ اس تفسیر وتقریر سے جو صراحۃ۔

اقول: قولہ تعالیٰ **وَمَا صَلَبُوْهُ** صراحۃ یہود ونصاریٰ کا مع اتباعہما مکذب ہے۔ کیونکہ یہ صراحۃ مسیح کے مصلوب ہونے کی نفی کر رہا ہے۔ لہٰذا مضمون اناجیل سے مطابقت نہیں رکھتا۔

قولہ: صفحہ ۶۱۔ اور حضرت اقدس نے ص ۳۷۸ سے ص ۳۸۲ کہیں تحریر نہیں فرمایا کہ معنی صلب کے ہڈی توڑنی ہے۔ صرف مضمون ہڈی نہ توڑے جانے کا نقل کیا ہے۔

اقول: سید احمد صاحب اور مرزا صاحب اور مصنف ''تفسیر حضرت شاہی'' تینوں اس پر متفق ہیں کہ مسیح سولی دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کو **مَاصَلَبُوْہُ** کے معنی میں گڑبڑ کرنا ضروری ہوا خواہ معنی صلب کے لغۃً ہڈی توڑنا کہیں یا نہ۔ مرزا صاحب نے تو وہی راستہ لیا جو امروہی صاحب نے ذکر کیا ہے۔ مرزا صاحب ازالہ اوہام کے ص ۳۷۸ سطر چوتھی میں لکھتے ہیں۔ منشاء **مَاصَلَبُوْہُ** کے لفظ سے یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھنے کا اصل مدعا تھا یعنی قتل کرنا، اس سے خدائے تعالیٰ نے مسیح کو محفوظ رکھا۔ اور مصنف ''تفسیر حضرت شاہی'' نے تو معنی صلب کا ہڈی توڑنا لکھا ہے۔ اس تفسیر کا ص ۱۹ ملاحظہ ہو۔ نیز سید احمد صاحب کی تفسیر بھی۔ اب سنیے شمس الہدایت کی عبارت کا مطلب۔ عبارت اس کی یہ ہے:

اس تفسیر سے جو نظم قرآنی سے سمجھی جاتی ہے۔ ظاہر ہوگیا ہے کہ سید احمد صاحب اور مرزا صاحب اور مصنف تفسیر حضرت شاہی کو **مَاصَلَبُوْہُ** کے معنی میں جو ان صاحبوں نے روایات اناجیل کے ملاحظہ سے لیا ہے، سخت دھوکا ہوا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ تینوں صاحبوں کو **مَاصَلَبُوْہُ** کے معنی میں سخت دھوکا ہوا۔ یعنی صلب کا معنی سولی پر چڑھانا ان کو چھوڑنا پڑا۔ جیسا کہ ابھی جو ازالہ اوہام کی عبارت نقل کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے شمس الہدایت کی عبارت ''کہتے ہیں **مَاصَلَبُوْہُ** یعنی یہود نے مسیح کی ہڈی کو نہ توڑا''۔ متعلق ہے تفسیر حضرت شاہی سے۔ جو مرجع قریب ہے ان کی یعنی سید احمد کی تفسیر کو۔ صفحہ ۱۹ پر ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے صلیب کا معنی ہڈی توڑنے کا لیا ہے۔ اور عبارت قاموس مسطورہ شمس الہدایت کے ساتھ استشہاد بھی پکڑا ہے۔

قولہ: صفحہ ۶۱۔ حاصل مطلب دونوں جملوں کا **مَاقَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ** قتل بالصلیب ہی ہے۔

اقول: حاصل مطلب **مَاقَتَلُوْہُ** کا قتل بالصلیب کی نفی، اور **مَاصَلَبُوْہُ** کا سولی پر چڑھانے کی نفی۔ جیسا کہ اوپر مکرر لکھ چکا ہوں۔ ناظرین ص ۶۱ کو ص ۶۲ کے نصف تک ملاحظہ فرماویں جس کو ادنیٰ طالبعلم بھی برعایت ہمارے بعض مضامین مسطورہ بالا کے جو اس تکملہ میں مکرر لکھے گئے ہیں، تردید کر سکتا ہے۔

قولہ: صفحہ ۶۲۔ مؤلف صاحب اس کا فیصلہ کریں کہ جب مرجع ضمیر **مَاقَتَلُوْہُ** کا آپ کے نزدیک جسم مع الرّوح ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کے عندیہ میں جسم کے ساتھ روح بھی قتل ہو جاتی ہے۔

اقول: سبحان اللہ ملکہ ہو تو ایسا ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ زید وعمرو وبکر کا مسمّٰی جسم مع الرّوح ہے اور درصورت مفعول واقع ہونے ان کے اگر فعل افعال حسیہ میں سے ہوا تو متعلق اس کا صرف بدن ہوگا۔ **زید قتلت زیداً حسست زیدا**۔ اور اگر افعال قلوب میں سے ہوا تو متعلق اس کا صرف روح ہوگا۔ **علمت زیدا فھمت بکرا**۔ جسم مع الروح کو مرجع کہنے کا معنی یہ ہے کہ متعلق قتل کا جسم ہے درحالیکہ مقارن مع الروح ہے، نہ یہ کہ جسم بھی متعلق قتل کا ہے اور روح بھی۔ امروہی صاحب نے اس صفحہ ۶۲ سے ص ۶۳ کے نصف تک بجائے اس کے کہ اپنی جہالت پر متاسف ہو کر رودیں الٹا تمسخر سے کام لیا ہے۔

اللہ رے ایسے علم پہ یہ بے نیازیاں
کیا جہل سے ہی آپ کا پتلا بنا نہیں

آپ جس کو مرجع ضمائر مانتے ہیں، یعنی عیسیٰ ابن مریم، وہی مراد ہے جسم مع الروح سے۔ رفع درجات کا ذکر پہلے مفصل ہو چکا ہے۔ **بل احیاء** کے ماقبل قتل کی نفی نہیں بلکہ اثبات اس کا ہے۔ لہٰذا یہ حیات جسمانی کا افادہ نہیں کر سکے۔ افسوس کہ امروہی صاحب نے ناحق

اس کوچۂ علمی میں قدم رکھا اور اپنے معتقدین کے روبرو اپنے فہم سقیم سے ان کو نادم ہونا پڑا۔

وکم من عائب قولا صحیحا وافته من الفهم السقیم۔

قوله: صفحہ ۶۳۔ ان کے اس قول کی صرف یہی وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰ کے قتل بالصلیب میں انہوں نے کوئی وقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کوچہ بکوچہ رسوا کیا الخ۔

اقول: ناظرین خدارا انصاف! شمس الہدایت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر قتل کرنا مسیح کا اور صلیب پر چڑھانا ان کا واقعی ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہود کے جرائم سولی پر چڑھانے اور ایسا ہی قتل کرنے کو ذکر فرماتا۔ جب ایسا نہیں کیا یعنی بجائے **وقولهم انا قتلنا** الایة کی بجائے **وقتلهم وصلبهم** نہیں فرمایا۔ اور **قولهم** کو زیادہ کردیا تو معلوم ہوا کہ یہود کا جرم اس مقام پر صرف غلط بیانی ہی تھی۔ اس کے جواب میں امروہی صاحب فرماتے ہیں۔ ''ان کے قول کی صرف یہی وجہ تھی۔'' الخ کیا یہود کے قول اور ان کے **انا قتلنا المسیح** الایة کہنے کی وجہ آپ لوگوں سے دریافت کی گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ دریافت تو ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے **قولهم** کو کیوں بڑھایا اور **وصلبهم** نہ فرمایا باوجود اس کے کہ حسب زعم تمہارے وہ صلیب پر چڑھائے گئے تھے۔ اس سنگین جرم کو کیوں ذکر نہیں فرمایا؟ اور صرف **قولهم** غلط بیانی پر اکتفاء کی۔ اب ماشاء اللہ امروہی صاحب کو علمیت کا بڑا زور ہوتا جاتا ہے۔ ابھی تو ص ۶۴ شمس الہدایت تک پہنچے ہیں۔

قوله: ص ۶۵ کا حاصل۔ آنحضرت ﷺ کے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر کی کہ غار ثور کے مصائب اور آفات سفر راہ مدینہ وغیرہ وغیرہ ان پر اور ان کے یار غار پر نازل فرمائیں اور حضرت عیسیٰ کے لئے بلاکلفت چھت کو پھاڑ کر ایک دریچہ بھی بنادیا۔ گویا مؤلف صاحب اپنی زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہا ہے۔ شعر

فسبحان اللّٰه من خص المسیح براحة

لیغبطه فیها الذی هو افضل

اقول: یہ دھوکا عام فریب ایسا ہے جیسا کہ مثلاً کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے تابعین کو تو دریا کو چیر کر پار چڑھا دیا۔ اور ان کے مخالفین کو دریا میں غرق کر دیا مگر آنحضرت ﷺ کے لئے کسی غزوے میں ایسی تدبیر نہ کی کہ آپ ﷺ کو مع اصحاب کرام کوئی صدمہ نہ پہنچتا۔ اور مخالفین کو بجائے دریا کے زمین میں ہی خسف کر دیتا۔ بلکہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو کفار کے ہاتھ سے بڑے بڑے صدمات پہنچے۔ پس جو شخص ان آیات قرآنیہ کے ساتھ (جن میں آل فرعون کے غرق کرنے کا اور موسیٰ علیہ السلام کی نجات پانے کا دریا سے ذکر ہے) ایمان رکھتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **وَاِذْ فَرَقْنَابِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ**(البقرہ:۵۰) وہ شخص زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہا ہے۔ شعر

فسبحان اللّٰہ من خص موسیٰ براحة

لیغبطه فیهامن هو افضل

بھلا امروہی صاحب ہم تو **ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ** پڑھتے جائیں اور آپ بظاہر محبوں کی صورت میں ہو کر در پردہ تحریف کرتے ہوئے عاشقانہ اشعار پڑھتے جائیں۔ مگر تاڑنے والے تو تاڑ چکے ہیں۔

قولہ: امروہی صاحب ص ۶۵ میں بڑی طیش میں آ کر لکھتے ہیں۔ ''ہاں مجھے یاد آ گیا کیونکر یہ فرق نہ ہوتا۔ کہاں حضرت عیسیٰ خدا کے اکلوتے بیٹے صفات بشریت سے مبرّا اور کجا محمد رسول اللہ عبدہٗ و رسولہٗ ایک خاکی نژاد انسان۔ **و نعوذ باللّٰہ من هذا القول مثل البول تکاد السّمٰوٰت یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال ان دعوا للرحمٰن ولدا**۔ کلا و حاشا۔ اے مؤلف تم عیسائیوں کے شریک ہو کر وہ شعر پڑھتے جاؤ ہم تو یہ شعر پڑھتے ہیں۔ الخ''

اقول: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ کہاں شمس الہدایت میں عیسیٰ بن مریم خدا کا اکلوتا بیٹا لکھا ہوا ہے۔ بلکہ آپ نے خود ہی مسیح کے آسمان پر چڑھائے جانے اور سکونت فی السماء کو موجب الوہیت ٹھہرا کر یہ نتیجہ نکالا۔ اور آپ کے عندیہ کو لازم طبعی ہے کہ سب ملائکہ العیاذ باللہ الٰہ بن جائیں۔ یا تو اس عندیہ سے توبہ کرو اور یا **الوهية من فی السمٰوٰت من المخلوق** کا العیاذ باللہ اقرار کرو جو مقتضٰی بالطبع ہے تمہارے عندیہ کا۔ اب فرمائیے کہ آپ کے عندیہ کے مطابق سب ملائکہ خدا کے اکلوتے بیٹے بنے یا نہ؟ شعر

وفی کفتی میزاننا لک عبرة
وانت لسان فیه ان کنت تعقل
اذا رجحت احدهما طاش اختها
وانت لما فیها تمیل و تسفل

آپ نے ہمارے اس مضمون پر جو ایک منصوص امر اور اجماعی عقیدہ ہے۔ حاشیہ لگایا اور مسیح کو بوجہ سکونت علی السماء کے حی وقیوم ٹھہرایا۔ اور سب لوگوں پر جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ملائکہ کی قرارگاہ آسمان ہے، الزام لگایا۔ پس تمہارے عندیہ کے مطابق سب ملائکہ حی و قیوم ٹھہریں گے۔ جس کا طبعی مقتضٰی یہ ہے کہ **الملائکة بنات اللّٰه او ابناء اللّٰه** واقعی ٹھہرے۔ اب فرمائیے **ان دعوا للرحمٰن ولدا** کے قائل آپ ہوئے یا کوئی اور؟ اور المسیح ابن اللہ اور ایسا ہی عزیر ابن اللہ کے قائلین کا ہم نوالہ کون ہوا؟ شمس الہدایت کا عبارت ص ۱۵ میں دیکھو۔ جس سے ثابت ہے مسیح کا بارگاہ الٰہی میں رونا اس دولت کے لئے کہ میں سرور عالم خاتم النبیین ﷺ کے خدام میں سے ہو جاؤں۔ کیا اس سے بجائے اس کے کہ افضلیت آنحضرت ﷺ کی ثابت ہے۔ آپ نے الٹا نتیجہ نکال لیا۔ اور مسیح کے لئے تشبیہ بالملائکہ کہنے پر ص ۶۶ میں کیا کیا ہرزہ سرائی کی۔ کیا فتوحات کا باب ۵۵۷ تمہاری نظر سے

نہیں گذرا جس میں **من کرامۃ محمد ﷺ علٰی ربہ ان جعل من امتہ رسولا ثم انہ اختص من الرسل من بعد نسبتہ من البشر فکان نصفہ الاخرروحا مطھرۃ الخ** لکھا ہوا ہے۔ حضرت شیخ تو مسیح کے لئے تشبہ بالملائکہ جداگانہ ہونے سے نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وہ شان عالی ہے کہ آپ کی امت سے ہوگا وہ پیغمبر جو ملائکہ کے ساتھ جداگانہ تشبیہ رکھتا ہے۔

قولہ: اسی صفحہ ۶۶ میں ''نفخ[1] روح القدس مریم کے گریبان میں'' اس پر طعن کیا ہے۔ پھر لکھتا ہے۔ ''ہاں ہدیۃ الرسول کے ردّ میں انشاء اللہ تعالیٰ ان اغلاط کی خبر لیجاوے گی''۔

اقول: اجی اپنے ہی منہ سے میاں مٹھو صاحب! آپ کی خبر تو پہلے ہی سے لے لی گئی ہے تو اب آپ کیا خبر لے سکیں گے۔ خاک؟ قرآن مجید سے نفخ فی الفرج بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آیتِ مذکورہ سے۔ اور نفخ فی مریم بھی جیسا کہ **فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُّوْحِنَا**۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ امروہی صاحب دونوں آیتوں میں تناقض ٹھہرا کر جھٹ **اذا تعارضا فتساقطا** کا حکم حسب العادت نہ لگا دیویں۔ اور فرماویں کہ نفخ فی مریم اور نفخ فی الفرج کا مآل ایک ہی ہے یعنی نفخ فی فرج مریم ایک صورت ہے نفخ فی مریم کے لئے۔ تو جواب میں گزارش ہے کہ نفخ فی جیب مریم بھی ایک صورت ہے نفخ فی فرج مریم کے لئے۔ یعنی روح القدس کا نفخ گریبان میں ہوا جس کا اثر فرج سے شکم میں پہنچا۔ دیکھو **اخرج عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن المنذر عن قتادۃ فی قولہ تعالٰی فنفخنا فیہ من روحنا قال فی جیبھا**۔ (دُرِّ منثور)۔

---

[1] ناظرین کو معلوم ہو نفخ روح القدس والے مسئلہ میں اس کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ مصنف شمس الہدایت نے نفخ روح القدس مریم کے گریبان میں جو لکھا ہے، یہ خلاف ہے اس آیت سے **وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا** (تحریم۔۱۲) جس سے نفخ روح القدس کا گریبان میں معلوم نہیں ہوتا بلکہ فی الفرج مفہوم ہوتا ہے۔

قوله: امروہی صاحب کے صفحہ ۷۶ سے لے کر صفحہ ۷۹ تک چند سوالات۔(۱) اثر ابن عباس کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولاً حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھایا۔ بعد اس کے حضرت عیسیٰ کی شبیہ ایک حواری پر ڈالی گئی۔

اقول: **لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ**۔ اس اثر کے اس فقرہ میں سوچو **فالقی علیه شبه عیسیٰ ورفع عیسیٰ من روزنة فی البیت** جس سے بحسب عندیہ تمہارے کے ''کہ وجود خارجی مطابق وجود ذکری کے ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ **مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ** میں'' حواری پر شبیہ کا ڈالنا پہلے ہوا۔ بعد ازاں اٹھایا جانا عیسیٰ کا۔

قوله: صفحہ ۶۸۔ اور پھر یہود نے پکڑ کر اس شبیہ کو سولی دی۔ تو ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ بعد اٹھائے جانے حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اب اللہ تعالیٰ کو کون سی ضرورت پیش آ گئی کہ دوسرے شخص پر شبیہ عیسیٰ کی ڈال کر اس کو سولی پر قتل کرایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو حکیم مطلق ہے۔ اس کا تو کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

اقول: اس حکیم کے تو ایسے[1] ہی کام ہوتے ہیں کہ حواری کا کیا ذکر ہے، پیغمبر کو باوجود اُسے دشمنوں سے بچانے کا وعدہ فرما کر، اور منجملہ نعماء کے بھی بقولہ **وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَنْکَ** کی بشارت دی، پھر انہیں دشمنوں کے ہاتھ دیکر خوب ذلیل کرا کر اخیر میں اُسے بچانے کے لئے ان کے دلوں میں یہ شبہ ڈالدیا کہ اب یہ مر گیا ہوگا۔ اسے سولی سے اتار لینا چاہیے۔ (دیکھو ازالہ اوہام جلد اول متعلق وَمَاصَلَبُوْہُ کے اور اپنے شمس کاسفہ کو)۔ اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جب آخر میں شبہ ڈالنے کی تدبیر سوجھی تو اول ہی سے کیوں نہ مسیح کو ان کی ایذا سے بچا لیا تاکہ ایفائے وعدہ اور **وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَنْکَ** دونوں متحقق ہو جاتے۔ یہی آخیر کا سوجھا ہوا شبہ پہلے ہی سے ان کے دلوں میں ڈالا ہوتا۔ یا **فَاَغْشَیْنٰھُمْ**

[1] یہ الزامی جواب ہے۔ ۱۲منہ

کی طرح ان کو نظر ہی نہ آتا تا کہ حکیم مطلق پر صادق یا حکیم کہلوانے میں کوئی نقص عائد نہ ہوتا۔ بلکہ امروہی صاحب سے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ پھر بھی۔

ع اے تیزیٔ طبع تو برمن بلا شدی

کے مطابق اعتراض کرنے سے باز نہ آتے۔

قولہ: صفحہ ۶۸۔ بفرض محال اگر اس القاءِ شبیہ کے قصے کو تسلیم کیا جاوے تو پھر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر نہیں چڑھائے گئے اور اسی زمین پر یہود سے پوشیدہ کئے گئے اور احتیاط کی گئی کہ ایک حواری پر شبہ کر دیا گیا تھا تا کہ یہود اس شبیہ کو قتل بالصلیب کر کے حضرت عیسیٰ کے قتل کا خیال چھوڑ دیویں۔ مگر درصورتیکہ حضرت عیسیٰ آسمان پر چڑھائے جاتے تو کیا مؤلف صاحب کے نزدیک تب بھی یہود کے ہاتھوں میں آسمان سے آسکتے تھے۔ بدیں[1] خیال اللہ تعالیٰ نے ایک حواری کو ان کے لئے کفارہ کر کے یہود کے منصوبہ قتل کو دفع کیا۔

اقول: بفرض محال[2] سولی پر چڑھانے والے قصہ کو جیسا کہ مرزا صاحب مع الاتباع کہتے ہیں کہ اخیر میں ان کے دلوں میں شبہ ڈالا گیا کہ مسیح مر گیا ہے، حالانکہ وہ فی الواقعہ زندہ تھا۔ تسلیم بھی کیا جاوے تو پھر بھی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ سولی پر نہیں چڑھائے گئے اور نہ آخیر میں یہود کے دلوں میں شبہ ڈال کر انکو بچایا گیا بلکہ ان کو آسمان پر چڑھایا گیا ہے۔ اور یہ احتیاط کی گئی کہ ایک حواری پر شبہ کر دیا گیا تھا تا کہ یہود اس شبیہ کو قتل بالصلیب کر کے ندامت بعد حسرت اٹھائیں۔ مگر درصورتے کہ حضرت عیسیٰ پہلے ہی سے دشمنوں کے ہاتھوں میں نہ دیئے جاتے اور جو شبہ اخیر میں دشمنوں کے دلوں میں ان کے بچانے کے لئے ڈالا گیا تھا اسی قسم کا پہلے ہی سے ڈالا جاتا۔ کیونکہ **فَاَغْشَیْنَاهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ** سنت اللہ

---

[1] **قولہ:** (بدیں خیال اللہ تعالیٰ نے) امروہی صاحب کیا اللہ پر بھی خیال کنندہ کا اطلاق جائز ہے۔ ۱۲ منہ

[2] کیونکہ مخالف ہے صریح آیت **وَمَا صَلَبُوْهُ** سے۔ ۱۲ منہ

کے برخلاف نہیں، تو کیا امروہی صاحب کے نزدیک تب بھی وہ یہود کے ہاتھوں میں آسکتے تھے؟ اور بقول ان کے بدیں سبب اللہ تعالیٰ نے مسیح کو سولی دلا کر بعد ازاں ان کے دلوں میں شبہ موت کا ڈال کر مسیح کو پوشیدہ کر دیا۔

قولہ: صفحہ ۶۸۔ اور پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ بعد قتل بالصلیب ہونے کے اس شبیہ کی نعش کہاں دفن کی گئی؟

اقول: ابھی[1] تو آپ مسیح کی نعش کی تلاش میں ہیں۔ چونکہ باوجود نبی ہونے کے اس کے انبیاء اولوالعزم میں سے اب تک اس کا پختہ پتہ نہیں ملا تھا۔ وہ شبیہ بیچارہ کس گنتی میں ہے، ہاں مسیح کی نعش کا الہامی پتہ پہلے گلیل[2] میں ملا تھا۔ مگر اس الہام کو دوسرے الہام نے منسوخ کر دیا جس سے کشمیر خاص سری نگر میں یوزاسف کے نام سے پتہ لگا ہے۔[3] پھر وہاں بھی دقّت یہ ہے کہ مولوی نور احمد صاحب ساکن لکھوکھ نے سب اہل کشمیر سے لکھوالیا ہے کہ ہم ابا عن جدٍ سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ کوئی اور شخص تھا۔ اور اس مضمون کو انہوں نے مزیّن بالمواہیر بھی کروالیا ہے۔ غالباً چھپوا کر شائع بھی کر دیں گے۔ قال اللہ تعالیٰ **قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ**O (الذریٰت:۱۱۔۱۰) یعنی اٹکل کے تکّے چلانے والے قتل کئے جاویں جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔ جناب من! خدائی فیصلہ جو صریح لفظوں میں ہے **وَمَا صَلَبُوْهُ** الآیۃ اس کے چھوڑنے ہی سے تو یہ سرگردانی پیش آئی۔

قولہ: صفحہ ۶۸۔ اگر آپ کے نزدیک اسی قبر میں دفن کئے گئے جس میں سے عیسائیوں نے تیسرے روز نکالے۔ تو سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا رفع آسمان پر اور القاء شبہ حواریوں

---

[1] دیکھو یہ کلام الزامی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۴۷۳۔

[3] دیکھو ایام الصلح اور انگریزی اشتہار ۲۴؍ جولائی ۱۸۹۸ء۔ ۱۲ منہ

موجودین نے بچشم خود دیکھا تھا تو باوجود معائنہ ان تماشہائے عجیب وغریب کے پھر اس نعش شبیہ کو کس غرض سے قبر میں سے نکال لیا؟

اقول: روایات اناجیل کے مطابق جو ایک واقعہ ہوا ہے۔ اس میں موئے شگافی یا دریافت ان لوگوں سے کرنی چاہیے جو کہ برخلاف آیات قرآن کریم کے انہیں روایات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ہم کو تو قرآن کریم سے اتنا ہی پتہ ملا کہ مسیح مقتول ومصلوب نہیں ہوا۔ کوئی اور شخص تھا۔ رہا یہ کہ وہ شخص کون تھا؟ کیا نام رکھتا تھا؟ لاش اس کی کہاں ہے؟ اور کس غرض سے نکالی گئی؟ سو ان امور کے متعلق قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے کوئی بحث نہیں کی بغیر اثر ابن عباس کے۔ سو وہ بھی مجمل۔ لہٰذا ہم کو بھی ان امور سے کوئی غرض نہیں۔ ناظرین صفحہ سابقہ کا بھی تحقیقی جواب اسی کو خیال کریں جس کو پہلے بھی ہم ایک دو مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ پھر گذارش ہے کہ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ شبیہ کی لاش کو انہیں حواریین نے نکالا جو بروقت القاء شبیہ اور اٹھایا جانے مسیح کے موجود تھے مسیح کو جنہوں نے نکالا تھا وہ تو وہی ہوں گے جو باتباع یہود اس کو مسیح کی نعش تصور کرتے تھے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ جو حواری اس کو کسی اور شخص کی نعش خیال کرتے تھے۔ ان کو کیا غرض تھی اس کے نکالنے کی۔ اگر کہا جاوے کہ دوسروں کو انہوں نے چشم دید واقعہ القاء شبیہ ورفع عیسیٰ سے اطلاع دی ہوگی۔ اس کے جواب میں گذارش ہے کہ ایسی گڑبڑ میں جب تم لوگوں نے قرآنی فیصلہ چھوڑ دیا اور یہود کی خبروں کو معتبر سمجھا تو اتنا جم غفیر نصاریٰ کا جو باتباع یہود کے مصلوبیت کے قائل تھے۔ اگر دس پندرہ آدمی کی بات بمقابلہ ہزارہا کے نہ سنیں تو جائے تعجب ومحل شکایت نہیں۔

قولہ: صفحہ ۶۸ کے آخری سوال کا حاصل۔ ابن عباس کے اثر میں تین مذہب ہیں۔ ۱…… نصاریٰ یعقوبیہ کا جو الوہیت مسیح کے قائل ہیں۔ ۲…… مذہب نسطوریہ کا جو ابنیت کے قائل ہیں۔ ۳…… مذہب مسلمانوں کا جن کا یہ اعتقاد تھا کہ مسیح خدا کا بندہ اور اس کا رسول

ہے۔ جب تک اللہ نے چاہا ہم میں رہا۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ امروہی صاحب اب یہ دریافت فرماتے ہیں کہ شمس الہدایت کے مؤلف کا مذہب مذاہب ثلثہ میں سے کون سا ہے؟ اگر نسطوریہ یا یعقوبیہ کا ہے تو مسیح بوجہ اُلوہیت یا ابنیت آسمان پر اٹھایا جاسکتا ہے۔ اور اگر مسلمانوں کی طرح اس کو بندہ سمجھتا ہے تو پھر باقی مرسلین ومقربین کی طرح مسیح کا بھی رفع درجات ہی ہوگا۔

اقول (جواب): ہمارا مذہب تو وہی مذہب ہے جو آنحضرت ﷺ سے لے کر آج تک مسلمانوں میں چلا آیا، یعنی مسیح خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ جس کو بعد چندے آسمان کی طرف اٹھالیا۔ اور پھر دوبارہ، حسب ہدایات آنحضرت ﷺ کے، دنیا میں اتر کر فوت ہوگا۔ یعقوبیہ اور نسطوریہ والا مذہب نہیں اور ایسے ہی مؤلف سب اہل اسلام کی طرح ان لوگوں کے مذہب سے بھی بیزار ہے۔ جو لوگ[1] آسمان پر چڑھنے کو بھی الوہیت یا ابنیت کا موجب ٹھہراتے ہیں۔ جس کا مقتضٰی بالطبع یہ ہے کہ سب فرشتے العیاذ باللہ یا خدا ہوں یا خدا کے لڑکے یا لڑکیاں۔ چونکہ اس مذہب والے لوگ یعقوبیہ ونسطوریہ سے بھی بہت ہی بڑھ گئے ہیں۔ لہٰذا موحدین اہل اسلام ان سے بیزار ہیں۔ توحید میں تو ایک آدھ شریک کی گنجائش بھی نہیں ہوسکتی۔ لکھوکھہا شرکاء کیسے سماسکتے ہیں۔

اسی صفحہ ۶۹ میں امروہی صاحب بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ میں ''رفع روحانی'' ثابت کرنے کے لئے **من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ** اور ایسا ہی **اللّٰھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وارزقنی وارفعنی** کو پیش کرتے ہیں۔ ناظرین خیال فرماسکتے ہیں کہ ہم نے کب کہا ہے کہ ہر جگہ رفع سے مراد رفع جسمانی ہی ہوگا۔ ہمارا اور سب اہل اسلام بلکہ سب اہلِ محاورہ کا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے رفع جسمی لینے پر سیاق وسباق اور قتل وصلب مدنظر ہے۔

---

[1] قادیانی وامروہی۔ ۱۲ منہ

جیسا کہ پہلے مُفصّل بیان ہو چکا ہے۔ اور فائدہ جلیلہ کے قوانین کے مطابق امروہی صاحب نے رفع روحانی کی تقدیر پر تضاد ثابت کیا تھا۔ سو وہ بھی ناظرین معلوم کر چکے ہیں کہ ہباءً منثورا ہو گیا۔ اب ہم بار بار انہیں مضامین کا ذکر مناسب نہیں سمجھتے۔

قولہ: پھر اسی صفحہ ۶۹ میں فرماتے ہیں۔ ''بعد دفع تعارضات واضطرابات ہم اس اثر کا جواب کافی وشافی دیویں گے۔ **انشاء اللہ تعالیٰ**''۔

اقول: اس سے صاف ظاہر ہے کہ امروہی صاحب نے اس جگہ تک اس اثر کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو انہوں نے بھی اپنی دانست میں کماہوفی الواقع ایسا کافی وشافی نہیں سمجھا۔ رہا اضطراب وتعارض سوان کی تقریر مع التردید ناظرین کو معلوم ہو چکی ہے۔ امروہی صاحب کا اضطراب اور تعارض بلکہ قادیانی مشن کا آیات قرآنیہ میں آج تک مندفع نہیں ہوا۔ اگر ہوا تو اپنی من گھڑت وجوہات سے جن کو تحریفات کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں۔ **ولنعم ماقیل۔** بیت

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی　　　تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

قولہ: صفحہ ۶۹۔ اور تلبیسا حوالہ ابن جریر کا دیا ہے جو ہرگز مؤلف کے پاس نہیں ہے۔

اقول: تلبیسا۔ یہ تلبیسا کیسے لکھ مارا۔ کیا دھوکہ دینے کے لئے کہ ناظرین تو سمجھ چکے ہیں کہ جواب ندارد۔ چلو اسی آڑ میں ذرا دم لے لیویں کہ یہ کتاب مؤلف کے پاس ہے یا نہیں۔ بھلا صاحب آپ فرماویں کہ یہ الہام آپ کو کیسے مفید تعین ہوا کہ کتاب مؤلف کے پاس نہیں۔ بالفرض اگر ابن جریر مؤلف عفی عنہ کے پاس نہ بھی ہو تو ابن کثیر میں چونکہ ابن جریر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ تو کیا آپ حافظ ابن کثیر سے بھی دریافت فرماویں گے کہ آپ کے پاس ابن جریر ہے یا نہیں؟ پہلی صورت میں بسبب رفع ہو جانے اعتماد کے بہ نسبت ثقات کے یہ تسلسل شاید اللہ جل شانہ تک پہنچے اور دوسری صورت میں آپ کو بغیر جواب دینے کے نجات نہ ہوگی۔ ایسا ہی مؤلف عفی عنہ کی نسبت بھی خیال فرماویں اور جواب کی طرف توجہ کریں۔ ہاں اگر آپ نے ابن

جریر خرید کرنے کے لئے دریافت فرمائی ہے تو وہ اور بات ہے۔

قولہ: صفحہ ۷۰۔ مؤلف صاحب نے متعدد جگہ نزول کو بعث و خروج کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ دیکھو ص ۳۳ سطر ۲۳ اور ص ۴۳ سطر ۴ وغیرہ کما مر سابقاً۔

اقول: معلوم نہیں اس آڑ میں آپ نے کیوں جگہ لی۔ جب قرآن کریم رفع علی السماء بحسب سیاق و سباق و محاورہ کے فرمارہا ہے اور احادیث متواترہ فی نزول المسیح بھی ظاہر کر رہی ہیں تو پھر بعث اور خروج اور ظہور سب سے مراد نزول ہی ہوگا۔ اور عنقریب احادیث سے ہی یہ محاورہ ثابت کیا جاویگا۔

قولہ: صفحہ ۷۰۔ کتب نحویہ میں یہ مسئلہ مسلّمہ و اتفاقیہ لکھا ہوا ہے کہ **نون التاکید لایوکد الامطلوبا و المطلوب لایکون ماضیا و لاحالا و لاخبرا مستقبلا**۔ اور آیت **لیؤمنن به قبل موته** میں نون تاکید موجود ہے پس بموجب اس قاعدہ اتفاقیہ کے لیومنن جملہ خبریہ نہ ہوا بلکہ انشائیہ ہوا تو پھر یہ آیت پیشین گوئی یعنی خبرِ مستقبل کیونکر ہوسکتی ہے؟ کجا جملہ انشائیہ اور کجا جملہ خبریہ۔

ع   بہ بین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

پس آپ نے جس قدر ایسے آثار یا اقوال مفسّرین (جن میں آیت کو پیشین گوئی قرار دیا گیا ہے) یہاں پروارد کئے ہیں وہ سب بناء فاسد علی الفاسد ہیں۔

اقول: کتب نحویہ میں یہ مسئلہ مسلّمہ اتفاقیہ لکھا ہوا ہے کہ **نون التاکید یوکد مستقبلا فیه معنی الطلب** (رضی بمضمونہ) **واما فی المستقبل الذی هو خبر محض فلایدخل الا بعد ان یدخل علیٰ اوّل الفعل مایدل علی التوکید ایضا کلام القسم نحووالله لاضربن۔** (رضی صفحہ ۳۴۱)۔ اور آیت **لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ** میں چونکہ لام توکید لیومنن کے اول موجود ہے لہٰذا آیت میں نون تاکید مستقبل میں

جو خبر محض ہے یعنی **یومنن** لایا گیا۔ بلکہ جواب قسم کا مثبت ہونے کی صورت میں نون تاکید کبھی منفک نہیں ہوتا۔ **ولزمت فی مثبت القسم۔ کافیه**۔ پس بموجب اس قاعدہ اتفاقیہ کے **لیومنن** جملہ خبریہ جواب ہوا قسم مقدر کے لئے۔ چنانچہ شہاب حاشیہ بیضاوی صفحہ ۱۹۹ میں تحت اسی آیت کے لکھتا ہے۔ **والتقدیر و ما احد من اهل الکتاب الا و الله لیومنن به**۔ اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں۔ **فقوله لیؤمنن جملة قسمیة وقعت صفة لاحد**۔ یعنی **لیؤمنن** جواب قسم کا جملہ خبریہ ہے موکدہ بالقسمیۃ الانشائیۃ اس کا صفت واقع ہونا بلا تاویل صحیح ہے۔

چنانچہ مولانا عبدالحکیم "**جملة قسمیة**" پر لکھتے ہیں۔ **انها جملة خبریة موکدة بالقسمیه الانشائیة فیصح وقوعها صفة بلاتاویل بالخبریة والموصوف المقدر مبتداء مقدم الخبر**۔ اسی احتمال (مقدم الخبر) کو قاضی بیضاوی اور صاحب کشاف نے اختیار کیا۔ گویا یہ آیت **وَمَامِنَّا اِلَّالَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ** کی نظیر ٹھہرے۔

اور آیت میں دوسرا احتمال بھی ہے کہ جار مجرور صفت ہو مبتدا محذوف کے لئے اور قسم مع الجواب خبر ہو مبتدا کی۔ اگر کہا جاوے کہ قسم انشاء ہے پس خبر کیسے ہوگی۔ تو جواباً معروض ہے کہ قسم میں جملہ قسمیہ یعنی **اقسم باللّٰہ** مثلاً انشاء ہے اور جواب قسم خبریہ۔ جیسا کہ ابھی مولانا عبدالحکیم صاحب کی عبارت بیضاوی کے حاشیہ سے نقل کی گئی۔ **انها جملة خبریة موکدة بالقسمیة الانشائیة** اور اسی طرح شہاب حاشیہ بیضاوی بھی لکھتا ہے۔ **احدهما انه صفة لمبتداء محذوف والقسم مع جوابه خبرولایرد علیه ان القسم انشاء لان المقصود بالخبرجوابه وهوخبرموکد بالقسم**۔ شہاب جلد ثالث ص ۱۹۹۔ یعنی جواب قسم کا جملہ خبریہ ہے مؤکدہ بالانشائیہ۔

امروہی صاحب **لیؤمنن** کو انشائیہ کہنا نہ صرف جہالت ہی ہے بلکہ علاوہ جہالت کے

گناہ کبیرہ بھی ہے۔ کیونکہ **لیؤمنن** درصورت طلب کے استعطاف ہوگا اور تمنّی و عرض و استعطاف موہم ہیں نقص و ناتوانی کے۔ لہٰذا جناب باری کے شایان نہیں۔ **الرابعة جواب القسم ویجاب بالطلب ویسمٰی استعطافا ویختص بالباء وبالخبر وھو القسم المتعارف** (متن متین)۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قسم متعارف خبر محض ہے۔ اسی لئے تکملہ میں **و اما فی دلالۃ القسم علی الطلب ففیه تامل**) لکھتے ہیں۔ شرح مائۃ عامل کے دوسرے صفحہ پر باقسمیہ کی مثال میں لڑکوں کو ترکیب پڑھانے کے وقت سمجھایا جاتا ہے کہ فعل قسم یعنی **اقسم باللّٰہ** جملہ انشائیہ ہے اور جواب قسم خبریہ ہے مؤکدہ بالانشائیۃ۔ قیامت کی علامات میں سے ایک یہ بھی ظہور میں آئے گا کہ اس لیاقت والے لوگ بھی جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ فعل قسم انشائیہ ہوتا ہے یا جواب قسم۔ نرالے حقائق و معارف قرآنیہ بیان کرنے لگیں گے۔

ناظرین کو معلوم ہو کہ اصل مسئلہ نحویہ تو یہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔ امروہی صاحب کو دھوکہ لگنے کا سبب اب سنیے۔ ایک تو شرح مائۃ عامل وغیرہ کتب نحویہ آپ نے سرسری پڑھی ہیں اور دوسرا عبارت منقولہ کہ **نون التاکید لایوکد الا مطلوباً والمطلوب لایکون ماضیا ولاحالا ولا خبرامستقبلا** کو نہیں سمجھے۔ یہ عبارت بھی مولانا عبدالحکیم صاحب نے تکملہ میں بیان فرمائی ہے جنہوں نے بیضاوی کے حاشیہ میں جواب قسم کو جملہ خبریہ مؤکدہ بالانشائیہ لکھا ہے۔ اب امروہی صاحب اس عبارت کو لاہور میں جلسہ فضلاء میں آکر پڑھ بھی جاویں اور آئندہ تفسیر نویسی سے توبہ کریں۔

قولہ: اسی صفحہ ۷۰ میں اس کے بعد امروہی صاحب لکھتے ہیں۔ ''اور **لیؤمنن** کا جملہ انشائیہ ہونا نہ خبریہ تفاسیر ادبیہ مثل کشاف و بیضاوی وغیرہ کے بھی لکھا ہوا ہے۔ جملہ تفاسیر ادبیہ میں جملہ قسمیہ لکھا ہے جو انشائیہ ہوتا ہے''۔

اقول: ہاں صاحب! مسلّم کہ قسمیہ لکھا ہے مگر اس کے بعد کا فقرہ ''جو انشائیہ ہوتا ہے'' یہ

آپ کا حاشیہ ہے۔ جناب عالی فعل قسم انشائیہ ہوتا ہے نہ جواب قسم۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ اب ناظرین انصاف فرماویں کہ جملہ تفاسیر ادبیہ کی طرف یہ منسوب کرنا ''کہ انشائیہ ہے نہ خبریہ'' کیسا ناپاک جھوٹ ہے یا کس درجہ کی جہالت ہے۔ میں بڑا متعجب ہوں کہ امروہی صاحب نے **لیؤمنن** کو انشائیہ بنا کر بغیر اظہار جہالت مذکورہ کے کونسا فائدہ اٹھایا؟ بالفرض اگر انشائیہ ہو تو قائلین بنزول المسیح کو کیا ضرر دیتا ہے۔ بر تقدیر ارجاع ضمیر (**قبل موته**) کے مسیح کی طرف پھر بھی ہمارا ہی مطلب ثابت ہے۔

قوله: صفحہ ۷۰۔ پس اگر آپ کو **ان عیسٰی لم یمت** اھ کی تاویل ذیل منظور اور پسند ہے کہ حضرت عیسٰی سولی سے نہیں مرے، جوملعون ٹھہرتے، بلکہ مرفوع الدرجات ہوئے اور بروزی طور پر قبل قیامت کے مبعوث ہونے والے ہیں۔ آخر تک فبہا ہم کو یہ تاویل کب مضر ہے۔ ہم بھی اس تاویل کو تسلیم کرتے ہیں۔ ورنہ خلاف قواعد مسلّمہ نحویہ کے آیت کے معنی مزعوم آپ کیونکر کر سکتے ہیں۔

اقول: جب مطابق کتاب اللہ کے **ان عیسٰی لم یمت** اھ حدیث بھی حیات مسیح پر شاہد ہے تو پھر ہم کو کون چیز باعث ہے تاویل یا یوں کہو تحریف مذکور پر۔ اور آیت **لیؤمنن به قبل موته** کے انشائیہ یا خبریہ ہونے کو اس تاویل میں کیا دخل ہے۔ **فلیتامل** ''ورنہ خلاف قواعد مسلّمہ نحویہ الخ'' یہ عبارت بالکل لغو اور غلط ہے۔ لانتفاء الاستلزام المزعوم فتدبر۔ بہر حال دو بلاؤں میں سے آپ ایک بلا میں تو ضرور مبتلا ہوں گے۔ یا تو علماء کرام کی مجلس میں حاضر ہو کر **والمطلوب لایکون ماضیا ولا حالا خبرا مستقبلا** کا مطلب پوچھ لیں اور یا تفسیر نویسی اور لاف زنی سے توبہ کریں۔ شعر

وفی کفتی میزاننا لک اسوۃ ۔۔۔ ولمن خلا قبلک ممن لایعقل

اذا رجحت احدهما طاش اختها ۔۔۔ وانت لما فیها تمیل و تسفل

قولہ: صفحہ ۱۷ کا حاصل۔ علماء اہل اسلام نے مرزا صاحب کے بارے میں جو کچھ فتویٰ دیا ہے یہ علامت ہے مماثلت تامہ کی مابین مرزا صاحب اور مسیح اسرائیلی کی۔

اقول: صرف ایک ہی وجہ کو بیان فرما کر آپ مماثلت تامہ کس طرح ثابت کر سکتے ہو۔ آپ بقیہ وجوہات مماثلت تامہ کیوں نہیں بیان فرماتے، یوں کہنا چاہیے۔

۱...... تکفیر وتکذیب علماء اسلام کی۔

۲...... وصف حلم میں اس حد تک ہونا کہ گھر بیٹھے علماء کو موٹی قلم سے لکھنا ''اے بدذات فرقہ مولویاں''۔

۳...... اپنے مماثل یعنی مسیح اسرائیلی کو مکار وفریبی اور زنا کار اور کسبی عورتوں کی اولاد میں سے کہنا (دیکھو ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷)۔

۴...... فقر وفاقہ وزہد میں یہ کمال کہ بغیر مشک وعنبر ویاقوتین وپلاؤ زردہ قورمہ کے گذارہ نہیں اسی طور اعلیٰ درجہ کے زیورات ولباس گھر میں بھی مستعمل ہو رہے ہیں۔

۵...... ترک دنیا کا یہ حال کہ طرح طرح کے حیلوں سے چندہ جمع کرانا۔

۶...... وصف خانہ بدوشی مسیح اسرائیلی کے برعکس گھر سے باہر قدم نہ رکھنا۔

۷...... بجائے تجرید کے کئی نکاح کرنا یہاںتک کہ آسمانوں پر بھی آپ کے نکاح کی دھوم دھام ہوئی۔

۸...... حقائق ومعارف قرآن کریم میں جو حال ہے وہ آپ کے فاضل اجل کی تحریر سے ظاہر ہوتا جا رہا ہے۔

اب ناظرین کو پہلی وجہ مماثلت تامہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ یعنی علماء کی تکفیر وتکذیب سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب مسیح اسرائیلی کی طرح ان تیروں کا نشانہ ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ابن صیاد ومسیلمہ کذاب واسود عنسی وغیرہ وغیرہ مدعیان کذابین کی تکفیر وتکذیب نہیں کی گئی۔ تاریخ پر نظر ڈالو لازم عام کو مماثلۃ تامہ کا معیار بنانا آپ جیسے حواریوں کا کام

ہے۔ہاں مگر آپ بھی معذور ہیں (جس کا نمک کھایئے اس کا گیت گایئے)

قولہ: صفحہ ۱ے کے اخیر سے ص ۲ے کے اول کا حاصل۔ابن عباس کے اثر میں اضطراب ہے بدو وجہ[1] ا...... جب حضرت عیسیٰ آسمان پر چڑھائے گئے تو پھر حواری کو بذریعہ صلیب کے قتل کروانیکی کیا ضرورت رہی؟ ۲...... چاہیے تو یہ تھا کہ نہ حضرت عیسیٰ کو ضرر پہنچتا اور نہ ان کے یاروں میں سے کسی کو۔کیا ایسے ہی قادر مطلق کو حامی وناصر کہا جاتا ہے کہ ایک مومن خالص جو خدا کے دوست کا متبع ہو وہ بذریعہ صلیب قتل کروا کر ملعون ٹھہرایا جاوے۔

اقول: بجواب[2] پہلے اضطراب کے گذارش ہے کہ آپ نے پوری نقل کیوں نہیں کی تاکہ ہماری طرف التجا ہی نہ رہتی۔تفسیر کبیر سے آپ شکوک واضطراب کو نقل فرماتے ہیں۔مگر جواب کے وقت دجل سے کام لیتے ہیں اسی اضطراب کو علامہ رازی اس عبارت سے بیان فرماتے ہیں۔ **والاشکا ل الثالث انہ تعالٰی کا ن قادراًعلٰی تخلیصہ من اولٰئک الاعداء بان یرفعہ الی السماء فما الفائدۃ فی القاء شبہ علی غیرہ وھل فیہ الالقاء مسکین فی القتل من غیر فائدۃ الیہ** (تفسیر کبیر)۔جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالٰی بذریعہ جبرائیل علیہ السلام یا خود ہی حضرت عیسیٰ کے کمالات موہوبہ کے مطابق بلا واسطہ القاء شبہ کے ان کو بچالیتا تو یہ معجزہ حد الجاء تک پہنچ جاتا جس سے ایمان بالغیب جاتا رہتا یعنی ان کو بمجبوری ایمان لانا پڑتا جبکہ کھلا کھلا نشان دیکھ لیتے۔رہا یہ کہ القاء شبہ امکان وقوعی بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ اور برتقدیر وقوع منافی ہے حکمت الٰہیہ کو یا نہ۔سو معروض ہے کہ تعینات وتشکلات جو عارض ہیں حقیقت جامعہ کو بمنزلہ لباسوں کے

---

[1] اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما پر امروہی کے جاہلانہ اعتراضات اور گستاخی۔۱۲منہ

[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب سے امروہی کا جواب۔۱۲منہ

ہوتے ہیں وہی حقیقت ایک لباس کو اتار کر دوسرے کو پہن سکتی ہے۔بحول اللہ وقوتہ۔اس کی تشریح شیخ عبدالوہاب شعرانی کی بعض تصانیف اور ایسے ہی فتوحات مکیہ وغیرہ سے بخوبی معلوم ہوسکتی ہے۔ قطب العالم سلطان العاشقین و برہان المعشوقین حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے۔ کہ آپ کے ایک خادم بارگاہ کو جب ہنود نے ایک ہندو کے مکان میں (جس میں وہ بغرض ملاقات محبوبہ جا گھسا تھا) پکڑنے کا ارادہ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اندر مکان میں اس محبوبہ کا شوہر ہے۔ وہ خادم نہیں۔ بعد اس کے ایک روز قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو فرمایا۔ کہ اے فلاں! میں تمہارے لئے کب تک ہندو بنوں گا میرے سفید بالوں سے حیا کر۔ الغرض ایک شخص کا متشکل باشکال مختلفہ ہوجانا یا ایک ہی شخص کا ایک وقت میں متعددہ مکانوں میں موجود ہونا نہ صرف امکان ہی رکھتا ہے بلکہ واقعات مشہودہ میں سے ہے۔ معہذا منافی حکمت الٰہیہ کے بھی نہیں کیونکہ ایسے موقعہ میں جب کہ اعداء اپنے ذہن میں بھی خیال کر بیٹھے ہوں کہ گویا ہم کامیاب ہوگئے یعنی مدعا ہمارا قریب بحصول ہے اب کوئی مانع فی مابین نہیں۔ تو اچانک ہی مدعا کا ہاتھ سے چلا جانا کس قدر موجب رسوائی و ذلّت وندامت کا ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ اس ناکامیابی کے ساتھ ساتھ دھوکہ بھی کھا چکے ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں علاوہ ناکامیابی کے سفاہت اور جہالت کا تمغہ بھی ملتا ہے۔ باقی رہا ایک مومن بے گناہ کا قتل ہونا۔ سو یہ کوئی نئی اور انہونی بات نہیں زمانہ قدیم سے اہل حق اور اس کے دوست بھی جن کے مقدر میں یہی ہوتا ہے شہادت پاکر جنت کو سدھارتے رہے ہیں۔ اللہ قادر تھا کہ جنگ احد یا بدر یا خیبر وغیرہ میں اپنے عدیم النظیر دوست ﷺ کو جن کی شان عالی سے اشعار ذیل کچھ پتہ دیتے ہیں، بغیر اس کے کہ کوئی مومن کامل متبع قتل کیا جاوے، فتح عطا فرمادیتا، مگر ان غزوات میں کئی

مومن کامل شہید ہوئے۔ اشعار یہ ہیں۔

ابیات

(از قصیدہ بردہ شریف)

فهو الذي تم معناه و صورته	ثم اصطفاه حبيباً بارئ النسمِ
منزه عن شريک فی محاسنه	فجوهر الحسن فيه غير منقسمِ
دع ما ادعته النصاریٰ فی نبيهم	فاحكم بما شئت مدحاًفيه و احتكمِ
فانسب الی ذاته ما شئت من شرف	وانسب الیٰ قدره ما شئت من عظمِ
فان فضل رسول الله ليس له	حد فيعرب عنه ناطق بفمِ
فمبلغ العلم فيه انه بشر	و انه خير خلق الله كلهمِ
و كل ايٍ اتی الرسل الكرام بها	فانما اتصلت من نورهٖ بهمِ
اكرم بخلق نبی زانه خلقٌ	بالحسن مشتمل بالبشر متسمِ
كالزهر فی ترف والبدر فی شرف	والبحر فی كرم والدهر فی همم[1]

اور قتل بذریعہ صلیب بھی، مثل سائر اسباب قتل کے، مومن بے گناہ کے لئے موجب

---

[1] خلاصہ ترجمہ اشعار عربیہ: آنحضرت ﷺ کی سیرت وصورت بنا کر اللہ تعالیٰ نے اپنا حبیب بنایا۔ آپ اپنی خوبیوں میں بے مثال ہیں۔ اے مداح! پیغمبر علیہ السلام کی ذات کی طرف ہر وہ شرف وعظمت بلاشبہ منسوب کر جو ایسے شرک سے پاک ہو جیسا نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق دعویٰ کیا کہ وہ ابن اللہ یا تیسرے خدا یا خدائی میں شریک تھے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا فضل وکمال ایسا محدود نہیں جسے بیان کرنے والا احاطہ کر سکے۔ ہاں عوام کے لیے بس اس قدر واضح ہے کہ آپ کامل بشر اور ساری مخلوق سے افضل ہیں اور جو معجزات بھی رسل کرام علیہم السلام سے ظاہر ہوئے آپ کے نور سے مستفاد ہوئے۔ غرض آپ ﷺ کی صورت کو آپ ﷺ کی سیرت نے اور بھی تابناک کر دیا۔ گویا آپ ﷺ لطافت میں پھول، شرف میں چودھویں کا چاند، جود میں بحر اور ہمت میں ایک عظیم جہان ہیں۔

قرب وعزت ہے خدا کے ہاں۔ اس کا موجب لعنت ہونا صرف مجرم ہی کے لئے ہے۔ دیکھو آیت ۲۲ اور ۲۳ کتاب استثناء میں۔ قادیانی مشن میں مطلق قتل صلیبی کو، خواہ بے گناہ مومن کے لئے ہو، موجب ملعونیت ٹھہرا کر نتائج فاسدہ لاتعد ولاتحصی نکل رہے ہیں تو اسلام غریب کا خدا ہی حافظ۔

دوسرے اضطراب کا تحقیقی جواب تو پہلے ہی جواب سے سمجھ لینا چاہیے۔ صرف الزامی طور پر معروض ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کو بحسب وعدہ الٰہیہ کے کوئی ضرر نہ پہنچتا کہ پہلے سے تو ولاسا کا سلوک ہو چکا تھا اور امتناناً **وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ** بھی فرمایا گیا تھا کیسی یہ مدد الٰہی پہنچی کہ ایک پیارے دوست کو صلیب پر چڑھا کر ملعونیت کو باکثر الاجزاء ثابت کر دیا۔ صرف سر موئے سے بھی کم فرق رہ گیا ہوگا کیونکہ صلیبی قتل ملعونیت کا معیار جو ٹھہرے۔ کمی بیشی اس کے مطابق معیار کے ہونی چاہیے کیا اسی پر امتناناً یہ بھی فرمایا گیا **وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ** ۝ (آل عمران:۵۴)۔ کیا ایسے قادر مطلق کو حامی و ناصر کہا جاتا ہے کہ جو کسی ایسے دوست خالص کو سولی سے قرین بقتل کرا دے۔ بلکہ مسیح کے صلیب پر چڑھانے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود ہی **خیر الماکرین** تھے کہ ان کی تدبیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس کے خدا دونوں پر غالب رہی۔

ناظرین رسالہ کے لئے ایک ضروری التماس ہے کہ وقت پڑھنے ہمارے رسالے کے امروہی کے شمس کا سفہ کو بھی پاس رکھیں۔ مگر خبردار ایسی تحریف کو قیمتاً نہ لیویں الٹا **فما ربحت تجارۃ** والا نقصان نہ ہو۔ ہم بھی چھپوا کر مفت تقسیم کریں گے **حسبۃً للہ وکفٰی باللہ شھیدا** مسلمان بھائیو! جو کچھ یہاں جواباً ترکی بہ ترکی[1] لکھا جاتا ہے۔ بمقابلہ ان کی ان بے تہذیبیوں کے ہے جو علمائے کرام کے حق میں انہوں نے عرصے سے شائع

---

[1] ہمارے رسالہ میں لاف آمودہ مضامین، فقرات واشعار اکثر امروہی صاحب کے عنایت کیے ہوئے ہیں جو ان پر بالقلب بعد ان کے اظہارِ جہالت کے وارد کیے جاتے ہیں۔ ۱۲منہ

کرادی ہیں ورنہ ہم تو اس طریق کو بالکل ناپسند کرتےہیں۔مگر کیا کیا جاوے سنتے سنتے جی جل رہا ہے اگر صرف دشنام بازی پر ہی صبر فرماتے تو بھی ہرگز بالمقابل کچھ نہ کہا جاتا لیکن کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ کی تحریف کا صدمہ نہیں اٹھایا جاتا ہاں اگر عوام کالانعام ان پر اعتبار کر کے دھوکہ نہ کھاتے تو بھی کچھ ضرورت نہ تھی۔مگر سب سے بڑا غضب تو یہ ہے کہ آنسو ٹپکتے ہوئے رونی شکلیں بنائی ہوئی جب مسجدوں میں تلبیسی اصول سناتے ہیں اور علاوہ بریں ان کے حسن اخلاق،معاملات وعطیات میں (جس کو ترک الدین للدنیا کہیے یا ترک الدنیا لاشاعۃ تحریف کتاب اللہ وسنت رسولہ سمجھیے) تو جھٹ بے تمیز لوگ دام میں پھنس جاتے ہیں۔مثلاً جب وہ کہتے ہیں کہ مومنو! کتنا بڑا غضب ہے کہ ہمارے مولانا وبالفضل اولینا پیارے حبیب فخر الاوّلین والآخرین کو تو تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر شریف ملے اور مسیح اسرائیلی کو دو ہزار سال۔اور ابھی معلوم نہیں کہ وہ کب تک زندہ رہے۔ہم محمدیوں کو اس کا بڑا افسوس ہے اور مارے اس تمنا کے کہ معاملہ بالعکس ہوتا کلیجے پھٹ رہے ہیں۔ہمارا ایمان اور اخلاص یہ تقسیم کب گوارہ کرسکتا ہے تو سننے والے بودے ان کو کامل محبّ خیال کرتے ہیں۔

ناظرین! آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ درازیٔ عمر اور ایسے ہی سکونت آسمانوں کی اور بے پدر پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ ہرگز موجب فضیلت کا اوپر افضل الاولین والآخرین ﷺ کے نہیں۔اس کے وجوہ مفصلہ فتوحات وغیرہ سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ہمارا یہ کہنا کہ عیسیٰ ابن مریم بے پدر پیدا ہوا ہے یا یہ کہنا مثلاً کہ ان کی والدہ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور اس نے **وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ** کا شرف پایا ہے وغیرہ وغیرہ۔یہ اس لئے نہیں کہ ہم کسی کو آنحضرت ﷺ سے افضل یا محبوب تر خیال کرتے ہیں یا ان امور کو باعث فضیلت کلیہ سمجھتے ہیں۔بلکہ محض اس خیال سے کہ اللہ جل شانہٗ نے اسی طور پر فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو مان کر ہم کو بھی فرمایا کہ اس کے ساتھ ایمان لاؤ۔اب ہم اگر یہ کہیں کہ ہم آپ ﷺ کے محبّ ہیں۔ہم یہ گوارہ نہیں

کر سکتے کہ مسیح اسرائیلی کی والدہ کا نام تو قرآن میں بڑے زور سے لیا جاوے اور آپ کی والدہ ماجدہ کا کہیں خالی نام بھی نہ ہو۔ تو اس خیال کا نتیجہ بجز کفر کے العیاذ باللہ اور کیا ہوگا۔ مومن کو پوری توجہ اس طرف دینی چاہیے کہ اللہ عزوجل اور رسول ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ اگر کتاب اللہ اور کتاب الرسول کی مراد سمجھنے میں بسبب اختلاف محدث کے فتور ہو جاوے تو سلف صالحین کے اجماعی عقیدہ کو نہ چھوڑنا چاہیئے **وماعلینا الاالبلاغ**۔

پہلے لکھ چکا ہوں اب پھر یاد دلاتا ہوں کہ ہمارا ایمان **ما ثبت بکتاب اللّٰہ و سنت رسولہ** کے ساتھ ضروری ہے۔ کیونکہ اسی کے لئے ہم مکلف بھی ہیں۔ سو معلوم ہو کہ درصورت وقوع اختلاف خصوصیات مورد میں یا تعارض معلوم ہونے کے بین الروایات ہمارا مومن بہ قطعی طور پر قدر مشترک اور صرف ما ثبت بالنص ٹھہرے گا۔ اور خصوصیات متعارضہ کا مفاد ہمارا مومن بہ علی سبیل القطعیت نہیں۔ ہاں بعد ملاحظہ ادلۂ ترجیح و تعادل کے ایک روایت کو من بین الروایات المختلفۃ علی سبیل الظنیۃ لے سکتے ہیں۔ مانحن فیہ میں کتاب اللہ سے صرف اتنا ہی یہود کی تردید میں ثابت ہو سکتا ہے کہ مسیح نہ صرف یہ کہ مقتول ہی نہیں ہوئے بلکہ علاوہ اس کے سولی بھی نہیں دیئے گئے۔ یہ مضمون **مَا قَتَلُوْہُ** اور **مَاصَلَبُوْہُ** کے علیحدہ علیحدہ نازل ہونے سے معلوم ہوتا ہے ورنہ حسب زعم مصلوب ہونے مسیح کے یہی کافی تھا کہ **وَمَا قَتَلُوْہُ بالصلیب** یا **وما توفی او ما فات بالصلیب**۔ اور اگر غرض یہود کی اور ان کے نتیجہ نکالنے کی نفی منظور ہوتی تو **وماکان المسیح ملعونا اوکفارۃ الی غیر ذلک** ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص تو سولی دیا گیا تھا کیونکہ اگر مطلق قتل وصلب وقوع میں نہ آتے تو صرف **وَمَاقَتَلُوْا وَمَاصَلَبُوْا** بغیر ہاء ضمیر منصوب متصل کے ہونا چاہیے تھا۔ **مَاقَتَلُوْہُ وَمَاصَلَبُوْہُ** مع الضمیر کہنے سے معلوم ہوا جیسا کہ یہود کو **اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ** میں مفعول فعل یعنی مسیح کا قتل کرنا مطمح نظر اور

مہتم بالشان ہورہا ہے۔ ایسا ہی اس کی تردید میں بھی ہاءِ ضمیر منصوب متصل جو راجع ہے مسیح کی طرف اس سے قتل اور صلب کی نفی مقصود ہے۔

اب رہی تشریح اس کی کہ وہ مصلوب اور مقتول کون تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس کی طرف کتاب اللہ کی بسبب اجنبی ہونے اس کے ماسبق لاجلہ الکلام سے چونکہ توجہ نہیں۔ لہٰذا ہم بھی مکلّف بالایمان علی سبیل القطعیت والخصوص نہیں ہیں۔ اگر کسی اثر وغیرہ سے ہم کو کچھ پتہ ملا تو ہم بخیال اس کے کہ عبداللہ بن عباس نے جن کو افقہ الناس اور حبر ہذہ الامۃ کا لقب ہے اس اثر کو بلا انکار روایت فرمایا ہے۔ اور کوئی مضمون اس کا مفاد نص سے برخلاف بھی نہیں۔ اس اثر کو مؤید ٹھہرا سکتے ہیں بخلاف بیان یہود و نصاریٰ کے کہ وہ بیان اناجیل کا صریح **مَاصَلَبُوْهُ** کے اور ایسا ہی دوسری آیت **واذ کففت الآیۃ** کے برخلاف ہے۔

باقی رہا مسیح کا بحفاظت اٹھایا جانا سو وہ نص قطعی اور اجماع سے ثابت ہے۔ دیکھو تفسیر فتح البیان وغیرہ۔ جو اسی رسالہ کے اول مفصل گزر چکا ہے۔ روایات متعارضہ فی نزول المسیح کی ہر ایک خصوصیت کو ہم قطعی خیال نہیں کرتے تا کہ ہم پر ثبوت لازم ہو۔ ہماری غرض آیت کے قطعی مفاد اور روایات متعارضہ کے مشترک قرارداد سے ہے یعنی اسی مسیح اسرائیلی کا نزول نہ مثیل اس کے کا۔ اب اگر تعارض فیما بین الخصوصیات کسی خصوصیت کو بالفرض ساقط بھی کرے تو ہمارا کیا نقصان۔ کیونکہ وہ امر مشترک تو ثابت ہی ہے اور سب احادیث کا صرف اسی قدر مشترک میں تواتر ہے۔ معہذا ہم کہتے ہیں کہ ان احادیث میں کوئی ایسا تعارض نہیں جس کو علامہ سیوطی وغیرہ نے رفع نہ کیا ہو۔ چنانچہ ہر ایک اپنے اپنے محل میں معلوم ہوتا جائے گا۔

قولہ: صفحہ ۷۳۔ ثالثاً کلام الٰہی جو اس قصہ مسیح کو آغاز سے بیان فرماتے ہیں اس کی نظم عبارت یہ ہے **فَلَمَّا اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْ اِلَى اللّٰهِ** (آل عمران:۵۲)۔ اس

آیت میں القاءِ شبیہ کا کہیں نام ونشان نہیں۔ کیوں کہ یوں نہیں فرمایا گیا کہ **قال لاصحابه ایکم یلقی علیه شبهی الخ۔**

اقول: ایسا ہی سولی چڑھانے کا بھی نام ونشان کہیں نہیں۔ کیونکہ یوں نہیں فرمایا گیا کہ **قال لاصحابه ایکم یصلب مکانی۔** پھر کیا وجہ ہے کہ اس جگہ القاءِ شبہ کا ذکر نہ کرنا تو ابن عباس کے اثر کو مصنوعی اور جعلی بنادے اور سولی چڑھانے کا عدم ذکر قصہ صلیب کو جھوٹا نہ بنادے۔ رہا ذکر القاء شبہ کا جو ایک عجائبات قدرت سے ہے سو اس کا ذکر اجمالی **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** میں آ گیا۔

قوله: صفحہ ۴۷۔ رابعاً حواریوں کا جواب بھی اس قصے کی نفی کرتا ہے۔ اگر کاش حواری لوگ جواب میں بجائے **نحن انصار اللّٰه** کے **نحن مستعدون لالقاء شبهک علینا لئلاتقتل بالصلیب ونحن نقتل عوضک** کہہ دیتے تو بھی اس قصے کی کچھ اصل معلوم یا مفہوم ہوجاتی۔ پھر کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ حضرت عیسیٰ کو آغاز سے آخر تک بیان فرمایا اور وہ طرز بیان اختیار کیا جس میں القاءِ شبہ کا کہیں پتہ اور نشان نہیں بلکہ نفی القاءِ شبہ کی ہوتی ہے۔

اقول: حواریوں کا جواب بھی سولی پر چڑھائے جانے کی نفی کرتا ہے۔ کاش اگر[1] حواری لوگ جواب میں بجائے **نحن انصار اللّٰه** کے **نحن مستعدون لکف الیهود عنک حین یریدون صلبک ولینصرن اللّٰه لنا اذقال اللّٰه یعیسٰی انی مُتَوَفِّیکَ من غیر ان یاخذک الیهود ویصلبوک وایضاً بشرنا بقوله وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ**(آل عمران:۵۵) کہہ دیتے تو بھی اس واقعہ صلیبی کی کچھ اصل معلوم یا مفہوم ہوجاتی۔ پھر کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصے حضرت عیسیٰ کو آغاز سے آخر تک بیان فرمایا۔ اور وہ طرز بیان اختیار کیا جس میں واقع صلیبی کے وقوع کا کہیں پتہ ونشان نہیں۔ بلکہ **وَمَاصَلَبُوْهُ** سے صلیب پر چڑھانے کی نفی ہوتی ہے۔ **(فَلَمَّا**

[1] اس میں اصلاح عبارت کی طرف اشارہ ہے یعنی امروہی نے (اگر کاش) کہا ہے اس کی جگہ کاش اگر چاہیے۔ ۱۲ منہ

اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ) استشعرمنهم التصمیم علی الکفر (قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰهِ) قال مجاهد ای من یتبغی الی اللّٰه والظاهر انه اراد من انصاری فی الدعوة الی اللّٰه کما کان النبی ﷺ یقول فی مواسم الحج قبل ان یهاجر من رجل یؤوینی حتی ابلغ کلام ربی فان قریشا قدا منعوا فی ان ابلغ کلام ربی حتی وجد الانصار فآووه ونصروه وهکذا عیسٰی بن مریم علیهما السلام انتدب له طائفة من بنی اسرائیل فاٰمنوابه وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معه ولهٰذا قال اللّٰه تعالٰی مخبراً عنهم (قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَo رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِیْنَo (آل عمران:۵۲،۵۳)) (ابن کثیر)

مختصراً یہی تفسیر ہے مجاہد کی جو ابن عباس کے شاگرد تھے جس نے تین مرتبہ قرآن مجید اَلْحَمْد سے وَالنَّاس تک ابن عباس سے پڑھا اور ہر آیت میں نہایت غور و تحقیق فرماتے تھے۔ دیکھو مقدمہ تفسیر ابن کثیر اس مقام میں۔

قوله: صفحہ ۷۵ پر امروہی صاحب نے وہی خیالات اپنے جو کئی دفعہ لکھ کر ان کی تردید کی گئی ہے۔ عبارت عربی میں لکھے ہیں جو بالکل برخلاف ہیں ابن عباس کی تفسیر سے۔ اور علاوہ اس مخالفت کے آیات صریحہ بھی اس کی تکذیب بیان فرما رہی ہیں۔ بعد اس کے لکھتے ہیں۔ الحاصل اس قصہ میں جو کچھ مفسرین نے بلاتحقیق و تنقیح تفاسیر میں لکھا ہے اس میں اس قدر مفاسد بھرے ہوئے ہیں ان کے شمار کے لئے ایک بڑا دفتر درکار ہے۔

اقول: مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے صحابہ سے باسناد صحیح لکھا ہے اور کوئی مضمون برخلاف آیات کریمہ کے نہیں بخلاف تمہارے مضامین کے جو آیات صریحہ کے برخلاف ہیں۔

قوله: ''من جملہ ان مفاسد کے جو اثر ابن عباس کے مضمون پر امروہی صاحب نے شمار کئے

ہیں“۔ ایک یہ بھی لکھا ہے۔ جس کو ”خامسا“ کر کے صفحہ ۷۴ کے اخیر میں کہتے ہیں۔ پس اگر حواریوں میں سے کوئی حواری صادق مقتول بالصلیب کیا جاتا تو وہ بھی ملعون قرار دیا جاتا۔ الخ۔

اقول: اس کا ملعون قرار دیا جانا صرف اگر بحسب زعم آپ کے اور یہود کے ہے تو کچھ مضر نہیں بحکم تورات صرف اُسی مقتول صلیبی کا ملعون ہونا ثابت ہے جو مجرم ہو۔ اور یہ حواری چونکہ غیر مجرم تھا لہٰذا ملعون نہ ہوگا۔ اور **وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ** (آل عمران:۵۵) اس کا مقتضٰی یہ نہیں کہ کوئی اہلِ حق متبعین عیسیٰ میں سے کفار کے ہاتھ سے مقتول ہی نہ ہوگا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اہل حق بہ ہیئت مجموعی غالب رہیں گے۔ ورنہ آیت میں کذب آئیگا۔ کیونکہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کئی ایک مسیح کو خدا کا بندہ اور اس کا رسول ماننے والے اس کو خدا سمجھنے والوں کے ہاتھوں سے ذلیل ہو جاتے ہیں۔

قوله: صفحہ ۷۷۔ ہم نے تسلیم کیا کہ ضمیر **قبل موته** کی حضرت عیسیٰ کی طرف ہے۔

اقول: آپ کی یہ تسلیم از قبیل ”عصمت بی بی از بے چادری“ ہے کیونکر تسلیم نہ کریں؟ حصہ دوم اعلام الناس کے ص ۵ سطر ۱۰ میں آپ لکھ چکے ہیں۔ مگر دقت تو یہ ہے کہ مرزا صاحب کا خدا یہ فرماتا ہے کہ ضمیر **قبل موته** کی اہل کتاب کی طرف راجع ہے۔ دیکھو ازالہ متعلق اس آیت کے۔

قوله: لیکن اس آیت کا پیشین گوئی ہونا سابق میں ہم باطل کر چکے ہیں۔

اقول: ہم پھر اسی جگہ آپ کی جہالت اور ضلالت کا اظہار کر چکے ہیں۔

قوله: بلکہ مقصود اس آیت سے انشاء ایمان کا ہے حضرت عیسیٰ کے مقتول بالصلیب ہونے پر۔

اقول: ناظرین اس مضمون میں غور کریں! کیا **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ** (النساء:۱۵۹) سے اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اہل کتاب حضرت عیسیٰ کے مقتول بالصلیب ہونے پر ایمان لائیں؟ کیا اللہ تعالیٰ پہلی کلام **وَمَا قَتَلُوْهُ** کو جس کا مطلب یہ ہے کہ یہود نے مسیح کو قتل بالصلیب نہیں کیا۔ بھول گیا؟ اب وہ برخلاف اس کے **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتَابِ** یہ قصد

کرتا ہے کہ یہود ایمان لاویں حضرت عیسیٰ کے مقتول بالصلیب ہونے کے ساتھ۔ ناظرین کیسی تحریف یا جہالت ہے۔ یہاں پر امروہی صاحب اپنے مدعا کو بھی بھول گئے۔

قولہ: اور آیت جملہ انشائیہ ہے نہ خبریہ۔ ھٰکذا فی البیضاوی والکشاف۔

اقول: خدا کے بندے! سنا نہیں کہ جھوٹ بولنے سے ایمان کا نقصان ہوتا ہے۔ بیضاوی اور کشاف نے **لیؤمنن** کو جواب قسم ٹھہرایا ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ **لیؤمنن** جملہ خبریہ مؤکدہ بالا نشائیہ ہے۔ جیسا کہ پہلے ہم مولانا عبدالحکیم حاشیہ بیضاوی اور ایسا ہی شہاب حاشیہ بیضاوی سے نقل کر چکے ہیں۔

قولہ: پس معنی آیت کے یہ ہوئے کہ تمام اہل کتاب یہود و نصاریٰ مسیح کی موت صلیبی واقع ہونے میں شاک اور متردّد چلے آتے ہیں۔ اور اس بارے میں اپنے شاک اور متردّد ہونے پر ان کو یقین اور ایمان حاصل ہے۔

اقول: ناظرین خدارا انصافے! ''ان کو یقین اور ایمان حاصل ہے'' اس ترجمہ کو کوئی طالب علم انشائیہ کہہ سکتا ہے۔ **لیؤمنن** کو بڑے دعوے اور شور سے انشائیہ کہتے کہتے ترجمہ کے وقت خبریہ بنا دیا۔ دروغگوئے را حافظہ نباشد۔

قولہ: صفحہ ۷۷۔ اور حسن کا یہ قول **واللّٰہ انہ لحی الاٰن عنداللّٰہ** صاف دلیل ہے اس امر کی کہ حیات حضرت عیسیٰ کی جسمانی نہیں بلکہ حیات ان کی روحانی ہے، جو عنداللہ ہے کیونکہ محاورہ قرآن مجید میں حیات عنداللہ سے حیات روحانی ہی مراد ہوتی ہے جو جسمانی حیات سے علاوہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ** (بقرہ:۱۵۴) **بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ** (آل عمران:۱۶۹) دیکھو دونوں جگہ پر لفظ **عند ربھم** اور **عنداللّٰہ** کا موجود ہے۔

اقول: خدا سے ڈرو۔ حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول **واللّٰہ انہ لحی الاٰن عنداللّٰہ** اور دوسرا قول

جو درمنثور نے نقل کیا ہے۔ **قال الحسن** رضی اللہ عنہ **قال رسول اللّٰہ** ﷺ **للیھود ان عیسیٰ لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة**۔ان دونوں سے مراد حیات جسمانی ہی ہے۔شاید آپ ”**لم یمت**“ کی تاویل کریں گے کہ عیسیٰ قتل صلیبی سے نہیں مرا۔ مگرمشکل تو یہ ہوگا کہ ”**وانه راجع الیکم**“ پھر اسی عیسیٰ کو دوبارہ لوٹاتا ہے۔ رہا لفظ ”**عنداللّٰہ**“ کا۔سو معنی اس کا یہ ہے کہ عیسیٰ کی حیات جسمانی کو لوگ تو نہیں دیکھ سکتے مگر خدا پاک دیکھتا ہے کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے۔ جیسے **اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَاللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ**(آل عمران:۵۹) کا یہ مطلب ہے کہ عیسیٰ کا بے پدر ہونا نصاریٰ کی دید و دانست سے تو باہر ہے مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ آدم کی طرح لوگوں سے جداگانہ طور پر رب کے امر سے ہے۔ ایسا ہی جو لوگ کہ خدا کے راستہ میں مقتول ہو چکے ہیں ان کی حیات کو بھی خدا ہی جانتا ہے الغرض **عنداللّٰہ** اور **عند ربھم** کا معنی صرف اتنا ہی ہے کہ یہ چیز خدا کے ہاں ہے بندوں کی دید یا دانست اس کو محیط نہیں۔رہا یہ امر کہ وہ کیا چیز ہے سو خصوصیت اس کی **عند اللّٰہ** اور یا **عند ربھم** کے مفہوم سے باہر ہے۔اب اگر ایک جگہ وہ امر ”بے پدری“ کی وصف ہے تو یہ ضرور نہیں کہ جس جگہ **عند ربھم** یا **عند اللّٰہ** ہوگا اس کلام میں یہی وصف مراد ہوگا۔ دیکھو کہ **عند ربھم بل احیاء عند ربھم** میں اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ان شہداء میں بھی وصف بے پدری کی موجود ہو۔جیسا کہ **ان مثل عیسیٰ عند اللّٰہ** میں ایسا ہی **احیاء عند ربھم** میں حیات روحانی کا مراد ہونا اس کی دلیل نہیں کہ **واللّٰہ انه لحی الاٰن عند اللّٰہ** روحانی ہو۔اور کیسے ہوسکتی ہے کہ بعد اس کے **راجع الیکم** واقع ہے اور نیز حیات روحانی مقربین کی کوئی جائے تعجب نہیں تاکہ اس پر قسم کھائی جاوے۔تعجب تو اسی میں ہے کہ اتنی مدت تک انسان زندہ رہے اور **الاٰن** کا لفظ بھی دلالت کرتا ہے حیات جسمانی پر۔یعنی جیسا کہ مسیح دنیا میں بحیات جسمانی زندہ تھا اب بھی اسی طرح زندہ ہے۔الغرض **راجع** کا لفظ اور

قسم اور الأن سب قرائن ہیں حیات جسمانی پر۔ اور آپ کی تاویل کا بطلان مفصل طور پر پہلے گذر چکا ہے۔

قوله: اور جب کہ اس قول سے حیات جسمانی ثابت نہ ہوئی تو نزول مسیح بھی بروزی طور پر متعین رہا۔

اقول: جبکہ حسن رضی اللہ عنہ کے قول سے بشہادت دوسرے قول اسکے کے حیات جسمانی ثابت ہوئی تو نزول مسیح بھی جسمانی طور پر ہوگا۔ نزول بروزی کو حضرت محمد اکرم صاحب صابری ''اقتباس الانوار'' میں مخالفت اجماع واحادیث متواترہ کی وجہ سے مردود کہتے ہیں۔ چنانچہ پہلے لکھ چکا ہوں۔

قوله: صفحہ ۷۸۔ اس قول میں لفظ ''باعثہ'' موجود ہے پھر **نزول من السماء بجسده العنصری** کب ثابت وقائم رہا۔

اقول: ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ قول بھی حسن رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ** (النساء:۱۵۹) دریافت کیا۔ بجواب اس کے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا **قبل موت عيسٰى ان الله رفع اليه عيسٰى و هو باعثه قبل يوم القيامة مقاماً يؤمن به البر و الفاجر**۔ امروہی صاحب اس میں اس طرح پر ٹال مٹول کر کے عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ اس قول میں ''**باعثه**'' کا لفظ موجود ہے جو دلالت کرتا ہے، **احياء بعد الموت** پر۔ پھر نزول من السماء بجسدہ العنصری جو فرع ہے حیات کا کب ثابت وقائم رہا۔ بجواب اس کے گذارش ہے کہ حسن کے اس قول سے بھی حیات مسیح ثابت ہے۔ کیونکہ حسن رضی اللہ عنہ کا جب مذہب یہی ٹھہرا کہ مسیح بہ حیات جسمانی زندہ ہے۔ چنانچہ اوپر درمنثور سے نقل کیا گیا کہ **قال الحسن** رضی اللہ عنہ **قال رسول الله** ﷺ **لليهود ان عيسٰى لم يمت و انه راجع اليكم قبل يوم القيامة** اور نیز اس **باعثه** والے قول

میں **قبل موته** کی تفسیر **قبل موت عیسٰی** حسن رضی اللہ عنہ سے موجود ہے۔ تو پھر بعد وجود ان قرائن کے کس احمق کو حسن رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک فرمان کہ عیسیٰ نہیں مرا اور وہ تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹ آویگا۔ صراحۃً دلالت نہیں کرتا حیات جسمانی پر۔ یا **قبل موت عیسٰی** کی تفسیر سے ظاہر نہیں کہ عیسیٰ ابھی نہیں مرا۔ اس قدر دھوکا بازی خصوصاً قرآن وحدیث میں مسلمان کی شان سے بعید ہے۔

رہا لفظ بعث کا سو وہ ارسال کے معنی میں بھی بکثرت مستعمل ہوتا ہے۔ جس کے افراد میں سے ایک نزول بھی ہے۔ **وفی حدیث علی یصفه** صلی اللہ علیہ وسلم **بعیثک نعمة ای مبعوثک الذی بعثة الی الخلق ای ارسلته وهوای عمروبن سعید یبعث المبعوث ای یرسل الجیش ثم یبعث اللّٰه ملکا۔ فیبعث اللّٰه عیسٰی ای ینزله من السماء حاکماً بشرعنا۔** (مجمع البحار مختصراً)۔ خدا کے بندے! صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ بیشک حسن رضی اللہ عنہ کا اور وہ حدیث صحیح متواترہ اور اقوال ائمہ وتابعین وتبع تابعین وکل علماء اسلام کا مطلب یہی حیات جسمانی ہے۔ مگر ہم اس کو بعید از عقل خیال کر کے تسلیم نہیں کرتے۔ سادہ لوحوں کو دھوکا کس لئے دیتے ہو۔ وجہ اس کی بغیر اس کے اور کچھ نہیں کہ لوگ تم کو (بخیال اس کے کہ یہ مرزا و مرزائی سب اہل اسلام سے الگ ہیں) چھوڑ نہ جاویں۔

قوله: صفحہ ۷۸۔ اگر کہا جاوے کہ تمہاری تاویل ان اقوال میں توجیہ القول بمالا یرضٰی بہ قائلہ کی مصداق ہے۔ پس ایسی تاویل کیونکر قبول کی جاسکتی ہے۔

اقول: ناظرین! آگئی نہ وہی بات سامنے۔ یعنی امروہی صاحب خود بھی جانتے ہیں کہ بے شک وہ برخلاف غرض قائل کے ہانکے جارہے ہیں۔ یعنی احادیث وآثار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ وتابعین وغیرہم نے جن معنوں کو لیا ہے ان کے برخلاف وہ اور معانی لیتے ہیں۔

قوله: تو گذارش یہ ہے کہ اگر آپ ان اقوال مردودہ کی یہ تاویل تسلیم نہیں کرتے تو چونکہ

یہ اقوال دلائل قطعیہ مذکورہ کے معارض ہیں لہٰذا محض باطل ہیں۔ پس ہم ان کے نہ تسلیم کرنے میں مجبور ہیں۔

اقول: کیوں حضرات ناظرین! اب تو امر وہی صاحب دل کی بتلا رہے ہیں۔ تم پہلے ہی اس عقیدہ کو ظاہر کر دیتے سب احادیث و اقوال ائمہ وغیرہم کی تحریف کیوں کی۔ ہمارے وقت کا نقصان تمہارے ایمان کا زیاں، مرزائیوں کی عقل حیران۔

قولہ: خصوصاً جب کہ اسی لفظ نزول کی جگہ پر لفظ بعث و نیز لفظ خروج بھی وارد ہے۔

اقول: بعث کا استعمال نزول میں تو اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ خروج کا استعمال بھی نزول من السماء میں آ گیا ہے۔ دیکھو حدیث شریف **یخرج من اصلها النهران وجه خروج النيل و الفرات ميں اصل السدرة ان ينزلا من السماء**۔ (مجمع البحار)

قولہ: صفحہ ۷۸۔ اور خود بھی یہ اقوال باہم متعارض ہیں۔ دیکھو اسی مقام پر اوّل میں لکھا ہوا ہے **قال ابن جرير اختلف اهل التاويل فی معنی ذلک**۔ پھر اسی کی چند سطروں کے بعد اپنے معنی کی تائید میں تحریر کیا گیا۔ **وهذا القول هو الحق كما سنبينه بدليل قاطع**۔ اب ناظرین سے انصاف طلب ہے کہ جب مفسرین کسی آیت کی تفسیر میں مختلف ہوں تو دوسرا مفسر کیا اپنے معنی کو قطعی الثبوت کہہ سکتا ہے یا جو معنی کسی آیت کی دلیل قاطع سے ثابت ہوں ان معنی کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ **اختلف اهل التاويل فی معنی ذلک**۔

اقول: جب مفسرین کسی آیت کی تفسیر میں مختلف ہوں تو دوسرا مفسر بعد ظہور دلیل قطعی کے اپنے معنی کو قطعی الثبوت کہہ سکتا ہے یا جو معنی کسی آیت کے دلیل قاطع سے ثابت ہوں ان کے معنی کی نسبت قبل از ظہور دلیل قطعی کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ **اختلف اهل التاويل فی معنی ذلک**۔

قولہ: صفحہ ۷۸۔ دیکھو اسی آیت ما نحن فیہ میں اللہ تعالیٰ قول یہود کو جو بزعم خود انہوں نے محقق قرار دے کر قول کیا تھا کہ **انا قتلنا المسيح** اس کا رد اللہ تعالیٰ نے اختلاف کو ثابت کر کر کیا کہ **وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ**۔

اقول: یہود کا قبل از ظہور دلیل قطعی عین وقت اختلاف کے یہ کہنا کہ مسیح کی مقتولیت ہم کو محقق ہو چکی ہے کاذب اور مردود ہے۔ بالفرض اگر واقعہ قتل مسیح بذریعہ صلیب واقعی ہوتا اور کسی کو یہود میں سے بدلائل قطعیہ اس کا ثبوت مل جاتا تو **انا قتلنا** بھی بولنا صحیح ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف فی تفسیر معنی آیت **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ** الآیہ کو اختلاف یہود پر قیاس کرنا بالکل لغو اور قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ یہاں پر تو جس کو یہود نے محقق کہا ہے اس پر کوئی دلیل قطعی نہیں نہ فی الواقع اور نہ یہود کے نزدیک۔ بلکہ اس کے نقیض کے ثبوت پر دلیل قطعی موجود ہے۔ **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ** بخلاف **وهذا القول هو الحق** کے کہ اس میں قائل کے نزدیک دلیل قاطع موجود ہے۔

قوله: بہر حال دلیل قاطع آپ کی طرف سے جب بیان کی جاوے گی تب ہماری طرف سے بھی اس پر نظر کی جاوے گی۔

اقول: دلیل قاطع تو بیان کی گئی کہ **لانه المقصود من سياق الأية في تقرير بطلان ما ادعته اليهود من قتل عيسىٰ** علیہ السلام **وصلبه والتاويل الاخر هو بيان الواقع لا تعلق له بالمقام**۔

قوله: بالفعل اسی سوال کا جواب دیا جاوے کہ **نون التاكيد لايوكد مطلوبا والمطلوب لا يكون ماضيا ولا حالا ولا خبرا مستقبلا**۔

اقول: جواب اس کا تو پہلے بخوبی دیا جا چکا ہے۔ ہاں اس عبارت کا سمجھانا جس سے آپ نے لغزش کھائی ہے لاہور میں بحضر علماء کرام ہو سکتا ہے۔ تا کہ آئندہ تحریف کتاب وسنت سے باز آئیں۔

قوله: اسی لئے بیضاوی وکشاف وغیرہ نے جملہ **ليؤمنن به قبل موته** کو جملہ انشائیہ لکھا ہے۔

اقول: **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ زِلَةِ الْجَاهِلِيْنَ**۔ بیضاوی وکشاف وغیرہ نے **ليؤمنن** کو خبریہ مؤکدہ بالانشائیہ ٹھہرایا ہے جیسا کہ پہلے مفصل بہ نقل عبارات ہم لکھ چکے ہیں۔ ناظرین کو امروہی صاحب کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ احادیث وآثار و

اقوال ائمہ وغیرہم سب کا مطلب تو بے شک اسی مسیح بن مریم کا دوبارہ آنا دنیا میں ہے مگر بخیال اس کے کہ یہ آیات قرآنیہ کے برخلاف ہے۔ اس لئے ہم تاویل القول بمالا یرضی بہ قائلہ بمجبوری کرتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۸۷ س ۳ سے ۶ تک۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ آنحضرت ﷺ بھی ان کے نزدیک اخیر تک اس مضمون میں (کہ وہی مسیح بن مریم دوبارہ رجوع کرے گا) العیاذ باللہ خطا پر ہیں۔ اور اجماع کو رانہ چلا آیا جیسا کہ ازالہ جلد اول وغیرہ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ اور قبل از وقوع پیشین گوئی آنحضرت ﷺ پر بکلی منکشف ہونا ضروری نہیں۔ دیکھو ایام الصلح وازالہ وغیرہ۔ اب ہم کو صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ بقاء علی الخطا منافی ہے شان نبوت اور تبلیغ کو۔ اور آیات قرآنیہ کا مطلب وہی ہے جو سیاق وسباق کے موافق اور کسی حدیث کے مضمون کو معارض نہیں۔ جس کو آج تک مفسرین لکھتے آئے۔ یعنی قدر مشترک تاویلات مختلفہ کا جو منافی بمضمون احادیث صحیحہ متواترہ نہیں جس کو ہم آیات و احادیث میں اجماعی قرار دیتے ہیں۔ امروہی کے اس اقرار کے بعد ہم کو اس کی کسی تاویل کی تردید کی حاجت نہیں۔ کیونکہ خود اس کا اقرار ہے کہ ہماری تاویلات قائل یعنی آنحضرت ﷺ وتابعین وغیرہم کی غرض کے برخلاف ہیں۔ تاہم باصرار ان احباب کے جو پہلے مرزا صاحب وامروہی کی علمیت کے بڑے معتقد تھے، ہم کو بغیر کسی قدر تضیع وقت کے خلاصی نہیں۔ قادیان کے مشن جیسا کوئی اور مشن غیر مہذب وناتراشیدہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ منقول ومعقول دونوں ان کی لغزش آمودہ اور کجی وجہالت مرکبہ سے بھری ہوئی ہیں جن کی اصلاح ودرستی بجز اس کے متصور نہیں کہ از سر نو انکو علوم نقلیہ وآلیہ کی تعلیم دی جائے اور جہالات مرکوزہ کے نکالنے کے لئے لڑکوں کی طرح ان کی پیٹھوں پر پتھر رکھے جاویں۔ اتنی نالائقی کے باوجود پھر بھی کوئی بشر عامی سے لیکر نبی تک نہیں بچتا۔

ع نہ دشمن برست از زبانش نہ دوست

اخیر میں جا کر استحالہ عقلی کو مشغل راہ بنالیتے ہیں اس میں بھی لغزش سے خالی نہیں۔

کیونکہ استبعاد عقلی کو استحالہ عقلی سمجھ کر نصوص بینہ کا انکار **سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً** الآیۃ اور **وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ**۔ وسائر آیات بینات کر دیتے ہیں۔

قولہ: صفحہ ۹۷۔ اس قول میں بھی مثل سابق کے کلام ہے۔

اقول: ہماری جانب سے بھی مثل سابق ہی کے سلام ہے۔

قولہ: ۹۷۔ اور نیز اس عبارت میں یہ جملہ کہ **فیقتل مسیح الضللة** قابل غور ہے۔

اقول: جناب عالی! حسب ارشاد غور تو کریں گے۔ مگر آخر میں وہی آش در کاسہ نظر آ رہی ہے۔

قولہ: کیونکہ مؤلف صاحب اور ان کے ہم مشرب دجّال کے شخص واحد قرار دینے میں بڑا زور لگاتے ہیں۔

اقول: کیوں نہ لگائیں آخر **اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ** (البقرہ:۲۸۵) اور **الا وانی اوتیت القران ومثله معه** کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور چونکہ آنحضرت ﷺ بھی مع صحابہ کرام ابن صیّاد کے دجّال ہونے کے بارہ میں کچھ عرصہ متردد رہے، جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے خیال شریف اور صحابہ عظام کے فہم مبارک میں دجّال شخص معین ہی تھا۔ تو پھر مؤلف بمعہ اپنے ہم مشربوں یعنی کل اہل اسلام کے کیوں نہ زور لگائیں۔

قولہ: اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ دجّال شخص واحد ہی ہے لیکن اس کی جماعت اور ذریّات کا کثیر ہونا منافی اس کی وحدت شخصی کو نہیں۔

اقول: ہم کب کہتے ہیں کہ منافی ہے۔ ہم تو صرف اتنا ہی معروض کرتے ہیں کہ وہ شخص واحد جس کو آپ نے تسلیم کر لیا ہے ابھی ظاہر نہیں ہوا۔

قولہ: کہ کثیر ہونا اس کا اس عبارت سے بھی ثابت ہے۔

اقول: عبارت تو یہ ہے۔ **فیقتل مسیح الضللة** یعنی مسیح ابن مریم بعد النزول گمراہوں

کے مسیح کو جو عبارت ہے دجّال سے قتل کرے گا۔ اس عبارت سے تو کثیر ہونا اس **مسیح الضللة** کا یعنی دجّال کا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے تابعین کا جو گمراہ ہوں گے ان کا کثیر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یعنی اس دجّال کے تابعین بہت لوگ ہوں گے۔ الغرض دجّال واحد شخص ہی رہا اور تابعین اس کے بہت ہوئے سو اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ میں نے پہلے ہی گذارش کردی تھی حسب ارشاد **مسیح الضللة** میں غور تو کریں گے۔ مگر آخیر میں وہی آش در کاسہ ہوگی۔ آگے چلئے۔

قوله: صفحہ ۷۹، سطر ۱۳ سے اخیر صفحہ تک بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ اور ''**ضللة** سے نصاریٰ کا مراد ہونا بشہادت تفسیر **ولا الضآلین** کے''۔

اقول: یہ سب واہیات ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں تو مفسرین نے **ضالین** سے مراد نصاریٰ لی مگر اس سے یہ تو نہیں لازم آتا کہ (**ضال یا ضللة** یا گمراہ بول چال میں) بغیر نصاریٰ کے دوسروں کو نہ کہا جاوے۔ بحسب حدیث شریف **لن تضلوا بعدی ماتمسکتم بامرین کتاب اللّٰہ و سنت رسوله** کے محمدیوں میں سے اگر کوئی شخص تمسک بالکتاب والسنۃ کو ترک کردے تو ضال اور گمراہ ہوگا۔ بلکہ **مسیح الضللة** کی تفسیر تو بشہادت باقی الفاظ حدیث کے صاف ظاہر ہے۔ **وانه ساصفه لکم صفة لم یصفها ایاہ نبی قبلی انه یبدء فیقول انا نبی فلانبی بعدی ثم یثنی فیقول انا ربکم ولا ترون ربکم حتی تموتوا وانه اعور وان ربکم** عزّوجلّ **لیس باعور وانه مکتوب بین عینیه کافر یقرء کل مومن کاتب وغیر کاتب** الخ۔ بعد ایسے تصریحات کے جو احادیث میں آچکی ہیں۔ پھر **مسیح الضللة** سے مراد نصاریٰ کے پادری کیسے ہوسکتے ہیں۔

قوله: صفحہ ۸۰ اور جملہ **یکسر الصلیب** بھی اسی پر دال ہے کیونکہ اس جملہ سے بھی

صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں صلیب پرستی کا غلبہ ہوگا جسکو مسیح موعود توڑیگا لیکن درصورت ہونے دجّال کے یہود میں سے **یکسر الصلیب** کیونکر صادق آسکتا ہے۔

اقول: مسیح موعود کے زمانہ میں بحسب قول آنحضرت ﷺ کے بہتیری ملّتوں کا ہونا ثابت ہے منجملہ ان کے صلیب پرستی بھی ہوگی اور وہ ساری ملّتوں کو ایک ملّتِ اسلام ہی کردیگا۔ اس پر **وتکون الملل کلھا ملة واحدة** شاہد ہے۔ **یکسر الصلیب** کی تصریح بہ نسبت مسیح ابن مریم کے ہے۔ یعنی اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ جولوگ مسیح کو معبود اور واقعہ صلیبی کو صحیح مان کر صلیب پرستی کرتے ہیں ان کو مسیح ہی بذات خود درست کرے گا۔ اور دجّال کا یہود سے ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ بغیر دین یہودیت کے کوئی دین نہ رہے۔ الغرض دجّال معہود کا ظہور صرف اس امر کا مقتضی ہے کہ چند اشقیاء اس کے خوارق کو دیکھ کر اس کی الوہیت کے معتقد ہوجاویں۔ اب آپ فرماویں کہ مرزاجی نے آج تک کونسی صلیب توڑی؟ یا کتنے پادریوں نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی؟ بلکہ ان کا مالیخولیا تو موجب اصرار علی النصرانیۃ کا ہوا ہے۔

قولہ: صفحہ ۸۰۔ علاوہ یہ کہ فرقہ یہود تو حسب پیشین گوئی مسلّمہ فریقین کے جو کتاب و سنت میں مذکور ہے۔ قیامت تک ذلیل وخوار رہیں گے۔ پھر دجّال صاحب شوکت واقبال یہود میں کیونکر ہوسکتا ہے؟

اقول: یہود کا ذلیل خوار ہونا جو کتاب وسنت میں مذکور ہے اس کے ظہور کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دجّال تھوڑے روز باں کروفر خدائی دعوٰی کرکے مسیح بن مریم کے ہاتھ سے مقتول ہوگا۔ اس کی چند روزہ شان وشوکت کتاب وسنت کی پیشین گوئی کو مضر نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ہمیشہ میری امت میں سے ایک جماعت حق پر ہوگی اور غالب رہے گی۔ قیامت تک اس کا یہ معنٰی نہیں کہ کوئی بالمقابل اس کے سر نہ اٹھائے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعد تقابل کے غلبہ اہل حق ہی کو ہوگا۔ ایسا ہی دجّال بھی مسیح بن مریم کے

ہاتھ سے ہلاک ہوگا جس سے اس کے تابعین کو بڑی ذلت ہوگی۔

قولہ: صفحہ ۸۰ اور **یضع الجزیہ** کی یہ تفسیر کہ **لایقبل الاالاسلام او السیف** مخالف ہے نصوص قطعیہ قرآنیہ کے کما قال اللہ تعالیٰ **لَااِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ** (البقرہ:۲۵۶) ایضاً قال اللہ تعالیٰ **لَایَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَo** (ممتحنہ۸) ایضاً قال تعالیٰ **حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ** (توبہ:۲۹) **و غیر ذٰلک من الآیات الکثیرة۔**

اقول: جزیہ کا حکم کوئی استمراری نہیں۔ بلکہ یہ حکم نزول عیسیٰ کے ماقبل تک محدود ہے آنحضرت ﷺ نے وقت بیان فرمادیا کہ عیسیٰ جزیہ اٹھادیگا پس اس وقت جزیہ کا قبول نہ کیا جانا ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کے مطابق ہے۔ (کمافی النووی شرح صحیح مسلم)

رہا یہ کہ حکمت اس میں کیا ہے؟ ابوالحسن علی شرح بخاری میں کہتے ہیں۔ کہ اس وقت ہم نے جزیہ اس لئے قبول کیا ہے کہ ہم مال کے محتاج ہیں اور نزول عیسیٰ کے وقت احتیاج نہ رہے گی۔ اور شیخ ولی الدین عراقی نے نہ قبول کرنے جزیہ کے وجہ اس طرح پر بیان فرمائی ہے۔ کہ اس وقت یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں سے جزیہ اس لئے قبول کیا گیا ہے کہ ان کے ہاتھوں میں تورات وانجیل ہونے اور ان کے زعم میں شرع قدیم کیساتھ متمسک ہونے کا شبہ ہے پس جس وقت کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اس وقت حصول معائنہ سے یہ شبہ دور ہوجائے گا اور ان کی حالت بت پرستوں کی طرح ہوجائے گی اور انہیں کی طرح ان کے ساتھ معاملہ بھی کیا جاوے گا اور بجز اسلام کے ان سے کوئی شے قبول نہ کی جائے گی اور حکم کا زوال اس کی علت کے زوال سے ہوتا ہے۔

قولہ: صفحہ ۸۰۔ اور نیز مخالف ہے تمہارے مسلمات کے۔ (دیکھو صفحہ ۳۲ سطر ۷) **قیل یارسول اللّٰہ ومایرخص الفرس قال لایرکب لحرب ابداً۔** اور دیکھو صفحہ ۳۳ سطر ۸

ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجه دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرؤ حجیج نفسه معنی **حجیج** کے باتفاق لغت حجت سے غالب آنا خصم پر ہے۔ ان جملوں سے معلوم ہوا کہ مقابلہ دجّال کا مسیح سے حجت ہوگا کہ اس کے شبہات وشکوک کو مسیح موعود حجت باہرہ سے نیست ونابود کردیگا نہ بجنگ وجدال۔

اقول: نزول مسیح کے وقت جنگ وجدال دجّال سے ہوگا اور ایسا ہی کسی غیر ملت اسلام والے سے بغیر اسلام کے کچھ نہ قبول کیا جائے گا۔ **الا الاسلام والسیف** دیکھو شمس الہدایت کا ص ۳۱ س ۹ **وینطلق هاربا فیقول عیسٰی ان لی فیک ضربة لن تسبقنی بها فیدرکه عند باب لدّالشرقی فیقتله ویهزم الله الیهود** الخ۔ بعد اس کے جس وقت ایک کلمہ ہوجائے گا اور بغیر حق سبحانہ وتعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کی جائے گی اس وقت جنگ وجدال موقوف ہوجائیں گے اور گھوڑوں پر لڑائی کے لئے سواری ترک کردی جاوے گی۔ دیکھو ص ۳۲ س شمس الہدایت **وتکون الکلمة واحدة فلایعبد الاالله وتضع الحرب اوزارها الی قال لایرکب لحرب ابدا**۔ الغرض احادیث نزول مسیح وخروج دجّال میں صرف ایک ہی حالت اور وقت کا ذکر نہیں ابتدائی حالت میں کچھ اور ہی دکھلائی دیگا اور انتہا و وسط میں کچھ اور ہی رنگ ہوگا۔ قبل نزول آسمان سے بارش کا نہ ہونا اور پھر بعد النزول جنگ **وتکون الملل کلها ملة واحدة** کا ظہور ہوگا۔ اس وقت **تکون الارض لها نورا وتنبت نباتها کعهد ادم** الخ۔ نظر آئیگا مختلف واقعات کے چونکہ اوقات بھی مختلف ہوں گے لہٰذا احادیث کے مضامین میں کوئی تعارض وتمانع نہیں اِلّا امروہی صاحب کو اضطراب کے پہاڑ نظر آرہے ہیں۔ پنجاب میں مثل مشہور ہے کہ دل حرامزادہ بہانوں کے ڈھیر۔ دل میں چونکہ مرزا جی کو مسیح موعود بنانے کی سخت لو لگی ہوئی ہے۔ (اور کیوں نہ ہو جس کا کھایئے اس کا گیت گایئے) لہٰذا احادیث صحیحہ متواترہ کو جو اس مطلب عظیم الشان کے

لئے سخت مانع اور سدراہ نظر آ رہی ہیں، کاٹنا شروع کیا کسی جگہ کا جملہ لے کر بغیر اس کے کہ اوّل آخر کو سوچیں دوسرے جملہ سے متعارض ٹھہرا کر اردو خوانوں بیچاروں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ خدا ہی حافظ ہو۔ مجمع البحار کی عبارت مسطورہ ذیل کو غور فرمائیے جس میں آپ کے دھوکے ابلہ فریب کا جواب موجود ہے۔ **ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجه ای محاجّه ومغالبه باظهارالحجة علیه والحجة الدلیل والبرهان حجبة حجاجا ومحاجة فانا محاج وحجیج دونکم اشارة الیٰ انه ﷺ کاف فیه غیرمحتاج الیٰ معاونة من امته فان قیل اولیس قدثبت فی الصحیح انه یخرج بعد خروج المهدی وان عیسیٰ یقتله وغیرها من الوقائع الدالة علیٰ انه لایخرج فی زمنه قلت هو توریته للتخویف لیلجئو الی الله من شره وینالوا فضله او یرید عدم علمه بوقت خروجه کما انه لایدری متی الساعة** مجمع البحار **قلت هوتوریته** کے جواب سے معلوم ہوا کہ **فاناحجیجه** فرمانا باوجود اس کے کہ قاتل اس کا مسیح ابن مریم ہے۔ چنانچہ انہیں احادیث میں مذکور ہے، توریہ کے طریق پر ہے۔ اور نیز ممکن ہے کہ قبل از قتل دجّال کو برہان و دلیل توحید سے مغلوب و ذلیل کیا جاوے اور جب وہ باوجود مغلوبیت کے اپنے دعوے سے باز نہ آئے تو قتل کیا جائے۔ الحاصل غلبہ باظہار الحجت جنگ وجدال کو منافی نہیں۔

قوله: صفحہ ۸۰ ایضاً دیکھو ص ۲۷ س ۱۳۔ **فاذا راہ عدو الله ذاب کما یذوب الملح فی الماء فلو ترکه لذاب حتی یهلک**۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ دلائل حقہ ثابت سے اس کا بطلان ہووے گا۔

اقول: اس کا مفہوم یہی ہے کہ وہ دلائل سے ہلاک نہ ہوگا چنانچہ اس پر دال ہے کلمہ **لو** جو **فلو ترکه لذاب** میں واقع ہے کیونکہ دلالت کرتا ہے انتفاء ذوبان پر، بہ سبب ترک کے۔ اور انتفاء

ترک کی صورت یہ ہوگی کہ **ینطلق هاربا فیقول عیسیٰ ان لی فیک ضربة لن یسبقنی بهافیدرکه عند باب لد الشرقی فیقتله ویهزم اللّٰه الیهود** الخ شمس الہدایت ص ۳۱۔

امروہی صاحب کو ملکہ زور کر گیا ہے ایک ٹکڑا حدیث کا من گھڑت علم لدنی سے شرح کر دیتے ہیں مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اسی حدیث کا دوسرا ٹکڑا اس شرح کو مردود کر دیتا ہے۔ سبحان اللہ مسیح اور حواری اس لیاقت کے مالک غلبہ باظہار الحجت پائیں گے۔

قوله: صفحہ ۸۱ ایضاً دیکھو ص ۳۴ س ۳۔ **لایحل لکافر یجد ریح نفسه الا مات** اس جملہ کا مفہوم بھی یہی ہے کہ مسیح موعود کے کلمات حجت آیات سے اس کے مخالف ہلاک ہوویں گے۔ پھر فرمایئے کہ اندریں صورت جنگ وجدال سنانے کی کیا ضرورت باقی رہے گی۔

اقول: **الامات** بمعنی قرب الی الموت کے ہے۔ بدلیل **حتی یدرکه بباب لد فیقتله** پہلے کافر مسیح کے سانس کی ہوا سے قریب الی الموت ہوگا بعد اس کے جس کے مقدر میں قتل نہ ہوگا وہ قتل کیا جائے گا۔ جیسا کہ دجّال پگھلنے کے قریب ہوگا اور بھاگے گا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ مقدر میں میری ضرب کا واقع ہونا تیرے پر ہے بغیر اس کے تو میرے سے آگے بڑھ نہیں سکتا۔ دیکھو شمس الہدایت ص ۳۱ س ۹۔ الحاصل باوجود مہلک ہونے دم عیسوی کے کفار کے حق میں جن کے مقدر میں اس کے ہاتھ سے مقتول ہونا ہے وہ بہر کیف ہوں گے۔ رہا یہ کہ پھر قتل کی کیا حاجت رہی۔ سو یہ اللہ جل شانہٗ سے پوچھنا چاہیے یا مسیح ابن مریم سے۔ ہم کو ایمان **بما جاء به الرسول** صلی اللہ علیہ وسلم ضروری ہے۔ ان لمیات تک ہم نہیں پہنچے۔ امروہی صاحب کا یہ سوال بڑا لاینحل ہے جس کو ہم ایسے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ عام فہم بھی ہو اور ناخواندہ بھی اس کے جواب پر قادر ہو جائے۔ گویا امروہی صاحب پوچھتے ہیں کہ معرکہ جنگ میں زید کے ہاتھ میں بندوق و تیر و تلوار سب کچھ موجود تھا تو پھر اس کو تلوار سے مارنے کی کیا ضرورت تھی دور سے ہی بندوق یا تیر سے مار دیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مقدر

میں جس کا قتل ہونا تلوار سے ہے وہ اسی سے قتل ہوگا۔ اور جس کا بندوق یا تیر سے ہے وہ انہیں سے مقتول ہوگا۔ پھر یہ لاحل شبہ خدا کی طرف عائد ہوگا کہ مقدر میں یہ تخصیص کیوں ہوئی۔ جواب ملے گا کہ جیسا ظہور میں ہو اسی طرح علم بھی ہوتا ہے کہ علم تابع معلوم کے ہوا کرتا ہے۔ مگر پھر بھی امید نہیں کہ امروہی صاحب بس کریں کیونکہ علم کا ماشاء اللہ بڑا زور ہے احادیث نبویہ کی اصلاح یا کمی بیشی ہورہی ہے۔ ارے خدا کے بندے! بات تو وہی ہے جس کا پہلے اقرار کر چکے ہو کہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ۔ پھر خلاف مرضی آنحضرت ﷺ کے کیوں ہانکے جارہے ہو۔

قولہ: صفحہ ۸۱ ایضاً دیکھو صفحہ ۳۴ س ۷۔ **اذا وحی اللّٰہ عزوجل الی عیسٰی انی قد اخرجت عبادالی لایدان لاحد بقتالھم ایضاً** دیکھو صفحہ ۳۸ س ۸، **ویبعث اللّٰہ فی ایام یاجوج وماجوج فیھلکھم اللّٰہ تعالٰی ببرکۃ دعائہ۔** اس سے ثابت ہوا کہ ہلاکتِ یاجوج ماجوج کی مسیح موعود کی برکات ادعیہ سے ہوگی نہ حرب وجہاد سے۔

اقول: یہ تو باحادیث متواترہ جن میں علامات وخصوصیات مسیح موعود کے مذکور ہیں، ثابت ہوگیا کہ بغیر اس نبی مریم کے بیٹے کوئی اور شخص مسیح موعود نہیں۔ تو یاجوج ماجوج کا بغیر مقاتلہ محض اس کی دعا سے ہلاک ہونا ہم کو کیا ضرر اور آپ کو کیا فائدہ دیتا ہے۔ اور بالخصوص یاجوج ماجوج کا دعا سے ہلاک ہونا اس پر دلیل ہے کہ باقی مخالفین حرب وقتال سے ہلاک ہوں گے، ورنہ خصوصیت یاجوج ماجوج کی دعا کے ساتھ بے وجہ اور لغو ہو جاتی ہے۔ اور نیز اجتماع دعا اور جنگ ظاہری کا ان کی ہلاکت کے لئے مستبعد نہیں۔

قولہ: صفحہ ۸۱۔ ضمیر انہٗ کا مرجع جو اس قول ابن عباس میں نزول عیسٰی قرار دیا گیا ہے وہ مبنی ہے صرف اس خیال غلط پر کہ حضرت عیسٰی آسمان پر سے بجسدہ العنصری نازل ہوں گے۔

اقول: ؎ ہموں نقش دروں بیروں برآمد۔ اس عبارت سے امروہی صاحب کا اقرار پایا گیا۔

۱......ابن عباس کا مذہب بھی نزول عیسیٰ بجسدہ العنصری ہے۔

۲......ابن عباس کا یہ خیال غلط ہے۔

ناظرین کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ مع صحابہ کرام وائمہ عظام و محدثین وفقہاوکل امت مرحومہ اسی رفع اور نزول بجسدہ العنصری کے قائل ہیں۔ یعنی اسی مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کے نہ مثیل اس کے۔ اب امروہی صاحب کے نزدیک ان سب کا خیال غلط ہوا۔ یہ وہ ابن عباس ہے۔ جس کو **قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ** کے وقت افقہ الناس اور حبر ھذہ الامۃ کا لقب دیا جاتا تھا۔

ایہا الناظرون! یہ فرقہ منبروں پر کھڑے ہوکر آنسو ٹپکاتے ہوئے شعر ذیل۔ بیت

ز عشاق قرآن و پیغمبریم
بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

پڑھا کرتے تھے تاڑنے والے تو تاڑ چکے تھے کہ مخالف حال کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ لسان حال کا وظیفہ تو یہ تھا۔ بیت

زنساخِ قرآن و پیغمبریم
بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

قولہ: صفحہ ۸۱۔ ورنہ سابق میں کسی جگہ یہ مرجع نہ حکماً مذکور ہے اور نہ حقیقۃً۔

اقول: سابق میں عیسیٰ مذکور ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ○ وَقَالُوْا ءَ اٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ط مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ○ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ ○ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ○ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ○** (زخرف ۵۷ تا ۶۱) (۱) **ام هو** (۲) **إن هو** (۳) **جعلناه** یہ سب ضمائر عیسیٰ کی طرف راجع ہیں۔ **وانہ لعلم للساعۃ** میں

مرجع عیسیٰ ہی ہے مگر **من حیث النزول** کمافی الجلالین **وانه ای عیسٰی لعلم للساعة ای تعلم بنزوله**۔اور یہی ہے مراد ابن عباس کی نزول عیسیٰ سے **ای عیسٰی من حیث النزول**۔

قوله: صفحہ ۸۱۔علاوہ یہ کہ نزول عیسیٰ سے قیامت کا علم حاصل ہو جانا نصوص قطعیہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ قبل قیامت کے تو علم قیامت کا کسی کو دیا ہی نہیں گیا،سوائے اللہ تعالیٰ کے۔کما قال اللہ تعالیٰ **اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ایضاً وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةَ ایضا لَاتَاتِیْکُمْ الْاَ بَغْتَةً**۔اوغیر ذلک من الایات الکثیرۃ۔

اقول: نزول عیسیٰ سے مثل سائر علامات قیامت کے علم تقرب قیامت حاصل ہو جائے گا۔نہ علم خاص دن قیامت کا، جو مخصوص بالباری ہے۔ **فی خمس لایعلمهن الا اللّٰه**۔ اسی لئے اس جگہ **لعلم للساعة باظهار الرابط بین العلم والساعة** فرمایا اور علم مخصوص میں **الیه یرد علم الساعة۔ وعنده علم الساعة** بغیر فاصل کے۔تاکہ حذف رابط علم الساعۃ میں کمال اتصال پر دلالت کرے۔یعنی علم خاص اسی دن کا کہ فلاں وقت میں ہوگی، یہ مخصوص بالباری ہے۔اور علم للساعۃ میں لام کو درمیان علم اور ساعت کے فاصل لانے سے یہ مطلب ہے کہ عیسیٰ من حیث النزول علم زمان قریب بقیامت کا پتہ دیگا، نہ خاص اسی دن کا۔امروہی صاحب کے اجتہاد کے مطابق جتنے اشراط الساعۃ صحاح ستہ میں مذکور ہیں، یہ سب نصوص قطعیہ کے برخلاف ہوں گے۔افسوس کہ امروہی صاحب اگر آنحضرت ﷺ اور صحابہ اور سائر مفسرین ومحدثین کے وقت موجود ہوتے تو اس مخالفت کا پتہ دیدیتے۔وہ لوگ بےخبر ہی چلے گئے۔

قوله: اور پھر کیسی بےمعنی بات ہے کہ نزول عیسیٰ تو مثلاً دو ہزار برس کے بعد ہو۔اور قبل دو ہزار برس کے حاضرین سے خطاب کیا جاوے کہ **فلاتمترون بها**۔یعنی دلیل تو دو ہزار برس کے بعد دیجاوے گی اور مدلول کو تم اسی وقت تسلیم کرلو۔اور کچھ شک وشبہ مت کرو۔

اقول: پھر کیسی پُر معنی بات ہے کیونکہ مؤمنین کی وصف **یؤمنون بالغیب** بیان کی گئی ہے۔ یعنی بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ اور بعد المعائنہ تو ایمان مقبول ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا قبل از وقوع قیامت مکلّف ہیں کہ قیامت کے ساتھ بن دیکھے ایمان لاؤ۔ ہاں بعض علامات جن کا ظہور قیامت کے قریب ہوگا وہ ہم بیان کر دیتے ہیں۔ خصوصاً وہ علامت جو بنی اسرائیل کے لئے نمونہ قدرت کر کے دکھلائی گئی تھی۔ کما قال عز من قائل **وَجَعَلْنَاهُ مَثَلاً لِّبَنِیْ اِسْرَآئِیْل**۔ کیا ہم نے عیسیٰ کو نمونہ قدرت اپنی کا (بن باپ کے پیدا کیا)، بنی اسرائیل کے لئے۔ تو ایسی علامت جو من حیث البدء والظہور بنی اسرائیل کے یقین اور دفع افتراء کے لئے دلیل ٹھہرائی گئی ہے۔ وہی من حیث النزول اس کی شایان اور استحقاق رکھتی ہے کہ تم بھی وقوع قیامت میں شک نہ کرو۔ الحاصل ایمانِ مخاطبین کا مدار گو کہ صرف اتنے ہی امر پر ہے کہ قرآن کریم کو کلام الٰہی اور حق سبحانہ وتعالیٰ کو صادق مانیں مگر بحسب معتادبین الناس اثناء گفتگو میں علامات قریبہ کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ وہ امر جو ابعد عن الذہن ہے قرین بہ ذہن اور متمکن فی الذہن ہو جائے۔ امروہی صاحب کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا علاماتِ قیامت کو اتنے عرصہ پہلے قیامت سے بیان فرمانا العیاذ باللہ بڑی بے معنی بات ہے۔

ع **بریں عقل ودانش بباید گریست**

قولہ: صفحہ ۸۲۔ اور کہا جاوے کہ بعض قرأت میں **لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ** بھی بفتح لام آیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ قیامت کی علامات میں سے نزول عیسیٰ ایک علامت ہے۔ تو کہیں گے ہم نزول عیسیٰ بجسدہ العنصری تب مانا جاویگا جبکہ صعود اس کا بجسدہ العنصری ثابت کیا جاوے۔ وھو کما تری ماثبت الی الان۔

اقول: ارے خدا کے بندے! یہ جب اور تب کیسا؟ ناظرین خدارا انصاف! جب امروہی صاحب **اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ** کی قرأت کے مطابق نزول عیسیٰ کو قیامت کے علامات

سے مان چکے۔ تو ظاہر ہے کہ بموجب اس آیت کے صعود بجسدہ العصری کو ماننا پڑے گا کیونکہ نزول بجسدہ العصری فرع ہے، صعود بجسدہ العصری کی۔ الغرض بعد تسلیم اس قراءت کے جب اور تب بالکل بے محل اور لغو ہے۔ ہاں سرے سے یوں کہہ دینا تھا کہ ہم اس قرأت کو نہیں مانتے۔

قوله: صفحہ ۸۲۔ ایہا الناظرون صفحہ ۸۳ تک۔

اقول: تردید اس کی پہلے ہو چکی ہے۔

قوله: صفحہ ۸۳۔ اس جگہ پر مخالفین یہ شبہ پیش کرتے ہیں۔ کہ امام بخاری نے باب ذکر الانبیاء میں نزول عیسیٰ کو بیان کیا ہے پس نزول سے وہی عیسیٰ مراد ہیں جو بنی اسرائیلی تھے لا غیر۔'' تو جواب اس کا اولاً یہ ہے کہ مؤلف کا یہ کہنا کہ ذکر الانبیاء میں کسی اور ولی یا محدث یا ملہم کا ذکر ہی نہیں، سرتاپا غلط ہے۔ کیونکہ اسی کتاب میں حضرت یوسف کے بھائیوں کا بھی ذکر ہے، جن کی نبوت میں اختلاف ہے۔ اسی کتاب الانبیاء میں **رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ آل فِرْعَوْن** کا بھی ذکر ہے، جو نبی نہیں تھا۔ حضرت خضر کا بھی ذکر ہے، جو بقول صحیح نبی نہیں تھے۔ اور امرءۃ فرعون کا بھی ذکر ہے، جو نبی نہیں تھیں۔ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا بھی ذکر ہے، جو نبی نہیں تھے۔ حضرت مریم کا بھی ذکر ہے، جو نبی نہیں تھیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اقول: مخالفین نے کب کہا ہے کہ کتاب الانبیاء میں غیر انبیاء کا ذکر نہیں؟ ان کو اس غیر واقعی امر کے کہنے کی حاجت ہی کیا ہے؟ خدا کے بندے! کسی جگہ تو قائل کی غرض سمجھ کر ہانکنا شروع کیا ہوتا۔ ان کا مطلب تو یہ ہے کہ کتاب الانبیاء میں جن جن انبیاء کا ذکر ہے صلوات اللہ علیہم اجمعین، عنوان اور معنون یعنی آیت اور حدیث دونوں میں مراد ان سے وہی پیغمبر ہیں بعینہ، نہ مثیل ان کے۔ چنانچہ آدم، نوح، ابراہیم، لوط، موسیٰ وغیرہم بلکہ غیر انبیاء سے مراد بھی وہی اشخاص ہیں بعینہا، نہ مثیل ان کے۔ مثلاً یوسف کے بھائی، مومن آل فرعون، خضر،

امرأة فرعون، حواری، مریم وغیرہ ان سب سے مراد مثیل ان کے نہیں، بلکہ وہ خود آپ ہی مراد ہیں۔ قیاس بر نظائر ضرور ہے کہ مراد ''ابن مریم'' سے حدیث نزول میں بھی وہی مریم کا بیٹا ہو، جو قطعاً مراد ہے آیات سے۔

قوله: چونکہ نصوص قطعیہ سے اس مسیح ابن مریم کی موت ثابت ہے۔ اور جو مر جاتے ہیں وہ دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے لہٰذا احادیث نزول میں ابن مریم سے استعارہ کے طور پر مثیل لیتے ہیں۔ تعذر الحقیقۃ۔

اقول: پہلے ہم صرف اتنا ہی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث نزول میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام اور محدثین خصوصاً امام بخاری نے کیا سمجھا ہوا تھا۔ سو بعد تدبّر و تفحّص کے احادیث نزول میں یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی عیسیٰ بن مریم اسرائیلی کو مراد رکھا ہے، نہ مثیل اس کا۔ **قال الحسن** رضی اللہ عنہ **قال رسول اللہ ﷺ للیهود ان عیسیٰ لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة۔** (در منثور جلد دوم ص ۳۶) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یہود سے کہ تحقیق عیسیٰ نہیں مرا اور وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آنے والا ہے۔ **عن ابن مسعود** رضی اللہ عنہ **عن النبی ﷺ قال لقیت لیلة اسریٰ بی ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ قال فتذاکروا امر الساعة قال فردوا امرهم الیٰ ابراهیم فقال لاعلم لی بها فردوا امرهم الیٰ عیسیٰ فقال عیسیٰ اما وجبتها ای وقوعها فلایعلم بها احدا الا اللّٰه** جل جلالہ **وفیما عهد الیّ ربی ان الدجّال خارج ومعی قضیبان الخ۔** درمنثور، احمد، بیہقی، ابن ابی شیبہ، ابن کثیر، سعید بن منصور۔ **اخرج الترمذی وحسّنه عن محمد بن یوسف بن عبد اللّٰه بن سلام عن ابیه عن جده قال مکتوب فی التوراة صفة محمد و عیسیٰ بن مریم یدفن معه وقال ابومودود وقد بقی فی البیت موضع قبر** (درمنثور)۔ مشکوٰۃ ص

۵۱۵ عن عبداللّٰہ بن عمر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ینزل عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری (ای فی مقبرتی) وعبر عنھا بالقبر بقرب قبرہ لقبرہ فکانما فی قبر واحد۔ (مرقاۃ)۔ فاقوم انا و عیسیٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر۔ (رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفا، مشکوۃ)۔روی اسحق بن بشر وابن عساکر عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ فعند ذلک ینزل اخی عیسیٰ بن مریم من السمآء۔ الحدیث۔

زریت بن برثملا وصی عیسیٰ نے جواب تک کوہ حلوان میں زندہ موجود ہیں نضلہ بن معاویہ کو آسمان سے اترنے عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دی۔ یہ حدیث شمس الہدایت میں موجود ہے۔حضرت شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ نے (فتوحات) جلد اول میں اس کے اسناد کو کشفی طور پر صحیح کہا ہے۔اور ازالۃ الخفاء میں بھی مکاشفات امیر المومنین عمر بن الخطاب میں موجود ہے۔ترجمہ اس کا ناظرین کے فائدہ کے لئے لکھا جاتا ہے۔

بروایت ابن عباس مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جو قادسیہ میں حاکم تھے۔لکھا کہ نضلہ بن معاویہ انصاری کو حلوان عراق کی طرف روانہ کرتا کہ اس کی اطراف سے اموال غارت حاصل کریں۔ چنانچہ سعد نے نضلہ کو تین سو سوار کے ساتھ بھیجا اور یہاں تک کہ حلوان عراق میں آئے اور اس کی اطرافیں لوٹ لیں۔ بہت سی غنیمت اور قیدی لا رہے تھے کہ ان کو عصر کے وقت نے تنگی کی اور قریب تھا کہ آفتاب غروب ہو جائے اس وقت نضلہ نے قیدیوں اور غنیمت کو کوہ حلوان کی ایک طرف پناہ دی اور کھڑے ہو اذان کہنی شروع کی۔ جب اللّٰہ اکبر کہا تو ناگہاں ایک جواب دینے والے نے پہاڑ میں سے اجابت کے ساتھ کہا۔ کہ اے نضلہ تو نے خداوند بزرگ کی طرف نسبت کبریا

اور بڑائی کی گی ہے۔ پھر نضلہ نے کہا **اشهد ان لا اله الا الله** تو مجیب نے جواب دیا کہ اے نضلہ یہ کلمۂ توحید اور اخلاص کا ہے۔ پھر نضلہ نے کہا **اشهد ان محمدا رسول الله** تو مجیب نے کہا کہ یہ وہی ہے کہ جس کی بشارت ہم کو عیسیٰ ابن مریم نے دی ہے اور جس کی امت کے سرے پر قیامت قائم ہوگی۔ پھر نضلہ نے کہا **حیّ علی الصلوٰة** تو مجیب نے کہا اس کے لئے خوشی ہے جو نماز کی طرف قدم اٹھائے اور اس پر مواظبت کرے۔ پھر نضلہ نے کہا **حیّ علی الفلاح** تو مجیب نے کہا اس کے لئے نجات اور فلاح ہے جو اس کی اجابت کرے۔ پھر نضلہ نے کہا **الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله** تو مجیب نے جوابدیا تو نے کل کلمۂ اخلاص اچھی طرح کہا۔ اللہ نے تیرا جسم آگ پر حرام کر دیا۔ پس جبکہ نضلہ اذان کہنے سے فارغ ہوگیا تو سب لوگ کھڑے ہوکر کہنے لگے۔ خدا تجھ پر رحم کرے تو کون ہے؟ کیا فرشتہ ہے یا جن؟ یا اللہ کے بندوں میں سے کوئی بندہ ہے؟ تو نے ہمیں اپنی آواز سنائی ہے؟ پس ہم کو اپنی صورت بھی دکھا کیونکہ یہ لشکر رسول اللہ ﷺ اور عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا ہے۔ پس اسی وقت چکّی کے پاٹ کی طرح اس شخص کا سر پہاڑ کے شگاف سے ظاہر ہوگیا جس کے سر اور ریش کے بال سفید اور اس پر پشم کے دو پرانے کپڑے تھے اور اس نے ہم کو خطاب کر کے **السلام علیکم و رحمة الله وبر کاته** کہا۔ اور سب نے اس کا جواب دیا **وعلیک السلام ورحمة الله وبر کاته** کہہ کر پوچھا۔ خدا تجھ پر رحم کرے تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں زریت بن برثملا خدا کے عبد صالح عیسیٰ بن مریم کا وصی ہوں۔ اس نے مجھے اس پہاڑ میں ساکن کیا ہے اور آسمان سے نزول کے وقت تک طول بقاء کی دعا میرے لئے کی ہے۔ پس میری طرف سے عمر کو سلام کہہ دو۔ اور کہو کہ اے عمر! اُستوار اور قریب ہو جا۔ کیونکہ امر معہود نزدیک ہو گیا ہے اور ان سب سے خصائل کی اطلاع دینے کے لئے امر کیا (جو اس حدیث میں مذکور ہیں) بعد اس کے غائب ہو گیا اور وہ

اس کو نہ دیکھ سکے۔ پھر نضلہ نے یہ سارا واقعہ سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف لکھا۔ اور انہوں نے حضرت عمرؓ کی طرف لکھا۔ اور حضرت عمرؓ نے بجواب اس کے سعد کو لکھا کہ تو بھی اپنے ساتھ کے مہاجرین اور انصار کی معیت میں اس پہاڑ پر جا اور اگر زریت بن برثملا سے ملے تو میری طرف سے اس کو سلام کہہ دے۔ چنانچہ سعدؓ حکم کے مطابق چار ہزار مہاجرین اور انصار کی معیت میں اس پہاڑ پر گئے اور چالیس دن تک وہاں نماز کی ندا کرتے رہے۔ لیکن ان کو کوئی جواب یا خطاب نہ سنائی دیا۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ ابن عباس کی اس حدیث نے کئی امور سے اطلاع دے دی۔

۱...... اول وصی عیسیٰ کا اس قدر زمانہ دراز تک بغیر کھانے اور پینے کے زندہ رہنا۔

۲...... دوئم عیسیٰ صلوات اللہ علیہ کے نزول کی بشارت دینا۔

۳...... حضرت عمرؓ کے علاوہ چار ہزار صحابہ مہاجرین و انصار کا عیسیٰ نبی اللہ کے نزول کے ساتھ ایمان رکھنا حتی کہ نضلہ اور تین سو سوار کی روایت وصی عیسیٰ کو تسلیم کر کے اپنا سلام وصی عیسیٰ کی طرف بھیجنا۔

ان احادیث سے صاف طور پر واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام اور کل امت مرحومہ اسی عیسیٰ بن مریم اسرائیلی کے نزول سے خبر دے رہے ہیں۔ اور سمجھ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عباس **مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ** میں تقدیم و تاخیر کہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کتاب التفسیر باب قولہ **ماجعل اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ** الآیۃ میں اذ قال اللہ کو بمعنی **یقول** کے کہتے ہیں۔ اور **اذ** کو صلہ یعنی زائد ٹھہراتے ہیں۔ گویا صاف اپنے مذہب کو بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث **فاقول کما قال العبد الصالح** سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ عبد صالح یعنی عیسیٰ بن مریم کا جواب پہلے ہو چکا ہے۔ اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** الآیۃ خبر دیتا ہے کہ مسیح مر چکا بلکہ **و اذ قال اللّٰه** میں **قال** بمعنی **یقول** کے ہے اور یہ سوال و

جواب قیامت کے دن ہوگا جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** موت بعد النزول سے خبر دے رہا ہے تفصیل اس آیت کی بمعہ **مُتَوَفِّیْکَ** کے پہلے گذر چکی ہے یہاں پر صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ امام بخاری کا مذہب بھی کل امت مرحومہ کی طرح نزول اسی مسیح اسرائیلی کا ہے۔ چنانچہ امام بخاری اپنی تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں اور ذکر کیا۔ اس کو علامہ سیوطی نے درمنثور میں **اخرج البخاری فی تاریخه والطبرانی عن عبدالله بن سلام قال یدفن عیسیٰ بن مریم مع رسول الله ﷺ وصاحبیه فیکون قبره رابعاً۔**

اب ناظرین کو امید ہے کہ دو امر محقق ہو چکے ہوں گے۔

۱...... ایک تو یہ کہ قادیانی وامروہی نے آنحضرت ﷺ اور صحابہ اور ائمہ اور محدثین وفقہاء پر افترا باندھا۔

۲...... دوسرا یہ کہ چونکہ نصوص بیّنہ قرآنیہ نزول مسیح اسرائیلی کے بزعم ان کے اجازت نہیں دیتے تو جن لوگوں نے احادیث نزول سے مسیح اسرائیلی کا نزول لیا ہے وہ لوگ بزعم ان کے قرآن کریم کے **نصوص بیّنه** سے منکر ہیں یا جاہل لاغیر۔ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ احادیث نزول سے مسیح اسرائیلی کو مراد لینے والے آنحضرت ﷺ اور کل صحابہ اور ائمہ تابعین الی یومنا ھٰذا ہیں۔ تو بموجب زعم قادیانی اور امروہی وغیرہ کے العیاذ باللہ یہ سب لوگ **نصوص بیّنه** سے یا تو منکر ہوئے اور یا جاہل۔ کیونکہ اگر **مُتَوَفِّیْکَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** اور **قد خلت من قبله الرسل** وغیر وغیرہ کو یہ لوگ مطابق تفسیر مرزا صاحب کے سمجھے ہوتے تو ہرگز خلاف نصوص قرآنیہ کے نزول مسیح اسرائیلی کا قول نہ کرتے۔ اب مومن بما جاء به الرسول ﷺ کو متیقن ہو سکتا ہے کہ ان جہال کی تفسیر اور تفریع دونوں غلط ہیں۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے اور قابل تسلیم ہے کہ آنحضرت ﷺ آیات قرآنیہ کے معانی ومضامین بغیر سمجھنے کے مامور بہ تبلیغ ان کے ہوں۔ اب اس الزام سے تو صرف پیشین گوئی کے متعلق آنحضرت ﷺ کی طرف العیاذ باللہ نسبت جہل نہ رہی بلکہ جتنی آیات قرآنیہ مرزا جی نے بزعم خود وفات مسیح پر ذکر کی ہیں ان سب کے

معانی سے سرورِ عالم ﷺ جو مبشر ہیں بدیں بشارت اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ o ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ o (القیمۃ:۱۷،۱۸،۱۹) بے خبر اور جاہل رہے ہیں۔ العیاذ باللہ آیت مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ o (زمر:۳۰) کی تفسیر اجماع کے بیان میں گزر چکی ہے۔ باقی آیات کی تفسیر بھی اپنے اپنے موقعہ پر بحول اللہ وقوتہ ذکر کی جاوے گی۔

صفحہ۸۳ میں ثانیاً سے لے کر شعر ناملائم تک کی تردید تھوڑے تامل سے ادنیٰ طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے۔ ناظرین کو ضرور ہے کہ وقت مطالعہ اس کتاب کے رسالہ مردودہ اور امروہی کو پیش نظر رکھیں ورنہ پورا لطف جواب کا حاصل نہ ہوگا۔

قولہ: صفحہ۸۴،۸۵،۸۶،۸۷ کے اعتراضات کا حاصل۔ ابوہریرہ کا یہ کہنا کہ **فاقرءوا ان شئتم** وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَکُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا (النساء:۱۵۹) اگر اس خیال سے ہی جو مخالفوں کے ذہنوں میں جاگزین ہے تو یہ چند وجوہ سے باطل ہے۔

۱...... اول تو حصر صحیح نہیں۔ تمام اہل کتاب کا جو حضرت عیسیٰ کے رفع سے نزول تک ہوئے ہیں یا ہوں گے ایمان لانا عیسیٰ کے ساتھ متصور نہیں۔ ایسا ہی جو اہل کتاب نزول آیت سے نزول مسیح تک مراد لیجاویں تو بھی ممکن نہیں۔ اور اگر صرف وہی اہل کتاب مراد ہوں جو نزول مسیح کے وقت موجود ہوں گے تاہم صحیح نہیں۔

۱...... ایک تو اس مخصص کے لئے کوئی مخصص موجود نہیں۔

۲...... دوئم ہزاروں اہل کتاب بقول مخالفین جہاد سے اور لاکھوں مسیح کی دعا سے اور کچھ وباء سے ہلاک ہوں گے۔

۳...... اہل کتاب کا موجود رہنا قیامت تک بحکم وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ

كَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (آل عمران:۵۵)۔ وَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ وغیر ذٰلک من الأیات۔

۴ ...... ایمان لانا جملہ اہل کتاب کا دور محمدی ﷺ میں حضرت عیسیٰ پر بے معنی ہے۔

۵ ...... وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَکُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا (النساء:۱۵۹) بھی چسپاں نہیں ہوسکتی کیونکہ مطابق لِتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا کے امت محمدیہ تمام امم کے لئے گواہ ہے۔ اور آنحضرت ﷺ اپنی کل امت کے لئے شہید اور گواہ ہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب

حصر صحیح ہے۔ اور مراد وہ اہل کتاب ہیں جو نزول مسیح کے وقت موجود ہوں گے۔ اور دلیل تخصیص کی ایجاب ہے جو استثناء من النفی سے مستفاد ہوا ہے۔ نظیر اس کی قرآن مجید سے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (البقرہ:۲۸۵) ہے۔ اور ایسا ہی کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کیونکہ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ مجموعہ ان آیات کا ہے جو اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الآیہ کے نزول تک اتر چکی تھیں اور اس مجموعہ کے ساتھ ایمان منجملہ مومنین میں سے انہیں مومنین کا متحقق ہوا جو مجموعہ کے نزول کے وقت موجود تھے۔ اور جو پہلے اس مجموعہ کے نزول سے مر گئے تھے ان کا ایمان تفصیلی صرف انہیں آیات کے ساتھ جو ان کی موجودگی میں اتریں تھیں، متحقق ہوا۔ لہٰذا مومنین ان آیات کے ساتھ تعمیل کرنے کے مکلّف بھی نہ تھے جو ان کے پیچھے اتریں۔ مثلاً ''جو صحابہ مدینہ طیبہ میں علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام قبل از نزول تحویل قبلہ فوت ہوگئے تھے وہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے ساتھ مکلّف تھے۔ الغرض ایجاب میں حکم ثبوت الشیٔ للشیٔ ہوتا ہے اور ثبوت شیٔ بشیٔ فرع ثبوت المثبت لہ ایک مقدمہ مسلّمہ ہے۔ لہٰذا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ میں مراد وہی اہل کتاب ہوں گے جو در وقت نزول مسیح موجود ہوں گے۔

دوسرے اعتراض کا جواب

مسیح کے نزول کے زمانہ میں اہل کتاب میں سے کئی جہاد سے اور کئی ایک مسیح کی بددعا سے اور کئی وباء سے بحالت کفر مر جائیں گے اور کئی ایک ایمان بالمسیح لائیں گے۔ یہاں تک کہ کوئی ملت بغیر ملت اسلام کے باقی نہ رہے گی۔ اب اگر کہا جاوے کہ کل اہل کتاب نزول مسیح کے وقت ایمان بالمسیح لائیں گے تو یہ صحیح نہیں۔ اور اگر کہا جاوے کہ کل اہل کتاب قبل از موت مسیح ایمان بالمسیح لائیں گے تو یہ بالکل صحیح اور درست ہوسکتا ہے۔ اور آیت کا مفاد بھی یہی ہے، نہ اوّل کیونکہ **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ** نازل ہوا ہے نہ یہ کہ **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ فی عین وقت النزول۔**

تیسرے اعتراض کا جواب

درصورت معدوم ہوجانے کفار کے فوقیت اور غلبہ متبعین کا جو مفاد ہے، **وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ** (آل عمران:۵۵) کا باقوی وجوہ متحقق ہوسکتا ہے کیونکہ تحقق غلبہ کا اپنے کمال کو پہنچنا اسی طریق سے ہے کہ فریق مقابل اصلاً معدوم ہوجاوے۔ چنانچہ **لیظهره علی الدین کله** کا تحقق یعنی دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا غالب ہونا خطۂ عرب میں اپنے کمال کو پہنچا کہ کوئی مخالف نہ رہا۔ اور **وَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ** میں **اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ** تعبیر ہے۔ طول زمان سے۔ جیسا کہ **مادامت السمٰوٰت والارض** میں مفسرین نے لکھا ہے۔ قرینہ اس پر یہی احادیث صحیحہ ہیں۔

چوتھے اعتراض کا جواب

عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اہل کتاب کا ایمان لانا درضمن ایمان بہ افضل الاولین والآخرین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوگا۔ تخصیص بالمسیح کی وجہ سوق آیت سے ظاہر ہے جس سے **یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر** کی تصریح بھی موجہ ہوسکتی ہے۔ یعنی اب تو یہود مسیح ابن مریم کو

نبی نہیں مانتے اور نصاریٰ صلیب پرستی اور استحلال خنزیر کو عیسوی دین خیال کرتے ہیں۔ مگر بعد نزول مسیح کے آسمان سے سب اہل کتاب مسیح کو مان لیں گے۔ اور مسیح بذات خود صلیب پرستی اور استحلال خنزیر کو موقوف کرے گا۔ اور ان کو من جملہ مفتریات فی الدین المسیحی کے قرار دے گا۔ امروہی صاحب نے شاید یہ سمجھا ہے کہ یہود اس وقت صرف عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایمان لاویں گے۔ یہ نہیں خیال فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو خود ہی آنحضرت ﷺ کے دین پاک کی اشاعت کریں گے۔

پانچویں اعتراض کا جواب

جناب عالی! جس قرآن مجید میں **لتکونوا شهدآء علی الناس** لکھا ہوا ہے اس میں **فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا** (النساء:۴۱) بھی موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر امت کا نبی اس پر شاہد بنایا جائے گا اور تجھ کو اے حبیب اکرم ﷺ اس امت پر گواہ کیا جاوے گا۔ (ابن کثیر، فتح البیان، جلالین)۔ الغرض امّت مرحومہ کی شہادت اور انبیاء کی شہادت باہم متنافی نہیں۔

قوله: بعد اس کے امروہی صاحب فرماتے ہیں۔ صفحہ ۸۵۔ کہ ہاں اگر آیت کے وہ معنی (جو مختار ہمارے ہیں) لئے جاویں تو کوئی خرخشہ باقی نہیں رہتا۔ اور وہ معنی یہ ہیں کہ تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ کے رفع سے لیکر خواہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک یا آخر زمانہ تک بلکہ قیامت تک کے اہل کتاب قتل صلیبی حضرت عیسیٰ سے اپنے متردد اور شاک ہونے پر ایمان و ایقان رکھتے ہیں۔ اور یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو مقتول بالصلیب کیا اور بسبب ان وجوہ قویہ کے جو سیاق آیت میں مذکور ہوئی ہیں اور یقین واذعان تمام اہل کتاب کو قبل موت عیسیٰ بن مریم سے ہی ہے۔ پس دیکھو یہ معنی کیسے صاف اور صحیح بلا خرخشہ ہیں۔

اقول: یہ معنی کیسے بے ربط اور خلاف محاورۂ قرآن مجید و قرن اوّل کے ہیں نعوذ باللہ من

تحریف الجاھلین ۔ بیتؔ

ترا اژدہا گر بود یار غار
ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

۱......اول تو اس معنی کی بنا واقعہ صلیبی پر ہے لہٰذا سارے وجوہ اس کے فساد کے جو پہلے بیان کئے گئے ہیں۔اس کی طرف منسوب ہوسکتے ہیں۔

۲......یہود کا متردّد و مشکّک ہونا مسیح کی مقتولیت کے بارہ میں آیت **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا** سے معلوم ہوچکا۔اور یہود کی تکذیب وتردید **انا قتلنا المسیح**۔الآیۃ میں صرف اسی تردّد و شک کو دخل ہے۔اور ظاہر ہے کہ ہر ایک انسان کو اوصاف انضمامیہ اپنے اپنے نفس کے ساتھ علم حضوری ہوا کرتا ہے۔یعنی جسکو مثلاً **زیدٌ قائمٌ** کے مضمون میں شک ہے تو اس کے نزدیک قیام زید مشکوک ہوا اور وصف شک معلوم بعلم حضوری ٹھہری۔اور سب محاورات مروّجہ دنیا کے برخلاف ہے کہ جب کسی کا شاک ومتردّد ہونا یا ظن کرنا یا وہم کرنا یا تخییل کرنا یا یقین کرنا کسی مضمون میں بیان کیا جاوے تو بعد اس کے یہ مضمون کہ ''وہ شخص اپنے شک یا ظن یا وہم یا تخییل یا یقین کے ساتھ یقین رکھتا ہے'' مؤکد بانواع تاکید بیان ہو۔یعنی جب یہود مسیح کے قتل کے بارے میں شاک اور متردد تھے تو پھر ان کو اپنا متردد ہونا بداہۃً معلوم ہے۔پھر اس امر بدیہی الوجود والعلم کو اللہ تعالیٰ نے حرف تاکید انّ اور نون تاکید اور لام توطیہ اور قسم سے مؤکد کرکے کس کا انکار توڑنے کے لئے ذکر فرمایا ہے۔

۳......حسب قاعدہ امروہی صاحب کہ **''نون التاکید لایوکدا لا مطلوباً'' لیؤمنن** میں ایمان یہود بالشک والتردّد مطلوب خداوندی ہوگا۔پھر اس امر بدیہی الوجود کی طلب اور اہتمام کی حاجت ہی کیا تھی۔

۴......کل اہل کتاب قیامت تک کا یقین کرنا بہ تردّد مذکور بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ یہود

موجودہ در وقت واقعہ صلیب بالضرور خلف کو اپنے متردد ہونے سے خبر دیتے گئے ہوں۔ ھلم جرا الی یوم القیامۃ اور باعث بریں ضرورت کوئی امر معلوم نہیں ہوتا بلکہ خبر نہ دینا ان کا بدلیل استصحاب حال قرین بقیاس معلوم ہوتا ہے۔

۵...... بعض نصاریٰ کو مسیح کے قتل صلیبی کے ساتھ یقین ہے بخلاف یہود کے کما قال اللہ تعالیٰ **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا**۔ اور اسی پر مبنی ہے کفارہ کا مسئلہ اور مخفی طور پر لاش کا نکالنا قبر سے۔ تو پھر کل اہل کتاب کا ایمان بہ تردّد مذکور کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔

۶...... ایمان کا اطلاق محاورہ قرآنیہ وعرف شرعی میں یقین مخصوص پر آتا ہے یعنی **یقین بالتوحید والرسالۃ والملائکۃ والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت**۔ نہ یہ کہ ہر ایک یقین کو ایمان کہیں۔ کجا کہ ایک غیر متہم یقین، یعنی یقین بہ تردّد مذکور کا نام بھی ایمان ہو۔ رہا یہ اعتراض کہ تردّد مذکور بھی چونکہ مفہوم **وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا** کا ہے لہٰذا در ضمن ایمان بہ کتاب اللہ اس کے یقین کو بھی ایمان کہہ سکتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہود کا یقین بہ شک وتردّد مذکور چونکہ من حیث جاء بہ القرآن نہیں بلکہ صرف علم حضوری وجدانی ہے لہٰذا اس کو ایمان نہیں کہہ سکتے۔ (دیکھو فتوحات وکتب عقائد)۔ الغرض بر تقدیر معنی امروہی مرزا صاحب کے بالکل **لیؤمنن** عرف شرعی سے خارج ہو جاتا ہے۔ بخلاف معنی ابو ہریرہ وابن عباس وغیرہ کے۔ اور یہی وجہ ہے حصر کی دونوں تفسیروں میں یعنی ابو ہریرہ وابن عباس کی جن پر **لیؤمنن** منطبق ہو سکتا ہے، بخلاف خرافات امروہی وغیرہ کے۔

۷...... **قبل موتہ** کا ٹکڑا اس تقدیر پر بالکل بے ربط ہو جاتا ہے۔ فتدبر

۸...... **وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا** نظر بہ سوق آیت اجنبی ہوگا۔ مفسرین کی تفسیروں پر کوئی خرخشہ باقی نہیں رہتا۔ کما عرفت فتامل

۹...... آپ کے معنی کے مطابق بوجہ خارج ہونے ان اہل کتاب کے جو واقعہ صلیبی سے پہلے

مر گئے تھے آیت مذکور کا حصر باطل ہوگا۔ والجواب ھو الجواب فتأمل اور شمس الہدایت میں ص ۳۸ پہ حاشیہ متروکہ میں ''یا ضمیر ''بہ'' کے مضمون بالا کی طرف یعنی مرفوع ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا'' س ۱۵ کا نہیں اس سطر میں نشان '' کا'' ''ملے'' پر کاتب کی غلطی اور مصحح کی غفلت ہے۔ کیونکہ عبارت متن کی اس کے بعد ''اور آثار صحابہ اور تابعین مثل ابن عباس وابی ہریرہ وعبداللہ بن مسعود، مجاہد وقتادہ وغیرہم کی اس پر دال ہیں'' چسپاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ کسی نے حضرات مذکورہ سے ''بہ'' کی ضمیر مضمون بالا کی طرف راجع نہیں کی۔ بلکہ یہ حاشیہ سطر ۱۷ کے آخیر سے تعلق رکھتا ہے جسکا ارادہ سطر ۱۸ میں ''لیکن'' سے دفع کیا گیا۔ پھر امروہی صاحب نے ص ۸۷ میں ابو ہریرہ پر اعتراض یا افترا باندھا کہ استشہاد ابو ہریرہ کا آیت **وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ** کے ساتھ بخیال مفسّرین اگر ہو تو صحیح نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر حدیث نزول میں مسیح موعود قادیانی کو لیا جاوے اور آیت کا اشارہ کسر صلیب کی طرف کیا جاوے تو یہ استشہاد درست ہوسکتا ہے۔ گویا ابو ہریرہ نے آیت کے مفہوم کو شاہد قرار دیا حدیث کے منطوق پر، اور بس۔

اقول: حاصل یہ ہوا کہ اگر ابو ہریرہ اپنی مروی حدیث نزول سے آپ کے خیال کے مطابق غلام احمد قادیانی لیویں، تو استشہاد بہ آیت درست ہے وإلاّ نہ۔ ناظرین! اس مالیخولیا کا علاج خود ہی نظر غور ونبض انصاف سے فرما سکتے ہیں۔

قولہ: صفحہ ۸۸ سے ص ۹۱ تک کا حاصل۔ ابو ہریرہ کی حدیث **ان رسو ل اللّٰہ ﷺ قال لیھلن عیسٰی بن مریم بفج الروحاء بالحج والعمرة او بنیتھا جمیعا۔** (مسند امام احمد، مسلم)۔ امروہی صاحب فرماتے ہیں چونکہ روحاء کسی ملک کا میقات نہیں جس سے احرام باندھا جاوے لہٰذا یہ حدیث اپنے ظاہری معنوں پر محمول نہیں ہوسکتی۔ تاویلی معنی بہت صاف ہیں۔ اہلال اور تلبیہ مسیح کی سے مراد تبلیغ دعوت اسلام ہے اور پنجاب بہ لحاظ کثرت انہار و دریاؤں اور نیز بوجہ دوآبوں کے بالضرور فج روحاء ہے۔ گویا حضرت ﷺ نے جیسا

کہ اس کے گاؤں قادیان کا پتہ اور کلام الٰہی میں اوسکی مسجد اور اقصیٰ کا ذکر ہوا اسی طرح پر اس کے ملک کا پتہ ونشان یہ دیا کہ وہ ایک فج روحاء ہے، جو ملک پنجاب ہے۔ الغرض روحا جو عرب میں مدینہ طیبہ سے تیس چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ (کمافی القاموس) اس حدیث میں وہ مراد نہیں بلکہ پنجاب سے فج روحا کے ساتھ کنایۃً تعبیر کی گئی۔ **فان المجاز و الکنایة ابلغ من الحقیقة والتصریح۔**

اقول: ان تحریفات وخرافات کی تردید کی حاجت نہیں۔ اور یہ جو کہا ہے کہ روحاء کسی ملک کا میقات نہیں لہٰذا اس سے اہلال یعنی احرام حج متصور نہیں ہوسکتا ہے۔ بالکل جہالت ہے۔ کیونکہ ذوالحلیفہ یاذات العرق جحفہ یاقرن یایلملم جو کتب اسلامیہ میں مواقیت الحج ہیں ان کے میقات حج ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان مقامات پر احرام باندھتے ہیں اور بغیر احرام باندھنے کے گذرنا حرام ہے۔ یہ نہیں کہ ان کے پہلے احرام کا باندھنا حرام ہو۔ لہٰذا مسیح کا احرام باندھنا فج روحاء سے مخالف شرع محمد ﷺ کے نہ ہوا تاکہ تاویل کی حاجت ہو۔

قولہ: صفحہ ۹۲، ۹۳ کا حاصل۔ امروہی صاحب فرماتے ہیں کہ احادیث میں نزول سے مراد نزول بطور بروز کے ہے۔ اور بروز کا مسئلہ فتوحات کے باب ۳۶، ۳۷ سے جو بیان عیسوی اور قطاب عیسوی میں ہیں، ثابت ہے۔ اور قرآن مجید سے بھی کما قال اللہ تعالیٰ **نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ○ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْمَا لَاتَعْلَمُوْنَ** (واقعہ:۶۱،۶۰) اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ بعد موت کے امثال موتی کے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اور نیز متعدد آیات سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار یہود موجودین عہد آنحضرت ﷺ کے مخاطب فرمایا ہے اور مراد اس سے کفار یہود وعہد موسوی ہیں۔ اگر اول الذکر امثال ثانی الذکر کے نہیں تھے تو پھر مضمون قرآنی سے طرز خطاب سے (نعوذ باللہ) غلط ہوا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ**

لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً (بقرہ:۵۵) وایضا وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ (بقرہ:۶۱) ایضا وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَo (بقرہ:۵۰) وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی (بقرہ:۵۷) علاوہ اس کے قرآن مجید میں ہر ایک مؤمن کو مثیل مریم فرمایا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً الیٰ قولہ تعالیٰ وَمَرْیَمَ بْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا (تحریم:۱۲-۱۱) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک مؤمن مثیل مریم ہے تو مؤمن کی اولاد ابن مریم ہوئی اور نیز حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل بھی موجود ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت ﷺ نے ایک ادنیٰ سے وجہ شبہ سے مثیل عیسیٰ قرار دیا ہے تو اس مجدد عظیم الشان (قادیانی) کو باوجود مشابہت تامہ کے مثیل مسیح کیوں نہ قرار دیا جاوے۔ انتھٰی

اقول: وبہ استعین۔ ا...... اول ''بروز'' کا معنی ناظرین کی خدمت میں ہدیہ کرنا ضروری ہے، بعد اس کے خود ہی انصاف فرما سکتے ہیں۔ اہل کمون و بروز کی اصطلاح میں بروز اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص کامل کی روح دوسرے شخص مبروز فیہ میں بصفات خود ظہور کرے۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی دوسری جلد کے صفحہ ۵۸ میں فرماتے ہیں۔ کہ ''در بروز تعلق نفس بہ بدن از برائے حصول حیات نیست کہ ایں مستلزم تناسخ است بلکہ مقصود ازیں تعلق حصول کمالات است مراں بدن راچنانکہ جنی بفرد انسانی تعلق پیدا کند و در متشخص او بروز نماید و مشائخ مستقیم الاحوال بعبارت کمون و بروز ہم لب نمی کشائید''۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ ''نزد فقیر قول بنقل روح از قول تناسخ ہم ساقط تر است زیرا کہ بعد از حصول کمال نقل ببدن ثانی برائے چہ بود''۔ پھر فرماتے ہیں۔ وایضاً ''در نقل روح اماتت بدن اول است واحیاء بدن ثانی''۔ پھر فرماتے ہیں۔ ''افسوس ایں قسم بطلان خود را بمسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ ضلوا فاضلوا انتھیٰ ملخصاً''۔ پس امام ربانی کے قول سے ظاہر

ہے کہ معنی ''بروز'' بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ایک کامل کی روح دوسرے ناقص کے بدن میں بروز اور ظہور کرے۔ اب معروض ہے کہ اگر احادیث نزول میں مراد نزول عیسیٰ سے نزول بروزی ہے غلام احمد قادیانی میں تو۔ اس کی یہی صورت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بصورت غلام احمد قادیانی متولد ہوئے یا قادیانی میں ظاہر ہوئے۔ پہلی صورت میں عیسیٰ اور قادیانی کا شخص واحد ہونا لازم آتا ہے۔ وهو خلف عند خصم ایضا کما هو فی الواقع۔ اور دوسری صورت میں ایک بدن میں دو روح کا ہونا لازم آتا ہے، جو بالکل باطل ہے۔ اور مناقض قواعد حشر ونشر کے ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عیسیٰ بن مریم کا نزول بصورت بروز بہت سے مفاسد کا باعث ہے دین محمد ﷺ میں۔ اور قابل افسوس تو یہ ہے کہ بروز عیسوی فی القادیانی نے بجائے اس کے کہ فیما بین بارز ومبروز فیہ محبت واتحاد ہو اور نفع وانتفاع قادیانی سے عیسیٰ ابن مریم کو ''مکار وفریبی اور پشت بہ پشت زنا کاروں کا بیٹا کہلوانے کا اتحاد پیدا کیا''۔ (دیکھو ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷ سطر ۱۶، ۱۷) اور امت محمدیہ کو یہودی ہونے کا خطاب دلوایا۔ دیکھو انجام آتھم صفحہ ۲۱ میں امتِ مرحومہ کے مولویوں کو جلی قلم کے الفاظ ذیل سے خطاب کیا۔ ''اے بدذات فرقہ مولویاں، تم کب تک حق کو چھپاؤ گے کب وہ وقت آئیگا کہ تم یہودانہ خصلت کو چھوڑو گے'' ''اے ظالم مولویو! تم پر افسوس ہے کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو بھی پلایا''۔

اب سنئے فتوحات کے ۳۶ باب کا خلاصہ۔ شرع محمدی ﷺ چونکہ شرائع سابقہ پر مشتمل اور سب کا جامع ہے لہٰذا تابع شرع محمدی ﷺ پر بروقت عمل وسلوک بریں شرع شریف شرع عیسوی یا موسوی یا ابراہیمی وغیرہ کے اسرار و احوال بحسب اختلاف الاستعدادات مکشوف اور وارد ہوتے ہیں۔

محمدی درویش وتابع کو موسوی المشرب یا عیسوی المشرب کہنا اسی مقام سے ہے۔ یعنی اس نے عیسوی شریعت کے واردات درضمن اتباع شرع محمدی ﷺ حاصل کئے ہیں۔ محمدی

المشرب بہت کم ہوتا ہے۔ سیدنا غوث اعظم جیلی قدس سرہٗ اس مقام سے خبر دیتے ہیں۔

وکل ولی له قدم وانی

علی قدم النبی بدر الکمال

حواری عیسیٰ ابن مریم جیسے کہ عیسوئیین کہلاتے ہیں۔ ایسے ہی شرع محمدی ﷺ کے متبعین میں سے عیسوئیین ہوتے ہیں۔ اور ہمارے زمانہ میں عیسیٰ ابن مریم کے حواریوں میں سے بعض لوگ زندہ ہیں۔ چنانچہ زریت بن برثملا مطلقاً عیسوئیین کی علامت میں سے کہ انکی زبان پر بجز کلمہ خیر کے نہیں گذرتا۔ چنانچہ عیسیٰ ابن مریم نے خنزیز کو اخ۔ بہ سلام بولا تھا کسی نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ **اعود لسانی قول الخیر** اپنی زبان کو کلمہ خیر کی عادت ڈالتا ہوں۔ منجملہ علامات ان کے یہ بھی ہے کہ جس چیز کو دیکھتے ہیں اس کی بھلائی پر نظر ان کی پڑتی ہے۔

ناظرین یہ ہے خلاصہ فتوحات کے باب ۳۶ کا۔ اب امروہی صاحب سے دریافت فرماویں۔ کہ کہاں ہے ذکر بروز جس کا معنی پہ نقل عبارت حضرت مجدد صاحب لکھ چکا ہوں۔ ہاں عیسوی المشرب لوگوں کا ذکر ہے جن میں نزول عیسیٰ بمعنی ''بروز'' کے نہیں۔ بروز تو الگ رہا صرف عیسوی المشرب کی علامات مذکورہ فی الباب قادیانی صاحب میں کہاں ہیں۔ البتہ بجائے کلمہ خیر کے دشنام بازی میں اوّل نمبر ہیں۔

فتوحات کے باب ۳۷ کا حاصل۔ عیسوی قطب جب چاہتا ہے کہ کسی شخص کو (جس کی استعداد کا علم اس کو باعلام الٰہی ہوجاتا ہے) اپنے احوال میں سے کچھ عنایت کرے تو ان وجوہ مفصلہ ذیل سے دیتا ہے۔

۱......لمس ہاتھ لگانے سے۔

۲......معانقہ سے۔

۳.....بوسہ دینے سے۔

۴.....کپڑا دینے سے۔

۵..... یا اس کو کہتا ہے کہ اپنا کپڑا اچھا اور پھر ہاتھ سے اس میں کچھ ڈالتا ہے۔ دیکھنے والے خیال کرتے ہیں کہ ہوا میں ہاتھ ڈال رہا ہے تو اس شخص میں حال عیسوی قطب کا سرایت کر جاتا ہے۔ منجملہ علامات ان کے بلاغت ہے گفتار میں۔ اور باوجود امی ان پڑھ ہونے اس کے اعجاز قرآن کو جانتا ہے۔ معیار اس کا التزام حق کا ہے اقوال افعال احوال میں، نیز اس کو اسرار علم طبیعت اور تالیف و تحلیل اس کے اور منافع اشیاء کے معلوم ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ راستہ میں چلتے ہوئے ہر ایک بوٹی اس کو اپنے منافع سے بول کر اطلاع دیتی ہے۔ بعد اس کے اس کو اسماء الہیہ کا علم دیا جاتا ہے اور نیز اس کو نشاء طبیعت ونشاء روحانیت دنیا اور آخرت دونوں میں اور خود دنیا اور آخرت کی معرفت دی جاتی ہے۔

فتوحات کے باب ۳۶ اور ۳۷ کا حاصل ملاحظہ کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ مرزا کو کچھ نفع حاصل ہو۔ الٹا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ علاوہ انتفاء ان علامات کے، صاحب فتوحات توزریت بن برثملا وصی مسیح بن مریم کی روایت سے اسی مسیح بعینہ کو دوبارہ دنیا میں لائے ہیں۔ اور اگر بروز سے مراد تصرّف کرنا روح عیسوی کا مرزا صاحب کے بدن میں ہو۔ چنانچہ شیخ محمد اکبر صاحب ''اقتباس الانوار'' میں لکھتے ہیں۔ کہ ''بروز آں را نامند کہ روحانیت کمّل در بدن کامل تصرف نماید وفاعلِ افعالِ اوشود''۔ تو یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس تقدیر پر روح عیسوی کا تصرّف بدن مثالی کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ حضرت محمد اکرم صاحب موصوف فرماتے ہیں۔ کہ ''مے گوید محرر سطور عفی اللہ عنہ شاید کہ روحانیت علی مرتضیٰ دو بست سال پیش از ولادتِ خود وجود مثالی گرفتہ سلمان فارسی را از شیر نجات بخشیدہ باشد''۔ الغرض اگر بدن مثالی میں ہو کر روح عیسوی متصرف ہو تو مسیح موعود مرزا صاحب نہ رہے بلکہ خود عیسیٰ

بن مریم جسم مثالی میں مسیح موعود ہوا جو مغائر ہے۔ مرزا صاحب سے۔ اور برخلاف ہے ان کے دعویٰ کے۔ اور اگر مرزا صاحب کے بدن میں ہوکر روح عیسوی متصرّف ہے اور بصورت مرزا صاحب ظاہر ہوا ہے۔ تو عیسیٰ ابن مریم اور غلام احمد قادیانی ایک چیز کا نام ہوا۔ یہ بھی برخلاف ہے دعوی مرزا صاحب کے۔ اور فی الواقع بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ عیسیٰ ابن مریم قرآن مجید میں انبیاء کی فہرست میں شمار کیے ہوئے ہیں۔ اور روح القدس کے نفخ سے بغیر باپ کے پیدا ہیں۔ والدہ ماجدہ ان کی مریم ہے۔ الی غیر ذٰلک من الخصوصیات۔ اور اگر مرزا صاحب کے بدن میں مرزا صاحب کے روح کی طرح متعلق ہوا ہے تو ایک بدن میں دو روح کا ہونا لازم آتا ہے۔ اور نیز حضرت شیخ محمد اکرم ''اقتباس الانوار'' صفحہ ۵۲ سطر ۲ پر فرماتے ہیں۔ ''وبعض برانند کہ روحِ عیسیٰ در مہدی بروز کند ونزول عبارت ازیں بروز است مطابق ایں حدیث **لا مهدی الا عیسٰی** وایں مقدمہ بہ غایت ضعیف است''۔ اسی کتاب میں دوسری جگہ بھی اس قول ضعیف کی تردید فرماتے ہیں۔ کما سبق۔

اور سب سے حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ آیت **نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَانَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَo عَلَى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَالَاتَعْلَمُوْنَ** (واقعہ:۶۰) کو اس بروز سے کیا تعلق۔ کیونکہ آیت میں انتقالِ روح دوسرے بدن کی طرف نشاء دنیا میں ثابت نہیں ہوتا، خواہ امثال کو جمع مثل کی بفتحتین ٹھہراویں یا جمع مثل بمعنی مثیل کے۔ برتقدیر اول آیت کا مفاد تغیرِ اوصاف ہوگا، یعنی طفولیت اور شباب اور کہولت اور شیخوخت اور برتقدیر ثانی یا تو تبدلِ اشکالِ دنیویہ واخرویہ پر دلالت کریگی اور یا تبدل اشخاص دنیویہ واخرویہ پر جو متخالفۃ الروح والجسم ہونگے۔ اور یا تغیر اشخاص دنیویہ پر علی سبیل المسخ علی ما قال الحسن ای **نجعلکم قردۃ وخنازیر**۔ پہلی صورت میں تو ظاہر ہے کہ روح کا انتقال ہی نہیں صرف اوصاف طفولیت وغیرہ وغیرہ کا تغیر ہے۔ دوسری صورت میں منتقل الیہ جسم حشری ہے۔ مرزا صاحب تو ابھی دنیا ہی میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور تیسری صورت میں آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ ''تم کو اور جہاں میں

لیجاویں اور تمہاری جگہ یہاں اور خلقت بساویں'' ۔تو اس صورت میں مماثلث بمعنی دخول تحت النوع الواحد ہوئی۔ اور امثال بایں معنی مسلّم بین الفریقین ہیں۔ نہ ہم کو مضر ہیں اور نہ آپ کو مفید۔ کیونکہ اہلِ اصطلاح بروز وکمون اس کو بروز نہیں کہتے۔ رہی چوتھی صورت، سو اس کو علاوہ مخالفت اہل اصطلاح کے، مرزا صاحب بھی ناگوار سمجھیں گے۔ اور نیز تبدیل امثال کا آیت سے صرف تحت القدرۃ اور مقدور ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ وقوع اس کا۔ کما ہو مزعوم الجناب۔

دوسری آیت **وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا امْرَاَۃَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَo وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا** (تحریم:۱۱-۱۲) اس آیت کو بھی مسئلہ بروز سے کوئی تعلق نہیں۔ صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر مومن مثیل فرعون کی عورت اور مریم کا ہے۔ اور یہ مماثلت بھی آپ کے مدعا کو مفید نہیں کیونکہ محلِ بحث، یعنی حدیث نزول میں، آپ ابن مریم سے غلام احمد قادیانی مراد لیتے ہیں۔ اس خیال پر کہ آنحضرت ﷺ نے ابن مریم یا عیسیٰ سے مثیل اس کا لیا ہے۔ سو اولاً گذارش ہے کہ تاوقتیکہ تعذر حقیقت ثابت نہ ہو۔ آپ مجاز کے مجاز نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ تعذر حقیقت کے دلائل کا فساد اور مزید برآں ارادہ حقیقت کا وجوب ثابت ہو چکا ہے۔

ثانیاً آنکہ قطع نظر تعذر حقیقت وغیرہ سے آیت کا مفاد تو صرف اتنا ہی ہے۔ کہ وصف ایمان علاقہ مصححہ لارادۃ القادیانی ابن مریم سے ہے۔ یعنی اگر لفظ مریم سے قادیانی بعلاقہ ایمان مراد رکھا جائے تو یہ علاقہ اس ارادے کے لئے صلاحیت رکھتا ہے اور صرف صلاحیت بغیر اس کے کہ وقوع استعمال فی غیر محل النزاع قرآن یا حدیث سے ثابت کیا جاوے، مفید نہیں۔ ناظرین خدارا انصاف! کوئی کہہ سکتا ہے کہ قران یا حدیث میں ایک جگہ بھی **مریم یا امرءۃ فرعون** کے لفظ سے مراد کوئی مومن ہے۔ اور خود مریم اور فرعون کی عورت مراد نہیں۔

ثالثاً ابن مریم سے مراد ہونا قادیانی صاحب کا۔ چنانچہ اسی جگہ صفحہ ۹۳ سطر ۸ پر

امروہی صاحب لکھتے ہیں ''کہ ہر ایک مومن مثیل مریم ہے تو مومن کی اولاد ابن مریم ہوئی'' جبھی ہوسکتا ہے کہ پہلے قادیانی صاحب کے والد مرحوم غلام مرتضیٰ ''مریم'' کے لفظ سے کسی استعمال میں ''پنجابی ہی سہی'' مراد لئے گئے ہوں۔ یعنی پہلے غلام مرتضیٰ صاحب کو مریم کے لفظ سے پکارا گیا ہو تو پھر مرزا صاحب ابن مریم یعنی مریم کے مثیل کا بیٹا بن سکتے ہیں۔ الغرض باپ اور بیٹے دونوں میں وقوع وثبوت استعمال مفید مدعیٰ ہوسکتا ہے، نہ صرف صلاحیت۔ ایسا ہی اگر ابن مریم سے قادیانی صاحب مراد لئے جاویں تو یہاں پر بھی علاقہ مصحح للمجاز کا کام نہ دیوے گا۔ جب تک کہ غیر محل نزاع میں کتاب وسنت سے وقوع استعمال ثابت نہ کیا جاوے۔

رہی تیسری آیت جس کو امروہی صاحب نے بروز کے اثبات میں پیش کیا ہے **وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً** (بقرہ:۵۵) اس میں فرماتے ہیں کہ کیا آنحضرت ﷺ کے وقت کے یہود نے کہا تھا کہ **حتی نری اللّٰہ جھرۃ** یا یہ مقولہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت کے یہود کا ہے۔

حضرات ناظرین غور فرماویں کہ اس آیت کو بھی پہلی آیات کی طرح کوئی تعلق مسئلہ بروز سے نہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت کے یہودیوں کے ارواح منتقل ہوکر بابدان یہود متعلق ہوگئے تھے موجودہ وقت آنحضرت ﷺ کے۔ یا کہ ان ارواح نے ارواح کاملین کی طرح یہود موجودہ زمان سرور عالم ﷺ کے ابدان میں کوئی تصرّف کیا تھا۔ خدارا انصاف! اس مضمون کا ذکر اس آیت میں صراحۃً یا کنایۃً پایا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہاں پر صرف اتنا ہی ہے کہ نسبت قول کے **وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ** میں اور نسبت فرق کے **وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ** اور نسبت تظلیل کے علیٰ سبیل الوقوع **وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ** اور نسبت انزال کے علیٰ طریق الوقوع **وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی** میں جو فی الواقع یہ نسبتیں یہود موجودہ زمان موسیٰ علیہ السلام کی طرف تھیں ان آیات میں یہود موجودہ بزمان آنحضرت ﷺ کے

کی گئیں۔ جس کوانتساب الفعل الی غیر ماہولہٗ کہتے ہیں۔ عالمان علم معانی جانتے ہیں کہ یہ مجاز فی الاسناد کے قبیلہ سے ہے نہ مجاز فی المفرد یا مجاز فی الطرف۔ یعنی یہ نہیں کہ یہود موجودہ بزمان نبوی سے مراد وہ یہود ہوں جو بزمان موسیٰ موجود تھے۔

امروہی صاحب نے ان آیات میں دو طرح سے کمال کیا ہے ایک تو بروز کا اثبات دوسرا مجاز فی الاسناد کو مجاز فی الطرف بنا دیا۔ اردو خوانوں بیچاروں کو کیا خبر ہے وہ تو اس خیال سے کہ آپ قرآن کریم اور احادیث کو حافظوں کی طرح پڑھے جاتے ہیں، چاہے بے محل ہی کیوں نہ ہوں، **امنا و صدقنا** کہیں گے۔ مگر یہ فرمائیے کہ آپ بروز محشر کیا جواب دینگے۔ ناظرین کو اس تقریر سابق سے **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** کا حال بھی معلوم ہوسکتا ہے۔ یعنی بر تقدیر صحت حدیث کی تاوقتیکہ استعمال موسیٰ و عیسیٰ و ہارون و یوسف وغیرہ بنی اسرائیل کا کسی عالم محمدی میں کتاب و سنّت سے ثابت نہ ہو۔ یہ استدلال بھی مفید نہیں، نہ مسئلہ بروز میں اور نہ مجاز مستعار میں۔

قولہ: صفحہ ۹۴ سے صفحہ ۹۷ تک کا حاصل۔ مسیح موعود کا حلیہ بمعہ افعال مختصہ اور اس کے زمانے کی خصوصیات قادیانی کی ذات اور افعال اور زمان پر صادق ہے۔

اقول: جب نزول اسی مسیح ابن مریم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کا نصوص و اجماع سے ثابت ہو چکا ہے تو پھر یہ تاویلات یا تحریفات، جن پر لڑکے بھی ہنسی کرتے رہے ہیں، عبث اور فضول ہیں۔ بالفرض اگر مسیح موعود مسیح ابن مریم نہ بھی ہو تو بھی قادیانی صاحب بوجہ صداقت الہامی اور تفسیر قرآنی کے جو اسی رسالہ کے اوّل پبلک پر ظاہر ہو چکی ہیں، ہرگز ہرگز مسیح موعود نہیں ہوسکتا۔ مسیح موعود کے لئے قرآن اور حدیث اور الہامات و افعال میں مہارت اور صداقت اور راست بازی ممتاز فائقہ کا ہونا ضروری ہے۔ قادیانی صاحب کو نہ صرف خصوصیات مسیحیہ بلکہ علامات مہدویہ بھی جن کی تصریح احادیث صحیحہ مذکورہ فی ابتداء ہذہ الرسالہ میں کی گئی ہے، کاذب ٹھہراتے ہیں۔

قوله: صفحہ ۹۳۔ **انه نازل** بطور مسئلہ ''بروز'' کے ہے۔

اقول: اگر بطور ''بروز'' فرمایا ہوتا تو بزعم قادیانی چونکہ اس میں بروز محمدی بھی ہے لہٰذا **وانه نازل** کی جگہ **ونحن نازلون** فرمانا بمقتضائے مقام ضروری تھا۔ کیونکہ ماقبل میں وجہ قرب و مناسبت بہ عیسیٰ بن مریم بیان کی گئی ہے۔ دیکھو **لانه لم یکن نبي بیني وبینه**۔ لہٰذا بیان شرکت فی النزول بقولہ **ونحن نازلون** معاً واجب ٹھہرا۔ نزول بروزی کا بطلان مفصل طور پر گذر چکا ہے۔

قوله: پھر امروہی صاحب صفحہ ۹۴ پر ''**علیه ثوبان ممصران**'' کو ظاہری معنی پر حمل نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ یہ کوئی وصف ممتاز نہیں کیونکہ ہر ایک شخص سرخ مٹی سے رنگا ہوا کپڑا پہن سکتا ہے۔

اقول: کیوں حضرت! یہ وجہ تو پہلے فقرہ حدیث میں بھی موجود تھی ''**رجل مربوع الی الحمرة والبیاض**'' کیونکہ اعتدال اور گندم گونی اور اشخاص میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس میں تاویل نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس جگہ الکنایۃ ابلغ من التصریح کو بھول گئے۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ مسیح موعود کا حلیہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ وہ معتدل اندام اور رنگ اس کا سرخی اور سپیدی کی طرف میلان کرے گا اور نزول کے وقت اس پر دو کپڑے سرخ رنگ کے ہوں گے۔ اس کلام میں تاویل کا کوئی حق نہیں۔ اور وصف ممتاز ہونا کبھی بحسب مجموع اجزاء کلام کے ہوتا ہے اور کبھی بحسب بعض دون بعض۔ اور وصف غیر ممتاز کا بیان صرف واقعی طور پر ہوتا ہے نہ علی السبیل الاحتراز کما ھو شان القیود فانھا قد تکون لبیان الواقع واحیانا للاحتراز۔

قوله: پھر اسی صفحہ پر ''**ثوبان ممصران**'' کی تعبیر دنیا کی خوشحالی اور توفیق فرائض منصبی مسیح سے لکھتے ہیں۔

اقول: آنحضرت ﷺ کا بیان فرمانا مسیح موعود کے خصوصیات ذاتی اور زمانی کو، چونکہ اس

لئے تھا، کہ امت مرحومہ کسی جھوٹے مسیح کے دام میں نہ پھنس جاوے۔ بنابرآں اگر ظاہری معنی مراد نہ تھا تو ''**علیه ثوبان ممصران**'' کی تعبیر کا بیان بھی ضروری تھا تا کہ امت مرحومہ کو بجائے منفعت الٹا نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ کیا آپ ﷺ کو امروہی صاحب جیسا علم تعبیر الرؤیا میں ادراک نہ تھا یا آپ کو قصداً العیاذ باللہ دھوکہ دینا منظور تھا۔ امروہی صاحب نے علم معانی سے ایک ہی مسئلہ الکنایۃ ابلغ من التصریح اور علم تعبیر الرؤیا سے یہ کہ سرخ کپڑے سے مراد خورمی اور توفیق طاعت ہوتی ہے، خوب یاد کرلیا ہے۔ مگر محل بے محل یکساں ہی جاری کئے جاتے ہیں۔ خدا کے بندے! اگر کسی نے شیر کو دیکھ کر کہا ہو کہ **رایت اسدا**۔ یا کسی پر زرد رنگ کا کپڑا دیکھ کر کہا کہ **رایت فلانا علیه ثوب ممصر**۔ کیا آپ یہاں پر بھی وہی کنایہ اور تعبیر لئے جاؤ گے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ عیسیٰ جو میرے سے پہلے گذرا ہے اور میرے اور اس کے مابین کوئی نبی نہیں ہوا، اترنیوالا ہے۔ پس تم جب کہ اس کو دیکھو تو پہچانو اس کو اس حلیہ اور علامات سے کہ وہ ایک مرد ہوگا، معتدل اندام، مائل بسرخی وسفیدی، جس پر دو کپڑے سرخ ہونگے۔

قوله: پھر اسی صفحہ پر امروہی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ یہ دونوں کپڑے حضرت مسیح اقدس سیدنا مسیح موعود پہنے ہوئے ہیں۔ دنیا کی حیات طیبہ جو ان کو حاصل ہے وہ شاید کسی بادشاہ بلکہ شہنشاہ کو بھی نصیب نہ ہوگی۔ اور فرائض منصبی تجدید دین کے جو اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں سے کرا رہا ہے دنیا بھر میں کوئی نظیر ان کا اس باب میں معلوم نہیں ہوتا۔

اقول: کیا عیسوی اور محمدی بروز وتشبہ والوں کی دنیاوی معاش ایسی ہی ہونی چاہیے، جس کو آپ بیان فرما رہے ہیں۔ گویا یہ بیان تو محمدی اور عیسوی بروز وتشبہ کا انکار ہے۔ یعنی قادیانی صاحب بھی اگر جداگانہ مشابہت آنحضرت ﷺ اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے رکھتے تو ان کی طرح دنیا میں رہتے اور بجائے فرائض منصبی تجدید دین کے فرائض منصبی تحریف دین کے ادا نہ کرتے۔

قولہ: پھر امروہی صاحب اسی صفحہ پر **کان راسه یقطروان لم یصبه بلل** کی تاویل کرتے ہیں۔یعنی وہ حقائق ومعارف قرآنی کا مالک ہوگا۔

اقول: یہ فقرہ حدیث مذکور کا بھی اپنے ظاہر پر ہی محمول ہے۔یعنی اس کے سر سے پانی کے استعمال کے بغیر قطرات ٹپکتے ہوئے معلوم ہونگے یعنی ذاتی رطوبت ان میں ہوگی نہ عارضی۔اور اس فقرہ میں بھی امر واقعی کا بیان ہے کوئی قرینہ صارفہ عن الظاہر باعثہ علی التاویل نہیں۔اور پھر ایسی تاویل کہ قرآن اور سنت کے مُحرّف کو قرآنی حقائق ومعارف کا مستحق ٹھہرایا جاوے۔العیاذ باللہ۔ہاں اس حدیث میں فقرہ **یکسر الصلیب** اور ایسا ہی **ویقتل الخنزیر** میں قرینہ صارفہ موجود ہے لہٰذا کسر صلیب اور قتل خنزیر سے مراد ابطال دین نصرانیت کا ہے،جہاد سے ہو یا صرف دعوت وتبلیغ سے۔چنانچہ دونوں پر دال ہیں۔احادیث صحیحہ جو قتلِ دجّال ویاجوج وماجوج وغیرہم میں وارد ہیں۔امروہی صاحب کا شرح حدیث کی طرف صرف ابطال بالحجج کو منسوب کرنا۔جیسا کہ صفحہ ۹۵ سطر اول پر لکھتے ہیں۔ای **یبطل دین النصرانیة بالحجج و البراهین**۔چالاکی اور دجل ہے بالحجج والبراہین۔ ایسا ہی آپ کے حاشیہ میں **و یقتل الخنزیر** سے مراد یہ ہے کہ مسیح ابن مریم،صلیبی پرستش و استحلال خنزیر کو برخلاف مزعوم وافتراء نصاریٰ حرام وباطل کہے گا۔یعنی میرے دین میں دونوں امر نہیں ان کو دین مسیح سے قرار دینا نصاریٰ کا افتراء تھا۔اور بخاری کی روایت میں فقرہ **حتی تکون السجدة خیرا من الدنیا** جو غایت ہے کسر صلیب اور قتل خنزیر یعنی ابطال دین نصرانیت کے لئے کما قال فی مجمع البحار غایة لمفهوم یکسر الصلیب قتل لیکھرام کے ارادہ کو باطل کر رہا ہے۔کیونکہ لیکھرام کا قتل عرصہ سے متحقق ہو چکا ہے حالانکہ سجدہ کا پیارا معلوم ہونا ساری دنیا سے اب تک موجود نہیں ہوا۔

قولہ: پھر اسی صفحہ ۹۵ پر لکھتے ہیں۔**ویضع الجزية** مراد یہ ہے کہ جہاد کو موقوف کردے گا

جیسا کہ یضع الحرب وارد ہے تو پھر جزیہ کیونکر قائم ہوسکتا ہے۔ جزیہ تو متفرع ہے جہاد پر۔ جب جہاد ہی نہ ہوا تو جزیہ بھی نہیں ہوسکتا۔ **انتھٰی۔**

اقول: ناظرین خدارا انصاف! یضع فعل متعدّی ہے۔ معنی یہ ہوا وہ مسیح جزیہ کو موقوف کر دیگا۔ اب غور فرماویں، کیا قادیانی جو باقی رعایا کی طرح زیر سایہ گورنمنٹ بحفظ وامان ایام بسر کررہا ہے، یہ استحقاق رکھتا ہے کہ جہاد کرنا یا نہ کرنا یعنی اسے موقوف کردینا اس کا منصب ہو؟ تو یہ ظاہر ہے کہ بوجہ منجملہ رعایا ہونے کے جہاد کرنے کا منصب نہیں رکھتا۔ رہا جہاد کا موقوف کردینا سو بحسب محاورہ یہ جملہ بھی اسی پر صادق آسکتا ہے جو جہاد کرنیکی حیثیت رکھتا ہو اور پھر جہاد نہ کرے۔ مثلاً بادشاہ اسلام نے جس وقت مخالفین اسلام پر جزیہ مقرر کردیا یا کوئی مخالف باقی نہ رہا تو کہا جاسکتا ہے کہ اس نے جہاد کو موقوف کردیا ہے۔ قادیانی بے چارہ بھلا گورنمنٹ پر کیا احسان جتلا سکتا ہے اور بدین وجہ منجملہ خدام گورنمنٹ کے شمار کیا جاسکتا ہے کہ اس نے جہاد کو موقوف کردیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ گورنمنٹ کو بذریعہ تحریرات یہ خدمت گزاری جتلانا گویا دھوکا دینا ہے اور اگر صرف بیان عدم فرضیت جہاد کا فرض منصبی ہے تو عدم فرضیت کے بیان کنندہ کو واضع الجہاد نہیں کہا جاتا۔ چنانچہ فرضیت کے بیان کنندہ کو مجاہد نہیں کہا جاسکتا۔ الغرض قادیانی کو فیضع الجزیۃ کا مصداق خیال کرنا مثل مشہور ''تو مان نہ مان میں تیرا مہمان'' کا مصداق بنانا ہے۔ جزیہ کا موقوف کرنا بھی اسی سے متصوّر ہوسکتا ہے جس میں **فلا یقبل الا السیف او الاسلام** کی لیاقت ہوتا کہ بقیہ مخالفین بوجہ اسلام میں داخل ہونے کے محل جزیہ نہ رہیں۔ چنانچہ سچے مسیح موعود کے زمانے میں ایسا ہی ہوگا اور وجہ عدم قبول جزیہ کے بغیر از قتال یا اسلام پہلے گذر چکی ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جہاد بہ تیغ وسنان چونکہ باخذ جزیہ موقوف ہوسکتا ہے اور بوضع جزیہ واجب، جب تک سب اسلام میں داخل نہ ہوں۔ لہٰذا وضع جزیہ دلیل ہے تعیین جہاد سنانی پر مسیح موعود کے زمانے میں

بخلاف جہاد بالحجت والبرہان کے۔ کیونکہ یہ اخذ جزیہ سے موقوف نہیں ہوسکتا اور نہ وضع جزیہ سے واجب۔ اور یضع الحرب کا فقرہ محمول ہے اختلاف اوقات پر جیسا کہ قلت وکثرت باران ووجود البرکت وعدم البرکت مواشی اور رزق میں وغیرہ وغیرہ۔ اس تقریر میں ذرا غور کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ امروہی صاحب نے اس حدیث میں کس قدر دجل سے کام لیا ہے۔ **ولیس هذا باول قارورة کسرت فی الاسلام**۔ عبارت مسطورہ ذیل صفحہ ۹۵ سطر ۱۳ شمس بازغہ کی ملاحظہ ہو۔ اور وضع جزیہ کے لئے حجت وبرہان سے ابطال دین نصرانیت نہایت مناسب ہے کیونکہ کوئی مجدد اور مویّد الاسلام باخذ جزیہ حجت وبرہان کو موقوف نہیں کرسکتا بخلاف تیغ وسنان کے کہ باخذ جزیہ ان کا وضع ہوسکتا ہے۔ **۱۲ انتهی**۔ اس عبارت میں جملہ تعلیلیہ قابل توجہ ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حدیث میں ابطال بہ تیغ وسنان مراد ہے۔ فتأمل۔

قوله: پھر امروہی صاحب صفحہ ۹۵ میں **ویهلک الله فی زمانه الملل کلها الا الاسلام** کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ جملہ بھی دلیل ہے جہاد بالبرہان پر کما قال تعالیٰ **لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ** (الانفال:۴۲) اسی طرح پر جملہ **یهلک الله فی زمانه المسیح الدجّال** معنیٰ مذکور مراد ہے **انتهیٰ مختصراً**۔

اقول: یہ جملہ بھی مطابق احادیث صریحہ فی القتال کے دال ہے اہلاک فی الحرب پر۔ اور نصوص قطعیہ واحادیث صحیحہ سے جن کو بزعم خود امروہی صاحب نے منافی ٹھہرایا ہے، جواب پہلے گذر چکا ہے۔ اور اس جملہ اور ایسا ہی جملہ **ویهلک الله** الخ کو قیاس آیۃ مذکورہ **لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ** الآیۃ کرنا کس قدر جہالت ہے۔ ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ بروقت ارادہ ابطال بالبرہان کے تصریح بلفظ برہان یا حجت یا بیّنہ ضروری ہے۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں **عن بیّنة** موجود ہے لہٰذا **وکم اهلکنا من قریة** و ایضا **وحرام علی قریة اهلکناها**

ونظائرہا میں اہلاک والا بطال بالبیّنہ مراد نہیں۔ الحمد سے والناس تک سارا قرآن مجید ملاحظہ ہو۔

قوله: صفحہ۹۶۔ **فيمكث اربعين** کے معنی بھی صاف ہیں کیونکہ قادیانی صاحب نے بھی تجدید کا دعویٰ چالیس سال کے بعد کیا ہے اور مکث تجدید بھی چالیس سال تک ہوگا مطابق اس الہام کے جس سے اَسّی سال کی عمر معلوم ہے۔ **انتهٰى ملخصاً۔**

اقول: **فيمكث اربعين** سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں مسیح موعود کا مکث چالیس برس ہوگا۔ اور بعض روایات میں سات سال کا ذکر ہے اور بعض میں پینتالیس سال۔ محدثین علیہم الرضوان نے جن میں سے اہل کشف بھی ہیں ان سب روایات میں تطبیق بیان کی ہے کہ تینتیس سال قبل از رفع اور سات بعد النزول اور پانچ والی کسر ساقط۔ اب قادیانی صاحب ہیں جن کی الہامی عمر ۸۰ سال ہوگی۔ روایات مذکورہ میں سے ایک بھی نہیں ہوسکتی۔

قوله: صفحہ۹۶۔ **ويصلى عليه المسلمون** نماز جنازہ تو ہر ایک مسلمان کے اوپر پڑھی ہی جاتی ہے۔ اس بیان کے لئے کوئی غرض خاص چاہیے سو معلوم ہوا کہ مراد اس جملہ سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ ہے کہ جو لوگ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھیں گے وہ مسلمان نہیں رہیں گے۔ غرض کہ اس حدیث کے تمام جملے مسیح موعود موجود پر بخوبی صادق ہیں **انتهٰى مختصراً۔**

اقول: **ويصلى عليه المسلمون** کا مطلب تو یہ ہے کہ مسیح چونکہ بعد النزول حاکم بشرع محمدی ﷺ ہوگا۔ لہٰذا اس کا جنازہ بھی مطابق اسی شریعت کے مسلمان پڑھیں گے۔ اور نیز چونکہ اس نے بعد النزول دین نصرانیت وغیرہا کو باطل اور ہلاک کر دیا ہوگا۔ لہٰذا اس پر نماز پڑھنے والے سارے ہی مسلمان ہوں گے اور کوئی غیر مسلم باقی نہ ہوگا تاکہ اس کی طرف **يصلى عليه** کی نقیض **لايصلى عليه** منسوب کی جاوے۔ گویا بموجب قاعدہ مقررہ **ترتب الحكم على المشتق يدل على عليّة الماخذ** کے جب نماز جنازہ پڑھنے کی علت اسلام ٹھہرا تو عدم اسلام سبب ہوا جنازہ نہ پڑھنے کے لئے۔ مگر چونکہ عدم

اسلام کا محل یعنی غیر مسلم باقی ہی نہ رہا تو **لایصلی علیه** کی نسبت کسی کی طرف متصور نہ ہوگی۔ اور نیز تصریح **ویصلی علیه المسلمون** کے ساتھ دفع ہے اس وہم کا جو ناشی ہے دلیل استصحاب سے۔ یعنی یہ خیال نہ کیا جاوے کہ مسیح کا جسم بعد الوفات بھی بغیر از نماز و تدفین آسمان کو اٹھایا جاویگا جیسا کہ عندالرفع حالت حیات میں اٹھایا گیا تھا بلکہ اس وقت بوجہ تحقق وفات کے باقی موتی کی طرح تجہیز و تدفین کی جاویگی۔ بعد اس کے بہ نسبت مفہوم مخالف امروہی صاحب کے گذارش ہے کہ بیشک یہ مفہوم مخالف ہے سیاق اس حدیث و نظائرہ سے۔ معہذا اس میں خود غرضی بھی ہے کیونکہ قبل از مرگ واویلا کی طرح گویا ابھی سے قادیانی صاحب پر نماز جنازہ کا اہتمام ہو رہا ہے۔ یعنی حدیث سے ثابت ہے کہ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھنے والا اسلام سے خارج ہوگا۔ مگر یاد رہے کہ یہ اہتمام بالکل عبث و فضول ہے۔ **فتفکر۔**

قوله: صفحہ ۹۷۔ **والحمدللّٰه** کہ یہ پیشین گوئی مخبر صادق کی اس مسیح موعود اور مہدی موعود پر پوری طرح صادق ہے۔ **فالحمدللّٰه۔**

اقول: حدیث شریف کی تحریف پر **الحمدللّٰه** پڑھنا کیسا بے ربط ہے۔ بجائے اس کے **استغفر اللّٰه واتوب الیه** پڑھنا چاہیے تھا۔ معلوم ہو کہ بعد تعیین اس امر کے کہ مراد احادیث میں وہی مسیح ابن مریم ہے نہ مثیل اس کا۔ ہم کو کوئی ضرورت ایسے فضول تحریفات کے جواب دینے کی نہیں۔ مگر تاہم ناظرین کے افادہ و اطمینان کے لئے ہر ایک تحریف کا جواب لکھا جاتا ہے۔

قوله: صفحہ ۹۷ اور ۹۸ کا حاصل۔ مسلم کی حدیث پر جس میں امامت عیسیٰ کا ذکر بھی ہے، تین اعتراض کیے ہیں۔ ۱......اول یہ حدیث معارض ہے ان احادیث صحیحہ کے جن میں مسیح موعود کا انکار از امامت مذکور ہے۔ ۲......دوسرا ثابت ہو چکا ہے کہ مسیح موعود کے وقت جہاد موقوف ہو جاویگا اور اس حدیث میں جہاد کا ذکر ہے۔ ۳......تیسرا اس حدیث میں لفظ **تنزل**

الروم بالا عماق اوبدابق موجود ہے۔ چنانچہ مسیح ابن مریم کی نسبت **فینزل عیسٰی ابن مریم** وارد ہوا ہے۔ پس چاہیے۔ کہ عیسٰی ابن مریم کا نزول بھی ایسا ہی ہو جیسا کہ روم کا نزول اعماق یا دابق میں۔

اقول: **پہلے اعتراض کا جواب:** یہ تعارض ہمارے مدعٰی کو جو نزول مسیح کا ہے **(بعینہ لابمثیلہ)** مضر نہیں۔ حضرت عیسٰی بعد النزول امامت سے انکار کریں یا نہ۔ بہر حال نزول تو مشترک الثبوت ہے بین الحدیثین۔ حافظ ابن کثیر یا علامہ سیوطی کا لانا ان احادیث کو اپنی تفاسیر میں بھی اثبات رفع و نزول جسمی کے لئے ہے۔ اور ایسا ہی شمس الہدایت میں نقل کرنا ان کا بھی اسی غرض سے ہوا۔ غایت مافی الباب امامت مسیح کے مسئلہ میں تعارض کا وجود اگر موثر ہوا تو ہمارے اور مفسرین کے مدعٰی کی طرف متجاوز نہیں ہوسکتا اور نہ حدیث کی صحت کو مضر ہوسکتا ہے۔ مسلم کا لانا اس حدیث کو اپنی صحیح میں جس کی صحت پر کل محدثین کا اتفاق ہے، کافی ثبوت ہے اس کی صحت کے لئے۔ اور مسیح ابن مریم کی امامت بروقت نزول نہ سہی دوسری اوقات میں چونکہ ثابت ہے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی میں اس امر کی تصحیح کی گئی ہے کہ عیسٰی لوگوں کی امامت کریں گے اور مہدی ان کا اقتداء کریں گے کیونکہ وہ افضل ہے لہٰذا اسی کی امامت اولٰی ہے۔ **انتھٰی**۔ اور محدثین نے تطبیق کی یہی وجہ بیان کی ہے کہ نزول عیسٰی کے وقت امامت مہدی کرینگے اور بعد اس کے عیسٰی ابن مریم۔ چنانچہ امامت کا قاعدہ ہے تو اس حدیث میں **فیؤمھم** بہ نسبت اصل امامت مسیح کے درست ہوا اور مہدی کی امامت چونکہ بحسب وجہ مذکور ایک ہی مرتبہ واقع ہوگی لہٰذا اس کو بہ نسبت امامت عیسٰی کے **کان لم یکن** تصور کر کر **فیؤمھم** فاء تعقیب بلاتراخی کے ساتھ بولا گیا۔ اور نیز روایات بالمعنی میں ایسے تساہلات معیوب نہیں سمجھے جاتے اور نیز تساہل یا خطا اپنے محل ہی میں موثر ہوسکتا ہے۔ اس مقام پر اگر **فیؤمھم** اور **یؤمھم المھدی** بباعث تشکیک راوی کے وارد ہوتا تو یہ

تشکیک نہ تو باقی مضمون حدیث کو مشکک کرسکتی اور نہ اسکی صحت کو مضر ہوتی۔ چنانچہ اسی حدیث میں بالا عماق اور بدابق بہ تشکیک راوی وارد ہوا ہے۔ ایسا ہی صحیحین کی بہتیری احادیث راوی کے شکوک سے خالی نہیں۔ معہذا انکی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب: پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد بھی ہوگا اور وضع جہاد بھی مگر اوقات مختلفہ میں۔ فلا تعارض فتدکر۔

تیسرے اعتراض کا جواب: مسیح ابن مریم کا نزول بعد الرفع الی السماء ہوگا بخلاف نزول روم کے لہٰذا مسیح کا نزول روم کے۔ نزول کی طرح نہ ہونا چاہیے اور نیز مسیح اور روم کے نزولوں کا یکرنگ ہونا مخالف ہے آپ کے مذہب خانہ زاد کے لئے۔ کیا اب اپنے مذہب کو بھی بھولے جاتے ہیں؟ آپ کے نزدیک تو مسیح کا نزول تو بروزی ہے کیا روم کا نزول بھی بروزی ہوگا یا دونوں کا غیر بروزی۔ شق اول فی الواقع باطل ہے۔ اور دوسری مع بطلان فی نفسہ کے کمامر، آپ کے نزدیک برخلاف بھی ہے اور یک رنگی کا اثر صرف بہ نسبت نزول من السماء کے لینا نہ بہ نسبت بروز کے، ترجیح بلا مرجح ہے۔

قولہ: صفحہ ۹۸ کا حاصل۔ **لقیت لیلۃ اسری بی ابراھیم** الخ والی حدیث میں جو جملہ معی قضیبان کا ہے اس کا صدق قادیانی صاحب پر نہایت صاف ہے۔ کیونکہ آپ کو ایک روحانی تلوار دی گئی ہے اور دوسری قلم کی۔ اور جملہ **فادعو اللہ علیھم فیھلکم ویمیتھم** کا صاف دلالت کرتا ہے اس پر کہ مسیح موعود کا جنگ سنانی نہ ہوگا۔ **انتھٰی محتصراً۔**

اقول: معی قضیبان تک قادیانی صاحب تب پہنچ سکتے ہیں جب آپ نزول بروزی کی ذاتی صحت اور پھر آنحضرت ﷺ کا اس کو مراد لینا ثابت کریں۔ ودونہ خرط القتاد۔ اور جملہ **فادعو اللہ** کا منافی جنگ سنانی کو نہیں۔ چنانچہ احادیث میں دونوں کی تصریح موجود ہے۔ یہ بد دعا بھی ایک آلہ ہلاکت کا ہوگا، جیسے دوسرے ظاہری آلات۔ تشریح اسکی پہلی گذر چکی ہے۔

قولہ: صفحہ ۹۹ اور ۱۰۰ کا حاصل۔ **اتینا عثمان بن العاص** والی حدیث پر امروہی صاحب کے چند اعتراض۔ ۱......اول! اس حدیث میں خروج دجّال کا **ملتقی البحرین** میں لکھا ہے اور دوسری حدیثوں میں **خلّہ مابین الشام والعراق** سے ہوگا۔ ۲......دوسرا اس حدیث اور دوسری حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دجّال یہود میں سے ہوگا اور دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ سے ہوگا کیونکہ مسیح کے فرائض منصبی سے ہے **یکسر الصلیب**۔ جس سے بطور مفہوم مخالف کے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کے وقت میں غلبہ نصاریٰ کا ہوگا۔ ۳......تیسرا اس حدیث میں **فاذا راہ الدجّال ذاب کما یذوب الرصاص** موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود کسی آلہ حرب سے دجّال کو ہلاک نہ کریگا۔

اقول: بجواب پہلے سوال کے معروض ہے۔ کہ **ملتقی البحرین** اور **خلّہ مابین الشام والعراق** میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ شام اور عراق عجم کے مابین دجلہ اور فرات باہم ملتے ہیں تو **ملتقی البحرین ہی مابین الشام والعراق** ہوا۔ دیکھو جغرافیہ۔

دوسرے سوال کا جواب: دجّال بیشک یہود میں سے ہی ہوگا۔ چنانچہ حدیث صحیحہ میں وارد ہے۔ اور آپ کے دلائل واستنباط نہ صرف بوجہ مخالفت احادیث صحیحہ کے بلکہ اصول علمیہ کے مطابق بھی مضحکہ طفلاں ہیں۔ بھلا صاحب فرمایئے! جب **یکسر الصلیب** کا جملہ مفہوم مخالف کے طور پر دجّال کے نصاریٰ میں سے ہونے پر دال ہے تو پھر جملہ **ویھلک اللّٰہ فی زمانہ الملل کلھا الا الاسلام** مفہوم مخالف کے طور پر دجّال کے یہود و نصاریٰ و ہنود وغیرہ وغیرہ میں سے ہونے پر کیوں نہیں دلالت کرتا؟ بحسب اجتہاد عالی چاہیے کہ دجّال جتنے گروہ دنیا میں بغیر اہلِ اسلام کے ہیں، سب میں سے ہو۔ حالانکہ حدیث صحیحہ سے اس کی شخصیت ثابت ہے اور واحد بالشخص کا مختلف گروہوں سے ہونا ممکن نہیں۔

تیسرے اعتراض کا جواب: **فاذ راہ ذا ب کما یذوب الرصاص** میں ذاب

بمعنی قرب الی الذوبان کے ہے۔ یعنی دجّال مسیح ابن مریم کو دیکھتے ہی قریب پگھلنے کے ہوجاویگا۔ اس پر قرینہ اسکا مابعد ہے **فیضع[1] حربته بین ثندوتیه فیقتله** جو اسی حدیث میں موجود ہے کیونکہ پگھلنے کے بعد وضع حربہ نہیں ہوسکتا۔

قوله: صفحہ ۱۰۰ سے ۱۰۳ تک کا حاصل۔ صرف دو ہی باتیں ہیں۔ ایک فتن دجالیہ دین اسلام میں اسوقت بکثرت وارد ہورہی ہیں جن کے ورود کا مقتضٰی طبعی یہ ہے کہ مسیح موعود کا زمانہ بھی یہی ہو۔ دوسرا قولہ **فانا حجیج کل مسلم وان یخرج من بعدی فکل حجیج نفسه** اس جملہ سے صاف ثابت ہوا کہ دجّال سے جنگ حجّت و برہان ہوگا نہ تیغ و سنان سے۔ قرآن مجید میں **حاج ابراهیم** اور **حاجه قومه** اور **اتحاجونی فی اللّٰه حاججتم** اور **فلم تحاجون** موجود ہیں جن میں مناظرت علمیہ کا بیان ہے تیغ و سنان کا نہیں۔ **انتھٰی۔**

اقول: پہلے مضمون کی تردید۔ ہاں صاحب ہم بھی مانتے ہیں کہ فتن دجالیہ کا شروع دین اسلام میں ہوگیا ہے۔ اس سے بڑھکر کیا ہوگا۔ قرآن کریم اور سنت صحیحہ کی تحریف ہورہی ہے جس کا طبعی مقتضٰی یہ ہے کہ سچا مسیح نازل ہوکر دجّال شخصی کو جو عنقریب آنے والا ہے بمعہ چیلوں چانٹوں اس کے جو ابھی سے تحریف میں شروع ہورہے ہیں قتل کرے۔

دوسرے اعتراض کا جواب: پہلے گذر چکا ہے۔

قوله: صفحہ ۱۰۳ اور ۱۰۴ کا حاصل۔ ابی امامہ باہلی والی حدیث کے اس ٹکڑے مسطورہ ذیل پر حملہ کہ **وانه یخرج من خلة بین الشام والعراق** کہ یہ جملہ معارض ہے۔ دوسری حدیثوں کے کیونکہ شام وعراق، حجاز سے شمال کی طرف واقع ہے ودیکھو نقشہ جات اور جغرافیہ۔ اور دوسری حدیث صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے دجّال کا خروج مشرق کی طرف سے ہے۔ کمافی المسلم **واوما الی المشرق** رواہ مسلم دوسرا اعتراض اس پر کہ **انه اعور**

[1] اپنا خنجر دجّال کے دو پستانوں کے درمیان رکھیں گے۔ ثندوہ، پستان مرد (منجد)۔

وان ربکم لیس باعور کو اگر ظاہر پر رکھا جاوے تو چاہیے کہ جو شخص اعور نہ ہو وہ رب ہو سکے۔ ہاں تاویلی معنی درست ہوسکتا ہے یعنی دنیوی امور کی بصارت والی آنکھ اس کی درست ہوگی اور دینی امور کی آنکھ اسکی معدوم۔ تیسرا اعتراض اس پر **وانہ مکتوب بین عینہ کافر یقرءہ کل مؤمن کاتب وغیر کاتب** یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ کاتب وغیر کاتب دونوں کو اس کا علم برابر ہو جاوے۔ یہ تو نص قرآن مجید کے برخلاف ہے قال اللہ تعالیٰ **هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** (زمر:۹)۔

اقول: پہلے اعتراض کا جواب: ہم نے نقشہ جات وجغرافیہ کو دیکھا ہے مگر عراق کا حجاز سے شمال کی طرف واقع ہونا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں بالکل جھوٹ اور لغو ہے۔ ہاں شام بیشک حجاز سے شمال کی طرف واقعہ ہے اور عراق عجم حجاز سے بالخصوص مدینہ طیبہ سے علی صاحبہا الصلوۃ والسلام مشرق کی جانب واقع ہے۔ قریباً ہزار میل راستے کے فاصلے پر اور بین الشام والعراق سے بھی مراد وسط حقیقی نہیں بلکہ عرفی اور ملتقی البحرین یعنی دجلہ وفرات جس کو خلہ بین الشام والعراق سے بھی تعبیر کی گئی ہے بہ نسبت شام کے قریب بعراق ہے۔ لہٰذا دجّال کا مخرج خلہ بین الشام والعراق بھی اور ملتقی البحرین بھی اور شرق بھی ہوا۔ ہاں ترمذی کی حدیث بظاہر حدیث مذکور کے معارض معلوم ہوتی ہے۔ جس میں دجال کا خروج خراسان سے مذکور ہے، مگر فی الواقع کوئی تعارض نہیں۔ چونکہ دجّال کا گذران سب مقامات سے ہوگا لہٰذا کشف نبوی ﷺ کا پتہ دینا ہر ایک مقام سے بحسب اوقات مختلفہ صحیح اور بجا ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب: ایسا غوجی پڑھے ہوئے طالب علم سے مل سکتا ہے۔ **الدجّال اعور (صغریٰ) اللّٰہ لیس باعور (کبریٰ) فالدجال لیس باللّٰہ اللّٰہ لیس باعور** پر یہ اعتراض کہ چاہیے کہ جو شخص اعور نہ ہو وہ اللہ ہو سکے کس قدر جہالت ہے۔ کیا ایک اعوریت کو ہی آپ نے منافی بالوہیت خیال کیا ہے بغیر اس کے اور کوئی وصف

ممکنات کے اوصاف میں سے منافی بالوہیت نہیں۔ کھانا پینا باپ بیٹا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب منافی بالوہیت ہیں۔ تو پھر جو شخص اعور نہ ہوا تو کیا باوجود کھانے پینے یا باپ ہونے یا بیٹا ہونے کے رب ہو سکتا ہے؟ امروہی صاحب حدیث اور قرآن کی تحریف کا ثمرہ یہی ہوتا ہے کہ خبطیوں اور پاگلوں کی طرح انسان مضحکہ عقلاء ہو جاتا ہے۔ آپ نے ناحق اس کوچۂ مناظرہ میں قدم رکھا۔ پھر آپ سے دریافت کیا جاتا ہے۔ کہ آپ کے تاویلی معنی پر یہ آپ کا لاحل شبہ وارد نہیں ہوتا کہ جس کی حق بین آنکھ اندھی نہ ہو تو چاہیے کہ وہ شخص رب ہو سکتا ہے۔

آپ نے اتنا بھی خیال نہ فرمایا کہ یہ منطق ہمارا تو ہمارے معنی پر بھی جاری ہو سکتا ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب: ہاں صاحب یہ ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مومن کو شیطان و دجال وغیرہما من اتباعہما کے دھوکے سے بچانا چاہتا ہے تو بن لکھے پڑھے و بغیر معلم ظاہری کے اس میں علم وجدانی پیدا فرما دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بھی بالاولی اہل علم میں سے شمار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نیاز مند علماء و فقراء نے بلوغت سے اول جس وقت احادیث دجال کے نام تک بھی نہیں سنا تھا دجال کو خواب میں شرقی جانب سے آتا ہوا دیکھا۔ دائیں آنکھ اسکی پھوٹی ہوئی میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھ کو کہا کہ کہو کہ خدا ایک نہیں۔ میں سخت غضبناک ہو کر کہتا تھا کہ مردود شیطان خدا ایک ہی ہے اسکا کوئی شریک نہیں۔ پھر اس نے چند قدم میری طرف بڑھ کر میرے پر تلوار کی وار کی۔ پھر اس کی وار خطا ہو کر تلوار اس کی زمین پر جا پڑی۔ پھر وہ پیچھے کو مینڈھے کی طرح انہی قدموں پر ہٹ کر پہلی جگہ پر کھڑا ہوا۔ پھر وہی کلمہ اس نے کہا اور بجواب اس کے میں نے بھی وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ میرے گلے پر تلوار کی وار کی پھر وہ خطا ہو کر زمین پر جا پڑی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا بلکہ آخری دفعہ تو تلوار کا قبضہ اس کے ہاتھ میں رہا اور تلوار قبضہ سے نکل کر زمین پر جا پڑی۔ ان تین نوبتوں بغیر اس کے کہ میں نے سر کو خم کیا ہو تلوار اس کی میرے سر کے اوپر سے ہی گذرتی رہی۔ اب خیال

فرمائیے کہ اس بچپن کی حالت میں مجھے کس نے جتلایا کہ یہ دجّال ہے؟ اور کس نے مجھ کو ایسی سہمگین حالت میں خائف نہ ہونے دیا اور کس نے میرے منہ سے تین دفعہ توحید کی شہادت دلائی اور کس نے باوجود اس کے کہ اس نے میرے گلے ہی کو نشانہ بنایا تھا، اور میں نے سر کو ذرہ بھی خم نہیں دیا تھا، تلوار کو سر کے اوپر سے گذار کر زمین پر مارا۔

پھر فرمائیے کہ قبر میں ہر ایک مومن کو عربی سوال **من ربک وما دینک** اور **ماتقول فی ھذا الرجل** کے سمجھنے پر قدرت کون دیتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کی صورت پاک کو کون بتاتا ہے جس کو مومن بغیر اس کے کہ پہلے دیکھا ہو پہچان کر کہتا ہے کہ یہ ہمارا پیغمبر ہے۔ پھر فرمائیے کہ ہاتھ پاؤں کو زبان کی طرح کون قیامت کے دن گویا کر کہ شہادت لے گا۔ یہ وہی لطیف ورحیم تو ہے جس کے خاص شان **الیس اللہ بکاف عبدہ** کی ہے۔ جب اسکی عنایت شامل حال ہو تو غیر کاتب بھی کاتب کے مساوی فی العلم ہوتا ہے اور وہ دونوں **یعلمون** میں داخل رہے۔ **لایعلمون** میں وہی رہا جو موہوبی اور کسبی تعلیم دونوں سے خالی ہو۔

قولہ: پھر اس کے بعد اسی صفحہ ۱۰۴ پر امروہی صاحب نے اس حدیث کا معنی کیا ہے کہ دجّال مجرموں کی طرح پیشانی سے پہچانا جائیگا یہ نہیں کہ لفظ کافر یا ک ف ر اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا۔

اقول: یہ معنی بالکل برخلاف ہے الفاظ مصرحہ ذیل سے **مکتوب یقرء کاتب وغیر کاتب۔ یعرف المجرمون بسیماھم** نظائرہ کجا اور حدیث مذکور کجا۔

قولہ: صفحہ ۱۰۵ کا حاصل۔ دجّال کے ساتھ جنت اور نار کا ہونا نصوص قرآنیہ کے معارض ہے اور نیز برخلاف ہے تصریح شمس الہدایت کے کہ اس میں دجّال کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور نہر کا ہونا محض خیالی لکھا ہوا ہے نہ واقعی۔ اور نیز مراد دجّال سے شیطان ہے کیونکہ ابو سعید خدری بہ نسبت اس شخص کے کہ جس کو دجّال قتل کر کہ پھر زندہ کریگا فرماتے ہیں۔ کہ

رجل بغیر عمر رضی اللہ عنہ کے اور کسی کو ہم نہیں جانتے پس اگر دجّال سے مراد وہی شخص معین معہود ہے تو پھر وہ رجل مقتول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اقول: جنت اور نار بھی خیالی ہوگا روئیوں کے پہاڑ کی طرح فلا تعارض۔ دیکھو ملا علی قاری وغیرہ، شروح حدیث اور نصوص قرآنیہ کے تعارض سے جواب پہلے گذر چکا ہے۔ اور ابو سعید خدری اپنے خیال اور رائے کو ظاہر فرما رہے ہیں جس میں یہ بھی فرما دیا کہ ہمارا خیال ٹھیک نہ نکلا۔ دیکھو عبارت مسطورہ ذیل **قال قال ابو سعید و اللّٰہ ماکنا نری ذٰلک الرجل الا عمر بن الخطاب حتی مضٰی بسبیله انتھٰی**۔ اس عبارت میں فقرہ نریٰ اور **حتی مضٰی بسبیله** محل استشہاد ہے۔

قوله: صفحہ ۱۰۶ کا حاصل۔ **ان من فتنته ان یامر السماء ان تمطر الخ** یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو رہی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں بلکہ بعض جگہ ہندوستان میں بھی بذریعہ ایک خاص سامان کے پانی برسایا گیا۔

اقول: **ان من فتنته** میں ضمیر مجرور متصل کا مرجع چونکہ دجّال شخصی معہود ہے لہٰذا اس پیشین گوئی کا پورا ہونا یا خیال کرنا از قبیل قبل از مرگ واویلا کے ہے۔ اور نیز اس حدیث میں فقرہ **ان یا مر السماء** منافی ہے تاویل مذکور کے لئے۔

قوله: صفحہ ۱۰۷ کا حاصل۔ **انه لایبقٰی شئ من الارض الاوطئه وظهرعلیه الامکة ومدینة** یہ پیشین گوئی بھی واقع ہو گئی ہے۔ مخالف بتلاوے کہ کونسا ملک اور قطعہ کلاں زمین کا ایسا ہے جس میں یہ دجّال نہیں پھر گیا۔

اقول: اس حدیث میں بھی **وطئه** اور **ظهر** کا فاعل چونکہ دجّال شخصی ہے لہٰذا یہ پیشین گوئی بھی واقع نہیں ہوئی۔ اگر کوئی شخص صرف زمین پر پھر جانے سے دجّال سمجھا جاوے تو پھر پادریوں کی کیا تخصیص ہے۔ اور نیز زمین پر چالیس دن کے اندر پھر جانا دجّال کے لئے خاصہ قرار دیا گیا ہے نہ مطلق۔

قوله: صفحہ ۱۰۸ کا حاصل۔ ۱...... **وامامهم رجل صالح قد تقدم یصلی بهم الصبح** اس جملہ میں امام مہدی کا کہیں پتہ ونشان نہیں۔ ۲...... دوسرا **فیدرکه عند باب لد الشرقی فیقتله الی قوله فیهزم الله الیهود**۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال یہود سے ہوگا۔ مگر آیت **ضربت علیهم الذلة والمسکنة** الآیۃ کی یہود کو یہ شوکت نصیب نہیں ہونے دیتی۔ پھر ۳...... اسی صفحہ میں منہیہ لکھا ہے کہ ساری احادیث ابن کثیر کی ہمارے حق میں مفید ٹھہریں اور مخالفین کے حق میں مضر۔

اقول: ۱...... کیوں صاحب **رجلٌ صالحٌ** تعبیر مہدی سے کیوں نہیں ہوسکتی۔ کیا مہدی موعود مرد صالح نہ ہوگا۔ ہاں تصریح بمہدی اس حدیث میں نہیں۔ سو روایات بالمعنی میں خاص لفظ کا ترک کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ دیکھو شمس بازغہ کے اسی صفحہ کی پہلی سطر کو جس میں آپ نے احادیث متعلقہ پیشین گوئی کو از قبیل روایات بالمعنی کے ٹھہرا کر محل توسیع بیان فرمایا ہے۔

۲...... **دوسری اشکال کا جواب:** تھوڑے دنوں میں دجال کا ہلاک کیا جانا خصوصاً ایسے تعلّی اور نخوت کے بعد صاف وقوع وظہور ہے آیت **وضربت علیهم الذلة والمسکنة** کے لئے۔ مفصل جواب گذر چکا ہے۔

۳...... **تیسری لاف کا جواب:** ساری احادیث ابن کثیر میں چونکہ مسیح ابن مریم بعینہ کا ذکر ہے نہ اس کے مثیل کا۔ لہٰذا ان احادیث کا مفید ہونا آپ کے لئے محض خیالی پلاؤ ہے قابل تسلیم نہیں بلکہ معاملہ بالعکس ہے۔

قوله: صفحہ ۱۰۹ کا حاصل۔ ۱...... **ان ایامه اربعون السنة کنصف السنة** الخ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے وقت سنین اور شہور اور ایام نہایت جلد گذریں گے اور مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ایام نہایت طویل ہونگے۔ دیکھو **اربعون یوماً یوم کسنة ویوم کشهر** الخ **فما التطبیق**۔ ۲...... دوسرا مسلم کی حدیث مذکور میں دجال کا

ایک دن جو برس دن کے برابر ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے برس دن کی نماز پڑھنے کیلئے ارشاد فرمایا اور اس حدیث میں بیان فرمایا کہ جس طرح پر ان ایام طویل میں پانچ نمازیں پڑھتے ہو اسی طرح پر ان ایام قصار میں پانچ وقت کا اندازہ کرلیجو **فاین ھذا من ذٰلک**۔

اقول: ا...... اس حدیث میں فقرہ **السنة کنصف السنة** الخ معارض نہیں ہوسکتا مسلم والی حدیث کے اس فقرہ کو کہ **یوم کسنة** الخ۔ چنانچہ بغوی نے **شرح السنة** میں لکھا ہے **ولایصلح ان یکون معارضاً لروایة مسلم ھذه**۔ یعنی مسلم والی حدیث کا فقرہ صحیح مانا گیا اور یہ غیر صحیح لیکن اس فقرہ کی عدم صحت نہ تو مفسرین کو مضر ہے اور نہ ہمارے مدعٰی کو کیونکہ احادیث نزول میں محل استشہاد ہمارا نزول مسیح بن مریم کا ہے بعینہ بغیر اس کے کسی مثیل کے۔ سو یہ سب احادیث سے ثابت ہے۔ مفسرین نے اور ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ بالضرور دجال کے ایام میں سے **السنة کنصف السنة** الخ ہوگا۔

۲...... دوسرے اعتراض کی نسبت معروض ہے کہ نماز کے بارے میں دونوں حدیثوں میں آنحضرت ﷺ نے اندازہ کرلینے کا ارشاد فرمایا ہے۔ مسلم والی حدیث میں فرمایا کہ **اقدروا له قدره**۔ اور اس حدیث میں ارشاد ہوا کہ **تقدرون الصلوٰة کما تقدرون فی ھذه الایام الطوال**۔ اور معلوم ہو کہ اس حدیث میں ایام طوال سے مراد وہ ایام طوال نہیں جو مسلم والی حدیث میں مذکور ہیں کیونکہ وہ تو مخالف ہے اس روایت کے جن کا اجتماع ہو ہی نہیں سکتا تاکہ یہ ایام طوال اور وہ ایام طول ایک ہی ہوں بلکہ اس حدیث میں **ھذه الایام الطوال** سے مراد اسی زمانہ کے ایام ہیں جو طوال ہیں بہ نسبت ان ایام قصار کے جو اس حدیث دجال میں مذکور ہیں۔

قوله: صفحہ ۱۱۰ کا حاصل۔ حکماً عدلاً قادیانی صاحب پر صادق ہے۔ جس نے متعدد مسائل سے اختلاف کو جو عرصہ دراز سے چلا آیا تھا اٹھا دیا یعنی ایسا فیصلہ کردیا کہ مخالف کو دم مارنے کی جگہ باقی نہ رہی۔

اقول: اگر احادیث نزول کو مخالف عقل و نقل ٹھہرانے کی وجہ سے حکماٴ عدلاً کا مصداق ہیں تو پھر قادیانی صاحب سے زیادہ معتزلہ اور جہمیہ حکماٴ عدلاً ہونیکا استحقاق رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ مسلک انہیں کا ہے۔ ہاں قادیانی نے مسیح موعود بننے میں ان پر پیش قدمی کی ہے۔ دیکھو صحیح مسلم کی جلد اخیر صفحہ ۴۰۳ کے حاشیہ میں نووی لکھتا ہے۔ قال القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ **نزول عیسٰی علیہ السلام وقتله الدجّال حق و صحيح عند اهل السنة للاحاديث الصحيحة فی ذٰلک و ليس فی العقل ولا فی الشرع مايبطله فوجب اثباته وانكر ذٰلک بعض المعتزلة والجهمية ومن وافقهم وزعموا ان هذه الاحاديث مردودة لقوله تعالٰی و خاتم النبيين و بقوله ﷺ لانبی بعدی وباجماع المسلمين انه لانبی بعد نبينا ﷺ و ان شريعته موبدة الٰی يوم القيٰمة لا تنسخ وهذا لاستدلال فاسد لانه ليس المراد بنزول علیہ السلام انه ينزل نبيا بشرع ينسخ شرعنا ولا فی هذه الاحاديث ولا فی غيرها شئی من هذا بل صحت هذه الاحاديث هنا وما سبق فی كتاب الايمان و غيرها انه ينزل حكما مقسطا يحكم بشرعنا ويحی من امور شرعنا ما هجره الناس۔انتهٰی۔**

قوله: پھر اسی صفحہ میں **يضع الجزيه** کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کے زمانہ میں لڑائی بالحجت والبرہان ہونے کی وجہ سے جزیہ موقوف ہوگا۔

اقول: اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔

قوله: صفحہ ۱۱۱ کا حاصل۔ **ويترک الصدقة** کنایہ ہے کثرت اموال سے اور **ترتفع الشحنا** کا وقوع بھی ابھی سے ہو رہا ہے۔

اقول: یہ سب قبل از مرگ واویلا کا مصداق ہے۔ **کمامر**۔

قوله: صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴ کا حاصل۔ **و ان قبل خروج الدجّال ثلٰث سنوات** والی

حدیث پر اعتراض کہ یہ معارض ہے دوسری حدیث کو جس میں تینوں قحطوں کا ہونا خروج دجّال کے زمانہ میں لکھا ہے **فقال ان بین یدیہ ثلث سنین** الخ۔ دوسرا یہ پیشین گوئی تین قحطوں والی بھی واقع ہو چکی ہے۔

اقول: خروج دجّال کے پہلے بھی قحط ہوگا اور اس کے زمانہ میں بھی تھوڑے دن باقی رہے گا بدیں لحاظ قبل خروج الدجال اور بین یدیہ کا کہنا صحیح ہے محاورات عرفیہ میں۔ تقریبی حساب اکثر ملحوظ ہوتا ہے بہ نسبت تحقیقی کے۔

دوسرے اعتراض کا جواب وہی قبل از مرگ واویلا سمجھنا چاہیے۔ اب تضییع اوقات کے لحاظ سے اختصار سے کام لیا جاتا ہے ورنہ کوئی فقرہ ان کا جس میں متفرد ہیں، جہالت سے خالی نہیں۔

قولہ: صفحہ ۱۱۵ اور ۱۱۶ کا حاصل۔ نواس بن سمعان والی حدیث میں جو فواتح سورۂ کہف کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اس سے ثابت ہوا کہ دجّال نصاریٰ سے ہوگا کیونکہ سورۂ کہف کے فواتح میں حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کا ردّ فرمایا گیا ہے۔ قال تعالیٰ **وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًاO مَّا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ** الآیۃ (کہف:۴،۵)

اقول: فواتح سورۂ کہف کے پڑھنے کا حکم فرمانے سے ثابت ہوا کہ دجّال نصاریٰ سے نہیں کیونکہ سورۂ کہف کے فواتح میں اصحاب کہف کا محفوظ رہنا کفار سے مذکور ہے جن کا بادشاہ جبراً اقرار بالشرک کراتا تھا۔ چنانچہ دجّال بھی جبراً شرک پھیلائے گا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی فتنۂ دجّال سے بچنے کے لئے فواتح سورۂ کہف پڑھیو تا کہ اصحاب کہف کی طرح اللہ تعالیٰ تم کو اس کے شر سے بچائے۔ اور ظاہر ہے کہ آج تک گورنمنٹ اور اس کے پادریوں نے کسی کو بالجبر عیسائی نہیں بنایا۔ باقی مضامین ان صفحات کی تردید پہلے گزر چکی ہے۔

قولہ: صفحہ ۱۱۷ کا حاصل۔ مسلم کی حدیث میں اس جملہ پر **فیمکث اربعین لا ادری**

اربعین یوماً او اربعین شهرا واربعین عاما۔ اعتراض! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت مکث دجّال کا علم نہیں۔

اقول: آنحضرتﷺ کو جس جس مضمون میں علم تدریجاً فتدریجاً دیا جاتا تھا اس کو آپﷺ بیان فرماتے رہے۔ اور جتنی قدر میں جب تک علم نہ دیا جاوے اس کی لاعلمی بیان فرماتے تھے چنانچہ دجّال کی نسبت پہلے آپ کو پورے طور پر معلوم نہیں ہوا اور پھر معلوم ہونے کے بعد حلیہ تفصیلی طور پر بیان فرمایا ایسا ہی بہ نسبت ایام اس کے بھی سمجھنا چاہیے باقی مضامین اس صفحہ کی تردید تھوڑی توجہ سے ادنیٰ طالبعلم بھی کرسکتا ہے۔ اور پہلے بھی گزر چکی ہے۔

قوله: صفحہ ۱۱۸ کا حاصل۔ **فی قتله عند باب لدّ** کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ ''لُدّ'' جمع ''الد'' بمعنی جھگڑالو۔ مراد اس سے لاٹ پادری ہے جو بمعہ اپنے ماتحت پادریوں کے ہلاک ہو رہا ہے یعنی مسیح موعود (قادیانی) اس کو ہلاک کر رہا ہے۔

اقول: ناظرین خدارا انصاف! حدیث شریف کے ساتھ کس قدر تمسخر ہو رہا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تحریف نہایت بعید ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اگر بالضرور آپ کو خلاف مرضی آنحضرتﷺ کے بکواس کا شوق ہے تو پھر مناسب تر یہ معلوم ہوتا ہے۔ **فی قتله عند باب لد** کا معنی یہ ہو کہ مسیح موعود دجّال کو قتل کرے گا لدھیانہ کے دروازہ کے نزدیک قادیان میں۔ دجل یعنی تحریف وغیرہ تو عرصہ سے واقع ہو رہی ہے۔ اب دیکھیے مسیح موعود کب تشریف لاتے ہیں؟ ایسے واہیات مضامین کا جواب کیا لکھا جاوے۔ جواب تو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسا شخص پیدا ہو۔ ایہا الناظرون! آیت اور حدیث کی تحریف سنی نہیں جاتی ورنہ ہماری اور ان کی کوئی عداوت وغیرہ نہیں۔

قوله: صفحہ ۱۱۹ کا حاصل۔ **طلوع الشمس من مغربها** کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ یہ مخالف ہے **وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ** (یٰسین:۳۸)

کے لئے۔ ہاں تاویلی معنی صحیح ہوسکتا ہے کہ مراد اس سے یہ ہو کہ آفتاب توحید اسلام کا طلوع مغرب سے ہوگا چنانچہ امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں آفتاب توحید کا طلوع ہو چلا ہے۔

اقول: صحیحین میں مذکور ہے۔ کہ **مستقر ھا تحت العرش** سو آفتاب کا چلنا اپنے قرارگاہ کی طرف بہر تقدیر ہوسکتا ہے خواہ مشرق سے آفتاب کا طلوع ہو یا مغرب سے۔ اور تاویلی معنی آپکا بالکل لغو ہے کیونکہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں وارد ہے کہ تین علامات کے ظہور کے بعد کسی نفس کو ایمان لانا یا عمل صالح کرنا نفع نہ دیگا۔ مغرب سے آفتاب کا طلوع الخ۔ اب امروہی صاحب کے نزدیک معنی یہ ہوگا کہ امریکہ اور یورپ میں ظہور اسلام کے بعد کسی نفس کو ایمان لانا نفع نہ کریگا۔ **نعوذ باللہ من ھفوات الجاھلین۔**

قولہ: صفحہ ۱۱۹ سے ۱۲۹ تک۔

اقول: ادنیٰ طالب علم بھی ان صفحات کے مضامین کو رد کرسکتا ہے۔

صفحہ ۱۲۱ میں ریل گاڑی پر دابۃ الارض کا اطلاق ثابت کرنے کے لئے قاموس کی عبارت ذیل کو سند لاتے ہیں۔ **والدابۃ مادب من الحیوان و غلب علی مایرکب۔** جس سے صاحب قاموس کا یہ مطلب ہے کہ غالباً دابۃ کا اطلاق انہیں حیوانات پر ہوتا ہے جن پر سواری کی جاوے۔

قولہ: صفحہ ۱۲۹ اور ۱۳۰ کا حاصل۔ **یدفن عیسیٰ ابن مریم مع رسول اللہ ﷺ وصاحبیہ فیکون قبرہ رابعا۔** جس کو بخاری نے اپنی تاریخ میں اخراج کیا ہے۔ اس پر امروہی صاحب کے چند خدشات۔

۱...... اول! یہ معارض ہے دوسری روایت کے جو عینی میں لکھی ہے۔ **قیل یدفن فی الارض المقدسۃ** پس بحکم اذ اتعارضا تساقطا کے ساقط الاعتبار ہوویں گے۔

۲...... دوسرا! **یدفن معہ وفی قبری** کے کیا معنی ہیں معیت زمانی بھی لزوم کذب کی وجہ سے

مراد نہیں ہوسکتی اور معیت مکانی بھی دور از عقل و نقل ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مزار شریف اکھاڑا جاوے اور حضرت عیسیٰ آپ کی قبر شریف میں دفن کئے جاویں۔ اور اگر لفظ معہ اور قبری سے بتاویل بعید آپ ﷺ کا مقبرہ مراد لیا جاوے تو معارض ہے حدیث ذیل سے **قالت لما قبض رسول اللّٰہ ﷺ اختلفوا فی دفنه فقال ابوبکر سمعت من رسول اللّٰہ ﷺ شیئا قال ما قبض اللّٰہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیه ادفنوہ فی موضع فراشه۔** اخیر کا فقرہ چاہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم موضع فراش اپنے مدفون ہوں اور ظاہر ہے کہ موضع فراش عیسیٰ کا آنحضرت ﷺ کا روضہ مقدسہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تو نہیں تھا۔ لہٰذا یہ حدیث روضہ پاک میں مدفون ہونے مسیح بن مریم سے مانع ہے۔

اقول: **قیل یدفن** والی روایت جس کے ضعیف ہونے پر **قیل** دال ہے بخاری کی روایت کو معارض نہیں ہوسکتی کیونکہ معارضہ میں تساوی شرط ہے۔ اگر امروہی صاحب کی طرح کہا جاوے کہ بخاری کی روایت کو آیت ذیل معارض ہے۔ **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا** (النساء:۶۹)۔ تو جواباً معروض ہے کہ اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ منعم علیہم باہم برزخی رفاقت رکھتے ہیں اسکا ہم کب انکار کرتے ہیں اور ہم کو مضر بھی نہیں۔ ہاں آیت کا مطلب اگر یہ ہوتا کہ منعم علیہم کا ایک دوسرے کے جوار میں مدفون ہونا نہیں ہوسکتا تو البتہ آیت مذکورہ معارض ہوتی بخاری کی حدیث کو۔ **واین ھذا من ذاک۔** اور مراد معی سے آنحضرت ﷺ کا مقبرہ ہے اور ترمذی کی حدیث مذکور بخاری کی روایت کو بوجہ عدم تساوی وضعیف ہونے کے معارض نہیں ہوسکتی۔ **وقال غریب و فی اسنادہ عبد الرحمن بن بکر الملیکی یضعف من قبل حفظه** (ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ)۔ اور بالفرض اگر تساوی دونوں روایتوں کا مانا بھی جاوے تو بھی ترمذی کی حدیث

معارض نہیں ہوسکتی بلکہ موید ہے۔ کیونکہ **ما قبض اللّٰہ نبیا الافی الموضع الذی یحب** اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس کی مرغوب جگہ میں مقبوض فرماتا ہے۔ اور آنحضرتﷺ کو چونکہ موضع فراش محبوب تھا جس میں تنہا ہوکر شاغل بحق ہوتے تھے۔ لہٰذا صدیق اکبرؓ نے فرمایا **اد فنوہ فی موضع فراشہ**۔ اور عیسیٰ ابن مریم کو کیا بلکہ ہر ایک مسلمان کو بغیر فرقہ مرزائیہ کے چونکہ مقبرہ آنحضرتﷺ کا ہی محبوب ہے لہٰذا بحکم اسی حدیث ترمذی کے ان کو آنحضرتﷺ کے مقبرہ طیبہ میں مدفون ہونا چاہیے۔ موید کو معارض سمجھنا آپ ہی کا کمال ہے۔ ہاں اگر بجائے فقرہ مذکور **ماقبض اللّٰہ نبیا الا فی موضع فراشہ** ہوتا تو پھر بظاہر آپ کے خدشہ کی گنجائش تھی اگرچہ بعد الغور یہ فقرہ بھی بخاری کی روایت کے معارض معلوم نہیں ہوتا کیونکہ آنحضرتﷺ نے **ما قبض اللّٰہ** بصیغۂ ماضی فرمایا ہے۔ ارشاد کے وقت مسیح خارج تھا بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ **ماقبض اللّٰہ** کی جگہ اگر **مایقبض اللّٰہ** بھی بصیغۂ استمرار تجددی کما ہو مدلول المضارع ہوتا تو بھی مسیح بروایت بخاری مستثنیٰ ہوسکتا تھا۔

قولہ: ص ۱۳۱ کا حاصل۔ نزول مسیح ابن مریم بروزی طور پر ہوگا مسئلہ بروز کو فتوحات کے باب ۳۶ اور ۳۸ میں ملاحظہ کیا جاوے۔

اقول: فتوحات کے ابواب مذکورہ کا حاصل پہلے لکھا گیا ہے۔ جس میں اصلاً بروز عرفی کا ذکر نہیں اور جو دلائل آیات سے امروہی صاحب نے لکھے تھے۔ ان کا جواب بھی گزر چکا ہے۔

قولہ: صفحہ ۱۳۲ کا حاصل۔ جو تعارضات اس قسم کے ہیں کہ بلحاظ قواعد عربیہ واصول ادبیہ کے ان میں تطبیق نہیں ہوسکتی وہ بحکم اذا تعارضا تساقطا کے ساقط الاعتبار ہیں۔

اقول: کوئی حدیث دوسری حدیث سے معارض مسئلہ نزول مسیح ابن مریم بعینہ لا بمثیلہ میں نہیں۔ چنانچہ مفصل لکھا گیا ہے آپ کے قواعد عربیہ اور اصول ادبیہ مضحکہ طلباء ہو رہے ہیں۔

قولہ: صفحہ ۱۳۲ سے ۱۴۶ تک۔ ان صفحات میں جو کچھ امروہی صاحب نے متعلق آیت

وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ (النساء، ۱۵۹) کے لکھا ہے وہی مضامین مکررہ ہیں جن کی تردید ہو چکی ہے۔

صفحہ ۱۴۶ سے ۱۵۰ تک کا حاصل۔ ا..... تمام قرآن مجید میں **توفاہ اللّٰہ** بمعنی **قبض اللّٰہ روحہ** کے آیا ہے اور تمام احادیث اور تمام صحابہ کرام کے محاورات میں اور تمام لغت کی کتابوں میں ایسا ہی ہے۔ (دیکھو لسان العرب، تاج العروس قاموس، وغیرہ وغیرہ۔)

۲..... قرآن مجید میں سے ایک آیت بھی سوا آیت متنازعہ فیہا کے بطور نظیر ایسی پیش کر دیویں جس میں کسی مفسر نے اس قسم کے محاورہ کے معنی سوا **قبض اللّٰہ روحہ** کے لئے ہوں جس طرح پر کہ ہم تیئیس آیتیں قبض روح کے معنی میں پیش کرتے ہیں یا کسی حدیث یا صحابی کے محاورہ یا کتب لغات معتبرہ عرب میں سے اس قسم کے محاورہ کے معنی سوا قبض روح کے اور کچھ نکال دیویں تو حضرت اقدس مرزا صاحب ایک ہزار روپیہ دینے کو تیار ہیں۔

۳..... ناظرین معلوم ہو کہ جد اربع میں مؤلف صاحب نے معنی مراد ہمارے بخوبی تسلیم کر لئے ہیں۔

۴..... **توفّی** یا بمعنی نیند ہو گی یا بمعنی موت کے اور چونکہ آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے بدلائل یقینیہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس میں رفع روحانی مراد ہے لہٰذا آیت **مُتَوَفِّيْكَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** میں چونکہ نیند کے معنی ہو نہیں سکتے لہٰذا معنی موت کا ہی متعین ہوا۔

۵..... اور پھر اگر تسلیم کیا جاوے کہ آیت متنازعہ فیہا کے معنی پورا قبض کر لینے کے ہیں تو اس معنی سے جسم کا رفع آسمان پر کیونکر لازم آیا کیونکہ یہاں پر پورا قبض کر لینا بہ نسبت نوم کے کہا جا سکتا ہے اس وجہ سے کہ موت میں قبض تام یعنی قبض مع الامساک ہوتا ہے اور نیند میں قبض ناقص یعنی قبض مع الارسال۔

اقول: **الحمدللّٰہ** کہ امروہی صاحب کو بھی بذریعہ شمس الہدایت کے اتنی روشنی تو ملی کہ "**توفّی**" کا معنی موت میں منحصر نہیں رکھا۔ جیسا کہ قبل از ملاحظہ شمس الہدایت اپنی تصانیف

میں بہ تقلید قادیانی **توفّی** کا معنی موت ہی سمجھتے رہے۔ اور نیند پر **توفّی** کا اطلاق مجاز مستعار کے طور پر خیال فرماتے رہے۔ دیکھو ازالہ اوہام جلد اوّل قریب ۴۳ آیات۔ اب اس جگہ امروہی صاحب صفحہ ۱۴۶ سطر ۱۹ پر لکھتے ہیں۔ ''تو معنی اس کے سوا **قبض الله روحه** کے اور کچھ نہیں''۔ جس سے صاف اقرار پایا جاتا ہے کہ نیند بھی موت کی طرح معنی حقیقی ہے **توفّی** کے لئے بعد ظہور تخالف بین المرشد والمرید۔ اب ناظرین کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ امروہی صاحب نے **توفّی** کا معنی صرف قبض روح ہی لیا ہے۔ چنانچہ عبارت مسطورہ ان کی ''**قبض الله روحه**'' اسی پر دال ہے۔ تو موت اور نیند چونکہ فرد ہیں، مطلق قبض روح کے لئے لہٰذا موت اور نیند معنی مجازی ٹھہرے۔ کما ھو المقرر اللفظ الموضوع المطلق اذا استعمل فی فردٍ من افرادہ یکون مجاز۔ اور یہ خلاف ہے ان کے مزعوم سے کیونکہ وہ موت کو **توفّی** کا معنی حقیقی ٹھہراتے ہیں۔ اور پھر نظر ثانی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ روح **توفّی** کے کل تصریفات کے موضوع لہ سے خارج ہے۔ اس پر آیت **اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا** (زمر:۴۲) شاہد کافی ہے کیونکہ انفس کو جو بہ معنی ارواح کے ہے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور قول بالتجرید جیسا کہ امروہی صاحب نے صفحہ ۱۴۸ کے منہیہ میں لکھا ہے۔ مستلزم ہے مصادرہ علی المطلوب کو نیز منافی ہے آیت مسطورہ کے لئے۔ پس معلوم ہوا کہ **توفّی** کا مدلول صرف قبض ہی ہے۔ جس کے لئے اضافت الی الروح یا الی غیر الروح اور بر تقدیر اوّل تقیید بالامساک یا ارسال عارض میں سے ہے بحسب اختلاف المواقع۔ اور چونکہ آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے عیسیٰ ابن مریم کا رفع جسمی ثابت ہوچکا ہے۔ جس کے برخلاف امروہی صاحب نے تیس آیت سے متمسک ہوکر بہتیرے ہاتھ پاؤں سال بھر عنکبوت کی طرح مارے اور بحکم **وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ** (عنکبوت:۴۱) آخر کار اس کے گھر کا تار و پود اکھاڑا گیا لہٰذا قول القائل **توفی الله عیسیٰ** یا قولہ تعالیٰ **انی مُتَوَفِّيْكَ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** میں قبض جسمی لیا جاوے گا۔

۲......اور یہ خیال کرنا کہ تئیس جگہ **توفّی** سے معنی موت لیا گیا ہے لہٰذا اس جگہ بھی معنی موت ہی کا لیا جاویگا، بالکل جہالت و بطالت ہے۔ گویا بمنزلہ اس قول کے ہوا کہ آدم علیہ السلام بھی بدلیل **اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ** (الدھر:۲) وقولہ تعالیٰ **خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ o يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ o** (الطارق:۶،۷) مخلوق من النطفہ ہے اور دوسری آیت جو آدم علیہ السلام کو آیات مسطورہ سے مستثنیٰ ٹھہرا رہی ہیں یعنی **خلقه من ترابٍ** اس کی تاویل مثلاً یہ ہے تراب سے نطفہ مراد لیا جاوے کیونکہ نطفہ خاکی انسان سے خارج ہوتا ہے اور خاک زاد مطعومات کے ہضم رابع کا فضلہ ہے۔ یا قادیانی تاویلات کی طرح کہہ دیا جائے کہ تراب میں لطیف اشارہ ہے، تر آب کی طرف۔ یعنی تر و تازہ پانی وغیرہ بکواسات۔ اور یہ سوال کرنا کہ قرآن مجید میں محل متنازع فیہ کے سوا کس جگہ **توفّی** سے قبض جسمی لیا گیا ہے؟ یہ بمنزلہ اس قول کے ہوا جیسے مثلاً کہا جاوے کہ **خلقه من ترابٍ** کا معنی خاکی الاصل ہونا جب مسلّم ہوسکتا ہے کہ نوع انسانی میں سے کسی شخص کا خاک سے بنایا جانا ثابت کیا جاوے، ورنہ آدم کو بھی بشہادت لکھوکھا امثال کے جو نوع انسانی میں موجود ہیں، مخلوق من النطفہ ٹھہرایا جاوے گا۔ اگر کہا جاوے **خلقه من ترابٍ** میں ذکر تراب کا صریح طور پر واقع ہے، بخلاف **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کے۔ کہ اس میں قید ''جسمی'' مذکور نہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ ثابت بدلیل قطعی کالمذکور ہوتا ہے۔ بڑا تعجب ہے کہ جس سوال کا تحقیق ہم کو حاصل ہے وہی سوال ہم پر وارد کیا جاتا ہے۔ جس امر میں آنحضرت ﷺ سے لے کر صحابہ اور تابعین و تبع تابعین مفسّرین و محدثین کا اتفاق اور اجماع ہے اس میں ہمارے سے احادیث واقوال صحابہ علیہم الرضوان وغیرہم کے محاورات کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا متصور ہوسکتا ہے کہ احادیث نزول وقول عمر رضی اللہ عنہ، بروز وفات شریف **انما رفع کما رفع عیسٰی** جس کے پہلے فقرہ **انما رفع** ہی کی تردید خطبۂ صدیقیہ میں کی گئی اور فقرہ ثانیہ

کما رفع عیسیٰ بوجہ مسلّم اور اجماعی ہونے کے مقولہ عمر میں مشبہ بہ ٹھہرایا گیا اور اجماعی ہونے کی وجہ سے خطبۂ صدیقی کے تردید بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتی ورنہ در صورت مردود ٹھہرانے **کما رفع عیسیٰ** کے ائمہ کے اقوال مسطورہ ذیل جو پہلے بھی بالبسط لکھے گئے ہیں کیسے صحیح ہوسکتے ہیں؟ جن کا حاصل یہ ہے کہ سب امت مرحومہ کا اجماع ہے، نزول مسیح ابن مریم بعینہ لابطریق البروز پر جو مستلزم ہے رفع جسمی کے مجمع علیہ ہونے کو۔ کیونکہ نزول بعینہ کا مجمع علیہ ہونا بغیر اس کے کہ رفع جسمی مسیح کو مجمع علیہ مانا جاوے، ہو ہی نہیں سکتا۔ علامہ سیوطی کتاب اعلام میں لکھتے ہیں **انه یحکم بشرع نبینا ووردت به الاحادیث وانعقد علیه الاجماع**۔ اور شوکانی نے مؤلف مستقل میں اس کو بالوضاحت لکھا ہے۔ اور غیر اس کے نے اپنی تالیفات میں اور طبری نے اس کی تصحیح کی ہے۔ (دیکھو فتح البیان ص۳۴۴ جلد۲)۔ اور نووی صحیح مسلم کی شرح جلد اخیر کے ص۴۰۳ پر لکھا ہے۔ کہ **نزول عیسیٰ** علیہ السلام **وقتله الدجّال حق صحیح عند اهل السنة للاحادیث الصحیحة فی ذٰلک ولیس فی العقل ولا فی الشرع ما یبطله فوجب اثباته** الخ۔ اب عاقل کو بعد لحاظ مضمون بالا اس میں کوئی تردد نہیں رہتا کہ معنی قبض جسمی کا مطابق محاورہ قرآن وسنت واقوال صحابہ و تابعین وآئمہ مجتہدین ومفسّرین ومحدثین وفقہاء کے ہے۔ یہ سوال کرنا تو ہمارا حق ہے کہ آپ محاورۂ قرآن یا حدیث یا اقوال صحابہ وغیرہم سے نزول بروزی کو ثابت کریں یا صرف رفع روحانی کا مراد ہونا کسی حدیث یا تفسیر یا قول صحابی یا تابعی وغیرہم سے دکھلائیں۔ رہی لغت سو اس کا وظیفہ یہ نہیں کہ اس میں متعلقات فعل میں سے مواد استثنائیہ کا ذکر بھی ضروری سمجھا جاوے تاکہ **توفی اللّٰہ عیسیٰ** بمعنی **رفع اللّٰہ جسم عیسیٰ** کا ذکر واجب ہو۔ جب لغت نے منجملہ معانی **توفی** کے معنی رفع کا بھی شمار کردیا تو بعد قیام قرینہ ایک معنی کی تعیین من بین المعانی ہوسکتی ہے۔ احادیث متواترہ اور اجماع سے بڑھ کر کونسا قرینہ ہوگا۔ اجماع کے

برخلاف صرف بعض معتزلہ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ جس میں انکار از احادیث نزول ان کی طرف منسوب ٹھہرا ہے۔ اس قول کو علماء نے بوجہ بناء فاسد علی الفاسد کالمعدوم خیال کر کے مصادم اجماع نہیں قرار دیا۔ کیونکہ نووی کی عبارت سے جو پہلے بالاستیعاب مذکور ہو چکی ہے۔ صاف ظاہر ہے قول بالبروز کو صوفیہ نے بوجہ مخالفت اجماع واحادیث صحیحہ متواترہ کے مردود لکھا ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ الٹا قادیانی صاحب اس قول کو جو صوفیہ کرام کے نزدیک مردود ٹھہرا ہے صوفیہ کرام ہی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں (دیکھو اقتباس الانوار)۔ بعد ثبوت اس امر کے کہ معنی قبض جسمی کا قرآن اور حدیث واقوال صحابہ وغیرہم سے ثابت ہے۔

۴،۳..... اب ہم امروہی صاحب کے اس قول کی طرف جو صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے۔ ''لغات معتبرہ عرب میں سے کسی ایک سے بھی اس قسم کے محاورہ کے معنی سواء قبض روح کے اور کچھ نکال دیویں'' ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔ جواباً معروض ہے اور بالمقابل درخواست ہے کہ آپ ہی **توفی اللہ عیسیٰ** کو جو حکایت ہے عیسیٰ کی **توفی** قبل النزول سے کسی حدیث یا تفسیر یا قول صحابی یا تابعی یا لغات معتبرہ عرب سے نکال دیویں کہ فقرہ مذکور میں **توفی** بمعنی موت کے ہے۔ ہم نے تو **توفی اللہ عیسیٰ** قبل النزول کا معنی حسب تصریح آنحضرت ﷺ واجماع صحابہ وغیرہم کے قبض جسمی کا ثابت کر دیا۔ جس پر لغت بھی شاہد ہے۔ کیونکہ **توفی** بمعنی قبض کے تصریح لغت میں موجود ہے۔ اور خصوصیت قید جسمی کی خصوص مقام سے مستفاد ہے۔ اور اسی معنی کی طرف امام فخر الدین رازی نے صحت کی نسبت کی ہے۔ **انی متوفیک التوفی اخذ الشی وافیا الی قولہ رفع بتمامہ الی السماء بروحہ و بجسدہ**۔ پھر اس کے مابعد لکھا ہے۔ **وھو جنس تحتہ انواع بعضھا بالموت وبعضھا بالاصعاد الی السماء**۔ (تفسیر کبیر)۔ **وقال ابن جریر توفیہ ھو رفعہ** (ابن کثیر)۔ اور لغت میں تصریح کی گئی ہے کہ **توفی** کا اطلاق میت پر بعد تحقق موت مجاز ہوتا ہے نہ

حقیقت۔ چنانچہ تاج العروس میں ہے۔ **ومن المجاز ادرکته الوفات ای الموت والمنیة و توفی فلان اذا مات وتوفاه اللّٰہ** عزوجل **اذا قبض نفسه وفی الصحاح روحه**۔ اس عبارت میں **توفاه الله** کے محاورہ کو معنی موت میں مجاز لکھا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ** میں معنی موت کا لینا مجاز ہے۔ اور چونکہ احادیث نزول واجماع کے رو سے ارادہ معنی حقیقی یعنی قبض کا متعین اور مجازی یعنی موت کا بغیر تقدیم وتاخیر **مُتَوَفِّيْکَ وَرَافِعُکَ** میں ممتنع ہے تو قرآن اور حدیث اور اقوال صحابہ وتابعین وغیرہم ولغت سے ثابت ہوا کہ **توفی الله فلانا** کا محاورہ نفس قبض میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ مجمع البحار میں ہے۔ **وقد یکون الوفاة قبضا لیس بموت**۔ چنانچہ یہی سورۂ انعام اور زُمر کی آیات سے مراد ہے۔ اب ہم زور سے کہہ سکتے ہیں کہ **توفی** کا استعمال حقیقۃً نفس قبض میں ہے اور موت اور نیند میں مجازاً۔ تو ارادہ موت یا نیند بغیر قرینہ صارفہ کے جائز نہ ہوگا۔ پچیس مقامات میں سے دو مقام متنازع فیہ یعنی **مُتَوَفِّيْکَ و توفیتنی** میں بعد لحاظ خصوص المحل تو علتِ موجبہ الارادۃ المعنی الحقیقی موجود ہے، باقی تیئیس مقامات میں بعد قیام قرینہ کسی جگہ موت کسی جگہ نیند کسی جگہ کچھ اور مراد ہے۔ دیکھو لسان العرب وتفاسیر۔ محاورہ مذکور کا استعمال استیفاء عمر میں بھی ثابت ہے۔ مجمع البحار میں **مُتَوَفِّيْکَ ای متوفی کونک فی الارض** اور تکملہ مجمع البحار میں **توفی** کے محاورہ کا استعمال بھی استیفاء عمر میں معلوم ہوتا ہے۔ **توفی اصحابه الذین اکلوا من الشاة ظاهره لا یلائم ماروی انه لم یصب احدا منهم شئ**۔ اس سے ثابت ہوا کہ **توفی** کا معنی اکمال عمر بھی ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم سے تو اس معنی کے لینے پر شواہد لئے جاتے ہیں۔ جس کے ارادہ پر سارے عالم کا بغیر از چند جہلاء کے اتفاق ہے اور معنی حقیقی بھی بحسب تصریح کتب لغت وہی ہے۔ اور اپنی خبر ہی نہیں کہ سراسر جہالت وتحریف ومخالفت اجماع واستنباطات

فاسدہ و غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ائمہ دین کی طرف خلاف مذہب ان کا منسوب کیا گیا ہے اور غیر اجماعی کو اجماعی و بالعکس ٹھہرایا گیا ہے۔ آپ کا یہ سوال کہ ''ایک آیت بھی سوا آیت متنازعہ فیہا کے بطور نظیر کے ایسی پیش کریں جس میں کسی مفسّر نے اس قسم کے محاورہ کے معنی سوا قبض روح کے لئے ہوں''۔ اس کے بالمقابل ہماری درخواست کہ ایسی نظیر ہم پیش کریں گے مگر پہلے آپ کسی آیت میں منجملہ تئیس آیات کے **توفّی** کے وقوع کا محل ایسا شخص بتادیں جس کے زندہ اٹھایا جانے پر احادیث صحیحہ متواترہ و اجماع امت شاہد ہوں تاکہ ہم وہاں پر بھی قرینہ موجبہ للتعیین کی وجہ سے معنی قبض جسمی کا لیویں کیونکہ ہمارے ارادہ کی مدار تو اسی پر ہے۔ مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس سوال کی نظیر یہ ہے کوئی کہے مثلاً سب جگہ قرآن میں آدمی کا پیدا ہونا نطفہ سے مذکور ہے جس پر قانون قدرت کے نظائر متکثرہ بھی شاہد ہیں تو محل متنازعہ **خلقه من تراب** میں بلا تاویل آدم کا مٹی سے پیدا ہونا جب مسلّم ہوسکتا ہے کہ آدم کے بغیر کسی اور کا پیدا ہونا مٹی سے کسی آیت میں دکھایا جاوے ورنہ ایک شخص کا مخالف ہونا اپنے نوع سے پیدائش میں کیا معنی رکھتا ہے۔ اور ادھر **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا** (فاطر:۴۳) بھی موجود ہے۔ لہٰذا **خلقه من تراب** واجب التاویل ٹھہرا۔

ناظرین! قادیانی و امروہی صاحبان کے استدلالات اسی قسم کے ہیں۔ الحاصل محل نزاع میں چونکہ خصوصیت محل ہی مؤثر ہے تعیین معنی قبض جسمی میں۔ لہٰذا نظائر کا مطالبہ جہالت ہے۔ ہاں اس نزاع کا فیصلہ ایک آسان طریق سے ہوسکتا ہے اثبات خصوصیات کے بالمقابل امتناع خصوصیت پیش کریں اور وہ مستلزم ہے انکار احادیث صحیحہ و اجماع و تصریحات علماء و کتب لغت کو۔

اخیر میں امروہی صاحب نے آیت متنازعہ فیہا میں معنی قبض کا تو مان لیا ہے مگر قبض مع الامساک کو بہ نسبت قبض مع الارسال کے ناقص ٹھہرانے کی وجہ سے استلزام رفع

جسمی کا قول نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ دلائل خصوصیت محل بعد الاقرار بمعنی القبض کے جبراً استلزام مذکور کو تسلیم کراتے ہیں۔ **فتلسیم معنی القبض بالاستیعاب اقرار بالرفع الجسمی من حیث لایشعر**۔ اور ہم نے شمس الہدایت میں **توفی** کا معنی مطلق قبض لکھا ہے۔ پس ہم پر یہ الزام کہ **توفی** کا معنی قبض روح مان لیا ہے بالکل بہتان ہے۔ دیکھو صفحہ ۵۳ شمس الہدایت کا۔

قولہ: صفحہ ۱۵۰ کا حاصل۔ وہی بہتان بہ نسبت کتاب اللہ و محققین علماء اسلام وصوفیاء کرام کے کہ یہ سب بروز کے مثبت ہیں۔

اقول: بالکل لغو اور جہالت ہے۔ چنانچہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ عود ایلیا میں تو کتاب سلاطین سے تمسک اور صعود ایلیا سے انکار جو دونوں اسی میں مذکور ہیں۔ یہی مطلب ہے شمس الہدایت کا۔

قولہ: صفحہ ۱۵۱ کا حاصل۔ شمس الہدایت کی عبارت ''یا مسیح کے مصلوب ہونے میں پہلے اناجیل رابعہ سے کام لے کر الی قولہ منحرف نہیں ہوئے'' اس پر امروہی صاحب لکھتے ہیں۔ **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ**۔ مسیح کے مقتول بالصلیب ہونے کا تو ہم رد ہی کر رہے ہیں۔ ہمارے تمام رسائل میں اس کا رد موجود ہے۔

اقول: امروہی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ قادیانی صاحب نے مسیح کا مصلوب ہونا اناجیل سے نہیں لیا کیونکہ مسیح کے مقتول بالصلیب ہونے کا تو وہ رد ہی کر رہے ہیں۔ ہاں صرف صلیب پر چڑھایا جانا مسیح کا اور پھر قتل بالصلیب سے محفوظ رہنا لیا ہے مگر وہ بھی قرآن مجید سے۔ گویا قادیانی صاحب پر دو وجہ سے بہتان باندھا گیا۔ ایک یہ کہ اس نے مسیح کو مصلوب نہیں کہا معہذا اس کی طرف یہ ناگفتہ قول منسوب کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے صلیب پر چڑھایا جانا مسیح کا اور پھر محفوظ رہنا اناجیل سے نہیں لیا۔ یہ ناکردہ گناہ بھی اس پر عائد کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم مفتری کاذب پر **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ** کہنے کا استحقاق

رکھتے ہیں۔ بعد تشریح غرض امروہی صاحب کے جواباً معروض ہے کہ ازالہ اوہام حصہ اول کے ص ۳۸۱ سطر ۲ پر ملاحظہ ہو کہ قادیانی صاحب لکھتے ہیں ''سوانہوں نے تین مصلوبوں کو صلیب پر سے اتار لیا'' پھر اسی صفحہ پر ہے۔ ''بالاتفاق مان لیا گیا ہے کہ وہ صلیب اس قسم کی نہیں تھی جیسا کہ آج کل کی پھانسی ہوتی ہے اور گلے میں رسہ ڈال کر ایک گھنٹے میں کام تمام کیا جاتا ہے۔'' پھر اسی صفحہ میں ہے۔ ''جن کی وجہ سے چند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اتار لیا گیا'' اور پھر ص ۳۸۲ سطر ۱۱ پر لکھتے ہیں۔ ''پس اس طور سے مسیح زندہ بچ گیا''۔ ناظرین عبارات مسطورہ بالا سے معلوم کر سکتے ہیں کہ شمس الہدایت کے دونوں الزام قادیانی صاحب پر واقعی اور سچے ہیں کیونکہ ازالہ میں اناجیل کی روایات سے یہ مضمون لیا گیا ہے اور زندہ مسیح پر مصلوب کا اطلاق بھی کیا گیا ہے لہٰذا شمس الہدایت کا انتساب صحیح اور بجا ٹھہرا۔ اور لسان العرب کی نقل الٹی قادیانی پر پڑی۔ اب ہم ترکی بہ ترکی لعنت نہیں دیتے بلکہ بجائے **لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْن** کہتے ہیں **یغفر اللّٰہ للخاطئین** اس مقام پر امروہی صاحب نے لسان العرب کا حوالہ دے کر اپنے مرشد صاحب کو بچانا چاہا مگر یہ نہیں معلوم کہ **لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر**۔ اس کو جانے دیجئے اپنی فکر کیجئے۔ پاداش لعنت بہ لعنت تو ہم نے معاف کیا مگر یہ گل دیگر شگفت کیا ہے جو آپ اسی مقام پر لکھتے ہیں۔ ''دیکھو بحث حرف **لکن** کی جو واسطے دفع کرنے وہم ناشی عن الکلام السابق کے آتا ہے۔ کمامر'' کیا صلیبی واقعہ بغیر قتل کی واقعیت قرآن مجید سے آپ ثابت کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں کمامر۔ الغرض اناجیل کو بوجہ خود غرضی کے مانتے بھی ہیں اور اسی وجہ سے پھر منحرف بھی ہوتے ہیں اور جھٹ قرائین قویہ بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ کیا یہ چند اصول آپ کے ''قرائین قویہ'' ''قانون قدرت'' ''تعارض'' اور ''تساقط'' بے محل روافض کے تقیہ کی طرح نہیں۔

قولہ: صفحہ ۱۵۲ کا حاصل وہی ہے جس کی تردید بحث لغت واحادیث نزول واجماع میں گذر چکی ہے۔

صفحہ۱۵۳ کا حاصل۔ صحیح بخاری میں ہے۔ **قال ابن عباس مُتَوَفِّيْکَ ممیتک** جس کی اسناد عمدۃ القاری میں حسب ذیل لکھی ہے۔ **ثم ان تعلیق ابن عباس هذا رواه ابن ابی حاتم عن ابیه حدثنا ابو صالح حدثنا معاویه عن علی بن ابی طلحة عن ابن عباس اه**۔ یہ مخالف ہے ان مرویات کے جو **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** اور ایسا ہی **وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** اور ایسا ہی **فَلَمَّاتَوَفَّيْتَنِىْ** اور ایسا ہی **قَبْلَ مَوْتِهٖ** اور ایسا ہی **وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ** کے متعلق لکھے گئے ہیں جب تک وہ روایات علیٰ شرط البخاری نہ ہوں اور دیگر نصوص قطعیہ کے برخلاف بھی نہ ہوں اور باہم بھی متعارض نہ ہوں تب تک کیونکر ان کو قبول کیا جاوے آپ اپنے مرویات کی رواۃ کی توثیق وتعدیل علیٰ شرط البخاری کیجئے اور بعداس کے وجوہ ترجیح بیان کیجئے پھر ہمیں قبول کرنے سے کیا انکار ہے۔

اقول: روایت **قال ابن عباس مُتَوَفِّيْکَ مُمِيْتُکَ** ہمارے مرویات متعلقہ آیات مذکورہ کے برخلاف نہیں الا درصورتیکہ **مُتَوَفِّيْکَ وَرَافِعُکَ اِلَيَّ** میں قول بالتقدیم و التاخیر نہ کیا جاوے۔ اور **فَلَمَّاتَوَفَّيْتَنِىْ** کے صدر میں **قال** بمعنی **یقول** نہ لیا جاوے مگر قتادہ سے قولہ سبحانہ **انی مُتَوَفِّيْکَ وَرَافِعُکَ اِلَيَّ** میں **اِنِّیْ رَافِعُکَ اِلَيَّ وَمُتَوَفِّيْکَ** مروی ہے جس کو مفسرین نے منظور کہا ہے۔ اور بخاری نے **قال** بمعنی **یقول** لیکر آیت **فَلَمَّاتَوَفَّيْتَنِىْ** کو متعلق بواقعہ مابعد النزول ٹھہرایا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری اسی صفحہ میں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بخاری نے **مُتَوَفِّيْکَ** بمعنی **ممیتک** کا تحقق فیما بعد النزول لیا ہے یہ تو بخاری کا فیصلہ ہے۔ رہا قول بالتقدیم والتاخیر جو قتادہ سے مروی ہے سو اس کا قائل بخاری بھی ہے۔ چنانچہ ابھی معلوم ہو چکا ہے اور علامہ سیوطی بھی تفسیر اتقان میں لایا ہے۔ اور چونکہ علامہ سیوطی کی نسبت ازالہ اوہام میں بڑے زور اور بسط سے لکھا گیا ہے کہ ان کے پاس صحت کا معیار کشف بھی ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام جلد اول ص۱۵۰ سے ۱۵۳ تک۔ جس میں یہ

بھی مندرج ہے کہ صاحب کشف کا قول بعض علماء کے نزدیک آیت اور حدیث کے مانند ہے۔ اور پھر صفحہ ۱۵۱ پر جلال الدین سیوطی کو اہل کشف میں سے شمار کیا گیا جنہوں نے بہتیری حدیثوں کی تصحیح بذریعہ کشف کی ہے اور پھر صاحب کشف کی تصحیح کو علماء حدیث کی تصحیح پر ترجیح دی گئی ہے۔ اب ہم قادیانی صاحب وامروہی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ شخص **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** کو متعلق بواقعہ مابعد النزول کہنے والا اور آیت **مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ** میں تقدیم وتاخیر کے قول کو منظور رکھنے والا وہی امام بخاری ہے اور وہی امام ہمام جلال الدین سیوطی ہیں یا کوئی اور۔ برتقدیر اول حسب مسلّمات اپنے کے تائب ہوکر اہل اجماع و مومنین بماجاء بہ الرسول ﷺ کے ساتھ شامل ہوجائیں اور برتقدیر ثانی ان کی مغائرت اپنی بخاری وعلامہ جلال الدین سیوطی مسلّم شدگان سے ثابت کیجئے۔ ودونہ خرط القتاد۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ بخاری کی روایات ہمارے مرویات مذکورہ فی شمس الہدایت کے برخلاف نہیں تو تعارض کہاں ہے؟ تاکہ بیان توثیق وترجیح کی ضرورت ہو۔ ہاں اگر آپ کو صرف رفع جہالت کی غرض ہے تو اثر ابن عباس متعلق **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** کی اسناد کو حسب ذیل ابن کثیر میں دیکھو۔ **قال ابن ابی حاتم حدثنا احمد بن سنان حدثنا ابو معاویة عن الاعمش عن المنهال ابن عمرو عن سعیدبن جبیرعن ابن عباس** الخ۔ پھر اسی کے متعلق لکھتے ہیں۔ **وهذااسناد صحیح الی ابن عباس و رواه النسائی عن ابی کریب عن ابی معاویة نحوه و کذا رواه غیرواحد من السلف** الخ۔ اثر کے کسی فقرہ میں رواۃ کا اختلاف قدر مشترک کو جس پر اجماعی عقیدہ کا مدار ہے، مضر نہیں ہوسکتا۔ اور ابن جریر نے ابی مالک سے اور عبد بن حمید وابن المنذر نے شہر بن حوشب سے متعلق آیت **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ** کے اخراج کیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیر وعلامہ سیوطی وغیرہم من الثقات کی توثیق وتصحیح کافی ہے اور چونکہ یہ مرویات بخاری کی روایت مذکورہ بالا بلکہ مذہب

اس کے لئے مؤید ہیں لہٰذا واجب التسلیم ٹھہریں گے۔ (دیکھو مقدمہ فتح البیان) جس میں خلاصہ کے طور پر یہ بھی مندرج ہے کہ سیوطی جیسے لوگوں کا اخراج کافی ہے توثیق اسناد میں۔ اور قادیانی صاحب کے نزدیک تو کشفی معیار والوں کو ائمہ صحاح ستہ پر بھی فوقیت ہے۔ بناءً علیہ اگر بخاری کی روایت اور ہماری مرویات میں بالفرض تخالف بھی ہوتا تو سوال مذکور کے مستحق ہم تھے۔ یعنی یہ کہہ سکتے تھے کہ ہماری مرویات چونکہ کشفی معیار سے تصحیح کی گئی ہیں لہٰذا بخاری کی روایات بحسب مسلّمات ومصرحات آپ کے ان کی معارض نہیں ہوسکتی۔ اور برتقدیر فرض التساوی بحکم اذا تعارضا فتساقطا کے دونوں ساقط الاعتبار ٹھہریں گی۔ پس سب آیات **توفی** میں وہی قبض جسمی کا بحکم خصوص المحل متعین ہوگا۔ جب آپ یہ دشوار مرحلہ طے فرماویں گے۔ ودونہ خرط القتاد۔ پھر بھی آپ کو اہل اجماع ہی کے ساتھ شامل ہونا پڑے گا۔

قولہ: صفحہ۱۵۳ کی آخیر سے ص۱۵۹ تک کا حاصل۔

۱…… پیشین گوئی کی حقیقت تفصیلی پر اجماع کا انعقاد کوئی معنی نہیں رکھتا اگر امت ایسی پیشین گوئی کی تفصیلی حقیقت پر اجماع کرے تو یہ اجماع کورانہ نہیں تو اور کیا ہے۔

۲…… مسیح کے رفع جسمانی پر کس وقت میں تمام مجتہدین نے اجماع کیا بلکہ وفات شریف کے دن کل صحابہ کا اجماع کل مرسلوں کی بالخصوص عیسیٰ ابن مریم کی وفات پر منعقد ہوا۔ دیکھو ہمارا رسالہ القسطاس المستقیم وغیرہ کو۔

۳…… آنحضرت ﷺ کا معراج اور عیسیٰ ابن مریم کا رفع اگر جسم کے ساتھ ہوتا تو منکرین کو اس کا دکھایا جانا ضروری تھا۔

۴…… کوئی حدیث صحیح یا ضعیف دکھائی جاوے جس میں عیسیٰ کا رفع بجسدہ العنصری مذکور ہو۔

۵…… بڑا افسوس ہے علماء اتنا بھی نہیں جانتے کہ نزول کا معنی کسی مقام پر ٹھہرنا ہوتا ہے۔

۶…… قدر مشترک احادیث نزول کا مصداق بالضرور حضرات اقدس ہیں۔

۷…… مطالبہ اس امر کا متمسک بہا مرویات کے کل رواۃ کی توثیق وتعدیل علیٰ شرط البخاری کی جاوے۔

۸......ابن عباس کے نزدیک اگر **مُتَوَفِّیْکَ** کا معنی **ممیتک** نہیں تو پھر وہ دوسرا کوئی معنی ابن عباس سے نقل کرنا ضروری تھا۔

۹......تمام قرآن مجید ومحاورات عرب میں **توفاہ اللّٰہ** کا معنی **قبض اللّٰہ روحہ** آیا ہے۔

۱۰......مدت اقامت مسیح کی روایات میں جو تعارض ہے اس کی تطبیق بھی تو ضروری ہے۔

۱۱......میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ ناحق اس مناظرہ میں شامل ہوکر وقت میں پڑ گئے آپ کو جہال میں معتبر بننے کے لئے گدی نشینی ہی کافی تھی۔

اقول: ۱......پیشین گوئی کے قدر مشترک پر جو نزول مسیح ابن مریم بعینہ لا بمثیلہ ہے، اجماع ہے، نہ ہر ایک خصوصیت متعارضہ بالاخریٰ پر۔ چنانچہ آپ کا اقرار نمبر ۶ میں موجود ہے اجماع امت کو کورانہ کہنا آپ ہی کا کام ہے۔

۲......مجتہدین کے اقوال مفصلہ ابتداء رسالہ میں اور ایسا ہی خطبۂ صدیقہ کا بیان بھی پہلے گذر چکے ہیں۔

۳......یہ اصلاح اللہ تعالیٰ کو العیاذ باللہ دیجئے تا کہ علاوہ **لنریہ من ایتنا عصمۃ عن الیھود** کے اور فائدہ بھی حاصل ہو جاتا۔ نعوذ باللہ من ھفوات الجاھلین۔

۴......حدیث چونکہ قول صحابی کو بھی شامل ہے لہٰذا ابن عباس کا اثر جس کو اوپر باسناد صحیح بحوالہ ابن کثیر ونسائی وغیرہ کے ذکر کیا گیا بلکہ کل احادیث نزول کی بعد بطلان احتمال البروز رفع بجسدہ العنصری کے مثبت ہیں۔

۵......علماء کو نزول بعد الرفع الجسمی کا معنی خوب معلوم ہے آپ کی نادانی قابل افسوس ہے۔

۶......آپ نے اس مقام میں اپنی ساری کتاب کے برخلاف احادیث نزول سے مشترک کے ثبوت کا اقرار کر دیا گویا کل کاروائی اپنی کا تار وپودا کھاڑ دیا۔

ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

۷......اس مطالبہ کا جواب گذر چکا۔

۸......آپ کو کچھ فن مناظرہ سے بھی وقوف ہے؟ کیا مانع کو مدعی خیال فرماتے ہیں؟ ہاں رفع جہالت کے لئے اگر سوال ہے تو تبرعاً دکھلایا جاتا ہے ابن عباس کا وہ قول جو بحوالہ در منثور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** کے متعلق **اخرج ابو الشیخ عن ابن عباس** الخ شمس الہدایت میں لکھا ہوا ہے۔

۹......اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔

۱۰......ابو ہریرہ کی حدیث مرفوع میں جو ابو داؤد میں ہے جس کو باسناد مبہم احمد نے بھی روایت کیا ہے، مدت اقامت عیسیٰ چالیس سال مذکور ہے۔ اور مسلم والی حدیث جس میں سات سال کا ذکر ہے ان کے مابین تطبیق پہلے بیان کی گئی ہے اور نعیم بن حماد والی حدیث جس میں انیس سال کا ذکر ہے وہ چالیس سال والی حدیث کے بوجہ عدم تساوی معارض نہیں ہوسکتی البتہ بخیال اثبات قدر مشترک ہمارے مدعی کے لئے مفید ہے۔ سیوطی کی مرقاۃ الصعو داور بیہقی کی کتاب البعث والنشور کو ملاحظہ فرماویں۔

۱۱......گیارہواں ایراد لا یخل معلوم ہوتا ہے لہٰذا میں اقرار کرتا ہوں کہ

ع بترزانم کہ خواہی گفت آنی

قوله: صفحہ ۱۵۹ کے نصف سے صفحہ ۱۶۱ تک کا حاصل۔ ان صفحات میں امروہی صاحب نے ابن عباس وقتادہ وبخاری بلکہ جتنے مفسرین کہ جنہوں نے **مُتَوَفِّیْکَ** سے معنی **ممیتک** لیکر آیت میں تقدیم تاخیر کہی ہے سب کی طرف تمسخر کے طور پر نسبت اصلاح فی القرآن کی ہے یعنی

۱......قائل بالتقدیم والتاخیر قرآن میں اصلاح کرتا ہے کہ اصل عبارت یوں ہونی چاہیے تھی۔ **یاعیسٰی انی رافعک الی ثم مُتَوَفِّیْکَ۔**

۲......بعد الاصلاح بھی ناکامیابی رہی کیونکہ بعد رفع کے بھی اب تک آسمان پر حضرت عیسیٰ کی وفات نہیں ہوئی۔

۳......پیشین گوئی **وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ** (آل

عمران:۵۵) کی بھی چونکہ شمس الہدایت کی تصریح کے مطابق واقع ہو چکی ہے۔ دیکھو صفحہ ۴۵ سطر ۲۳۔ لہٰذا مؤلف کے نزدیک نظم قرآنی یوں ہونی چاہیے کہ **یاعیسٰی انّی رَافِعُکَ اِلَیَّ و مطھرک من الذین کفروا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا و مُتَوَفِّیْکَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ** پھر **مُتَوَفِّیْکَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ** کے کیا معنی ہونگے؟ اور اگر **الی یوم القیمۃ** کو بھی آپ **مُتَوَفِّیْکَ** سے مقدم کریں گے تو آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی وفات بعد قائم ہونے قیامت کے ہوگی۔ ایھا الناظرین! کیا ایسا ہی عقیدہ اجماعیہ اسلامیہ ہوتا ہے۔

۴..... قول تقدیم و تاخیر کا بغیر ان فوائد کے جو مقتضائے اعجاز بلاغت ہیں محض غلط ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ **وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَھُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ** (قصص:۵۱)۔ **و لقولہ** علیہ السلام **ابدء بما بدء اللّٰہ بہ فبدء بالصفا فرقی علیہ**۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی بمع امت مرحومہ کے مکلف ہیں اس امر کے کہ ترتیب نظم قرآنی کے بموجب عمل درآمد فرماویں۔

اقول: ا..... قول بالتقدیم والتاخیر کا معنی یہ نہیں ''کہ اصل عبارت بجائے نظم قرآنی کے یوں ہونی چاہیے تھی'' جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے۔ بھلا جس قرآن کریم کا یہ شان ہے قال تعالیٰ **قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل ھذا القراٰن لایأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا** (بنی اسرائیل:۸۸) اس میں یوں نہ چاہیے یوں چاہیے کیسے متصور ہوسکتا ہے۔ بلکہ معنی اس کا یہ ہے ترتیب ذکری مطابق ترتیب وقوعی کے نہیں یعنی مقدم فی الذکر مثلاً موخر فی الوقوع ہے لیکن اختیار کرنا اس طرز کا ضرور کوئی وجہ رکھتا ہے جس کے بغیر وجوہ اعجاز و فوائد علم بلاغت متحقق نہیں ہوسکتے۔ پس نظر بدیں وجوہ فوائد نظم کو ایسا ہی ہونا چاہیے گو کہ مقدم ذکری مثلاً وجود اور تحقق میں موخر ہی ہو۔ ایھا الناظرون! امروہی صاحب نے کہاں کی کہاں لگادی۔

۲......اِنِّی رَافِعُکَ اِلَیَّ ثم مُتَوَفِّیکَ یا وَمُتَوَفِّیکَ کیا اسکا مقتضٰی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر مرے؟ بتایئے کس مادہ یا ہیئت کا مدلول ہے۔

۳......پیشین گوئی بوجہ امتداد و استمرار فوقیت تا بروز قیامت متحقق نہیں ہو چکی اور نہ شمس الہدایت کی عبارت کا یہ مفاد ہے۔ دیکھو صفحہ مذکورہ ۲۳۔ اور آنحضرت ﷺ یا خلفاء راشدین کے وقت میں یہود کا مغلوب ہونا کیا اس پر فوقیت تابعین الی یوم القیمة کا اطلاق کیا جا سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ اور ترتیب فی التحقق و الوجود برعایت مدلول احادیث متواترہ فی النزول اس طرح پر معلوم ہوتی ہے اِنِّی رَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ کیونکہ جعل مستمر الی یوم القیمة کا تحقق قیامت کے متصل متصور ہو سکتا ہے۔ ایها الناظرین کی جگہ ایها الناظرون چاہیے۔ دیکھو ہدایت النحو و کافیہ۔

۴......الحمدللہ کہ آپ تقدیم و تاخیر کو مان گئے۔ ہاں صاحب دوسرے لوگ بھی تقدیم و تاخیر کو اسی معنی سے لیتے ہیں۔

ہر چہ دانا کند کند ناداں

لیک بعد از ہزار رسوائی

اور آیت وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ (قصص:۵۱) کا یہ معنی نہیں کہ ترتیب ذکری اور وقوعی کا تطابق ضروری ہے ورنہ حسب بلاغت آپ کے کلام الٰہی کا ذب ہوا جاتا ہے۔ لوجود شواھد التقدیم والتاخیر۔ اور حدیث شریف ابدء بما بدء اللّٰه کا مطلب یہ نہیں کہ آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ کی ترتیب ذکری قطع نظر بیان حدیث سے اس کے مثبت ہے وجوب تقدیم صفا یا مسنونیت یا استحباب کے لئے جبکہ مثبت ان کی حدیث ہے۔ چنانچہ عینی شرح صحیح بخاری میں ہے۔ لانه یجتمع یقوله ﷺ ابدء وا بما بدء اللّٰه به فکیف یستدل بخبر الواحد علی اثبات الفرضیة انتہی۔ موضع الحاجۃ۔ گویا آنحضرت ﷺ

کا ابدء بالصفا کی جگہ **ابدء بما بدء الله** بفرمانا محسنات بلاغت سے ہوا۔ نفس ترتیب نظم بغیر احکام بیان سنت قولی یا فعلی کے یا بیان تاریخی کے واقعات میں اگر موجب ہو تقدیم فی الوقوع کے لئے تو چاہیے کہ بحسب آیت **اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوْا الزَّکٰوۃَ** کے اداء زکوۃ کی تقدیم اداء صلوۃ پر نا جائز ہو جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ ایسا ہی **واذ قتلتم نفسا** الخ میں ترتیب ذکری مطابق ترتیب وقوعی کے نہیں۔ ہاں اس طرز بیان کو اختیار کرنا وجوہ بلاغت کے لئے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تقدیم صفا کی مروہ پر مفاد ہے حدیث **ابدء یا ابدء وبما ابدءوا بما بدء الله** کے۔ اما نحن فیہ یعنی توفی مسیح کا چونکہ بیان احادیث نزول کے رو سے متاخر الوقوع ہونا ثابت ہوتا ہے لہذا **انی مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ** کو بر تقدیر ارادہ معنی موت کے از قبیل تقدیم وتاخیر ماننا پڑا گویا جناب کی نظیر پیش کردہ ہمارے مدعی کی مؤید ٹھہری۔

قولہ: صفحہ ۱۶۱ کے اخیر سے صفحہ ۱۶۳ تک کا حاصل۔ درمنثور وغیرہ میں جو تقدیم وتاخیر مروی ہے اس کی نسبت سوال کیا جاتا ہے کہ۔

۱...... اوّل تو آپ ان مرویات کے اسناد اور اس کے رجال کی توثیق مثل اس اثر ابن عباس کے جو صحیح بخاری میں مندرج ہے علی شرط البخاری ثابت کیجئے۔ بعد اس کے ہم سے جواب لیجئے۔

۲...... ہماری تطبیق بین النصوص پر کوئی حاجت نہیں جو تقدیم تاخیر کا قول کیا جاوے۔

۳...... تفسیر عباسی کی نسبت بحوالہ مجمع البحار واتقان وقول شافعی ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی روایت کا سلسلہ جھوٹا ہے۔ پس قرآن مجید کی ترتیب نظم میں تقدیم وتاخیر کو ایسے کذ ابین کے مرویات سے ہم تسلیم نہیں کرتے۔

اقول: ۱...... امام بخاری اور صاحب مجمع البحار اور صاحب اتقان اور امام شافعی کا چونکہ مذہب وفات مسیح بعد النزول کا ہے۔ چنانچہ پہلے ثابت ہو چکا ہے تو بر تقدیر ارادہ معنی ممیتک کے **مُتَوَفِّیْکَ** سے یہ سب حضرات تقدیم وتاخیر کے قائل ہونگے کیونکہ بغیر اس

کے قول بالوفات بعد النزول کا کوئی معنی نہیں۔ لہٰذا ہمارے مرویات تو انہیں کے مرویات ٹھہرے صراحۃً یا اقتضاءً۔ اگر آپ کو ان کی جرح والتعدیل پر اعتماد ہے تو اندریں صورت ان کے مذہب کا تخالف کیا معنی رکھتا ہے؟ ان کے مذہب سے برخلاف ہونا تو اسی وجہ سے ہے کہ ان کا قول قابل اعتبار آپ کے نزدیک نہیں۔ پس چاہیے کہ تفسیر عباسی کی نسبت ان کی جرح بھی ساقط الاعتبار ہو۔ بنابرآں بہ نسبت تفسیر عباسی کے آپ تو جرح نہیں کر سکتے مگر ہمارے نزدیک چونکہ ان بزرگوں کے جرح بوجہ اتحاد مذہب کے غیر معتمد بہ نہیں ٹھہر سکتی لہٰذا ہم کو عباسی کا مجروح ہونا مسلّم ہے مگر عباسی کی نقل سے ہم کو اثبات مدعیٰ کا مقصود نہیں بلکہ صرف شواہد وتوابع کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ پہلے بھی گذر چکا ہے کہ ہماری مرویات بخاری کے اثر ابن عباس کے برخلاف نہیں بلکہ اس کے لئے متمم ہیں۔ قطع نظر ہماری مرویات سے آپ ہی فرمایئے کیا جس شخص کا مذہب وفات بعد النزول کا ہے وہ بعد ارادہ معنی **ممیتک** کے **مُتَوَفِّیْکَ** سے ترتیب نظم اور ترتیب تحقق ووجود کو باہم مطابق خیال کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہم نے تو آپ کے مسلّمات کو پیش کیا تھا یعنی علامہ سیوطی کے تالیفات ومذہب کو۔ دیکھو ازالہ اوہام جلد اول۔ اَب آپ کو بغیر اس آڑ کے بچنا مشکل نظر آیا کہ اپنی مسلّمات کی نسبت اسناد میں کلام کیا جاوے مگر معلوم ہو کہ تاڑنے والے تو تاڑ گئے ہیں۔ ایھا الناظرون جب کسی نے مثلاً مشکوٰۃ کو مسلّم الثبوت مان کر مناظرہ شروع کیا ہو اور اس کے مقابل نے اپنے مدعٰی کا ثبوت مشکوٰۃ سے دے دیا ہو اور پھر اس نے مشکوٰۃ کے قول رواہ فلان پر اسناد طلبی کی تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ شخص اپنے مسلّم شدہ سے انکار کیے جاتا ہے۔ تسلیم کو بھی معاف کیا مگر آپ پہلے ہماری مرویات اور بخاری کے اثر کے مابین تخالف ثابت کریں بعد اس کے ہم تطبیق و توثیق بیان کرینگے۔ یاد رہے جس شخص کے مرویات کو آپ لینگے۔ وہ اجماعی عقیدہ کے برخلاف ہرگز نہ ہوں گے الا درصورت یہ کہ آپ اس شخص کی نسبت بالتصریح یا بالاقتضاء بمع لحاظ

مذہب اس کے قول بہ نزول بروزی ثابت کریں۔ ودونہ خرط القتاد۔

۲…… آپ کی تطبیق بین النصوص مستلزم ہے انکار یا تحریف احادیث متواترہ اور نیز مخالف اجماع کو۔ اس لئے قابل اعتبار نہیں۔ لہٰذا اہل اجماع کی تطبیق ہی معتبر رہی۔ اور تقدیم و تاخیر انہونی بات نہیں اس کے شواہد موجود ہیں۔

۳…… تفسیر کی بہ نسبت جواب نمبر۱ میں لکھا گیا ہے۔

صفحہ ۱۶۳ سے صفحہ ۱۷۱ تک تقدیم و تاخیر کے شواہد پر جو ہم نے تفسیر اتقان سے دفع استبعاد کے لئے پیش کئے تھے ان پر امروہی صاحب کے کلام سے پہلے یہ جتلانا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اس مقام میں حریف مقابل نے ہمارے مدعٰی کو تسلیم کرلیا ہے یعنی یہ مان لیا ہے کہ ہر جگہ پر تقدیم اور تاخیر بحسب تحقق ضروری نہیں، جائز ہے کہ مقدم فی الذکر مؤخر فی التحقق ہو۔ چنانچہ **مُتَوَفِّیکَ** مقدم الذکر مؤخر فی التحقق ہے **رافعک** وغیرہ کی نسبت۔ ہاں البتہ علم بلاغت کی رو سے اس ترتیب نظم کا قائم رہنا ضروری ہے۔ دیکھو امروہی صاحب صفحہ ۱۷۰ سطر ۲۲ پر لکھتے ہیں ''اور ہر جگہ پر تقدم اور تاخر کو بحسب تحقق کے ضروری ہونا کون کہتا ہے۔ ہاں البتہ بلاغت کی رو سے اس ترتیب نظم کا مقدم ہونا جو مقتضائے حال کے موافق ہو، ضروری ہے۔ **انتھٰی موضع الحاجۃ**''۔ بیت

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد   خمیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگ است

قولہ: بعد اس کے لکھتے ہیں۔ ''جیسا کہ **یاعیسٰی انی مُتَوَفِّیکَ** میں ترتیب موجود کا قائم رہنا ضروری ہے۔''

اقول: ہاں صاحب ہم بھی نظم قرآنی کو واجب القیام مانتے ہیں۔

قولہ: پھر لکھتے ہیں ''ورنہ طرح طرح کے مفاسد لازم آتے ہیں کمامر''

اقول: ہمارا اور مقابل کا تخالف صرف ''**کمامر**'' میں ہے۔ یعنی اس کے مفاسد لازمہ

اور ہیں اور ہمارے اور۔ آیت اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ میں اور ایسا ہی وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (النساء:۱۶۳) میں بھی مقدم الذکر کا مؤخر فی التحقق ہونا مان لیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۷۰ کی عبارت مسطورہ بالا اور پھر دیکھو صفحہ ۱۷۱ کی عبارت ذیل۔ جو بعد انا اوحینا الی ابراھیم الآیۃ کے لکھتے ہیں۔ ''اس آیت میں جو باعتبار تحقق خارجی کے بعض انبیاء کا تقدم اور تاخر بظاہر معلوم ہوتا ہے وہ باعتبار وضع کے اسی ترتیب سے ہونا چاہیے تھا، جس طرح پر کہ مثل سلک جوہر منظم کے بیان فرمایا گیا ہے۔ انتہی موضع الحاجۃ''۔

ہاں صاحب ہم بھی نظم قرآنی کا قائم رہنا مسلّم رکھتے ہیں ہم نے کب کہا ہے یا قتادہ وغیرہ نے کہاں لکھا ہے کہ نظم قرآنی اس طرح پر نہ چاہیے۔ یہ تو بوجہ جہالت کے آپ کا الزام صحابہ اور مفسّرین پر تھا۔ ہمارا مطلب شواہد تقدیم وتاخیر کے پیش کرنے سے صرف اتنا ہی تھا جو آپ نے مان لیا۔ یعنی کبھی مقدم الذکر باعتبار تحقق ووجود خارجی کے مؤخر ہوتا ہے۔ بس۔

قولہ: امروہی صاحب کی ایک اور جہالت ملاحظہ فرمائیے۔ صفحہ ۱۲۹ کے اخیر میں۔ کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ (شوریٰ:۳) اور اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ (النساء:۱۶۳) کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''اور ان آیات میں تو باعتبار تحقق کے بھی آنحضرت ﷺ مقدم ہیں۔ کیا مؤلف صاحب خاتم النبیین ﷺ کو جملہ انبیاء سے نبوت میں سابق بلکہ تمام کمالات میں اوّل اور افضل نہیں جانتے تو وہ مطالعہ کرے باب فضائل سید المرسلین ﷺ کو۔ عن ابی ھریرۃ قال قالوا یا رسول اللّٰہ ﷺ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد (رواہ الترمذی) وعن العرباض بن ساریۃ عن رسول اللّٰہ ﷺ قال انی عند اللّٰہ مکتوب خاتم

النبيين وان ادم لمنجدل فی طینتہ (رواہ فی شرح السنہ) ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت بلکہ ختم نبوت قبل پیدائش آدم کے متحقق تھی۔انتہی موضع الحاجۃ''۔

اقول: قوت طبع از متکلم مجوے ۔۔۔ فہم سخن گر نہ کند مستمع

کہاں کی کہاں لگادی آیت **كَذٰلِكَ يُوْحِىٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ** اور نیز آیت **اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ** میں **يُوْحِىٓ اِلَيْكَ** پہلی آیت میں اور **اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ** دوسری میں یعنی انزال کلام الٰہی مقدم الذکر ہے۔اور **اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ** یعنی **يُوْحِىٓ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ** اور ایسا ہی **اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ** موخرالذکر ہے۔اور ظاہر ہے کہ انزال قرآن مجید کا آنحضرت ﷺ کے اوپر چالیس سال کے بعد غار حرا میں شروع ہوا ہے۔ جوموخر فی التحقق ہے بہ نسبت پہلی کتابوں کے۔امروہی صاحب نے **یوحی** اور **اوحینا** کو حذف کر کے آنحضرت ﷺ کے وجود شریف میں کلام شروع کردیا۔اس مقام پر علاوہ جہالت کے بطالت کا بھی ثبوت دیا ہے یعنی لوگوں پر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کو جمیع کمالات میں افضل جانتے ہیں بہ نسبت مخالفین کے۔مگر ناظرین تو جانتے ہیں کہ خاتم النبیین کی مہر کو توڑنے پر مسیلمہ کذاب واسود عنسی وغیرہما کے بعد کس نے جرأت کی یہی قادیانی صاحب اور اس کے مشاہرہ خور ہیں۔دیکھو اشتہار نمبر ۵ نومبر ۱۹۰۱ء قادیانی کا۔ جس میں اپنی نبوت ورسالت کا بڑے زور سے دعویٰ کیا ہے۔اور نیز امروہی صاحب کا خط مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۱ء جو اخبار الحکم یا اخبار الشر میں شائع کرایا گیا ہے۔

ع ۔۔۔ چہ دلاور است دُزدے کے بکف چراغ دارد

ہم تو **کنت نبیاً وادم بین الجسد والروح** کے قائل ہیں۔لہٰذا یہ مسئلہ ہم کو سنانا فضول ہے آپ یہ وعظ اپنے پیغمبر کو سنادیں جو روح انسانی کو رحم کا ایک کیڑا کہتا ہے۔دیکھو قادیانی

صاحب کا بیان جوانہوں نے لاہور جلسہ مذاہب میں بتاریخ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۶ء میں پیش کیا ہے۔ کہ ''روح کا الگ طور سے آسمان یا قضاء سے نازل ہونا نہ یہ خدا کا منشاء ہے اور نہ یہ خیال کسی طرح صحیح ٹھہر سکتا ہے بلکہ ایسے خیال کو قانون قدرت باطل ٹھہراتا ہے۔ ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے زخموں میں ہزار ہا کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ سو یہی بات صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے جو اس جرم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے اور جس کا خمیر ابتداء سے نطفہ میں موجود ہوتا ہے جیسے آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے نہ جیسے جسم جسم کا جزو ہوتا ہے یا وہ باہر سے آتا ہے اور نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے اور اسی سے اسکا حادث ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

قادیانی صاحب کا یہ قول جس پر جاہلوں نے آفرین کہی اور تحسین کے آوازے بلند کیے، بالکل کتاب وسنت کے برخلاف ہے قال اللہ تعالیٰ ''**قل الروح من امر ربی**'' **وعا لم الامر عبارة عن الموجودات الخارجة عن الحس والخيال والجهة والمكان والتحيز وهومالايدخل تحت المساحة والتقدير لانتفاء الكمية عنه** (رسالۃ الروح للغزالی)۔ وقال اللہ تعالیٰ **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا** (احزاب:۷۲) ارواح انسانی بمقتضائے اس آیت کریمہ کے قبل از وجود عنصری بار امانت اٹھا چکے اور مستحق ثواب وعذاب قرار دیئے گئے مگر قادیانی صاحب کے نزدیک چونکہ روح اندرون رحم کے نطفہ کے گندے کیڑوں کی طرح پیدا ہوتا ہے لہٰذا کسی طرح اس آیت شریف کا مصداق نہیں ہوسکتا۔

وقال اللہ تعالیٰ **وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ** (اعراف:۱۷۲) **وقال** ﷺ **لما خلق الله ادم مسح ظهره فسقط عن**

ظهره کل نسمة هو خالقها من ذریته الی یوم القیامة الخ یعنی میثاق کے روز اللہ تعالیٰ کی اپنی قدرت کاملہ کے رو سے عالم امر کی وہ تمام روحیں اور نسمات نورانیہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذرات کی صورت میں نکل آئیں الخ۔ **وقال** ﷺ **الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وماتناکرمنها اختلف** الخ۔ یعنی ارواح حق تعالیٰ کے جموع مجتمعہ اور انواع مختلفہ ہیں اور دنیا میں ان کا باہم پیار اور فرار ان کی ابتدائی خلقت اور اصلی فطرت کی رو سے ہے الخ۔

حضرت علی، سہل بن عبداللہ تستری اور سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے اس عہد کے یاد ہونے کا اقرار کیا جو روز میثاق میں مابین ان کے اور رب تعالیٰ کے ہوا تھا۔

قوله: اور جہالت سنیے صفحہ ۱۶۸ پر۔ متعلق **اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ** کے لکھتے ہیں۔ اس آیت میں جو مؤلف تقدیم وتاخیر قرار دیتا ہے وہ درایت کے بالکل خلاف ہے۔

اقول: ایہا الناظرون! کیا **خلقکم** مقدم الذکر کا تحقق متاخر بہ نسبت موخر الذکر یعنی **الذین من قبلکم** نہیں۔ خدارا انصاف۔ ہاں ترتیب نظم قرآنی کے واجب القیام ہونے کی وجوہ بلاغت واعجاز کی رو سے ہم بھی قائل ہیں۔

قوله: پھر اور سنیے آیت **فَاطِرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اور **بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** جو شواہد تقدیم وتاخیر میں پیش کی گئی ہے۔ اس پر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں بھی قول تقدیم وتاخیر محض بیجا ہے۔

اقول: **ایها الناظرون** کیا بحسب قولہ تعالیٰ **هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ**(بقرہ:۲۹) زمین کی خلقت بہ نسبت آسمانوں کے مقدم فی التحقق نہیں جس کو **فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اور **بَدِیْعُ**

السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں مؤخر الذکر کیا گیا ہے۔

قولہ: پھر لکھتے ہیں۔ ’’کیونکہ اس میں شک نہیں کہ باعتبار بسط اور دحو کے ارض، سماوات سے مؤخر ہے کما قال اللہ تعالیٰ **وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا**۔‘‘

اقول: ہم بھی اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں کہ زمین کا بسط ودحو آسمانوں کی خلقت سے متاخر ہے مگر **فَاطِرُ السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اور **بَدِیْعُ السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** میں تو پیدائش کا ذکر ہے، دحو کا نہیں۔ اور ہم بھی مانتے ہیں کہ نظم قرآنی وجوہ بلاغت کی رو سے ضروری القیام ہے۔ مگر ہمارا مطلب بھی صرف اتنا ہی تھا جسکے آپ بھی مقر ہیں کہ یہاں پر بھی مقدم الذکر یعنی آسمانوں کا پیدا کرنا متأخر فی التحقق ہے بہ نسبت پیدا کرنے زمین کے۔

قولہ: ایک اور طرفہ قابل سماع ہے۔ ’’جبکہ حسب الطلب تفاسیر معتبرہ مثل درمنثور واتقان کے حوالہ دیئے گئے ہیں تو آپ فراری ہوئے جاتے ہیں‘‘۔ چنانچہ صفحہ ۱۲۶ پر لکھتے ہیں ’’اور واضح ہو کہ جو اقوال مفسرین کے نصوص کتاب یا احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں۔ **الی ان قال** وہ اقوال ہم پر حجت نہیں ہوسکتے۔ انتہی۔‘‘

اقول: اب اسکا کیا علاج کیا جاوے۔ علامہ سیوطیؒ جن کے مناقب سے بوجہ خودغرضی ازالہ وغیرہ میں رطب اللسان تھے اب وہ بھی احبار ورہبان میں اور ان کے تابعین وپیرو مشرکین میں شمار کیے جارہے ہیں۔ چنانچہ اسی مقام پر لکھتے ہیں ’’اور یہی تو اتخاذ ارباب ہے جو **اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ** (توبہ:۳۱) میں مذکور ہے۔ انتہی۔‘‘ میں کہتا ہوں کہ آپ کا اخیر بحث میں جواب یہی ہونا تھا تو پہلے علماء اسلام سے تفاسیر وثبوت اجماع کا مطالبہ کیوں کیا گیا۔ ایہا الناظرون ان صاحبان کی بحث کا اخیر میں اسی پر اختتام ہوا کہ جو کچھ قرآن سے واقعی مطلب ہم نے سمجھا ہے اسکی خبر آنحضرت ﷺ سے لے کر آج تک کے علماء اسلام کو نہیں ہوئی۔ ورنہ احادیث نزول اور بیان مندرج تفاسیر اجماع امت

برخلاف نصوص قرآنیہ کے صادر نہ ہوتے۔ نعوذ باللہ من ھفوات الجاھلین۔

قولہ: پھر صفحہ ۱۶۴ میں آیت **فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (توبہ:۵۵) کے متعلق لکھتے ہیں۔ جس کا حاصل تو یہ ہے کہ **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** متعلق ہے **لِيُعَذِّبَهُمْ** سے جس سے ایک لطیف پیشین گوئی معلوم ہوتی ہے۔ حاصل معنی یہ ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تجھکو ان کے اموال اور اولاد عجب میں نہ ڈالیں کیونکہ وہ اموال و اولاد فی الحقیقت بوجہ ہلاکت و غارت کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ان کے لئے موجب عذاب ہیں دنیا ہی میں۔ اور اگر **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** کو اموال و اولاد سے متعلق ٹھہرایا جاوے تو ایک زائد اور لغو کلام ہوا جاتا ہے۔ کما قیل۔ شعر

چشمان تو زیر ابروانند   دندان تو جملہ در دہانند

اقول: چوں کہ امروہی صاحب صفحہ ۱۶۷ سطر ۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ ”کیونکہ حذف ظروف وغیرہ کا موجب اصول علم بلاغت کے عموم پر دلالت کرتا ہے انتہیٰ موضع الحاجت“ تو بموجب اس تصریح آپکے اموال واوّلاد ان کے برتقدیر تعلق **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** کے **لِيُعَذِّبَهُمْ** کے ساتھ عام ٹھہریں گے یعنی دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی اور جیسے دنیا میں ان کے اموال واولاد دیکھنے والوں کو خوش لگیں گے ایسا ہی قیامت میں۔ اب امروہی صاحب کے علم بلاغت کے رو سے آیت کا معنی یہ ٹھہرا کہ ان کے اموال واولاد بوجہ کثرت وخوبی اپنی کے دنیا اور قیامت میں تجھ کو عجب میں نہ ڈالیں گو کہ اموال واولاد خوب وعمدہ دنیا وقیامت میں ان کے نصیب کئے ہیں۔ مگر بوجہ ہلاکت وغارت کے مسلمانوں کے ہاتھ ان کے لئے موجب عذاب کا ٹھہریںگے۔ ایہا الناظرون! جب کفار کو دنیا اور قیامت میں یہ معاش نصیب ہوئی جو موجب عجب ہے مسلمانوں کے لئے تو ایک لحظہ بھر کی تکلیف میں جو بین الفرقین کالعدم سمجھنی چاہیے۔ کہ ان کا کیا نقصان ہوا دونوں جہانوں کی خوشی، تو بموجب علم معانی امروہی

صاحب کے کفار لے گئے، پھر مسلمانوں کے ہاتھ میں باقی کیا رہا۔ یہی مسکنت وغربت و تنگی معاش تِلْکَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (النجم:۲۲)۔

قولہ: پھر لکھتے ہیں ''رہا آخرت کا عذاب سووہ ٹل نہیں سکتا''

اقول: کیوں صاحب جب آپ کے علم بلاغت نے کفار پر دونوں جہانوں کی نعمتیں عنایت کردیں تو پھر آخرت کا عذاب کیسا؟

قولہ: پھر لکھتے ہیں۔ کیونکہ حال ان کا یہ ہے کہ وہ تو مصداق ہیں ۔ **وتزهق انفسهم وهم كافرون** (توبہ:۵۵) کے۔

اقول: ایہا الناظرون! علم بلاغت کے عجائبات کو تو دیکھا ہے اب علم نحو کے قوانین کو سنیے۔ ہدایت النحو پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ حال اور عامل حال کا زمانہ ایک ہوتا ہے مثلاً **رایت زیداً راکباً** یعنی زید کو میں نے سواری کی حالت میں دیکھا تو اب متکلم کے دیکھنے اور زید کے سوار ہونے کا ایک ہی وقت ہوگا۔ امروہی صاحب کا نحو یہاں پر یہ حکم دیتا ہے کہ عذاب تو ان کو دنیا میں ہوگا اور زہوق ان کے نفوس کا جو حال ہے یہ قیامت کے دن۔ سبحان اللہ بایں نحو ومعنی وحدیث وقرآن دانی۔ آنحضرت ﷺ سے لے کر علماء موجودہ تک فوقیت کا دعویٰ ہے اللہ تعالیٰ کو تو اس امر کا اظہار مقصود تھا کہ اموال واولاد چندروزہ کا تجھ کو خوش نہ لگے کیونکہ عذاب ان کے لئے ابدی اور غیر محدود ہے۔ امروہی صاحب کی تفسیر کے مطابق معنی یہ ہوا اموال واولاد دائمی ان کے تجھ کو خوش نہ لگیں کہ صرف دنیا ہی میں ان کی ہلاکت ہے پھر ہمیشہ باقی رہیں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بجائے تسلی واطمینان کے الٹی سنائی۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ **فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** متعلق اموال واولاد سے ہے اور یہ لغو نہیں۔ بلکہ یہ قید بمنزلہ دلیل کے ہے ماقبل کے لئے۔ یعنی اے حبیب اکرم ﷺ آپ کو ان کے اموال واولاد خوش نہ لگیں کیونکہ یہ تو چندروزہ ہیں دائمی معاملہ انکا تو

عذاب سے پڑیگا۔ فکان کدعوی الشئ ببنیۃ وبرھان پس بجائے شعر مذکور یہ مناسب ہے۔

چشم تو کہ زیر ابروئے تست　　　زکردہ کمان بآہوئے تست

یا یوں کہیے

چشم تو زیر ابر واند　　　زہ کردہ کمان بعاشقاند

دندان تو جملہ در دہاند　　　در حقہ لعل لولو اند

اس مضمون بالا اور لحاظ قاعدہ مذکورہ علم بلاغت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آیت **لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ** میں بھی اگر **يَوْمَ الْحِسَابِ** کو **لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ** کے ساتھ متعلق نہ مانا جاوے جیسا کہ امروہی صاحب نے صفحہ ۱۶۶ کے اخیر پر لکھا ہے۔ تو چاہیے کہ کفار کے لئے عذاب شدید دنیا اور قیامت دونوں میں ہو حال آنکہ بہتیرے کفار دنیا میں بڑی جاہ وحشمت میں ہیں تو بحسب تفسیر امروہی صاحب کے آیت میں کذب لازم آئے گا۔ والعیاذ باللہ اور **بِمَا نَسُوْا** میں مراد نسیان سے نسیان آیات اللہ کا بقرینہ مقام ہے فلا یرد ما زعم الامروہی۔

قولہ: صفحہ ۱۶۵ میں مجاہد پر معترض ہو کر لکھتے ہیں۔ جسکا حاصل یہ ہے قولہ تعالیٰ **اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا** (کہف:۱) میں تقدیم وتاخیر نہیں کیونکہ مخاطب کا ذہن بعد سننے **اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتَابَ** کے فوراً اس کجی کی طرف گیا کہ شاید منزل علیہ جس پر کلام اتاری گئی ہے خدانہ بن گیا ہو۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ فوراً ہی ارشاد فرمایا جاوے کہ **لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا** کیونکہ جس طرح وہ شبہ فوراً پیدا ہوا تھا اسکا دفع بھی فوراً چاہیے۔

اقول: ایہا الناظرون! غور فرماویں کجی اور عوج تو مخاطب کے ذہن میں پیدا ہوئی اور اسکا دفعیہ اس طرح پر ہوا کہ **لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا** یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کجی نہیں رکھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں عوج واختلاف نہیں رکھا کہ کہیں

کچھ ہو اور کہیں کچھ۔ اس دفعیہ کو کیا دخل ہے اس وہم کے دفع کرنے میں۔ پھر غور فرماویں کہ کیا **اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ** سے وہم مذکور پیدا ہو سکتا ہے اور جن عباد پر کلام الٰہی اتاری جاوے ان میں خدا بننے کا استحقاق کوئی خیال کر سکتا ہے۔ ہاں بیشک ایسے وہم قادیانی صاحب اور امروہی صاحب کو پیدا ہو سکتے ہیں اسی لئے **ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی** کے سننے سے رسول بن گئے۔ اور آیات الوہیت کے سننے سے خدا بن گئے نہ صرف دعویٰ ہی کیا بلکہ نیا آسمان بھی پیدا کر دیا۔ (دیکھو کتاب البریہ للقادیانی) تیسری دفعہ پھر خیال فرماویں کہ بالفرض اگر وہم مذکور پیدا بھی ہو تو کیا تصریح **عبدہ** کی اس کے دفع کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ جس نے **عبدہ** کو نہ مانا وہ **وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا** کو کیسے مانے گا۔ بلکہ **عبدہ** کی تصریح تو اس مرزائی وہم کا دفعیہ بہ نسبت **وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا** کے بخوبی کر دیتی ہے۔ کہاں تک ہم جہالت آموز دہ مضامین کی تردید میں تضیع اوقات کریں۔ جس شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ **وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ** کا جملہ بسبب معطوف ہونے کے **انزل علی عبدہ الکتاب** پر صلہ موصول کا لا محل لہا من الاعراب ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ کوئی تعلق اس کا بحسب الاعراب **الکتاب** سے نہیں جیسا کہ **قَیِّمًا** کو ہے کیونکہ وہ حال واقع ہوا ہے (**الکتاب**) سے۔ وہ کیونکر کتاب اور سنت کے متعلق لکھنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ **قَیِّمًا** کا محل بوجہ حال واقع ہونے کے الکتاب سے ماقبل کا ہے بہ نسبت **لَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا** کے اور تاخیر اس کی وجوہ بلاغت کی رو سے کی گئی ہے۔ اس مقام پر شاید امروہی صاحب نے لفظی اور معنوی دونوں طریق پر علم بدیع کو ملحوظ رکھا ہے یعنی آیت **وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا** میں ایک مضمون کج بیان کیا باوجود اس کے کہ آیت میں کجی کی نفی کی گئی ہے اور نیز آیت قرآن مجید کی **وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا** "ی" کے ساتھ اور امروہی صاحب نے **لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا** "نون" سے فرمایا ہے دیکھو صفحہ ۱۲۶ س۴۔

قولہ: صفحہ ۱۶۳ کا حاصل۔ا...... اوّل تو علامہ سیوطی پر بے اعتباری اور پھر

۲...... **فَقَالُوْا اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً** میں بھی تقدیم تاخیر نہیں کیونکہ **جھرۃً** بمعنی ظاہر وعیاں کے ہے اور قوم موسیٰ کا سوال عیانی رویت سے ہی تھا اور رویت قلبی تو ان کو بذریعہ حضرت موسیٰ کے حاصل تھی جیسا کہ حضرت اقدس فرماتے ہیں۔ شعر

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشان کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

اقول: ا...... تفاسیر معتبرہ کے مطالبہ کے بعد اس آڑ میں پناہ لینی فرار اسی کا نام ہے۔

۲...... ابن عباس کا مطلب یہ ہے کہ **جھرۃً** کا محل متصل **فقالوا** کے دو وجہ سے ہے۔ لفظی وجہ تو یہ ہے کہ نظم قرآنی میں جس جگہ قول او مافی معناہ کا اجتماع **جھرۃً** کے ساتھ ایک کلام میں واقعہ ہوا ہے۔ وہاں پر جہر سے قول جہری مراد ہے۔ دیکھو **دُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ** اور **وَلَاتَجْھَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَاتُخَافِتْ بِھَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا** (بنی اسرائیل:۱۱۰)۔ اور **وَلَاتَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ** (حجرات:۲) ونظائرہا۔ اور وجہ معنوی یہ ہے کہ یہ حسب محاورہ مجرم کی صریح گستاخی پر بولا جاتا ہے کہ فلاں نے چلاّ کر اور منادی دے کر یہ کام کیا۔ گویا دو جرم ہوئے ایک تو معصیت کا ارتکاب اور دوسرا پرلے درجے کی شوخی۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ انہوں نے چلاّ کر یہ سوال کیا تھا کہ اے موسیٰ ہم کو اپنا خدا دکھلا دے۔ اور چونکہ بحسب اقرار امروہی صاحب ان کو رویت قلبی حاصل تھی لہٰذا معلوم ہوا کہ سوال ان کا رویت عینی ہی سے تھا۔ الغرض آیت مذکورہ بنی اسرائیل کے جہری سوال سے حکایت ہے، نہ سری سے۔ یعنی یہ نہیں کہ آیت کا

مطلب یہ ہو کہ انہوں نے اپنے دلوں میں ادنا اللّٰہ کا خیال کیا تھا۔ شعر بالمقابل شعر مذکور کے یوں لکھنا چاہیے۔

منکوحہ آسمانی وآتھم کی موت میں
حق نے نہ کچھ کہا ہے صفائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

قوله: صفحہ ۱۷۲ کا حاصل ا...... مؤلف کا اقرار ہے کہ **توفّی** کا معنی بجز موت اور نیند کے نہیں۔ دیکھو صفحہ ۵۳ شمس الہدایت کا۔ پھر **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** کا تیسرا معنی **رفعتنی** کیسا پیدا ہو گیا؟ ۲...... اور در منثور سے جو عبارت ابوالشیخ کی نقل کی گئی ہے۔ اس میں کہیں مذکور نہیں کہ **توفّی** بمعنی رفع کے ہیں۔ ۳...... تفسیر عباسی کا حاصل معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی روایات کذابین سے مروی ہیں۔

اقول: ا...... ہم کو اقرار ہے کہ **توفّی** کا معنی قبض واستیفاء یعنی پورا لینے کا ہے جس کے افراد میں سے موت اور نیند اور قبض غیر الروح ہیں۔ ہم نے ان افراد میں سے کسی کو معنی موضوع لہ **توفّی** کا نہیں کہا اور نہ قبض الروح مقید کو معنی **توفّی** کا ٹھہرایا ہے۔ یہ صرف امروہی صاحب کی نافہمی ہے۔ دیکھو ص ۵۳ بالاستیعاب۔ اور **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** کے متعلق مفسرین نے جو لکھا ہے وہ اختصار ہے **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ و رفعتنی** کا یعنی بحسب وعدہ **مُتَوَفِّیْکَ ورافعک** کے مسیح آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت مقبوض ہو کر مرفوع ہوا چنانچہ آیت میں اختصار ہے بدلیل **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** کے جس سے صرف رفع کا تحقق معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی مفسرین وشراح کی کلام میں بھی اختصار ہے نہ یہ کہ **توفّی** کا معنی رفع ہے۔ ہاں اس وجہ سے کہ غالباً قبض کرنے سے مطلب اٹھانا ہوتا ہے **توفّی** سے رفع لینا مستبعد نہیں پس اطلاق

توفّی کا رفع پر مسامحۃً ہوا نہ حقیقۃً۔ یہی ہے مراد کرمانی شرح صحیح بخاری کی جو **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** کے تحت میں **فلما رفعتنی** لکھتا ہے اور یہی ہے مطلب عبارت ذیل شمس الہدایت کا جو ص ۵۶ سطر ۱۴ پر ہے ”اور معنی رفع اور قبض **توفی** سے مراد لینا بشہادت قرآن کریم پہلے اسی رسالہ میں ثابت ہو چکا ہے یعنی قبض کا ارادہ حقیقی طور پر اور رفع مسامحۃً“۔

۲......ابوالشیخ کی عبارت جو درمنثور سے نقل کی گئی ہے۔ اس عبارت میں ابن عباس کا مقولہ **ومدفی عمرہ** آپ نے لحاظ نہیں فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس نے **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** سے **رفعتنی** مراد لیا ہے کیونکہ درازی عمر وحیات کی تقدیر پر جو مدلول ہے **ومدفی عمرہ** کا رفع ہی متصور ہو سکتا ہے بخلاف ارادہ موت کے **توفیتنی** سے کہ وہ ضد ہے حیات اور درازی عمر کی۔

۳......تفسیر عباسی کی نسبت جو کچھ علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے اس کا یہ معنی نہیں کے جو کچھ اس میں اوّل سے آخر تک لکھا ہوا ہے وہ سب خلاف واقعہ ہے کیونکہ اس تقدیر پر علامہ سیوطی کا نقل کرنا ابوالشیخ کی عبارت کو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس نے **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** سے معنی رفع لیا ہے کیا معنی رکھتا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ ابوالشیخ کی روایت جو عندالسیوطی معتبر ٹھہری ہے عباسی کی روایت اس کے مطابق ہے اور عباسی کی روایت محل تائید میں مذکور ہے نہ محل اثبات میں۔

قولہ: صفحہ ۱۷۳ اور ۱۷۴ کا حاصل۔ امام بخاری نے آیت **مُتَوَفِّیْکَ** کے **ممیتک** تفسیر **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** کے ذیل میں لکھی ہے اور اسی مقام میں حدیث **اقول کما قال العبد الصالح** کی لائے ہیں جس سے امام بخاری کو یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ **فَلَمَّاتَوَفَّیْتَنِیْ** میں بھی معنی موت کا مراد ہے اور مسیح ابن مریم کی وفات بھی آنحضرت ﷺ کی وفات کی طرح ہے تو امام بخاری اور ابن عباس دونوں کا مذہب وفات مسیح ٹھہرا بلکہ سب ائمہ سلف کا یہی اعتقاد تھا کیونکہ قول ابن عباس **مُتَوَفِّیْکَ ممیتک** سے کسی صحابی کا انکار

منقول نہیں اور خطبہ صدیقی نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ مسیح بھی سب انبیاء کی طرح مر چکا ہے۔

اقول: امام بخاری اور ابن عباس بلکہ کل محدثین کے نزدیک چونکہ احادیث نزول میں نزول اصلی مراد ہے نہ ظلی کمامرّ۔ نیز امام بخاری کی تصریحات بوفات بعد النزول جو مستلزم ہے حیات قبل النزول کو اور ایسا ہی ابن عباس کی روایات متعلق **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** اور **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ** الآیۃ اور مدت مکث ونکاح مسیح بعد النزول ائمہ ثقات کی کتب معتبرہ میں منقول ہیں۔ دیکھو ابن کثیر و درمنثور اور ابو النعیم وغیرہ۔ لہٰذا وفات مسیح کو انکا مذہب ٹھہرانا بالکل جہالت و بطالت ہے۔ قائلین بہ حیات المسیح کے نزدیک احادیث نزول اور آیات **توفی** کے مابین تطبیق کے دو ہی طریق ہیں ایک **مُتَوَفِّيْكَ** اور **تَوَفَّيْتَنِيْ** کو بمعنی قبض و رفع کے لینا اور دوسرا بمعنی موت کے۔ مگر اس تقدیر پر **مُتَوَفِّيْكَ و رافعک الی** کو تقدیم و تاخیر کی نوع سے ٹھہرایا جائے گا جو کے بہ شہادت نظائر قرآنیہ ثابت ہے اور آپ نے بھی مجبور ہو کر مان لی ہے کمامر۔ اور آیت **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** کو حکایت وفات بعد النزول سے ٹھہراتے ہیں اور یہی ہے مسلک امام بخاری کا۔ دیکھو اسی مقام پر جس میں **مُتَوَفِّيْكَ** بمعنی **ممیتک** کے لکھا ہے۔ **و اذ قال** میں **قال** کو بمعنی **یقول** کے لکھا ہے اور کلمہ **اذ** کو زائدہ۔ جس سے امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ یہ سوال و جواب حشر کے دن ہوگا۔ کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ **هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ** اور **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ** حکایت ہے وفات بعد النزول سے اور حدیث **اقول کما قال العبد الصالح** میں بھی **قال** بمعنی **یقول** کے ہے بلکہ اس حدیث لانے سے بھی امام بخاری کا مطلب اپنے مذہب کا اثبات ہے کیونکہ اس حدیث میں روز حشر کے واقعہ کا ذکر ہے لہٰذا یہ حدیث قوی دلیل ہے اس پر کہ آیت میں **قال** بمعنی **یقول** کے ہے۔ اور اس مسلک کی بناء پر مسیح ابن مریم بھی مثل آنحضرت ﷺ کے اثر موت سے متاثر ٹھہرے ہاں بناء بر مسلک معنی قبض و رفع بوجہ خصوصیت لازمہ کے اثر **توفی** میں مختلف

ٹھہریں گے اور یہ محل استبعاد نہیں۔ دیکھو آیت **اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا** میں نفوس مائتۃ اور نفوس نائمہ مختلف ہیں اثر توفّی میں۔ یہاں پر امروہی صاحب کا تمسخر کے طور پر کہنا کہ ''کیونکر مختلف نہ ہوں کہاں عیسیٰ ابن مریم خدا کا اکلوتا بیٹا اور کجا آنحضرت ﷺ سراسر دجل اور جہالت ہے کیا جس شخص کی عمر دراز ہو وہ خدا بن جاتا ہے یا اس کا بیٹا؟ ہرگز نہیں۔ اب امروہی صاحب ہی چونکہ ترسیٹھ سال سے زائد ہو چکے ہیں تو کیا خدا کے بیٹے بن گئے؟ ہاں مجھے خوب یاد آیا کیونکر نہ بنیں جب بحسب تصریح کتاب البریہ قادیانی صاحب خالق السمٰوات والارض ٹھہرے تو امروہی صاحب اس خدا کے بیٹے ہوئے۔

خطبۂ صدیقیہ کی تشریح پہلے گذر چکی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں نے کتابیں کسی استاد سے نہیں پڑھیں ورنہ انکے مضامین نہ لکھتے لہٰذا آپ معذور ہیں مگر پھر ایسی بحث معرکۃ العلماء میں ہرگز داخل نہ ہونا چاہیے۔

قولہ: صفحہ ۱۷۵ میں ایک اور طرح پر گریز اختیار کیا ہے۔ جب سمجھا کہ بے شک امام ہمام جلال الدین سیوطی جیسے شخص کو ہم جھوٹا تو نہیں کہہ سکتے تو یہ راستہ لیا کہ تاریخ بخاری کا نسخہ دکھایئے مگر وہ بھی بدین شرط مقبول ہوگا کہ اس پر سب ائمہ حدیث کی تصحیح ہو۔ اب ناظرین سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا یہ گریز ہے یا نہیں۔

قولہ: صفحہ ۱۷۶ سطر ۲۲ پر لکھتے ہیں۔ اور کوئی ایسا بڑا تعذر نہیں کیونکہ شریعت اسلام میں صلیب کا توڑ ڈالنا یا خنزیر کا قتل کرنا کچھ ممتنع نہیں ہے۔

اقول: کیوں صاحب صلیب کا توڑنا اور خنزیر کا قتل کرنا علی سبیل الاستمرار ممتنعات عادیہ سے نہیں؟ کیا آپ نے مضارع کا استمرار تجددی کے لئے ہونا نہیں سنا؟

قولہ: صفحہ ۱۷۷ سے ۱۸۰ تک کی تردید کی بوجہ اس کے مردود ہونے کے حاجت نہیں۔

صفحہ ۱۸۱ کا حاصل۔ غیر مکرر لفظ توفی کا قیاس کرنا **خلق اللّٰہ زیداً** قیاس مع الفارق

ہے کیونکہ لفظ خلق کے معنی میں نہ **من تراب** داخل ہے اور نہ **من ماء مهين** بخلاف محاورہ **توفی اللّٰہ زیدا** کے اس میں حسب اقرار مؤلف کے بھی روح کا قبض ہے بمطلق قبض۔

اقول: قیاس مع الفارق نہیں۔ کیونکہ **توفی** کے معنی مطلق پورا لینا اور قبض کرنا ہے۔ جس کے افراد میں سے موت اور نیند اور قبض الشیٔ غیر الروح ہے۔ دیکھو شمس الہدایت کا صفحہ ۵۳۔ لہٰذا یہ قیود توفی کے مفہوم سے خارج ہیں کیونکہ معنی مصدری کے افراد حصصیہ ہوتے ہیں جنکی ماہیت سے قیود بالاتفاق خارج ہیں۔ رہا محاورہ **توفی اللّٰہ زیداً** کا سو اس پر **توفی اللّٰہ عیسٰی** کو بدلیل خصوص یعنی **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کے قیاس نہیں کیا جا سکتا اور آپ نے جو کچھ **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اليه**۔ میں لکھا ہے اس کا تار و پود ناظرین کے سامنے اکھاڑ کر رکھا گیا ہے۔

قوله: صفحہ ۱۸۲ اور ۱۸۳ کا مضمون مکرر ہے۔ صفحہ ۱۸۳ کے اخیر سے ۱۸۵ کے اخیر تک کا حاصل۔ ہمارا استدلال صرف اثر ابن عباسؓ سے ہی نہیں بلکہ ۱......کلام اللہ کی تیس آیات سے۔

۲......بخاری کی حدیث **اقول كما قال العبد الصالح**۔

۳......اثر ابن عباسؓ **مُتَوَفِّيْكَ مميتك**۔

۴......تمام محاورات۔

۵......تمام کتب لغات عرب عرباء۔

۶......حدیث **لا مهدی الا عیسٰی ابن مریم**۔

۷......ابن حزم کا قول۔ چنانچہ حاشیہ جلالین میں لکھا ہے۔ **وتمسک ابن حزم بظاهر الأية و قال بموته**۔ اور امام مالک کا قول مجمع البحار میں مندرج ہے۔

۸......ادلّہ عقلیہ۔

۹......اناجیل وغیرہ۔ اور

۱۰......وقوع مجازات واستعارات احادیث پیشین گوئیوں میں۔

اقول: ا..... قرآن مجید کی آیات میں جس قدر آپ کی جہالت آمودہ اجتہاد نے آپ کی جہالت کا ثبوت دیا ہے وہ پبلک پر بخوبی ظاہر ہو رہا ہے۔ تیس آیات کا حاصل یہ کہ ہر ایک **متنفس** موت کے پیالہ کو نوش کرنے والا ہے اپنے اپنے وقت معین میں۔ دنیا میں ہمیشہ رہنا کسی کے لئے نہیں۔ رسالت اور موت باہم متنافی نہیں۔ معمر لوگ ضعیف القویٰ ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ الغرض کسی آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ کوئی شخص قبل از استیفاء عمر اپنی کے مر سکتا ہے۔

۲..... صحیح بخاری کی حدیث بھی صاف طور پر شہادت دے رہی ہے۔ کہ **اقول کما قال العبد الصالح** کا سوال وجواب قیامت کے دن ہوگا۔ جس سے امام بخاری نے استدلال پکڑا ہے کہ آیت میں بھی **قال** بمعنی **یقول** کے ہے۔ الخ کمامر۔

۳..... اثر ابن عباس **مُتَوَفِّیْکَ ممیتک** کے متعلق تفصیلاً بحث اوپر گزر چکی ہے۔

۴..... تمام محاورات سے مقولہ **توفی اللّٰہ عیسٰی** کا بلحاظ دلیل خصوص علیحدہ ہے اگر نظائر رکھتا ہے تو خصوص کا کیا معنی ہے۔ چنانچہ **خلق اللّٰہ ادم** الگ ہے لکھوکھا محاورات **خلق اللّٰہ زیدا وعمروا وبکرا الی غیر النھایۃ** سے بدلیل خصوص۔

۵..... تمام کتب لغات کی **توفی** کا معنی قبض وغیرہ بہت سے معانی لکھتے ہیں۔ دیکھو لسان العرب وغیرہ۔ ہاں **توفی اللّٰہ زیداً** کا معنی قبض اللہ روح زید کو معنی مجازی لکھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ نیز ارادہ معنی موت کا ہم کو مضر نہیں کیونکہ **مُتَوَفِّیْکَ** میں وفات کا تحقق نہیں اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** کا تعلق وفات فیما بعد النزول سے ہے۔

۶..... ابن ماجہ کی حدیث کا ٹکڑا اس طرح ہے۔ **ولا مھدی الا عیسٰی** جس سے بلحاظ ما قبل معنی وصفی مراد ہے۔ دیکھو ما قبل اس کا **ولن تقوم الساعۃ الا علٰی شرار الناس۔** اب سب احادیث مہدی فاطمی میں اور اس میں تطبیق بھی آگئی۔

۷..... ابن حزم اور امام مالک کا قول **بموت عیسٰی** ان کو اجماعی عقیدہ سے خارج نہیں

کرتا کیونکہ وہ اگرچہ نظر بظاہر آیات توفّی وفات مسیح کے قائل ہیں مگر بلحاظ آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** اور **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ** اور احادیث نزول کی پھر عند الرفع حیات مسیح کے قائل ہیں۔ کیونکہ درصورت تسلیم احادیث نزول بلا تاویل بغیر اس کے کہ مسیح کو عند الرفع زندہ مانا جاوے کوئی چارہ نہیں۔ ہاں درصورت انکار احادیث نزول یا تحریف ان کے یا عدم فہم معنی آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ** الخ بحسب محاورہ قرن اوّل کے بے شک عقیدۂ اجماعیہ کے برخلاف ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا جب تک مخالف ہمارا بہ نسبت ان دونوں بزرگوں کے احادیث نزول کا انکار اپنی طرح قول بالبروز یا تصریح برفع روحانی متعلق آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** کے ثابت نہ کرے تب تک اقوال مذکورہ سے تمسک مفید نہیں ہوسکتا بلکہ ہمارے پاس دلائل موجود ہیں جو ان کو اہل اجماع سے خارج نہیں ہونے دیتے۔ دیکھو اسی کتاب کو اوّل سے جس مقام پر اجماع کا ثبوت دیا گیا ہے۔

۸...... کوئی دلیل عقلی رفع جسمی علی السماء ونزول جسمی من السماء پر قائم نہیں۔ چنانچہ بحوالہ نووی شرح مسلم میں پہلے گذر چکا ہے کہ کوئی دلیل عقلی وشرعی نزول من السماء کے استحالہ پر نہیں۔ قادیانی مشن کی محض جہالت ہے کہ اس کو محالات عقلیہ سے خیال کرتے ہیں کمامر۔ اور آیت **سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا** کی عدم دلالت علی الامتناع کو امروہی صاحب نے بھی مجبور ہوکر اسی کتاب میں تسلیم کرلیا ہے۔ صرف مرزاجی اس جہالت میں اکیلے رہ گئے ہیں۔

۹...... اناجیل وغیرہ میں سے بوجہ خودغرضی کے کچھ لیا اور کچھ چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ سب تمسکات میں آدھا تیتر آدھی بٹیر والی بات ہے۔

۱۰...... آنحضرت ﷺ سب احادیث نزول میں اصیل مسیح کے نزول سے اعلام فرماتے رہے ہیں کمامر غیر مرۃ۔

ایھا الناظرون! کل احادیث نزول اور حدیث **اقول کما قال العبد الصالح** اور اثر ابن عباس **مُتَوَفِّیْکَ** بمعنی **ممیتک** اور آیت **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** اور **مَاالْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** ط(مائدہ:۷۵) یہ سب دلائل جن کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے اجماعی عقیدہ کی مثبت ہیں۔

قوله: ۱۸۶ سے ۱۸۹ تک وہی مضامین ہیں جن کی تردید ہوچکی ہے۔ ہاں صفحہ ۱۸۹ پر لکھتے ہیں۔''اب فرمایئے کہ **الرسل** میں حضرت عیسیٰ داخل ہیں یا نہیں؟ بشق ثانی کیا وجہ کہ صحابہ اہل لسان نے اس پر جرح نہیں کیا اور بشق اوّل مدعا ہمارا ثابت ہے''۔ پھر اس بحث کے اخیر میں لکھا ہے۔''دیکھو ملل ونحل شہرستانی کہ **فرجع القوم الی قوله**''۔

اقول: ''**الرُّسُل**'' جو **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** ط(آل عمران:۱۴۴) میں ہے اس میں حضرت عیسیٰ داخل نہیں۔ کیونکہ یہی **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** آیت **مَاالْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** ط(المائدہ:۷۵) میں بھی موجود ہے تو برتقدیر استغراق **الرُّسُلُ** کے آنحضرت ﷺ **الرُّسُلُ** میں داخل ہیں یا نہیں۔ بشق اوّل آیت میں کذب لازم آتا ہے کیونکہ معنی یہ ہوا کہ سارے رسول مسیح ابن مریم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ اس کے پیچھے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اور بشق ثانی ہمارا مدعا ثابت ہے۔ کیسے معلوم ہوا کہ **الرُّسُلُ** سارے افراد کو محیط نہیں اور صحابہ اہل لسان کا جرح نہ کرنا دلیل ہے اس پر کہ صدیق اکبر اور کل صحابہ متفق تھے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** سے بالاتفاق خارج سمجھتے تھے کیونکہ درصورت اختلاف جرح ضروری تھا۔ اور **فرجع القوم الی قوله** کا معنی یہ ہے سب صحابہ نے صدیق اکبر کی طرح آنحضرت ﷺ کی موت کو منافی رسالت نہ سمجھا اور آپ ﷺ کی وفات شریف کے معتقد ہوگئے غرض کہ آپ اس بحث معرکۃ العلماء میں

داخل ہو کر عجیب مصیبت میں پڑ گئے نہ مذہب باطل کو ہٹ دھرمی سے ترک کیا جاتا ہے کہ معتقدین برگشتہ ہو جاوینگے یا ان کے روبرو آپ کو ذلت جہالت کی حاصل ہو گی اور نہ باطل کا احقاق ہو سکتا ہے۔ شعر

فان کنت لا تدری فتلک مصیبة

و ان کنت تدری فالمصیبة اعظم

قوله: صفحہ ۱۸۹ سے ۱۹۲ تک وہی مضامین مکررہ ہیں۔ ہاں ۱۹۱ پر ایک عجیب مسئلہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فعل متعدی میں نسبت صدوری اور وقوعی کے مابین تلازم ہے اور متلازمین میں ایک کا ذکر ایسے محل پر دوسرے کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے۔

اقول: بالکل لغو اور باطل ہے۔ **ضرب زید عمروا** میں اگر صرف نسبت صدوری کی مخالفۃ للواقع ثابت ہو گئی یا صرف نسبت وقوعی کی تو ہر ایک مخالفت بالاستقلال مؤثر ہے کذب قضیہ مذکورہ میں تو محل تردید میں ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر سے کیسے مستغنی کر دیتا ہے۔

قوله: صفحہ ۱۹۳ کا حاصل۔ ترجیح کے لئے (جو عبارت ہے تقویت احد الطرفین سے دوسرے پر جس سے مقصود تصحیح و ابطال باطل ہوتا ہے) چند شرائط ہیں۔ ۱.....تساوی فی الثبوت۔ ۲.....تساوی فی القوۃ۔ ۳.....صحابہ و تابعین و تبع تابعین و من بعد ہم سب متفق تھے عمل بالراجع پر۔ ۴.....ترجیح کبھی اسناد کی رو سے ہوتی ہے اور کبھی متن اور کبھی مدلول اور کبھی امر خارج کے رو سے۔ ۵.....قلت وسائط کی اسناد میں اور روایت فقیہ کی اور ایسی ہی روایت عالم باللغۃ العربیہ کی یہ تینوں اسباب ترجیح میں سے ہیں۔ ۶.....اور جو مراد پر بلا واسطہ دلالت کرتا ہو مقدم کیا جاتا ہے اس پر جو بالواسطہ دلالت کرے۔ ۷..... صحیحین کی احادیث مقدم سمجھی جائینگی غیر صحیحین کی احادیث پر حصول المامول من علم الاصول سے انتخاب کیا گیا ہے۔

اقول: کل مرویات فی تحقق وفات المسیح بعد النزول مطابق و متمم موید ہیں صحیحین کی مرویات کے لئے بوجہ اتحاد مقسم قسیم ایک دوسرے کے لئے کمامر۔ **فلاتعارض حتی یحتاج الی الترجیح۔** ان میں فقہاء اور علماء باللغۃ العربیہ کے نزدیک کوئی تخالف نہیں الا بحسب رائے چند عجمیوں کے جو فقاہت اور وجوہ استنباط سے بالکل نابلد ہیں **فلایعبابھم۔**

قولہ: صفحہ ۱۹۴ کا مضمون غیر مکرر اس جگہ پر مؤلف صاحب نے (مؤلف شمس الہدایت) ایک اور اپنا کمال ظاہر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کے اس قول پر ''کہ کل مفسرین نے حتی کہ صاحب کشاف نے بھی **مُتَوَفِّیۡکَ** سے معنی **ممیتک** کا لیا ہے'' مؤلف صاحب فرماتے ہیں کہ صاحب کشاف نے **مُتَوَفِّیۡکَ** کے جو معنی **ممیتک** لکھے ہیں اس معنی کو بسبب لانے صیغہ تمریض کے خود کو ضعیف کر دیا ہے۔ ایھا الناظرون! دیکھو یہ کس قدر دجل عظیم مؤلف صاحب کا ہے کیونکہ صاحب کشاف نے جو قول کے تحت میں **ممیتک** لکھا ہے اس کو **بقیود فی وقتک بعد النزول من السماء** سے بھی تو مقید کر دیا ہے۔ پس وہ **ممیتک** جو مقید ہو بدیں قیود وہ قول صاحب کشاف کے نزدیک مرجوح ہے نہ وہ **ممیتک** جو مقید ہو بقید **حتف انفک لا قتلا بایدھم** کے کیونکہ یہ قول تو اوّل نمبر میں لکھا گیا ہے۔

اقول: ناظرین کو قاموس وغیرہ کتب لغت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل لغت نے **توفّی** کے لئے چند معانی لکھے ہیں جن میں سے موت بھی ہے اور استیفاء عمر بھی اور پورا پکڑنا اور پوری گنتی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سب معانی بوجہ اتحاد مقسم ایک دوسرے کے مقابل و مغائر ہوئے۔ صاحب کشاف اور قاضی بیضاوی اور صاحب مجمع البحار وغیرہم نے ظاہر **مُتَوَفِّیۡکَ** کو جب دیکھا کہ بر تقدیر ارادۂ معنی موت کے نص **بَلۡ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیۡہِ** اور احادیث متواترہ اور اجماع سے مخالف ہے تو انہوں نے حصول تطبیق کے لئے اس مسلک کو لیا کہ یہاں پر **مُتَوَفِّیۡکَ** بمعنی **ممیتک** کے نہیں تا کہ حصول تطبیق کے لئے قیود وغیر متبادرہ

کی طرف احتیاج پڑے۔ یعنی **فی وقتک بعد النزول من السماء** بلکہ **مُتَوَفِّیکَ** سے مراد ایک اور معنی ہے جس کو اہل لغت نے منجملہ معانی **توفّی** کے موت کے طرح شمار کیا ہے وہ ہے **مستوفی اجلک** یعنی تیری عمر کو جو ابھی باقی ہے پورا کرنے والا ہوں کشاف کی عبارت یہ ہے۔ **متوفیک ای مستوفی اجلک و معناہ انی عاصمک من ان یقتلک الکفار ومؤخرک الی اجل کتبتہ لک وممیتک حتف انفک لاقتلا بایدیھم** (صاحبِ کشاف) **ومعناہ انی عاصمک من ان یقتلک الکفار** سے یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ **مستوفی اجلک** کنایہ ہے **عصمة عن القتل** سے اور عبارت **مؤخرک الی اجل** الخ سے مقصود بیان لزوم ہے مابین استیفاء اجل اور عصمۃ عن القتل کے۔ یعنی استیفاء اجل کی صورت یہ ہے کہ تجھ کو مہلت دینے والا ہوں اجل موعود تک اور یہ تاخیر اجل اس طرح پر نہیں کہ مہلت کے بعد پھر تجھے انہیں کے ہاتھ سے قتل کراؤں بلکہ تجھے بلا قتل اپنی موت سے ماروں گا۔ عبارت مذکورہ میں جیسا کہ فقرہ **ومؤخرک الی اجل کتبتہ لک** درضمن بیان معنی کنایت کے داخل ہے ایسا ہی فقرہ **وممیتک حتف انفک لاقتلا بایدیھم** کا۔ پس ثابت ہوا کہ صاحب کشاف نے **مُتَوَفِّیکَ** سے معنی موت کا نہیں لیا بلکہ **مستوفی اجلک** مراد رکھا ہے۔ اور عبارت مذکورہ میں **ممیتک** وہ نہیں جو منجملہ معانی متوفّی سے شمار کیا گیا ہے کیونکہ یہ بعطف بعید معطوف ہے **عاصمک** کے اوپر پس **معناہ** پر محمول ہوا۔ گویا صورت ترکیب کی یہ ہوئی **و معناہ انی ممیتک** یعنی معنی اس **مستوفیک** کا **ممیتک** ہے حالانکہ **مستوفی اجلک** اور **ممیتک** بوجہ اتحاد ایک دوسرے کے لئے مقسم قسیم ہیں جن کا حمل فیما بین جائز نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ ممیتک درضمن بیان معنی کنائی کے ذکر کیا گیا ہے یعنی **ممیتک** مقید بقیو دحتف **انفک لا قتلا بایدیھم** من حیث انہ مقید محمول ہے **معناہ** کے اوپر اور

ظاہر ہے کہ **ممیتک** مقید **متوفی** کا معنی نہیں نتیجہ یہ نکلا کہ یہ **ممیتک** جو کشاف کی عبارت میں واقع ہے **مُتَوَفِّیکَ** کے معنی کے لئے نہیں۔ اور یہ بھی اذہان صافیہ پر واضح ہو کہ کشاف کی عبارت **وقیل ممیتک فی وقتک بعد النز ول من السماء** میں **ممیتک** چونکہ متعلق ہے **مُتَوَفِّیکَ** سے یعنی اس کا معنی تصور کیا گیا ہے لہٰذا یہاں پر حمل کا لحاظ مقدم ہوگا تقید کے لحاظ سے۔ الحاصل پہلی کلام میں ممیتک مقید محمول ہے اور پچھلے میں ممیتک محمول مقید ہے۔ امید نہیں کہ مرزا صاحب وامروہی صاحب اب بھی باوجود اس تصریح کے کشاف کے مطلب کو پہنچیں۔ مگر اور طلباء کے افادہ کے لئے لکھا جاتا ہے۔ قاضی بیضاوی کشاف سے لے کر **مُتَوَفِّیکَ** کے تحت لکھتے ہیں۔ **ای مستوفی اجلک و مؤخرک الی اجلک المسمی عاصما ایاک من قتلهم اوقابضک من الارض من توفیت مالی الخ**۔ اس کے حاشیہ پر شہاب لکھتا ہے۔ **لما کان ظاهره مخالفا للمشهور المصرح به فی الآیة الاخری بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ اوله بوجه الاوّل انه کنایة عن عصمة عن الاعداء وما هم فیه من انفتک به لانه یلزم من استیفاء اجله وموته حتف انفه ذٰلک انتهٰی** موضع الحاجۃ۔

ایہا الناظرون! قادیانی وامروہی صاحبان سے دریافت فرماویں کہ دجل یا جہل کس کا ہے اور کل مفسّرین نے اجماعی عقیدہ کے مطابق لکھا ہے یا نہیں کہاں تک ان کو آیات واحادیث بلکہ صرف نحو تک بھی پڑھایا جاوے۔

قوله: صفحہ ۱۹۵ کا حاصل جھوٹی لاف۔ ص ۱۹۷ سطر اوّل۔ اور مؤلف جوایراد کرتا ہے کہ ''ایام الصلح'' کے اخیر میں انکار فرشتوں کا کیا گیا ہے۔ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ**۔

اقول: ایہا الناظرون! شمس الہدایت کے صفحہ ۹۵ کے حاشیہ کو ملاحظہ فرماویں۔ جس کی

سطر ۱ پر لکھا ہوا ہے۔ ''مرزا صاحب ازالہ اوہام میں متعلق تفسیر سورۃ القدر نزول ملائکہ کے قائل ہیں۔ ایام الصلح میں قریب اختتام کے اس کے منکر ہو گئے''۔ پھر ''ایام الصلح'' فارسی کے صفحہ ۱۱۹ سطر ۱ کو ملاحظہ کریں جس میں عبارت ذیل مندرج ہے۔ ''ایں آیت کریمہ جہراً گوید نزول ومشی ملائکہ بریئت رجال بنی آدم از عادتِ الٰہیہ نیست''۔ پھر امروہی صاحب سے دریافت فرماویں کہ **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن** کا مصداق کون ہوا؟ اب یہ دوسری دفعہ اپنے منہ سے ملعون ہورہے ہیں۔ کیا ابھی سے حواس قائم نہیں رہے۔ آگے چلئے۔

قولہ: صفحہ ۱۹۸ کا حاصل۔ ۱...... رفع جسمانی کو قرآن مجید نے اہل کتاب کی طرف منسوب کر کے نفی اور رد کیا ہے۔ دیکھو آیت **او ترقی فی السماء** کو **يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَآءِ**(النساء:۱۵۳)

۲...... پیشین گوئیوں میں قبل از وقوع ملہم کی رائے بھی خلافِ نفس الامر کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ مگر قبل از وقوع کے ہے نہ بعد از وقوع۔ دیکھو **فَذَهَبَ وَهْلِیْ** کو۔

۳......اہل کتاب اگر چہ قبل از واقعہ صلیب رفع مسیح بجسدہ العنصری کے قائل نہیں۔ لیکن ابن عباس نے شاید اس کو ان کی غلطی خیال کر کے یہ وہم کیا کہ صحیح یوں ہے کہ یہ قصہ رفع کا قبل از واقعہ صلیب واقع ہوا ہے۔

۴......اثر ابن عباس بوجوہ مندرجہ ذیل ساقط الاعتبار ہے۔ (۱) تعارض نصوص قطعیہ (۲) اس اثر کو ابن عباس اگر آنحضرت ﷺ سے سماع فرماتے تو کسی نہ کسی حدیث مرفوع صحیح یا ضعیف میں اس کا نشان اور پتہ ضرور ملتا۔ (۳) اس کتاب میں تین وہ مذاہب بیان کئے گئے ہیں جو اہل کتاب سابق کے ہی ہیں۔

اقول: ۱...... **او ترقی فی السماء** سے مطلق رفع جسمی کا رد نہیں پایا جاتا کما بینا فی شمس الہدایت۔ ہاں کفار کا سوال بہ نسبت صعود علی السماء وغیرہ کے منظور نہیں ہوا۔ جس پر آیت

سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ھَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا (بنی اسرائیل:۹۳) دال ہے۔ ورنہ آیت سُبۡحَانَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ الآیۃ سے آپ ﷺ کا صعود اور بَلۡ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیۡہِ سے مسیح کی مرفوعیت ثابت ہے اور اسی پر کل اہل اسلام کا اجماع ہے۔ اور سوال کفار کی عدم اجابت کی وجہ تو دوسری آیت میں بالتصریح بیان فرمادی گئی ہے۔ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ کَذَّبَ بِہَا الۡاَوَّلُوۡنَ (بنی اسرائیل:۵۹) ترجمہ: کسی شے نے ہم کو ایسی آیات کے بھیجنے سے نہیں روکا بجز اس کے کہ اگلے کفار نے تکذیب کی اور ایمان نہ لائے۔ اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ **والذی نفسی بیدہ لقد اعطانی ما سئلتم ولو شئت لکان** الخ۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا وجود ہے جو تم نے مجھ سے مانگا ہے وہ مجھے اللہ نے دے دیا۔ اور اگر میں چاہوں تو وہ ہو جاوے الخ۔ تفسیر ابن کثیر سورۂ بنی اسرائیل۔ اور قرآن مجید نے اس مسئلہ کو اہل کتاب کی طرف منسوب نہیں کیا۔ کیا آپ آیت یَسۡـَٔلُکَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَیۡہِمۡ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ (النساء:۱۵۳) کا معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اہل کتاب کا سوال یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ آسمان پر چڑھ جاویں؟ ہرگز نہیں۔

۲..... ''ازالۃ الخفاء'' میں شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ چونکہ سلسلہ تکوین میں آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونا مقدر نہ تھا لہٰذا حکمت الٰہیہ کا اقتضاء ہوا کہ ان واقعات کے احکام بھی آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر جاری ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ اور ان کے متعلق حق تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا بھی ظاہر ہوتا کہ نعمت الٰہی تمام ہو اور حجت قائم ہو۔ پس وہ سب وقائع منکشف ہوگئے اور آنحضرت ﷺ نے بعض کی نسبت تو اس طرح خبر دی کہ گویا بظاہر چشم دیکھ رہے ہیں۔ اور بعض کی نسبت بہ تقریبات اطلاع دی تاکہ بعد آنحضرت ﷺ کے امت مرحومہ تاریکی میں نہ رہے۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں احادیث نزول میں بھی بڑی بڑی تاکیدات و بیان نشانات سے اسی لئے ارشاد فرمادیا گیا

ہے تاکہ امت مرحومہ جھوٹے مسیحوں سے بچے۔ اور کشف عینی والی پیشین گوئیوں کی یہی علامت ہے کہ ان میں بڑی توضیح وتشریح وتاکید وبیان حلفی سے کام لیا جاتا ہے۔ بخلاف کشف اجمالی کے کہ ان میں بایں طرز بیان نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ **فذهب وهلی الیٰ انه الیمامة**۔ کیونکہ اس میں آپ نے پہلے سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ یمامہ ہی ہوگا۔ لہٰذا یہ پیشین گوئی کے اقسام میں سے نہیں بلکہ صرف اظہار تھا اپنی رائے شریف کا۔ الغرض نزول مسیح وغیرہ اشراط الساعۃ والی پیشین گوئیاں بوجہ ہونے ان کے مناط احکام ورضا وعدم رضا وکفر وایمان نہایت مہتم بالشان ہیں ان کو مقیس علیہا ٹھہرانا دوسری اقسام کے لئے جہالت ہے بلکہ اس خیبر کے یہودی کا مسلک ہے جس کے بارہ میں ارشاد کیا گیا تھا۔ **اذتعدوبک قلوصک لیلاً بعد لیل**. اوراس کو اس نے آپ کی خوش طبعی پر حمل کیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے اس کو بوجہ اس حدیث کے پیشین گوئی قرار دینے کے خیبر سے جلاوطن کر دیا۔ قادیانی مشن کا مسلک بھی اس خیبر کے یہودی کا مسلک ہے فاروقی اور ایمانی مشرب نہیں۔

۳...... اثر ابن عباس میں بہتیرے ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد یہ تاویل سوجھی جو بوجہ مردود ہونے کے قابل تردید نہیں۔

ع تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

۴...... کوئی نص قطعی اس اثر کے معارض نہیں۔ اہل فقاہت واہل لسان کی رائے کو اعتبار ہے۔ دیکھو اصول عشرہ کو۔ اور سب اہل لسان اور صحابہ معراج جسمی کے قائل ہیں۔ اثر ابن عباس میں چونکہ عقل ونقل از اہل کتاب کو دخل نہیں۔ صرف اتنی ہی وجہ سے حکم مرفوع میں ہو سکتا ہے۔ دیکھو علم اصول کو۔ ایسے آثار کے مرفوع ٹھہرانے میں یہ شرط نہیں کہ مرفوعاً بھی مذکور ہوں۔ اگر مرفوع ہوتے تو حکم مرفوع میں ہونا کیا معنی رکھتا۔ اور اس اثر میں تین مذاہب اگرچہ اہل کتاب کے بھی مذکور ہوں مگر بیان کنندہ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے یعنی ابن

عباس کا بیان ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے اٹھایا جانے کے بعد تین گروہ مختلف المذاہب ہو گئے۔ ایہا الناظرون! کیا اس بیان سے یہ پایا جاتا ہے کہ اثر مذکور کا سارا ہی مضمون اہل کتاب کا مذہب ہو جائے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ اہل کتاب میں سے تو کوئی قبل از صلیب مسیح کے مرفوع الی السماء ہونے کا قائل نہیں۔ واہ صاحب۔ کہاں کی کہاں لگا دیتے ہیں۔

قولہ: صفحہ ۱۹۷ سے صفحہ ۲۰۶ تک کے مضامین وہی ہیں جن کی تردید گزر چکی ہے۔ اور بعض کی تردید ادنیٰ طالب العلم بھی کر سکتا ہے۔ صفحہ ۲۰۶ سے ص ۲۱۱ تک کا حاصل۔ زریب بن برثملا وصی عیسیٰ والا یہ ایک واقعہ کشفی ہے۔

اقول: ایہا الناظرون! اس گریز کا بھی خیال نہ کریں چونکہ محی الدین ابن عربی کے کشفی معیار صحت کا انکار بوجہ اقرار مندرج ازالہ کما مرنہیں کر سکتے تو اب اس طرف کو بھاگے کہ یہ واقعہ صرف کشفی تھا۔ محی الدین عربی صاحب کی عبارت ذیل کو ملاحظہ فرمایا جاوے وہ اس واقعہ کو کیا ٹھہراتے ہیں۔ دیکھو جلد اوّل ص ۲۵۰ میں حدیث برثملا کی اوّل سطر ۳ پر لکھتے ہیں۔ **وفی زماننا الیوم جماعة احیاء من اصحاب عیسیٰ و الیاس** الخ۔ یعنی ہمارے زمانہ موجودہ میں ایک جماعت زندہ ہے عیسیٰ اور الیاس کے اصحاب میں سے۔ اب امروہی صاحب سے دریافت فرمادیں کہ حسب اقرار مندرج ازالہ کے محی الدین ابن عربی صاحب کا قول کیوں نہیں مقبول ہوتا۔ اور کسی شخص کا اہل زمان سابق سے عظیم الجثہ ہونا یا اصحاب کہف کی طرح بغیر خوراک عادی کے زندہ رہنا کیوں مستبعد خیال کیا جاتا ہے۔

قولہ: صفحہ ۲۱۲ اور ۲۱۳ کا مضمون مکرّر ہے۔ صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵ اور ۲۱۶ کا حاصل۔ چونکہ صیغہ مضارع بحسب تصریح سید سند استمرار کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا **لیؤمنن** کا ترجمہ جو مرزا صاحب نے لکھا ہے یعنی ''ایمان رکھتا ہے'' صحیح ہوا۔ کیونکہ استمرار میں ازمنہ ثلثہ داخل ہیں یعنی مثلاً **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** (عنکبوت:۶۹) اور **كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا**

وَرُسُلِیْ(مجادلہ:۲۱) اور مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ(النحل:۹۷) وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ(الحج:۴۰) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّھُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ(عنکبوت:۹) بر تقدیر ارادہ محض استقبال کے ان آیات میں معنی فاسد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہدایت اور غلبہ اور احیاء اور جزا اور نصرت اور ادخال دائمی ہیں۔ مخصوص بزمانہ مستقبل نہیں۔ افسوس کہ وہی پرانی باتیں مولوی محمد بشیر کے رسالہ سے لکھ دیں۔ جن کا جواب ہم نے مفصل پہلے سے لکھ دیا ہے۔

اقول: سید سند کی تصریح کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ مضارع استمرار کے لئے ہوتا ہے اور نہ کسی علم معانی والے نے یہ لکھا ہے۔ یہ صرف آپ کی خوش فہمی ہے۔ سید سند کی عبارت ذیل کو ملاحظہ کرو۔ **قدیقصد بالمضارع الاستمرار علی سبیل التجدد والتقضی بحسب المقامات۔ قدیقصد** اور **بحسب المقامات** کو غور فرمائیے۔ مضارع پر قد افادہ تقلیل کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی مضارع سے بدلیل مقام استمرار مقصود ہوتا ہے جیسا کہ آیاتِ خمسہ مذکورہ میں ہے اور چونکہ مضارع مؤکد بالنون کا للاستقبال ہونا بھی بحسب قاعدہ مسلمہ مشہورہ کے ضروری ہے۔ دیکھو متن متین وغیرہ۔ **تختص بمستقبل طلب اوخبر مصدر بتاکید باللام نحو لیضربن۔** چنانچہ آیت میں بھی **لیؤمنن** خبر مصدر بتاکید باللام ہے لہٰذا افعال خمسہ مذکورہ میں معنی استقبال سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ فعل مستقبل مستمر ہے یعنی وہ فعل کہ جس کو کسی فعل کی نسبت مستقبل کہا جاتا ہے اور وہ اس کے لئے بمنزلہ جزاء کے ہے بہ نسبت شرط کے یا معلوم کے بہ نسبت علم کے مستمر بھی ہے بباعث استمرار فعل مترتب علیہ یا بوجہ استمرار اس کے علم کے۔ پہلی آیت میں **لنھدینھم** اور تیسری میں **فلنحیینہ** مع معطوف کے اور چھٹی میں

لندخلنهم بمنزلہ جزاء کے ہیں بہ نسبت **جاهدوا** اور **عمل** اور **امنوا** کے۔ ابن حاجب کہتا ہے **واذا تضمن المبتداء معنی الشرط فیصح دخول الفاء فی الخبر و ذٰلک الاسم الموصول بفعلٍ او ظرفٍ او النکرة الموصوفة بهما**۔ اور دوسری آیت میں غلبہ بہ نسبت کتب یعنی قدر کے معلوم کے مرتبہ میں ہے اور تاخر واستقبال معلوم کا بہ نسبت علم اپنے کے گوکہ بہ حسب الذات ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور چوتھی آیت میں **لینصرن اللّٰہ** مترتب ہے۔ **ینصره** پر۔ اور آیت **لیؤمنن به** میں یہود کا ایمان کسی فعل پر مرتب نہیں تاکہ اسکی نسبت سے مستقبل کہا جائے نیز بوجہ خارج ہونے ان اہل کتاب کے جو مسیح سے پہلے گذرے ہیں۔ پھر بھی استمرار **لیؤمنن** کا نہیں ہوسکتا۔ الغرض **لیؤمنن** کو از قبیل افعال مرتبہ علی فعل آخر سمجھنا اور آیات خمسہ مذکورہ پر قیاس کرنا یہ انہیں نام کے نہ کام کے مولویوں کا کام ہے۔ جنہوں نے علوم کو کسی استاد سے نہیں پڑھا۔ **نعوذ باللّٰہ من اناس تشیخوا قبل ان یشیخوا**۔

ایھا الناظرون! امروہی صاحب سے دریافت کریں کہ یہ وہی مولوی محمد بشیر کی پرانی باتیں ہیں یا مولوی محمد نذیر کے نئے افادات۔ چونکہ **لیؤمنن** میں استقبال بالنسبۃ الی امر آخر نہیں لہٰذا استقبال اسکا بہ نسبت زمان نزول آیت کے ہوگا یعنی نزول کے وقت سے آئندہ کو ایمان بالمسیح متحقق ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت سے مراد ایمان لانا کتابی کا مسیح کے ساتھ عند موت الکتابی نہیں کیونکہ یہ ایمان بالمسیح تو نزول آیت سے پہلے بھی ہر کتابی کا چلا آیا ہے۔ لہٰذا متعین ہوا کہ آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ ہر ایک کتابی زمان آئندہ میں عند نزول المسیح ایمان لائے گا۔ اور عند نزول المسیح سے یہ مراد نہیں کہ فوراً مسیح کے اترتے ہوئے سب اہل کتاب مسلمان ہو جائیں گے۔ بلکہ جن کی موت علی الکفر مقدر میں ہے ان کے ہلاک کئے جانے کے بعد کما ہو مدلول احادیث الجہاد باقی افراد موجودہ سب ایمان

لائیں گے۔ کما قال ﷺ وتکون الملل کلها ملة واحدة۔ اور یہ معارض نہیں آیت وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ(آل عمران:۵۵) کے لئے۔ کما زعم القادیانی والامروہی۔ کیونکہ سورت مذکورہ میں فوقیت کا تحقق بالاستیصال علیٰ وجہ الکمال ہوگا چنانچہ بہ نسبت عرب شریف کے وارد ہوا ہے کہ عرب میں کوئی گھر نہیں رہا جس میں اسلام داخل نہ ہوا یعنی ہر ایک عربی مسلمان ہوگیا اور اس کی یہی صورت ہوئی کہ جن کی ہلاکت علی الکفر مقدر میں تھی ان کی ہلاکت کے بعد بقیہ اہل عرب سے ہر ایک عربی مشرف بہ اسلام ہوا۔ ایسے تعارضات صرف خوش فہمی پر مبنی ہیں ورنہ اہل لسان کے نزدیک حدیث مذکور اور آیت مذکورہ کے مابین کوئی تعارض نہیں۔ اگر ہے تو سلف کی نسبت ثابت کیا جاوے کہ وہ تعارض کے قائل ہوئے ہیں اور حدیث مذکورہ کو بوجہ تعارض کے متروک الاعتقاد ٹھہرایا ہے۔ ودونہ خرط القتاد۔ پس بحسب قاعدہ مسلّمہ آپ کے جو اصول عشرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اہل لسان اور فقاہت کی روایت و درایت مقبول کرنی چاہیے۔ فاندفع ما توھمہ الامروھی فی الصفحات العدیدۃ السابقۃ واللاحقۃ الغرض کل ڈھکوسلے ان کے خانہ زاد ہیں۔ قائل کی غرض کچھ اور ہوتی ہے اور یہ فرقہ کچھ اور ہی ہانکے جاتا ہے۔ تعجب اس سے آتا ہے کہ ایسے بیانات پر جو صراحۃً مخالف ہوں غرض قائل کے، بڑے فخر اور تعلّی سے چند حمقاء میں بیٹھ کر دوسروں کو جاہل اور گدھا وغیرہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ بر شملا وصی عیسیٰ والی حدیث کے بعد صفحہ ۲۱۱ میں ہماری نسبت شعر ذیل لکھتے ہیں۔

گوش خر بفروش دیگر گوش خر
کیں سخن را در نیاید گوش خر

اور پھر ہم پر یہ سوال وارد کیا گیا ہے کہ ''کیا آپ کو وہ مذاکرہ بھی یاد ہے جو آیت

ذیل میں مندرج ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا** (الاعراف:۱۷۲) جب آپ اس مذاکرہ کا یاد ہونا ثابت کر دکھائیں گے تو ہمارے مسیح موعود آپ کے اس مذاکرہ مطلوبہ کا وقوع بطور بروز کے ثابت کر دکھائیں گے۔ انتہی۔'' واہ صاحب شاباش آپ کی خوش فہمی پر، کیا ہم نے آپ کے مسیح سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ کو شب معراج والا مذاکرہ یا برتملا کو کوہِ حلوان میں نزول تک ٹھہرانے کا ارشاد کرنا یاد ہے یا نہیں بلکہ سوال تو یہ تھا کہ اگر آپ سچے مسیح موعود ہیں تو بحسب مذاکرہ شب معراج کے چاہیے تھا کہ اپنے دجّال کو بجہاد سنانی قتل کیا ہوتا یا اپنے وصی برتملا کو پتہ دیا ہوتا تا کہ وہ بھی قادیان میں آپ کے ساتھ شامل ہوتا۔ الغرض سوال یادداشت سے نہیں تھا بلکہ وقوع ظہور علی حسب المذاکرۃ والارشاد سے تھا۔ مگر آپ کے نزدیک جواب اس کا کچھ مشکل نہیں۔ کیونکہ **الکنایۃ والمجاز ابلغ من الحقیقۃ** میں امروہی صاحب کو بڑی مشاقی ہے۔ وہ تو جواباً کہہ سکتے ہیں کہ مسیح بروز کے طور پر قادیانی صاحب تھے اور برتملا بطریق بروز کوہِ حلوان میں تھا۔ اور کوہِ حلوان بروزی امروہہ ہے مسیح اقدس کے قبل از ظہور فی القادیان وصیت تھی کہ ہمارے نزول فی القادیان تک تم کوہ حلوان یعنی امروہہ میں ٹھہریو اور کسی انسان کا عظیم الراس والجثہ ہونا چونکہ بحسب استبعاد امروہی صاحب کے ممکن بامکان وقوعی نہیں لہٰذا حدیث مذکور میں جو لکھا ہے کہ برتملا کا سر چکی کے پاٹ کی طرح تھا اس سے مراد بطریق کنایہ کامل العقل رکھا گیا ہے اور آیت **وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ** الآیۃ کے مطابق ہم سے دریافت کرنا چاہیے کہ یوم میثاق کے مطابق شہادت بالتوحید والربوبیۃ ظہور میں آئی ہے یا نہیں؟ تو جواباً معروض ہے کہ الحمد للہ والمنۃ کہ جس طرح اس واہب العطیات نے محض فضل و کرم کے ذریعہ سے یوم میثاق میں

ہم سے بَلٰی شَھِدْنَا کہلوایا تھا اسی طرح اس عالم میں بھی اس شہادت سے رطب اللسان و مسرور الجنان ہیں۔ ولنعم قیل

شربنا على ذكر الحبيب مدامةً
سكرنا بها من قبل ان يخلق الكرم

ولنعم ما قيل

لقد قلت فى مبدء الست بربكم
بلٰى قد شهدنا و الولا متتابع
فيا حبذا تلک الشهادة انها
تجادل عنى سائلى وتدافع
وانجو بها يوم الورود فانها
لقائلها حرز من النار مانع
هى العروة الوثقٰى بها فتمسكى
وحسبى بها انى الى اللّٰه راجع
فيارب بالخل الحبيب محمد
نبيک وهو السيد المتواضع
انِلنا مع الاحباب رويتک التى
اليها قلوب الاولياء تسارع
فبابک مقصود و فضلک زايد
وجودک موجود و عفوک واسع[1]

---

[1] خلاصہ اشعار: میں نے یوم الست میں عہد کیا کہ یہ محبت وولا دائمی ہے اور یہ شہادت میری نجات کا بہترین ذریعہ ہے۔ یا الٰہی اپنے خلیل حضور نبی کریم ﷺ کے طفیل ہمیں اپنے اولیاء کرام کے ساتھ اپنے دیدار کی نعمت سے مشرف فرمانا، تیرا دروازہ کھلا اور تیرا فضل وکرم وسیع ہے۔

قوله: صفحہ ۲۱۷ سے صفحہ ۲۲۲ تک کی تردید کی حاجت نہیں۔ صفحہ ۲۲۳ سے ۲۲۵ تک کا حاصل۔ ساری اہل زمین ہدایت اور اتفاق ان کا ملت اسلام پر کما ہو المفہوم من قولہ ﷺ **وتکون الملل کلها ملة واحدة** مشیت الٰہیہ کے محض خلاف ہے۔ لقولہ تعالیٰ **وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ هُدٰاهَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّی لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ**o (سجدہ:۱۳) ایضاً قال تعالیٰ **وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَایَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَo اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّکَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ**o (ہود:۱۱۹،۱۱۸)۔

اقول: پہلی آیت کا مفاد یہ ہے کہ ہم کو چونکہ جنوں اور آدمیوں سے جہنم کا بھرنا حسب الوعدہ منظور ہے لہٰذا ہر ایک کو ہم نے ہدایت عطا نہیں کی ورنہ اگر ہم چاہیں تو ہر ایک کو ہدایت دے سکتے ہیں۔ ایہا الناظرون! انصاف فرماویں کیا جہنم کا بھرنا بغیر اس کے کہ زمان مسیح کے لوگ مختلف ہوں، نہیں ہو سکتا۔ **بیّنوا توجروا**۔ اور دوسری آیت میں بحسب استثناء **مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ** کے مرحومین کا اتفاق ایک ملت پر ہو سکتا ہے۔ رہے غیر مرحومین سو وہ جب تک زمین پر موجود ہوں گے مختلف ہی رہیں گے۔ اور **لایزالون** کا مقتضٰی یہ نہیں کہ غیر مرحومین سے زمین کسی وقت خالی نہ ہوگی کیونکہ **لایزال** کا مدلول صرف اتنا ہی ہے کہ محمول منفک نہیں موضوع سے یعنی کوئی وقت وجود موضوع غیر مرحومین کا اختلاف سے خالی نہیں۔ دیکھو قولہ تعالیٰ **لَایَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ** (توبہ:۱۱۰) جس کا مدلول اسی قدر ہے کہ شک کا انفکاک **بُنْیَانُهُمْ** (ان کی عمارتوں) سے تاحین حیات ان کے متصور نہیں۔ ہاں اگر مر گئے تو چونکہ خود ہی نہ ہوں گے ان کا شک بھی نہ ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ **اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ** مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے کٹ جاویں دل ان کے یعنی مر جاویں پس زمان مسیح موعود میں چونکہ غیر مرحومین ہی نہ رہیں گے تو ان کا اختلاف کیسا ہوگا۔

اس مقام پر امروہی صاحب نے ہماری طرف یہ منسوب کیا ہے کہ بحسب قاعدہ مخترعہ مؤلف کہ قرآن مجید میں جس جگہ ایسا استثناء **اِلَّا** کے ساتھ آیا تو وہ آیت مؤلف کے نزدیک زمانہ مسیح ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

ایہا الناظرون! انصاف فرماویں کہ کس قدر جہالت ہے یہ تفریع تو امروہی صاحب کی خوش فہمی پر مبنی ہے کیونکہ **مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ** کو آپ نے محصور کر رکھا ہے انہیں مرحومین میں جن کے زمانہ میں مسیح کے زمانہ کی طرح کوئی غیر مرحوم باقی نہ رہا ہو۔ حالانکہ **مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ** شامل ہے ان کو اور نیز ان مرحومین کو جن کے زمانہ میں غیر مرحومین بھی موجود ہوں۔ فاندفع الایراد بقولہ تعالیٰ **وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** (عصر:۳۔۱) بقولہ تعالیٰ **ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** (التین:۶۔۵)

اور پھر ہم پر یہ اتہام لگایا گیا ہے کہ ''مؤلف شمس الہدایت کے نزدیک مستثنیٰ منہ حرف استثناء کے لانے سے کل مستثنیٰ ہو جاتا ہے۔''

یہ بھی آپ کی اسی خوش فہمی پر مبنی ہے جو ابھی بیان ہو چکی ہے فلا یرد ما اوردہ بقولہ تعالیٰ **سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی○ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ** (الاعلیٰ:۷۔۶)

اور پھر **اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ** کو بر تقدیر استثناء منقطع کے عبارت ملائکہ سے ٹھہرا کر اعتراض کیا ہے حالانکہ صورت انقطاع میں بھی **مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ** سے انسان مراد ہیں نہ ملائکہ۔ دیکھو بیضاوی ''**اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ**'' **الا اناساً هداهم اللّٰه من فضله فاتفقوا علیٰ ماهو من اصول دین الحق و العمدة فیه انتهی** (موضح الحاجہ) اس پر شہاب حاشیہ بیضاوی میں لکھا ہے۔ **فالاستثنآء منقطع**۔ ایہا الناظرون! ہم کب تک ان کو پڑھاویں امروہی صاحب کو لازم تھا کہ پہلے کسی عالم سے شمس الہدایت کو پڑھ کر اس کوچہ میں قدم رکھتا ناحق اس کو رسوا ہونا پڑا۔

قوله: صفحہ ۲۲۶ سے ۲۳۲ تک کا حاصل۔ ان صفحات میں اس وجہ تطبیق کو ردّ کرنا چاہا ہے جو شمس الہدایت میں احادیث حلیہ ابن مریم کے متعلق لکھی گئی ہے۔ یعنی سرخ رنگ سے مراد کم درجہ کا سرخ ہے جسے گندمی رنگ بھی کہہ سکیں۔ اور گھونگروالے بال سے مراد کم گھونگروالے جن کو بہ نسبت اہل حبش کے سیدھے بال کہہ سکیں۔ لکھتے ہیں کہ اس تاویل کو خود حدیث متفق علیہ رد کر رہی ہے۔ عن **عبداللّٰہ بن عمر ان رسول اللّٰہ ﷺ قال رایتنی اللیلة عند الکعبة فرأیت رجلا ادم کا حسن ماانت راء من ادم الرجال۔ الحدیث۔** جس کے معنی ہیں نہایت عمدہ گندمی رنگ آدمی ظاہر ہے کہ سرخ رنگ والے کو عمدہ رنگ گندمی نہیں کہا جا سکتا۔

اقول: عمدہ گندمی رنگ بمعنی کمال گندم گونی یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ حدیث کے ٹکڑے **کاحسن ما انت راء من ادم الرجال** کا یہ معنی نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ گندم گوں مردوں میں سے زیادہ خوبصورت۔ آپ نے زیادت کو جو احسن افعل تفضیل سے مفہوم ہوتی ہے گندم گونی کے ساتھ لگا دیا۔

قوله: پھر فرماتے ہیں کہ سبط چونکہ نقیض ہے جعد کی لہٰذا ایک کا اطلاق دوسرے پر جائز نہیں۔

اقول: جعد کلی مشکک ہے اس کا اطلاق مراتب مختلفہ پر آتا ہے اور ایسا ہی سبط بھی۔ پس ہر ایک مرتبہ کا اطلاق اپنے مقابل پر نہیں آتا جو مساوی فی الدرجہ ہے نہ مطلقاً۔ اب لٹھا یا خاصہ کو بہ نسبت اطلس کے خشن کہہ سکتے ہیں اور بہ نسبت کمبل بھورا کے لین اور نرم۔ ایسا ہی کم جعودت والے کو بہ نسبت غایت مرتبہ کی جعودت والے کے چنانچہ حبشی وزنگباری سبط الراس کہہ سکیں گے۔

قوله: پھر لکھتے ہیں کہ دوسری روایت بھی اس تاویل رکیک کو باطل کرتی ہے اور وہ یہ ہے۔ **عن ابن عباس عن النبی ﷺ ورأیت عیسٰی رجلا مربوع الخلق الی الحمرة والبیاض۔** ظاہر ہے کہ جو رنگ گندمی ایسا ہو کہ مائل ہو سرخی اور سپیدی کی طرف اس کو بھی احمر یا سرخ نہیں کہا جا سکتا۔

اقول: ایہا الناظرون! غور فرماویں یہ روایت تو ہماری ہی تاویل کی مؤید ہے کیونکہ جب سرخی اور سپیدی ملی ہوئی ہوں تو اس صورت میں بلحاظ اختلاف جہت والاعتبار کے آدم بھی کہا جاتا ہے اور احمر بھی۔ امروہی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ حدیث ضرور ہمارے مسیح اقدس کو ملے مگر ہنوز دہلی دور است۔ خواص والہامات وغیرہا جو پہلے اسی رسالہ میں لکھے گئے ہیں قادیانی صاحب کو محروم رکھتے ہیں۔ آپ کا جغرافیہ وطب وغیرہ تاویلات یا تحریفات چند حمقاء کو دھوکہ دے سکتے ہیں۔ لہٰذا اس مقام پر ہم اسی قدر جواب میں کافی سمجھتے ہیں۔ کسی اہل علم نے آپ کے خرافات کو آج تک گوز شتر سے زیادہ کوئی وقعت نہیں دی۔ ایہا الناظرون! شمس الہدایت اور شرح حدیث کو بالمقابل رکھ کر ملاحظہ فرمایئے ان صفحات کے بقیہ مضامین کی تو طلبہ بھی دھجیاں اڑا سکتے ہیں۔

قولہ: صفحہ ۲۳۳ کا حاصل۔ شمس الہدایت میں جو لکھا ہے کہ حدیث **لو کان العلم معلقا بالثریا لنالہ رجل من ابناء الفارس**۔ کا مصداق سلمان فارسی ہے۔ اس پر فرماتے ہیں ''شرم، شرم، شرم''۔ صحیحین کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ **وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ** (جمعہ:۳) جب اتری تو صحابہ نے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ مبارک رکھ کر کہا **لو کان الایمان معلقاً عند الثریا لنالہ رجال من ھولآء** اور سلمان فارسی چونکہ اصحابی تھے لہٰذا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ **لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ** کے مصداق بنیں۔

اقول: شمس الہدایت میں تو اس حدیث کی نسبت نہیں لکھا گیا کہ اس کا مصداق سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں بلکہ **لو کان العلم معلقا بالثریا لنالہ رجل من ابناء الفارس** کے متعلق کلام ہے۔ اور صفحہ ۶۷ اور سطر ۴ میں عبارت ذیل ''مصداق ہونا اس حدیث کا ثابت ہوتا ہے'' سے مراد یہی حدیث ہے نہ صحیحین کی حدیث۔ الغرض صحیحین والی حدیث کے فقرہ **فوضع**

النبی ﷺ الخ۔ کو قرینہ ٹھہرایا گیا ہے اس پر کہ غیر صحیحین والی حدیث میں مراد رجل سے سلمان فارسی ہے۔ دیکھو شمس الہدایت صفحہ ۵۷۔ تو اس حدیث میں رجل سے مراد یا تو واحد شخصی ہے اور یا جنس فارسی۔ بر تقدیر اوّل یہ حدیث جواب **من ھولآء یارسول اللّٰہ** کا بوجہ جمعیت **اخرین** اور **ھولآء** کے نہیں ہو سکتے تا کہ سلمان فارسی بوجہ **لَمَّایَلْحَقُوْا بِھِمْ** کے مصداق اس حدیث کا نہ بن سکے بلکہ آپ کا ارشاد سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانا **کما فی احادیث الصحیحین**۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ مراد رجل سے **لناله رجل** والی حدیث میں سلمان فارسی ہے۔ اور بر تقدیر ثانی **لناله رجل** اور **لناله رجال** کا مآل ایک ہوگا۔ اس صورت میں بقرینہ **وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ** اور سوال **من ھولآء یارسول اللّٰہ** کی دونوں حدیثوں کا مصداق اہل فارس میں سے وہی ہوں گے جو شرافت صحبت سے مشرف نہیں۔ اس شق کا ذکر وجہ ثانی میں کیا گیا ہے۔ دیکھو شمس الہدایت کی عبارت ذیل۔ ''اور ثانیاً اگر بلحاظ جمعیۃ لفظ رجال اور ھولآء کہ جنس مراد ہو'' یعنی لفظ رجل سے جو **لناله رجل** میں واقع ہے۔ اگر کہا جاوے **لناله رجل** اور **لناله رجال** کا ارشاد پاک بجواب سوال **من ھؤلآء یا رسول اللّٰہ** کے ہی ہوا ہے لہٰذا رجل سے مراد بالتعیین جنس فارسی ہے نہ واحد شخصی تو۔ جواباً گذارش ہے کہ شمس الہدایت کی عبارت کا مطلب ابطال دلیل خصم کا ہے بجمیع شقوقہ ومحتملاتہ۔ پس امروہی صاحب کا شرم شرم شرم گو شرّم شرّم شرّم ہے کہ العلم خیر والجھل شر قضیہ مسلّمہ ہے۔ الحاصل قادیانی کسی صورت میں اس حدیث کا مصداق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے بجائے ''لانے اور اتارنے'' کے علم کو گم کرنا چاہا ہے۔

قوله: صفحہ ۲۳۴ کا حاصل۔

ا..... خراسان فارس کا صوبہ ہے اور سمرقند خراسان میں ہوا تو سمرقند فارس میں ہی ہوا لہٰذا قادیانی صاحب سمرقندی الاصل اور فارسی الاصل ہوئے۔

۲......آپ کسی ایک مسئلہ میں حضرت اقدس کو بتادیں کہ وہ کتاب سنت سے کیا مخالفت رکھتا ہے۔

۳......ہمارا مسیح موعود اپنے دعوے پر کتاب اللہ وسنت صحیحہ رؤیا اور مکاشفاتِ صالحینِ امت بیان کرتا ہے۔ آسمان اور زمین اس کے دعوے کی تصدیق کر رہے ہیں۔

اقول: اصلی عبارت شمس الہدایت کی یہ ہے۔ ''اور سمرقند نہ خراسان سے ہے اور نہ فارس سے''۔ دیکھو فہرست اغلاط۔ اور اس عبارت میں نفی فارس کی تو ظاہر ہے کہ بمقابلہ مضمون مندرج ازالہ اوہام کے ہے اور نفی خراسان کی بہ نسبت اس تقریر یا تحریر کے ہے جو شمس الہدایت کے لکھنے کے ایام میں کسی صاحب نے پیش کی تھی۔ چنانچہ آیت **وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ** کے متعلق جو مرجع **ھم** کا انبیاء لکھا ہوا ہے برخلاف سیاق آیت کے قصر اللمسافۃ وعلی سبیل التسلیم وہ بھی قادیانی صاحب کے ایک مخلص کی طرز بیان کے فرضِ تسلیم پر مبنی ہے۔ والا قادیانی صاحب کے تصنیفات میں کسی مقام پر آیت مذکورہ کا بیان اس طور پر نہیں دیکھا گیا۔ الحاصل بعض مضامین میں مخاطب قادیانی صاحب ہیں اور بعض میں ان کے احباب جنہوں نے انہی ایام میں اس کی جانب سے ہمارے سامنے گفتگو کی تھی۔

ایھا الناظرون! شمس الہدایت کا اعتراض قادیانی پر باقی رہا۔ یعنی حدیث **رجل من ابناء فارس** کا بوجہ سمرقندی الاصل ہونے کے مصداق نہ بنا۔ کیونکہ سمرقند فارس سے نہیں۔ دیکھو نقشہ جات۔ اور نیز قادیانی صاحب علم کو زمین سے اٹھانے کی وجہ سے اس حدیث کا مصداق ہرگز نہیں ہوسکتا۔

قولہ: صفحہ ۲۳۷ کا حاصل۔ آیت **سبحان ربی** کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ ہم کب کہتے ہیں کہ آیت ما نحن فیھا میں جو امور مذکورہ ہیں وہ بہ نسبت قادر مطلق کے ممتنع ہیں۔ کلا وحاشا ونعوذ باللہ منہ۔

اقول: جب آپ کو ان جملہ امورِ مندرجہ آیت کا جن میں سے آسمان پر صعود بجسدہ

العنصری بھی ہے عدم امتناع اِمسلّم ہے تو اب ہم کو کچھ ضرورت نہیں رہی کہ اس پر کلام کریں۔ صرف اتنا ہی کہتے ہیں کہ اس آیت سے حسب اقرار آپ کے عدم امتناع صعود علی السماء بالجسم العنصری کے ثابت ہوا اور آیت **سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ** الآیۃ اور **بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ** سے وقوع صعود بجسم عنصری ثابت ہے۔ اور ازالہ میں جو قادیانی نے نئے اور پرانے فلسفہ کی رو سے صعود علی السماء بالجسم العنصری کو ممتنعات سے لکھا ہے، بالکل واہی اور لغو ہے۔ کیونکہ برودت اور حرارت لوازم عادیہ میں سے ہیں، ہوا اور نار کے لئے۔ جن کا انفکاک بشہادت قولہ تعالیٰ **قُلْنَا یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ** (الانبیاء:۶۹) ثابت ہے۔ ایھا الناظرون! جب اللہ تعالیٰ کو کسی اپنے بندے کا آسمان پر لے جانا منظور ہو تو کیا کرۂ زمہریریہ اور ناریہ پھر بھی اپنی برودت اور حرارت کی رو سے اس انسان کیلئے مہلک ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں **فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ**ㅇ (یٰسین:۸۳) اور اسی قبیل سے ہے قادیانی کا زعم ذیل ”کہ در صورت رفع علی السماء بوجہ حرکت آسمانوں کے مسیح کو دائمی عذاب میں مبتلا ہونا لازم آتا ہے“۔ کیونکہ اس زعم کی بناء چونکہ آسمانوں کے متحرک ہونے وغیرہ پر ہے جو شرعاً ثابت نہیں بلکہ اخبار و آیات اس کے خلاف پر ناطق ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ **وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَھُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَۃٌ**ㅇ (الحاقۃ:۱۷) وفی الخبر **ان لہ قوائم**۔ ہاں کواکب کا متحرک ہونا قرآن کریم سے پایا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَھَا اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ**ㅇ (یٰسین:۴۰) وقال **فَلَا اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ**ㅇ **الْجَوَارِ**

---

۱ آپ نے اپنے نبی کی کل کارروائی غتربود کر دی۔ دیکھو ازالہ جلد اول صفحہ ۴۷، سطر ۳۔ از اں جملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کرۂ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔ الخ ۱۲ منہ

الْکُنَّسِ○ (التکویر:۱۶-۱۵) وقال **کُلٌّ یَّجْرِیْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی**۔ لہٰذا اہل اسلام کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔ الغرض معراج جسمی اور رفع جسمی ایک اجماعی عقیدہ ہے جس کے خلاف نہ نقل اور نہ عقل شہادت دیتے ہیں۔ اے مؤلف! تم کو ہمارے حبیب پاک ﷺ رسول رب العالمین افضل الاوّلین والآخرین سے کیا عداوت اور دشمنی ہے جو آپ ﷺ کے معجزات اور احادیث وفضیلت کلیہ کا انکار کرتے ہو۔ بلکہ قادیانی کو آنحضرت ﷺ سے افضل مانتے ہو۔ قادیانی اگر کہے کہ یہ پیشین گوئی ہرگز نہ ٹلے گی تو ایمان لے آتے ہو اور آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیوں میں اس خیبری یہودی کی طرح کیا کیا رنگ دکھاتے ہو **تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی** (نجم:۲۲) اور بجائے اس نبی کے جو باعث کمالات اپنے کے شرع محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت بجالانے کا استحقاق رکھتا ہے اور اس منصب خادمیت کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہے۔ ایک ایسا نامعقول کھڑا کرتے ہو جو تمہاری طرح علوم نقلیہ وعقلیہ سے بے بہرہ ہے۔

قولہ: صفحہ ۲۳۹ اور ۲۴۰ کا حاصل۔

۱…… ہم کب کہتے ہیں کہ زمین پر کوئی فرشتہ متمثل بصورت بشری نہیں ہوا۔

۲…… حدیث دمشقی کو جس میں نزول مسیح ملائکہ کے کندھوں پر ہتھیلی رکھے ہوئے مذکور ہے اس کی تکذیب آیات ذیل کر رہی ہیں۔ **یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰئِکَۃُ تَنْزِیْلًا**○ (فرقان:۲۵) ایضاً **ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰئِکَۃُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ** (البقرہ:۲۱۰) ایضاً **ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ تَاْتِیَھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّکَ** ایضاً **وَقَالُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ مَلَکٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَایُنْظَرُوْنَ**○ (انعام:۸)۔

اقول: ۱…… دیکھو ایام الصلح صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۷۔ ”ایں آیہ کریمہ جہراً گوید نزول دمشقی ملائکہ

بر ہیئت رجال بنی آدم از عادت الٰہیہ نیست۔ انتہیٰ“۔ مرزا صاحب کی نمک خواری کا حق آپ خوب ادا کرتے ہیں۔ خدا کے بندے ساری کتاب میں ایک جگہ بھی تو اس کو فائدہ پہنچایا ہوتا۔

۲..... آنحضرت ﷺ نے حدیث دمشقی میں صرف اتنا ہی فرمایا ہے کہ نزول مسیح ملائکہ کے کندھوں پر ہتھیلی رکھی ہوئے ہوگا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت کے موجودہ لوگ بھی ضرور ان کو دیکھیں گے۔ جائز ہے کہ یہ نزول اس طرح پر ہو جیسا کہ نزول ملائکہ کا سور قرانیہ کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ جن کا مشاہدہ آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے یا خواص میں سے کسی کو ہوتا ہو یا جیسا کہ رفع جنائز و لاشیں بعض صحابہ کا ملائکہ سے ہوا ہے۔ کما مر فی قصہ عامر بن فہیرہ وغیرہ۔ پھر ہم کہتے ہیں ان ملائک کا نزول صورت بشری میں بھی متصور ہو سکتا ہے اور آیت **وَلَوْجَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلاً وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ**o (انعام:۹) چونکہ رسول ملکی کے شان میں وارد ہے یعنی اس سے یہ مراد ہے کہ اگر کسی فرشتے کو رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا جاوے جیسا کہ کفار کا سوال ہے تو یہ بھیجنا عبث وفضول ہے۔ کیونکہ پھر بھی ان کو اشتباہ باقی رہے گا لہٰذا یہ آیت حدیث دمشقی کی مکذب نہیں۔ دیکھو حدیث احسان میں جبرائیل علیہ السلام بصورت بشری نازل ہوئے اور صحابہ نے بھی ان کو دیکھا۔ ایسا ہی بہتیرے مواضع ہیں۔ تو کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ اس حدیث کی مکذب آیت مذکورہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور آیات مذکورہ میں اس نزول اور اتیان کا ذکر ہے جو کھلے طور پر بغیر صورت بشری کے ہو جو مخصوص بیوم الحشر ہے۔

اے مؤلف صاحب! آنحضرت ﷺ کی احادیث کو مان لو اور ان کفار کی طرح انتظار نہ کرو جن کا ذکر آیات ذیل میں فرمایا گیا ہے۔ **هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ** الآیہ (البقرہ:۲۱۰) اور **هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ** الآیۃ۔ کیونکہ پھر ایمان لانا نافع نہ ہوگا قال اللہ تعالیٰ **لَايَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ** (انعام:۱۵۸)

اے مؤلف! آنحضرت ﷺ سے تم کو اور تمہارے مرشد کو کیا عداوت ہے کہ ہر ایک حدیث کو یا تو مخالف نصوص قرآنیہ کے ٹھہرا دیتے ہو اور یا تحریف صریح کر دیتے ہو۔ پھر اخیر میں ہم پر یہ الزام لگاتے ہو کہ ''اور اصل بات تو یہ ہے کہ آپ عالم ملائکہ کے بالکل منکر ہیں''۔

جب ہم نے شمس الہدایت میں بدلائل کثیرہ ملائکہ کا نزول اور وجود بمقابلہ انکار قادیانی کے کر دکھایا۔ تو امروہی صاحب سے اور کچھ بن نہیں پڑی۔ اخیر میں بحکم بیت

چو وقت ضرورت نماند گریز
بگیرد سر دست شمشیر تیز

لاجواب ہو کر یہ کہہ دیا۔ واہ صاحب! جواب اس کا نام نہیں بلاوجہ اور بغیر ثبوت کسی کو متہم کرنا ٹھہرے۔ ہم نے تو ہر جگہ میں تمہارے قادیانی کی عبارتیں بحوالہ کتاب وصفحہ وسطر نقل کر دی ہیں۔

قوله: صفحہ ۲۴۱ سے ۲۴۳ تک کا حاصل۔

۱...... اگر حضرت نوح کی عمر ۱۴۰۰ برس کی اور حضرت آدم کی ۹۳۰ سال کی ہوئی۔ وکذا وکذا۔ تو اس سے کب لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی عمر ۲۰۰۰ برس یا زائد کی ہوگی۔ شعر

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

۲...... جس زمانے کے لوگوں کی عمریں سو برس تک کی ہوویں تو ہر ایک اہل عقل اور سمجھ والا یہ بھی سمجھ لیوے گا کہ اسّی یا نوّے سال میں نکوس اور واژگونی انکو پیدا ہو جاویگی۔

۳...... حدیث صحیح سے حضرت عیسیٰ کی عمر ۱۲۰ برس کی ثابت ہے۔

۴...... مؤلف شمس الہدایت نے جو اصحاب کہف کے لئے عمر آیت **وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ** (کہف:۲۵) سے قطعی طور پر مقرر فرمائی ہے۔ کیا مؤلف نے آیت **قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا** قرآن میں نہیں دیکھی۔

۵.....اصحاب کہف کی عمر سے حضرت عیسیٰ کی عمر مزعوم ثابت نہیں ہوسکتی۔

اقول: ا.....حضرت ہم نے کب کہا ہے کہ نوح علیہ السلام اور آدم علیہ السلام وغیرہما کی عمر سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۲۰۰۰ برس کی ہو۔ ہم نے چند اشخاص کی عمریں اس استبعاد کے دفع کرنے کے لئے لکھی ہیں۔ جس کو قادیانی نے بہ عبارت ذیل بیان کیا ہے ''فکیف آنکہ الی دو ہزار سنہ زندہ اش گزاشتند''۔ ایام صلح فارسی صفحہ ۱۲۰ سطر ۱۹۔ بہ ایں خوش فہمی جواب لکھنے پر آمادہ کیسے ہوگئے ہیں۔ اب تو آپ کی لسان الحال شعر ذیل پڑھ رہی ہے۔ شعر

الایا ایھا المرزا نہیں لیتا دراہم میں
جواب آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا
مرا در منزل مرزا چہ امن و عیش چوں ہر دم
صلاح الوقت میگوید کہ بربندید محمل ہا

۲.....قادیانی صاحب سے سوال تو یہ کیا گیا تھا کہ آپ نے اسّی یا نوّے سال کی قید کو مدلول آیت کا کیسے ٹھہرایا ہے۔ دیکھو ایام صلح صفحہ ۱۲۰۔ آیت ذیل **وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ** کے تحت میں ''چہ از اقرار ایں آیت ہر کہ بہ ہشتاد و نود سنہ بالغ شود و ارکوس و واژگونی بہ آفرینش اوّل حاصل آید''۔ ''از اقرار ایں آیت'' کا فقرہ محل استشہاد ہے۔ ایھا الناظرون! کیا سوال مذکور کا جواب یہ ہوسکتا ہے؟ ''جس زمانہ کی عمریں۔ الخ'' ہرگز نہیں۔ کیوں کہ یہ مضمون آیت مذکورہ کا مدلول نہیں بلکہ اس سے خارج ہے اور بر تقدیر تسلیم مفہوم آیت کا چونکہ اہل ہر زمانہ کو شامل ہے۔ لہٰذا اسّی یا نوّے سال کی قید کا خصوص اس کی غرض کیلئے منافی ہوگا۔

۳.....حدیث صحیح سے حضرت عیسیٰ کی مدت مکث قبل الرفع ۳۳ سال ہے۔ دیکھو ابن کثیر صفحہ ۲۴۵ میں۔ **فانه رفع وله ثلث و ثلثون سنة فی الصحیح و قد ورد ذلک**

ل چنانچہ ایام الصلح میں۔ ۱۲ منہ

فی حدیث فی صفة اھل الجنة انھم علیٰ صورة اٰدم و میلاد عیسیٰ ثلٰث و ثلٰثین سنة و اما ماحکاہ ابن عساکر عن بعضھم انه رفع وله مائة و خمسون سنة فشاذ غریب بعید انتہٰی۔اورطبرانی نے باسنادجیدانس سے روایت ۳۳ سال کوذکرکیا ہے۔واخرج الطبرانی بسند جید عن انس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یدخل اھل الجنة علیٰ طول اٰدم ستین ذراعاً بذراع الملک و علیٰ حسن یوسف و علیٰ میلاد عیسیٰ ثلٰث و ثلٰثین سنة الخ (بدورالسافرہ صفحہ۲۷۳)۔اورخازن ابن سعید،احمد، حاکم نے اسی روایت کوصحابہ کرام کی طرف منسوب کیا ہے۔ قال ابن عباس ارسل اللّٰہ عیسیٰ علیہ السلام و ھوابن ثلٰثین سنة فمکث فی رسالة ثلاثین شھراثم رفعه اللّٰہ الیه۔تفسیر خازن صفحہ۵۰۴۔واخرج ابن سعد و احمد فی الزھد و الحاکم عن سعید بن المسیب قال رفع عیسیٰ ابن ثلٰث و ثلٰثین سنة۔درمنثور جلد ثانی صفحہ۳۶۔

۴و۵......شمس الہدایت میں اصحاب کہف کا ۳۰۹ برس تک سونا ذکر کیا گیا ہے۔جوترجمہ ہے آیت وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (کہف:۲۵) کا دیکھو شمس الہدایت صفحہ۸۱ سطر۱۶۔خدا کے بندے کسی وقت تو سچ بولا کرو۔ایھا الناظرون! مؤلف صاحب سے دریافت فرمائیں کہ کیا آیت واللّٰہ اعلم بمالبثوا معارض ہے آیت وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا کے لئے؟ ہم کہاں تک ایسے جاہلانہ تعارضات کا دفعیہ لکھتے رہیں۔امروہی صاحب آپ کی ساری کتاب کا حاصل سوا آویز، گریز، بہتان، کج فہمی کے اور کچھ نہیں۔

قوله: صفحہ۲۴۴ اور۲۴۵ کا حاصل۔۱......حضرت عیسیٰ علیہ السلام آیت وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ کی دوشقوں میں سے اگرشق ارذل العمر میں داخل ہیں تو بالضرور لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا کے مصداق ہو گئے ہوں تو پھر دوبارہ آ کر کیا

کاروائی کرسکیں گے؟ ۲......اس جگہ پر مؤلف صاحب شمس الہدایت نے تسلیم کرلیا ہے کہ آسمان پر جانے کا حال چونکہ حالات متوسط میں سے ہے لہٰذا اسکا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا۔ ونعم ماقیل دروغگو ئے را حافظہ نہ باشد۔

۳......واقعہ صلیب کا ذکر جبکہ اللہ تعالیٰ **وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ** میں فرما چکا تو اس مقام پر ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اقول: ا......**یُرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ** امر ممتد ہے جس کا شروع چالیس یا ساٹھ سال کے بعد ہوجاتا ہے۔ **لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا** کا تحقق اجزاء متاخرہ میں ہوتا ہے۔ اور آیت **وَمِنكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ** میں چوں کہ مراد **مَنْ يُّتَوَفّٰى** سے صحت تقابل کے لئے **من یتوفی قبل الرد الی ارذل العمر** ہے لہٰذا مسیح علیہ السلام کا دخول شق اوّل میں بھی ہوسکتا ہے۔ بلکہ مناسب تر با حادیث مدت مکث بعد النزول یہی ہے۔ اور **یتوفی** تحقق وفات فی زمان الماضی پر دلالت نہیں کرتا تا کہ اس سے مسیح کی وفات نزول آیت کے وقت ثابت ہو۔ الغرض مسیح آیت کے شق اوّل میں داخل ہو، خواہ دوسری میں۔ اس کی وفات یا نکما ہوجانا ثابت نہیں ہوتا۔

۲......ہاں تسلیم کرلیا کہ آیت **وَمِنكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ** میں رفع الی السماء کا ذکر نہیں۔ جیسا کہ آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ اس آیت میں واقعہ صلیب کا ذکر نہیں۔ مگر فرمایئے کہ اس تسلیم میں ہمارا کون سا ضرر ہے اور ہم نے کب اس آیت کو دلیل رفع جسمی کے لئے کہا ہے؟ ہم نے تو **بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ** سے ثابت کیا ہے۔ ہماری کتاب کو کسی سے پڑھ کر سمجھنا آپ کے لئے ضروری تھا۔ ایہا الناظرون؟ جتنے اعتراض شمس الہدایت میں قادیانی کے استدلالات بآیات قرآنیہ پر وارد کئے گئے تھے ان میں سے ایک کو بھی امروہی صاحب مندفع نہیں کرسکا۔ اصلی غرض سوال کا تو حضرت کو خیال ہی نہیں رہتا آویز گریز کرکے ٹال مٹول دیتے ہیں۔

قولہ: صفحہ ۲۴۵ سے ۲۴۸ تک کا حاصل۔

۱......**وَمَاجَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَايَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ**(الانبیاء:۸) اور **كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ** سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انسان کا نبی ہو یا ولی وغیرہ بغیر طعام خوردنی گندم وغیرہ کے زندہ رہنا نہیں ہوسکتا۔

۲......قرآن مجید سے اصحاب کہف کی ضرورت طعام کی طرف معلوم ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ**(کہف:۱۹) ایسا ہی قولہ تعالیٰ **وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا**o۔(کہف:۱۶) صراح میں ہے۔ مرفق آنچہ بوے نفع یابند۔

۳......افسوس کہ مؤلف بے تمیزی کی وجہ سے کلمات قرآنی کے معنی حقیقی اور مجازی میں فرق نہیں کرسکا۔

۴......عدم اکل وشرب کوئی کمال نہیں۔ دیکھو جمادات کو۔

اقول: ۱......ہم بھی مانتے ہیں کہ حسب آیت مذکورہ کسی انسان کا بغیر طعام کے زندہ رہنا نہیں ہوسکتا۔ مگر اہل ارض کے لیے طعام گندم وغیرہ ہے اور اہل سماء کے لئے تسبیح وتہلیل۔ جس ملک میں کوئی جاتا ہے اسی ملک کی غذا سے مایۂ حیات حاصل کرتا ہے۔ زمینی آدمی جبتک زمین میں ہے اہل زمین کی غذا کھائے گا جب اللہ تعالیٰ کو آسمان پر لیجانا اس کا منظور ہے تو اس کو ملائکہ کی طرح تسبیح وتہلیل سے زندہ رکھتا ہے۔ آسمان پر لیجانے کے وقت اس سے اشتہاء اس غذا زمینی کی سلب کی جاتی ہے۔ کما صرح بہ المحققون۔ اہل زمین میں سے ہی زمانہ آئندہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی غذا تسبیح وتہلیل ہوگی۔ **فكيف بالمؤمنين يومئذ فقال يجزيهم مايجزى اهل السماء**۔ یارسول اللہ ﷺ جس دن کھانے پینے

کا سامان دجّال کے ہاتھ میں ہوگا اس دن مومنین کا کیا حال ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس دن اہل آسمان کی طرح ان کو تسبیح وتہلیل مایہ حیات ہوگی۔ اور نیز آیت **وَمَاجَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّايَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ** کا معنی یہ نہیں کہ انسان ہر وقت اور بغیر اشتہاء کے بھی کھاتا رہے بلکہ کھانا پینا اشتہاء پر مبنی ہے اور چونکہ مرفوع علی السماء کی اشتہاء سلب کردیجاتی ہے لہٰذا اس کا نہ کھانا اور نہ پینا آیت مذکورہ کے منافی نہ ہوا۔

۲..... قرآن مجید سے اصحاب کہف کا تین سو سال سے زیادہ عرصہ میں بغیر کھانے پینے کے زندہ رہنا ثابت ہے۔ کیونکہ مطابق **وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا** کے وہ سورہے ہیں۔ اتنے عرصے میں انہوں نے کچھ نہیں کھایا اور نہ پیا۔ اور آیت **فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ** الآیۃ میں بیدار ہونے کے بعد کا حال ہے۔ ساری آیت پڑھو۔ **وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآئَلُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَالَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَايُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا○** (کہف:۱۹)۔

۳..... افسوس ہے امروہی صاحب کے ایمان پر کہ اس نے آنحضرت ﷺ کے بیان ذیل **فقال یجزیهم ما یجزی اهل السماء** پر گستاخانہ بکواس کی۔ یعنی جس نے طعام کے معنی بغیر گندم وغیرہ کے نفس تسبیح وتہلیل لیا ہے وہ بے تمیز ہے۔ اس کو قرآن کریم کے کلمات کے معنی حقیقی ومجازی سے خبر نہیں۔ اے مؤلف! تم کو ہمارے پیغمبر افضل الاوّلین والآخرین سے کیا عداوت اور دشمنی ہے کہ ہر جگہ آپ کے ارشاد پاک اور قرآن مجید میں تعارض ٹھہرا دیتے ہو۔ ذرا **اوتیت القران ومثله معه** کا بھی خیال رکھو۔ اتنی عداوت تو پادریوں آریوں وغیرہ نے بھی نہیں کی کہ قرآن وحدیث میں ایسا بیجا دخل کریں۔

۴...... عدم اکل عما من شانہ ان یکون اکلا کمال ہے جو جمادات پر صادق نہیں ہوسکتا۔ دیکھو **یطعمنی ربی ویسقینی**۔ (متفق علیہ)۔ بیت

معدہ را بگذار سوئے دل خرام	تا کہ بے پردہ ز حق آید سلام
اذکروا اللہ کارِ ہراوباش نیست	ارجعی بر پائے ہر قلاش نیست

للحرب رجال و للثرید رجال مثل مشہور ہے۔

قولہ: صفحہ ۲۴۸ کا حاصل۔ ۱...... آیت **وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ** (مریم:۳۱) سے حضرت عیسیٰ کا مالدار وکثیر الخیرات ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۲...... ازالہ اوہام ص ۳۰۹ پر جو اعتراض کیا گیا ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ خلق طیور کو مرزا صاحب نے مکروہ وقابل نفرت کہا ہے''۔ اس میں ہم صرف اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ کسی حیوان کی تصویر کا بنانا شرع محمدی میں مکروہ ہے یا نہیں؟ بشق اوّل ازالہ کی بات ٹھیک اور شق ثانی کے آپ قائل نہیں فاین المفر۔ نمبر۳ انکار معجزات جو ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے جواب اس کا یہی ہے کہ **لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ**۔

اقول: ۱...... اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام مال کو اپنے ملک میں ٹھہرا رکھتے تھے تاکہ ان پر اداء زکوٰۃ لازم ہو۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سینکڑوں طرح کے اموال آئے معہذا وصف فقر جس پر آپ کا فخر ہی لازم ہے رہے۔

۲...... اگر بشق اوّل ازالہ کی بات ٹھیک ہے تو پھر یہ تصویر فروشی کیسی جس سے ہزاروں روپے، بھولی جماعت سے لئے گئے ہیں۔ اور مرزا صاحب سے تو اعتراض کسی طرح مندفع نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے قبل از شرع محمدی مسیح کے زمانہ میں اس کے معجزات کو مسمریزم اور کھلونے وغیرہ لکھا ہے، ۳...... دیکھو ازالہ کے ص ۳۰۵ کو جس میں خلق طیر کی نسبت لکھا گیا ہے کہ یہ ایک مسمریزی عمل بطور لہو ولعب کے تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسی تحریف کو انکار ہی سمجھا

جاتا ہے۔اب فرمایئے **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ** کا مصداق کون ہوا۔

قولہ: صفحہ ۲۴۹ میں خطبۂ صدیقیہ کا ذکر ہے۔

اقول: اس کی تشریح اور امروہی صاحب کی کج فہمی پہلے گزر چکی ہے۔

قولہ: صفحہ ۲۵۰۔تو پھر بحکم آیت **فَلَمَّاتَوَفَّيْتَنِىْ** کے زمانہ ماضی میں تحقق موت کا حضرت عیسیٰ ابن مریم کے لیے واقع ہوگیا تو اب مطلقہ عامہ مؤید ومثبت ہمارے مذہب کے لئے ہوا اور قیام مبدا بھی بحسب اقرار آپ کے ثابت ہو۔ اوہوالمطلب۔

اقول: بحکم آیت **فَلَمَّاتَوَفَّيْتَنِىْ** کے مسیح ابن مریم کے لئے موت کا تحقق بعد النزول ہوگا۔ اور **توفیتنی** کی ماضویت بہ نسبت یوم الحشر کے ہے جس میں سوال وجواب ہوگا۔ اور جس پر صراحۃً حدیث **اقول کما قال العبد الصالح** کی دال ہے۔ بخاری کو کسی محدث سے پڑھیے تاکہ بخاری کی غرض **قال** کو بمعنی **یقول** کے لینے سے سمجھ میں آوے۔ پھر کبھی **فَلَمَّاتَوَفَّيْتَنِىْ** اور حدیث **کما قال العبد الصالح** کو پیش نہ کریں اور یہ جو کہا ہے ''قیام مبدا بھی بحسب اقرار آپ کے'' ہمارا اقرار یہ ہے کہ **توفی** بمعنی مطلق قبض کے ہے۔ دیکھو صفحہ ۵۳ شمس الہدایت کا مگر غور سے۔

قولہ: صفحہ ۲۵۰ اور صفحہ ۲۵۱ میں امروہی صاحب نے تسلیم کرلیا ہے کہ آیت **وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَايَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُاَحْيَاءٍ** الآیۃ(النحل:۲۰-۲۱) سے وفات مسیح ثابت نہیں ہوتی تاوقتیکہ **توفیتنی** کو اس کے ساتھ شامل نہ کیا جاوے۔

اقول: ایھا الناظرون! شمس الہدایت کا مطلب صرف اتنا ہی تھا کہ مرزا صاحب کا استدلال وفات مسیح برآیت مذکورہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ انہوں نے ایام الصلح کے صفحہ ۱۲۱ میں اس آیت کے تحت میں لکھا ہے ''دلیل بیّن است برینکہ عیسیٰ از زمرہ مردگان مے باشد'' سو اب امروہی صاحب نے مان لیا ہے کہ بے شک یہ آیت مثبت وفات مسیح کے لئے قبل

النزول نہیں۔ اس صفحہ میں بھی جوامروہی صاحب نے خوش فہمی عادی اپنی ظاہر کی ہے اس کی تردید کی حاجت نہیں۔ صرف شمس الہدایت اور امروہی صاحب کے کلام کو سامنے رکھ کر ناظرین رائے دے سکتے ہیں۔ اور **فَلَمَّاتَوَفَّيْتَنِي** کا مطلب صحیح بخاری پڑھنے کے بعد آپ معلوم کرلیں گے کہ اس سے تحقق وفات قبل النزول نہیں ثابت۔ بشہادت حدیث **اقول كما قال العبد الصالح** کے۔ اس مقام پر شمس الہدایت میں مرزا صاحب کے استدلال بالآیۃ المذکورۃ کو دونوں تقدیر پر باطل کیا گیا ہے۔ خواہ خصوص مورد کے رو سے ''اموات'' سے مراد ''اصنام'' لئے جاویں **كما قال ابن عباس**، اور خواہ عموم اللفظ کی جہت سے مطلق معبودات باطلہ لئے جاویں۔ اس پر امروہی صاحب سے مرزا صاحب کی جانب سے جواب تو کچھ بن نہیں سکا صرف ابن عباس کی تفسیر پر یہ الزام لگایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر قرآن مجید مکہ میں نازل ہوا ہے اس میں صرف انہیں مشرکین کا رد ہے جو اصنام واحجار کو معبود مانتے تھے۔ **نعوذ بالله من هذا القول مثل البول كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ افواههم**۔

حضرت یہ وہی ابن عباس ہیں جن کے آپ کسی مقام پر بوجہ خودغرضی کے ثنا خواں ہوتے ہیں۔ ابن عباس نے تو صرف بخیال خصوص مورد کے **اصنام** فرمادیا ہے، ورنہ عموم اللفظ کی جہت سے عموم ردّ کے منکر نہیں۔ آپ کو تو مرزا جی کی جانب سے جواب دینا ضروری تھا اس سے گریز کر کے ابن عباس سے آویز کردی وہ بھی ناتمام۔

قوله: صفحہ ۲۵۲۔ اے مؤلف صاحب! تناقض تو آپ کے ذہن میں ہے نہ قرآن مجید میں۔ جوسنت اللہ کہ گزر چکی وہی سنت اللہ پھر بحکم قادر مطلق اعادہ کی جاتی ہے۔

اقول: جب سنت اللہ کا اعادہ باوجود لفظ **خَلَتْ** کے ہوجاتا ہے تو پھر ابن مریم کے عود کو وہی **خلت** کس طرح روک سکتا ہے۔ اگر کہا جاوے مسیح کا عود برتقدیر وفات مسیح آیت **وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا اَنَّهُمْ لَايَرْجِعُوْنَ** (الانبیاء:۹۵) کے رو سے نہیں ہوسکتا۔ تو جواباً

گزارش ہے کہ اوّل تو وفات ہمارے مسلّمات سے نہیں تا کہ یہ آیت وارد کی جاوے۔ اور ہم کو اسی کی تطبیق میں ان آیات کے ساتھ جو دال ہیں عود و موتی پر کلام کی حاجت ہو۔ اور بر تقدیر تسلیم اتنا تو ثابت ہوگیا کہ **خَلَتْ** کا لفظ دوبارہ آنے سے آبی نہیں اور آیت **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** دلیل امتناع عود مسیح کی نہیں۔ وہوالمطلوب۔ مرزا صاحب کی جانب سے مجیب ہو تو ایسا ہو کہ ہر ایک استدلال اس کے کو خود ہی باطل کرتا جاوے۔

قوله: صفحہ ۲۵۳ اور صفحہ ۲۵۴ کا حاصل۔ حضرت عیسیٰ کونسی وجہ سے عہد رسالت سے معزول کئے گئے؟ نادان کی دوستی جی کا زیان۔ کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی **اِنَّ اللّٰهَ لَايُغَيِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَابِاَنْفُسِهِمْ** (رعد: آیت ۱۱)

اقول: حضرت عیسیٰ منصب و مقام قرب رسالت سے معزول نہیں کئے گئے بلکہ اپنی شریعت کی تبلیغ سے فارغ ہیں۔ حضرت عیسیٰ کا معزول سمجھنا یہ آپ کا حاشیہ ہے جس پر سوال مذکورہ کا ورود ہوسکتا ہے۔

قوله: صفحہ ۲۵۵ کے اخیر سے ۲۵۶ کے نصف تک کا حال۔

۱...... آیت **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** کو جو مصنف شمس الہدایت نے قیاس استثنائی کے رنگ میں بیان کیا ہے اس آیت میں قیاس استثنائی کا مادہ ہی مذکور نہیں۔ مقدمہ شرطیہ یہاں پر مذکور نہیں حرف لکن کا نشان نہیں۔

۲...... پھر طرفہ یہ کہ اپنی طرف سے بہت سے قضایا داخل کر دیئے اور **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ** کو دلیل سے خارج کر دیا۔

۳...... پھر جو اعتراض شکل اوّل پر وارد کرتے ہیں وہ ان کی تقریر پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ رفع منافات بین الموت والرسالۃ خطبۂ صدیقیہ کے وقت سے پہلے ہی متحقق ہے تو چاہیے کہ حضرت ﷺ پہلے ہی فوت ہو جاتے۔

اقول: ایہا الناظرون! پہلے آپ کو یہ جتلانا چاہتا ہوں کہ شمس الہدایت کا مقصود قادیانی و امروہی کے استدلال کا ابطال ہے جو انہوں نے وفات مسیح پر آیت **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط** (آل عمران:۱۴۴) سے پکڑا تھا۔ ان کے استدلال کی صورت مسیح ابن مریم رسول ہیں صغریٰ اور سارے رسول آپ ﷺ سے پہلے مر چکے ہیں کبریٰ پس مسیح بھی مر چکا نتیجہ اس پر شمس الہدایت کا اعتراض: شکل مذکورہ کا کبریٰ کلیہ نہیں۔ کیونکہ یہی **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** مسیح ابن مریم کے بارے میں بولا گیا ہے۔ **مَاالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط** (المائدہ:۷۵) اب اگر **الرُّسُلُ** کے لام کو استغراقی ٹھہرایا جاوے تو معنی یہ ہوا کہ سارے رسول مسیح سے پہلے مر چکے ہیں اور یہ خلاف واقع ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ مسیح سے پہلے فوت نہیں ہوئے۔ پس جب **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** میں **الرُّسُلُ** سارے رسولوں کو مستغرق نہ ہوا تو مہملہ فی قوۃ الجزیہ ٹھہرے گا لہٰذا استدلال بآیت مذکورہ علیٰ وفات المسیح بوجہ انتفاء شرط شکل اوّل کے باطل ہوا۔ بلکہ یہی **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** جو مسیح کے بارے میں بولا گیا ہے دلیل ہے حیات مسیح کے لئے ورنہ **من قبلہ** لغو جاتا ہے۔ پس یہ آیت دونوں جگہ صرف اسی قدر پر دال ہے کہ آنحضرت ﷺ اور مسیح پر موت کا آنا رسالت کے منافی نہیں۔ کیونکہ مطابق سنت الٰہیہ کے رسول مرتے رہے ہیں۔ اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مسیح مر چکا سراسر جہالت ہے۔ اگر یہی ہے تو چاہیے کہ آنحضرت ﷺ بھی اس آیت کے نزول کے وقت وفات پا چکے ہوں۔ وھو باطل فکذا ہذا۔ بعد اس کے ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ امروہی صاحب نے اس کا جواب کچھ نہیں دیا جو منصبی فرض ان کا تھا۔ کیونکہ ایک تو مرزا صاحب کی جانب سے مجیب تھے اور دوسرا خود بھی اپنی تصنیفات میں بڑے زور و شور سے آیت مذکورہ وفات مسیح کے اثبات میں پیش کیا کرتے ہیں۔ اس مقام میں ایسا ٹال مٹول کیا کہ ناظرین کو

ان کی ناتوانی و ناکامیابی کی طرف توجہ بھی نہ رہی۔ یہ ہوا وہ ہوا۔ پھر گزارش ہے کہ خطبۂ صدیقیہ میں بھی یہی آیت **مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** ط (آل عمران:۱۴۴) مذکور ہے۔ صدیق اکبر کا استدلال بدیں آیت آنحضرت ﷺ کی وفات شریف کے تحقق پر بھی، موقوف اس پر نہیں کہ (**الرُّسُلُ**) میں لام للاستغراق ٹھہرایا جاوے چنانچہ پہلے مفصل طور پر گزر چکا ہے۔

اب امروہی صاحب کے اعتراض نمبرا...... کا جواب سنیے۔ کیوں حضرت کیا براہین قرآنیہ میں یہ ضروری ہے کہ سارے مقدمات قیاس کے علی ہیئۃ الاقیسۃ مذکور ہوں؟ ہرگز نہیں۔ دیکھو آیت **لَايَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ** ٥ (النحل:۲۱) دلیل ہے ابطال معبودیت اصنام وغیرہ کے لئے۔ **هولاء ليسوا بالهة لانه لوكانوا الهة لخلقوا شيئا لكنهم لايخلقون شيئا** ایسا ہی **وهم يخلقون هولاء ليسوا بالهة لانهم مخلوقون ولاشئ من المخلوقين بالهة فهولاء ليسوا بالهة** ایسا ہی اموات اور ایسا ہی (غیر احیاء) بھی ایسا ہی قولہ تعالیٰ **لَوْكَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا** بلکہ ساری براہین **ماوردوها** اور **لَعَلٰى بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** الغرض آیات قرآنیہ میں سینکڑوں جگہ برہان کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

۲...... صفحہ ۸۵ شمس الہدایت کا ملاحظہ ہو جس کے حاشیہ پر صورت استدلال میں لکھا ہوا ہے **الموت ليس بمناف للرسالة**۔ کیا للرسالۃ سے لرسالۃ محمد ﷺ مراد نہیں۔ بدلیل خصوص مقام ناظرین صفحہ مذکورہ کے حاشیہ پر مفصل تقریر ملاحظہ فرمالیویں۔

۳...... شکل اوّل پر صفحہ ۸۶ شمس الہدایت کے حاشیہ میں جو اعتراض ہے وہ تو بسبب مسلّم ہونے رسالت آپ کے عند المخاطبین وارد غیر مندفع ہے۔ اور آپ کا اعتراض بالکل لغو اور جہالت ہے کیونکہ منافات مزعومہ حاضرین کا رفع تو خطبۂ صدیقیہ سے ہی ہوا تھا پہلے سے

نہیں ہوااس لئے کہ **رفع الشئ فرع** ہے تحقق اس شے کی۔ اور حاضرین کے اذہان میں منافات بین الموت والرسالت صدمہ وفات شریف کے رو سے اسی دن متحقق ہوئی تھی جسکا رفع خطبہ صدیقیہ سے کیا گیا۔ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ امروہی صاحب کا جواب سے تو جواب ہے اور لغویات ومطاعن کی طرف سے پائے برکاب ہے۔ سادہ لوحوں کو کیا خبر ہے براہین قرآنیہ کی۔ ان بیچاروں کو اس طرح پر اطمینان دیتے ہیں کہ کلمہ **لکن** اور پھر اتنے مقدمات قرآن کریم میں کہاں مذکور ہیں۔ گویا ان کے دلوں میں یہ جمانا منظور ہے کہ قرآن کریم کی تحریف ہو رہی ہے۔ امروہی صاحب ہر چند پولیٹکلوں سے کام لئے جائیں مگر تاڑنے والے تو تاڑ گئے ہیں کہ آپ ہر فن سے بے بہرہ ہیں۔ اور قرآن اور سنّت کی پٹڑی اکھاڑنے کے درپے ہیں۔ مگر معلوم ہو کہ مطابق **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ**o (حجر:۹) کے ناکامیاب ہی رہیں گے۔

قولہ: صفحہ ۲۵۵ کا حاصل۔ ۱...... شمس الہدایت میں آنحضرت ﷺ کی براءت عن الوفات کو مزعوم مخاطب کا ٹھہرایا گیا ہے جو شخصیہ ہے اور پھر سالبہ کلیہ بھی یعنی **لاشئ من الرسل بھالک**۔

۲...... جب مزعوم مخاطب کا سالبہ کلیہ نہ ہو تو طرز استدلال ہی باطل ہو گیا۔

اقول: ۱...... مزعوم مخاطب کا بلحاظ خصوص مقام گو کہ شخصیہ ہے مگر چونکہ منافات مزعومہ بین الموت والرسالۃ کسی خصوصیت کی جہت سے نہیں بلکہ از روئے وصف رسالت کے ہے۔ دیکھو اسی حاشیہ میں (جنہوں نے محمد ﷺ کو بلحاظ رسالت کے موت سے بری خیال کیا تھا)۔ لہٰذا مزعوم مخاطب کو باختلاف اعتبار شخصیہ بھی اور سالبہ کلیہ بھی کہنا صحیح ہوا۔

۲...... جب مزعوم مخاطب کا سالبہ کلیہ بھی ہوا تو طرز استدلال بھی صحیح رہا۔ بس

فہم سخن گر نہ کند مستمع قوت طبع از متکلم مجوے

قوله: صفحہ ۲۵۶ اور صفحہ ۲۵۷ کے غیر مکرر مضمون کا حاصل۔ منافات بین الموت والرسالت کو صحابہ کا مزعوم ٹھہرانا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات تک صحابہ کو یہ مسئلہ بدیہیہ کہ **مات الناس حتی الانبیاء** بھی معلوم نہ ہوا ہو۔ بلکہ صحابہ کا مزعوم یہ تھا کہ ابھی تک بہت سی پیشین گوئیوں کا پورا ہونا آپ کی حیات میں باقی ہے۔

اقول: جان نثاروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کی فرقت کے صدمے سے بدیہیات کو بھی بھول جاتے ہیں۔ اور یہی ہے مقتضائے **لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین** کا۔ یا صحابہ کرام نے بعد استماع خطبہ صدیقیہ کی آیت **اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ**O(زمر:۳۰) اور ایسا ہی آیت **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** ط(آل عمران:۱۴۴) کے بھول جانے کا اقرار نہیں کیا تھا اور آپ نے جو مزعوم صحابہ کی پیشین گوئیوں کا نہ پورا ہونا فرمایا ہے۔ کیا آیت **اِنَّکَ مَیِّتٌ** یا **قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** اس کے لئے تردید ٹھہر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ان آیات کا یہ معنی نہیں کہ فلاں تاریخ میں وفات شریف واقع ہوگی تاکہ پیشین گوئیوں کے وقوع تک کے انتظار کو رفع کرے۔

قوله: صفحہ ۲۵۸ سے ۲۷۶ تک کے مضمون کی تردید ہو چکی ہے۔ پھر صفحہ ۲۷۶ سے ۲۸۲ تک فائدہ کے طور پر تفسیر رحمانی کا مطلب بیان فرماتے ہیں۔ مصنف تفسیر رحمانی کو محققین مفسّرین سے لکھتے ہیں۔ اور صفحہ ۲۸۰ سطر ۱۰ پر آیت لکھتے ہیں ''جو معنی ہم نے لکھے ہیں وہی معنی محققین مفسّرین نے بھی تحریر فرمائے ہیں۔ چنانچہ تفسیر رحمانی میں لکھا ہے **ولو تقول ای افترٰی علینا بقوته فصاحته وبلاغته بعض الا قاویل مع ظهور ان لا یأتی الاعجاز للفصحاء والبلغاء فی جمیع اقاویلهم لاخذ نامنه قوة الفصاحة والبلاغة بالیمین ای بقوتنا ثم لقطعنا منه الوتین ای یناط قلبه الذی به یتحرک لسانه فنجعل کلامه ضحکة للناظرین وهزاءة للساخرین**

کترھات مسیلمة وابی العلاء المعریٰ وغیرھما فما منکم من احد عنه ای عن سلب بلاغته وفصاحة حاجزین ای مانعین فانکم وان اعتنموه حینئذلم یتات منه کلام بلیغ فضلاعن المعجز و ذٰلک لانه یفضی الٰی تلبیس لا یمکن دفعه وھومناف للحکمة وکیف یکون افتراء وانه لتذکرة للمتقین فانھم بتصفیتھم للبواطن یتذکرون بھا علوماً تفیدھم فی الدین من غیر انتھاء لھاولاشیٔ من المفتری کذٰلک۔ اور اسی تفسیر رحمانی میں ہے۔ ثم اشار الٰی ان قتل محمدﷺ وموته لیس من اسباب الضعف بل ھوکالقرح فقال ومامحمد الارسول والرسل منھم من مات ومنھم من قتل فلامنافاة بین الرسالة والقتل والموت اذ قد خلت من قبله الرسل بل الضعف عن الجھاد حینئذٍ مشعر بالردة اتومنون به فی حال حیٰوته فان مات او قتل انقلبتم ای ارتد د تم کانکم انقلبتم علٰی اعقابکم ومن ینقلب علٰی عقبیه فلن یضر اللّٰه شیئا بابطال دینه فانه سیظھره علٰی یدی من یشکره وسیجزی اللّٰه بالنصر والغلبة فی الدنیا والثواب والرضوان فی الاٰخرة والشاکرین نعمة الاسلام بالجھاد فیه.

اقول: بجائے ''اور جو معنی ہم نے لکھے ہیں وہی معنی محققین مفسّرین نے لکھے ہیں''۔ کے یوں فرمانا چاہیے تھا۔ ''اور جو معنی محققین مفسّرین نے لکھے ہیں وہی معنی ہم نے ان کے کلام کو دیکھ کر لکھے ہیں''۔ ایھا الناظرون! غور فرماویں تفسیر رحمانی کی عبارت ذیل میں **فلامنافاة بین الرسالة والقتل والموت اذ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ**۔ کہ اس نے تصریح کر دی ہے کہ مزعوم صحابہ کا وفات شریف کے دن منافات بین الموت والرسالت تھی جسکا امروہی صاحب اوپر انکار فرما چکے ہیں۔ چونکہ تفسیر رحمانی کے مصنف کو محققین

مفسّرین سے شمار کیا ہے۔ لہٰذا آپ کو ان کے قول کی تسلیم ضروری ہے اور بموجب مفادِ آیت **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ** (الحاقۃ:۴۴) کے قادیانی صاحب کی تفسیر فاتحہ بھی (جس کو اس نے اعجاز ٹھہرایا ہے) ضحکۃ للناظرین وہزاءۃ للساخرین ہو رہی ہے اور اس کے حواری گو کہ اس کو امداد اور اعانت بھی کریں تو بھی بحسب قولہ تعالیٰ **فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ** (الحاقۃ:۴۷) کے اس کو کلام بلیغ پر قدرت نہیں ہو سکتی۔ فضلاً عن المعجز۔ کیونکہ بر تقدیر معجز ہونے تفسیر فاتحہ للقادیانی کے تلبیس غیر مندفع پیدا ہوتی ہے، جو منافی ہے حکمت الٰہیہ کو۔ ناظرین خوب غور فرماویں کیا آیت مذکورہ کے مضمون کا تحقق بموجب تفسیر رحمانی کے ہوا ہے یا نہیں؟ یعنی کلام انکی مضحکہ ناظرین بنی ہے یا نہیں؟

قولہ: صفحہ ۲۸۳ کا حاصل ۱..... **فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ** o (اعراف:۲۵) میں جعل تکوینی کہاں موجود ہے۔

۲..... اگر حضرت عیسیٰ اس اختصاص سے مستثنیٰ ہیں تو انکا استثناء دلیل نقلی قطعی سے بیان کیا جاوے۔

۳..... صعود ابلیس بعد الہبوط کو جو مقیس علیہ تحریر کیا گیا ہے اوّل حضرت آدم علیہ السلام کا آسمان پر پیدا ہونا ثابت کیا جاوے بعد اس کے شیطان کا صعود آسمان پر وسوسہ ڈالنے کیلئے ثابت کیجئے تب اس کو مقیس علیہ گردانیے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ **اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً** (بقرہ:۳۰) **وغیر ذلک من الآیات۔**

۴..... سلمنا کہ **جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا o وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا** o (النبا:۱۰،۱۱) میں مجعول عارض غیر لازم ہے مگر **فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ** اور **وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ** (بقرہ:۳۶) میں تو اختصاص ہے۔

اقول: ۱..... کیا حیات وممات فی الارض مخاطبین کی بغیر جعل جاعل وخلق خالق ہو گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں لفظ جعل آیت مذکور نہیں۔

۲..... آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ اور آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتَابِ اور آیت مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یہ سب دال ہیں حیات مسیح فی السماء پر۔ اور اس کے استثناء پر بعد ملاحظہ تطابق آیات کے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا تھا وہ سب ہباءً منثوراً ہوگیا اور لَیُؤْمِنَنَّ کا استقبال بھی بہ نسبت زمان نزول آیت کے ہی ثابت کیا گیا ہے۔

۳..... ہمارا مدعا آدم علیہ السلام کے آسمان میں پیدا ہونے پر موقوف نہیں۔ بلکہ سکونت علی السماء پر مبنی ہے۔ قُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ (بقرہ:۳۵) دیکھو کل تفاسیر معتبرہ۔ ابلیس کا ہبوط وخروج جنت یا آسمان سے بسبب انکار سجدہ کے پہلے ہو چکا تھا۔ قال اللہ تعالیٰ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَکُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَکَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ○ (اعراف:۱۳) اور جبکہ آدم علیہ السلام کا ہبوط جنت سے زمین پر نہیں ہوا تھا تو بموجب قولہ تعالیٰ فَوَسْوَسَ لَهُمَا لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَاوٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا (اعراف:۲۰) کے ابلیس کا صعود آسمان پر وسوسہ ڈالنے کے لئے ثابت ہوا۔ پھر ابلیس کے قول پر تعمیل کرنے کی وجہ سے آدم وحوا علیہما السلام کو جنت سے نکال کر زمین پر چھوڑا گیا۔ قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ۔ الیٰ ان قال۔ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ○ قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ○ (اعراف:۲۴،۲۵) اور قولہ تعالیٰ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور ایسا ہی وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ حکایت ہیں مابعد سے مضمون بالا کے۔

۴..... استثناء مسیح کی آیات نے اس اختصاص کو چونکہ مختص بماسوائے مسیح کردیا تو بہ نسبت ماسوا کے حیا مقید بہ فی الارض ہوئی اور بہ نسبت مطلق الانسان کے جو شامل ہے مسیح وغیر مسیح کو قید فی الارض کی منجملہ قیود عارضیہ مجعول الیہ کے ٹھہری فتامل۔ اور نیز آپ کے اجتہاد کے مطابق حصر مذکور منقوض ہوگا اس شخص کے ساتھ جو ہوا پر کسی آلہ کے ذریعہ سے حیات کو بسر کرتا ہے، اور

اہل جنت کے ساتھ بھی۔ پس جب تک آپ آیت مذکورہ میں تقدیم ظرف لافادہ غیر الحصر نہ ٹھہرائیں یا حیات کو مقید بہ حیات ناسوتی اور مقید بہ اکثر الاحوال نہ ٹھہراویں تب تک نقوض مذکورہ آیت سے رفع نہ ہونگے۔

قوله: صفحہ ۲۸۴۔ انبیاؤں کا مرتبہ اور رسالت اور نبوت سے معزول ہونا محض باطل ہے۔

اقول: شمس الہدایت میں جس رسالت کو محدود کہا ہے اس سے مراد تبلیغ شرائع واحکام ہے مطابق اپنی اپنی شریعت کے، نہ مرتبہ اور مقام اور قرب۔ کمامر فی اوّل ہذا الکتاب۔

قوله: صفحہ ۲۸۴۔ اور ہم نے نزول بروزی مسیح کا درصورت حضرت اقدس کے دلائل قاطعہ سے ثابت کر دیا۔

اقول: خاک کر دیا کمامر۔

قوله: بخلاف صعود عیسیٰ علیہ السلام کے جو الی السماء بجسدہ العنصری ہو اور نزول کذائیہ وغیرہ کے جس کو نصوص قطعیہ ردّ فرما رہے۔

اقول: صعود نزول مذکور کی تردید نصوص قطعیہ بموجب رائے آپ کے فرما رہے ہیں ورنہ وہی نصوص بحسب رائے آنحضرت ﷺ وصحابہ وتابعین وغیرہم الی یومنا ہذا منافی نہیں۔ بلکہ بعض ان میں مع عدم تنافی مثبت بھی ہیں۔ کمامر۔

قوله: صفحہ ۲۸۵۔ اگر ضرورت نہیں تو ممتنع بھی تو نہیں۔

اقول: یہاں پر مصنف نے عود ایلیا کا علّت مثبت نہ ہونا جو شمس الہدایت کا مقصود تھا قبول کرلیا۔ اور امتناع بروز کو ہم ثابت کر چکے ہیں۔ صفحہ ۲۸۵ سے صفحہ ۲۹۲ تک کی تردید کی ضرورت نہیں۔ ہاں حضرت شیخ کی عبارت جو اثبات نبوت قادیانی صاحب کے لئے فتوحات سے نقل کی گئی ہے۔ اس میں ناظرین پر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ حضرت شیخ کا مطلب عبارت مذکورہ سے صرف بقاء مرتبہ ومقام نبوت کا ہے۔ **الی یوم القیمة** مگر نبی و

رسول کہلانا بعد آنحضرت ﷺ کے جائز نہیں رکھتے۔ چنانچہ اسی باب کے صفحہ ۴ پر کہتے ہیں **فسد باب اطلاق النبوة علیٰ هذا المقام** اور نیز فتوحات کے فصل ''تشہد'' میں فرماتے ہیں۔ **وهو باب قد سده اللّٰه کما سد باب الرسالة عن کل مخلوق بعد رسول اللّٰه** ﷺ۔ اور پھر امروہی صاحب کا دجل جو انہوں نے حضرت شیخ کی عبارت میں کیا ہے۔ قابل غور ہے۔ **قال الشیخ وانه لاخلاف انه ینزل فی اخر الزمان حکما مقسطاعدلا** الخ۔ اس عبارت میں ینزل پر امروہی صاحب صفحہ ۲۹۱ میں حاشیہ لگاتے ہیں۔ ای **ینزل علی نهج البروز**۔ اب ناظرین مصنف صاحب سے دریافت فرماویں کہ یہ نزول بروزی حضرت کی مراد کیونکر ٹھہرا سکتے ہیں؟ کیونکہ حضرت شیخ تو نزول جسمی اور حیات مسیح کے قائل ہیں۔ دیکھو فتوحات باب ۳۷ **ابقی اللّٰه بعد رسول اللّٰه** ﷺ **من الرسل الاحیاء باجسادهم فی هذه الدار الدنیا ثلثة الی ان قال وابقی فی الارض ایضاً الیاس وعیسٰی وکلاهما من المرسلین**۔ اور باب ۳۶۷ میں لکھتے ہیں۔ **فانه لم یمت الی الآن بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ الی هذه السمآء** اور اگر اپنی رائے کے مطابق نزول بروزی لیا ہے تو پھر حضرت شیخ کے قول ینزل کی تفسیر کیسی ہوئی۔ بعد اظہار اس دجل کے یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ عبارت [1] مذکور شیخ سے نزول جسمی مسیح کا متفق علیہ ہونا معلوم ہوتا ہے برخلاف زعم قادیانی وامروہی صاحبان کے۔ اے مصنف صاحب کہاں تک آپ اجماعی مسئلہ کو چھپاؤ گے۔ صاف اس طرح پر کیوں نہیں کہہ دیتے کہ بیشک امت مرحومہ کا اجماع رفع ونزول جسمی پر تو ہے مگر ہم دلائل قاطعہ زعمیہ کے رو سے اس کو اجماع کورانہ کہتے ہیں۔ ناحق کیوں ہر ایک حدیث اور قول صحابی وتابعی وائمہ محدثین ومفسرین وفقہاء کے قول کو الٹا بیان کرتے ہو۔ آپ کو عبارت مذکورہ کی نقل نے سوائے

[1] **وانه لاخلاف انه ینزل فی آخر الزمان** الخ یعنی اس مسیح ابن مریم کے نزول جسمی میں کسی کا خلاف نہیں۔ ۱۲ منہ۔

نقصان اٹھانے کے کیا فائدہ بخشا۔ مگر

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد ‏ ‏ ‏ ‏ خمیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگ است

قولہ: صفحہ ۲۹۳ اور صفحہ ۲۹۴ کا حاصل۔ جو تفسیر کہ مصنف شمس الہدایت نے تفاسیر سے بذریعہ احادیث لکھی ہے اس کو مرزا صاحب نے سراسر غلط نہیں کہا کیونکہ وہ تو مخصوص بیوم الحشر ہے بلکہ مرزا صاحب نے اس تفسیر کو غلط کہا ہے۔ جو علماء نے قبل قیام قیامت آخر زمانہ سے متعلق رکھی ہے۔

اقول: یہ اور دجل ہے کیونکہ مرزا صاحب تو خود اس سورۂ زلزال کو قبل قیام قیامت آخر زمانہ سے متعلق کہتے ہیں۔ دیکھو ازالہ ص ۱۱۴ سطر ۲۔ یعنی ان دنوں کا جب آخری زمانہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے کوئی عظیم الشان مصلح آئیگا اور فرشتے نازل ہونگے۔ یہ نشان ہے۔ انتہی۔ موضع الحاجۃ۔ اگر تخطیہ علماء کا بوجہ تعلق بزمانہ آخری قبل قیامت کے ہے تو اس کا قائل خود مؤلف ازالہ ہے۔ معلوم ہوا کہ وجہ تخطیہ کی یہ نہیں بلکہ تفسیر علماء کو جو ہم نے بذریعہ احادیث ثابت کر دی ہے۔ سراسر غلط کہنے کی وجہ یہ ہے کہ علماء ''ارض'' سے مراد زمین لیتے ہیں اور چونکہ زمین کے زلزلہ اور تہ و بالا ہونے کے وقت کسی سے کلام کرنا ناممکن ہے لہٰذا ''ارض'' سے مراد اہل ارض ہیں اور زلزال سے مراد تحریک خیالات ہے جو مصلح عظیم الشان یعنی (قادیانی) کے زمانہ میں ہو رہی ہے۔ الخ دیکھو صفحہ مذکورہ ازالہ میں ''کہ زمین جہانتک اسکا ہلانا ممکن ہے ہلائی جائے گی یعنی طبیعتوں اور دلوں اور دماغوں کو غایت درجہ پر جنبش دیجائے گی''۔ اور پھر صفحہ ۱۱۵ میں دیکھو ''اور زمین اپنے تمام بوجھوں کو باہر نکال دیگی یعنی انسان کے دل اپنے تمام استعدادات مخفیہ کو بمنصہ ظہور لائیں گے۔ الخ'' اور پھر ازالہ کے ص ۱۲۸ کی عبارت ذیل کو ملاحظہ کرو۔ ''ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر اس سورۂ زلزال کی یہ تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئیگا۔ اور وہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ

تمام زمین اس سے زیروزبر ہوجائیگی۔ اور جو زمین کے اندر چیزیں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا؟ تب اس روز زمین باتیں کرے گی اور اپنا حال بتائے گی۔ یہ سراسر غلط تفسیر ہے“۔ پھر دیکھو صفحہ ۱۳۳ ازالہ کا ”کیا ممکن ہے کہ زمین تو ساری زیروزبر ہوجائے۔ یہاںتک کہ اوپر کا طبقہ اندر اور اندر کا طبقہ باہر آجائے اور پھر لوگ زندہ بچ رہیں بلکہ اس جگہ زمین سے مراد زمین کے رہنے والے ہیں۔ انتہی موضع الحاجۃ“۔ ناظرین خیال فرماویں کہ عبارت منقولہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ قادیانی کا تخطیہ علماء کی طرف سے اسی وجہ سے ہے کہ علماء ”ارض“ سے ظاہری طور پر مراد زمین لیتے ہیں اور یہ غلط ہے بلکہ مراد زمین سے زمین کے لوگ ہیں۔ اور شمس الہدایت میں چونکہ ارض سے مراد زمین کا ہونا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کی تفسیر سے ثابت کیا گیا ہے۔ دیکھو ابن کثیر، درمنثور۔ تو یہ تخطیہ صرف علماء کی طرف نہ ہوا بلکہ آنحضرت ﷺ کی طرف ہی ٹھہرا۔ اب ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ امروہی صاحب نے ہر چند حیلہ سازی اور دجل سے کام لیا۔ مگر نا کامیاب ہی رہا۔ اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس دن کے زلزلہ کا اثر صرف اتنا ہی ہوگا کہ زمین کے بوجھ باہر نکالے جاوینگے۔ الغرض جو کچھ کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا وہی مراد ہے سورۂ زلزال سے۔ کجا یہ کہ اس کو العیاذ باللہ سراسر غلط کہا جاوے۔

قولہ: صفحہ ۲۹۵ سے ۲۹۷ تک کا حاصل۔ ان صفحات میں امروہی صاحب نے ہمارے اقرارات سے ابن مریم اور دجال والی پیشین گوئی کو مکاشفہ اجمالی ثابت کرنا چاہا ہے۔

اقول: جواباً اتنا ہی کافی سمجھا جاتا ہے کہ ہمارا کلام قدر مشترک اور مکشوف آخری میں ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ مسیح ابن مریم بعینہ لا بمثیلہ مکشوف ہوا اور ابن صیاد مکشوف آخری نہ تھا بلکہ وہ اور شخص ہوگا۔

قولہ: صفحہ ۲۹۸ کی تردید کی حاجت نہیں۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا ستر ہزار فٹ کی بلندی

سے زیادہ اونچا ہونا اس کا ثبوت قرآن اور حدیث کی رو سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

اقول: تاریخ پر نظر ڈالو کہ مضمون منجملہ احکام سے نہیں تا کہ قرآن اور حدیث کے رو سے ثابت کرنا اس کا ضروری ہو۔

قولہ: صفحہ ۲۹۹ سے ۳۰۲ کا حاصل۔ ا..... قرآن مجید کے معانی صرف ظاہر ہی میں منحصر نہیں بلکہ تاویلی بھی ہوتے ہیں۔ اور حساب جمل کے رو سے صدہا پیشین گویاں صوفیہ کرام نے بیان کی ہیں اور حضرت اقدس نے کہاں فرمایا ہے کہ تمام آیات قرآن مجید کی دلالت باعداد جمل کرتی ہیں۔

۲..... اگر خلافت نبوت حضرت عمرؓ کی منصوص نہیں تو خیر تمام سنتہائے عمریہ کو آپ نے خیر باد کہہ دیا۔ آپ نے حدیث **علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی** کو نہیں سنا ہم تو پانچوں وقت ہر رکعت نماز میں **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** کو پڑھا کرتے ہیں۔

اقول: ا..... اشارات قرآنیہ اور صوفیہ کرام کی پیشین گوئیاں اعداد جمل کے طور پر حجت علی الغیر نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کسی صوفی نے وجوبی طور پر اعداد جملی سے حجت پکڑ کر کسی مسلمان کو مجبور علی الایمان کیا ہے۔ جیسا کہ آپ کا نبی کرتا ہے۔

۲..... تاریخ ہجری کی نسبت جو لکھا ہے کہ منصوص نہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ تاریخ ہجری باوجود تقرر اس کے زمانہ نزول قرآن میں کسی آیت سے صراحۃً یا اشارۃً ثابت نہیں ہوتی تو قادیانی صاحب کی تاریخ ظہور میں اتنا اہتمام کہ قرآن کریم بھی اس پر ناطق ہو۔ یہ ترجیح مرجوح ہے۔ سنت عمریہ کے انکار کا الزام یہ آپ کا دجل ہے۔ آپ کو ایک وقت کی نماز کی ایک رکعت میں بھی اگر **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** کے پڑھنے کا اثر ہوتا تو اجماعی صراط کو نہ چھوڑتے۔

قولہ: صفحہ۳۰۲ کا حاصل۔ ا..... تمیز اعداد کی بقرائن لفظیہ وحالیہ اکثر محذوف ہوا کرتی ہے۔ دیکھو **اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا**۔ (بقرہ:۲۳۴)

۲..... مصنف شمس الہدایت کا یہ کہنا کہ **لقادرون** سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بالفعل متحقق کرنے والے ہیں۔ یہ اسکی خوش فہمی ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا ذکر صفات کا مقتضٰی یہی ہے کہ ہم بالضرور واقع کرنے والے ہیں۔

اقول: ا..... **اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا** میں بحسب محاورۂ عرب کے قرینہ موجود ہے۔ مانحن فیہ ۱۸۵۷ء پر کوئی قرینہ نہیں بلکہ اس کے انتفاء پر دلیل موجود ہے کیونکہ یہ عقائد اجماعیہ جن کو مرزا صاحب ذہاب القرآن سمجھتے ہیں مرزا صاحب کے زمانہ سے پہلے چلے آتے ہیں بلکہ زمانہ نزول القرآن میں بھی موجود تھے لہٰذا اعداد مذکورہ کی تمیز برس وسال نہیں ہوسکتی اور برتقدیر تسلیم بالخصوص مرزا صاحب ہی قرآن کے ذہاب اور اٹھایا جانے کا موجب ٹھہرے کیونکہ یہ عقیدہ برخلاف اجماع آپ کے طفیل ہی نکلا ہے اور آپ کے ہی زمانہ سے مخصوص ہے۔ تو آیت **وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْنَ** (مومنون:۱۸) کا الہامی معنی مرزا ہی کو مضر پڑا۔

۲..... قدرت ومشیت کا یہ مقتضٰی نہیں کہ مقدور ومشی ضرور متحقق ہو کچا کہ بالفعل بھی۔ دیکھو **وَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ** (انعام:۱۴۹) وغیرہ۔

قولہ: صفحہ۳۰۳ اور صفحہ۳۰۴ کی تردید کی ضرورت نہیں۔ صفحہ۳۰۵ لسان العرب میں لکھا ہے۔ **وقيل لانه يغطى الارض بكثرة جموعه۔**

اقول: حضرت **لانه** کی ضمیر کا خیال فرمانا چاہیے جس سے دجّال واحد شخصی مراد ہے اور اس کے ساتھ جماعات کے ہونے کا ہم کب انکار کرتے ہیں۔

قولہ: صفحہ۳۰۵۔ دیکھو **فان يخرج** الخ کو۔

اقول: حضرت عمر والی حدیث سے فراری ہوکر اب **فان يخرج** کی طرف آئے۔ اس کا

جواب بھی تو کچھ دینا تھا اس سے دجّال کا قتل ظاہری معلوم ہوتا ہے اور **وان یخرج** والی حدیث کا معنی پہلے لکھا گیا ہے۔

قوله: صفحہ ۳۰۶۔ پس اگر اسی طرح پر کسی صحابی یا تابعی کا قول دربارہ حیات عیسیٰ ابن مریم وغیرہ کے کسی روایت وغیرہ میں آیا ہو تو وہ روایت یا قول بمقابلہ نصوص قطعیہ کتاب و سنت صحیحہ کے کیونکر قبول ہو سکتا ہے۔

اقول: ما نحن فیہ تو ایک صحابی کا قول نہیں یہاں پر تو اجماع ہے کما مر۔ ایھا الناظرون! اس مقام پر امروہی صاحب اقرار کرتے ہیں کہ صحابہ و تابعین سے روایات حیات مسیح کی پائی گئی ہیں مگر ہم بوجہ ان مخالفت کے نصوص قطعیہ سے ان کو تسلیم نہیں کرتے حضرت ان کی مخالفت اہل لسان کے نزدیک نہیں ہاں آپ کی رائے میں مخالفت ہے سو وہ قابل اعتبار نہیں دیکھو اپنے اصول عشرہ کو۔

قوله: صفحہ ۳۰۶۔ کون کہتا ہے کہ ابن صیاد اب تک زندہ ہے۔

اقول: کہاں تک ہم شمس الہدایت کا مطلب آپ کو سمجھاویں ذرا اس کی عبارت ذیل کو غور فرماویں۔ اور بحکم **انما صاحبه عیسیٰ ابن مریم** کہ مرے ہوئے دجّال کو زندہ ماننا الخ۔

قوله: صفحہ ۳۰۷۔ آپ نے اقرار کرلیا کہ احادیث دجّالیہ محمول علی الظاہر نہیں بلکہ ماؤل ہیں۔

اقول: یہ آپ کی خوش فہمی ہے حضرت اس کو تاویل نہیں کہتے الفاظ سے مراد تو وہی معنی حقیقیہ ہیں۔ شمس الہدایت کی عبارت ذیل ''نہ یہ کہ فی الواقع دجّال موصوف بصفات مذکور ہو'' کا مطلب یہ ہے کہ اسناد وصف خلق وغیرہ کا دجّال کی طرف محض لوگوں کی دید میں ہوگا اور فی الواقع خالق سبحانہ وتعالیٰ ہی ہوگا۔ یہاں پر مؤلف صاحب نے بنابر خوش فہمی اپنی کے نہایت طیش میں آکر قریب دو صفحوں کے سیاہ کردیئے چنانچہ اس سے پہلے بھی طیش میں آکر لکھدیا ہے کہ ''یہاں پر مؤلف نے اقرار کرلیا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ دجّال کے بارہ میں متردد ہے''۔

ہاں صاحب مگر اخیر میں آپ ﷺ نے بوقت حصول کشف تفصیلی کے اس کا مفصل حلیہ بیان فرما دیا۔

قولہ: ص ۳۰۹ پر نعمت اللہ ولی کے بیت

مہدئے وقت و عیسیٰ دوراں
ہر دورا شہسوار مے بینم

کو جواباً اس محاورہ پر محمول کیا ہے حاتم دوران ونوشیروان زمان کہ حاتم اور نوشیروان سے بحسب محاورہ ایک ہی شخص ہوتا ہے۔

اقول: آپ بھی اپنے مرشد کی طرح گرے۔ کیا دوسرے مصرع میں ہر دورا شاہسوار مے بینم کو ملاحظہ نہیں فرمایا۔ نعمت اللہ ولی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکاشفہ کا بیان فرماتے ہیں کہ مہدی موعود اور عیسیٰ موعود دونوں کو اس وقت کشف کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔

ناظرین! امروہی صاحب سے دریافت کریں کہ شیخ محمد اکرم صابری مرحوم کا حوالہ جو مرزا صاحب نے دیا تھا اور اس پر شمس الہدایت میں اعتراض کیا گیا ہے اس کا آپ نے جواب کیوں نہیں دیا؟ کیا تسلیم کر گئے ہیں کہ مرزا صاحب ایسے دجل کیا کرتے ہیں۔

قولہ: صفحہ ۳۱۰۔ ورنہ جس طرح پر فرقہ معتزلہ وخوارج وجہمیہ نے ان احادیث کو الخ

اقول: ع چہ دلاور است زدے کہ بکف چراغ دارد

حضرت اب ناظرین آپ کے دھوکہ میں نہیں آتے کیونکہ ان کو پہلے نووی شرح صحیح مسلم کی نقل سے معلوم ہو چکا ہے کہ بعض معتزلہ اور جہمیہ کے ساتھ آپ ہی ہیں نہ اہل اجماع۔ اور پھر بالعکس دجل سے کام لیتے ہیں۔

قولہ: صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۳ تک کا حاصل۔ مرزا صاحب پر جو الزام لگایا ہے کہ انہوں نے ازالہ میں وحی انبیاء میں بھی دخل شیطانی لکھا ہے یہ بالکل ابلہ فریبی اور لوگوں کو بدگمان

کرنا ہے۔ مرزا صاحب نے اس طرح پر لکھا ہے یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہوجاتا ہے مگر وہ تو بلاتوقف نکالا جاتا ہے اور یہ مضمون ہے آیت **وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَانَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطَانُ فِی اُمْنِیَّتِہٖ** الآیۃ (سورۂ حج:۵۲) کا۔

اقول: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مضمون تو آیت مذکورہ کا ہے مگر محل استشہاد ازالہ کے صفحہ ۶۲۹ کی عبارت ذیل ہے۔ ''ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارہ میں پیشین گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست ہوئی بلکہ وہ اسی میدان میں مرگیا'' الخ۔ اب فرمایئے کہ اس سے شیطانی کلمہ کا دخل انبیاء کے وحی میں ثابت ہوا یا نہ؟ اور شمس الہدایت میں جو حوالہ ازالہ کے صفحہ ۶۲۸ کا دیا گیا ہے اس صفحہ سے لے کر دوسرے صفحہ کے اخیر تک دیکھو کہ یہی ہے۔ آپ نے صرف آیت کا مضمون نقل کر دینے سے مرزا صاحب کو بری کر دینا چاہا مگر اس صفحہ کو اخیر تک ملاحظہ نہیں فرمایا یا دانستہ دجل کیا۔

قولہ: صفحہ ۳۱۴۔ مجدد اور محدث بھی تو مرسل ہوتا ہے۔

اقول: اصطلاحی معنی کے رو سے ان کو رسول نہیں کہا جاتا۔

قولہ: صفحہ ۳۱۵ سے ۳۱۸ تک کی تردید کی ضرورت نہیں۔ صفحہ ۳۱۹ میں لکھا ہے کہ حدیث ذیل **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناولہ** (رواہ مسلم) کا مصداق امام ہمام نعمان بن ثابت کوئی نہیں کیونکہ ان کے وقت میں علم زمین سے نہیں گیا تھا۔

اقول: آپ کے مرزا جی تو نہ صرف سمرقندی الاصل ہونے کی وجہ سے بلکہ مزید برآں تحریف الکتاب والسنۃ کے رو سے بھی حدیث مذکور کا مصداق نہیں ہوسکتے۔ رہا امام ہمام علیہ الرحمۃ والسلام کا مصداق ہونا حدیث مذکور کے لئے سو وہ اس کا مصداق ہوسکتے ہیں کیونکہ اجداد کے رو سے ان پر رجل من ابناء فارس صادق ہے۔ اور حدیث مذکور کا مفاد یہ نہیں کہ رجل من

ابناء فارس کے وقت میں علم کا اٹھ جانا بھی ضرور متحقق ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس شخص میں لیاقت اور استعداد اس حد تک ہو کہ اگر علم زمین سے اٹھ گیا ہو تو بھی اس کو بوجہ کمال اپنے کے لوٹا لاوے کلمہ **لو** کا معنی خیال کرو۔

قوله: صفحہ ۳۲۱ کا حاصل۔ ۱...... مؤلف شمس الہدایت کو اس حدیث کا اقرار ہے کہ **الدنیا سبعة الاف وانا فی اخرها الفا** اندریں صورت جو کچھ آپ نے لکھا غتربود ہو گیا کیونکہ علامات قیامت کبریٰ جو حدیث میں بیان کئے گئے ہیں جب تک وہ پوری نہ ہولیویں تب تک قیامت کیونکر آسکتی ہے۔

۲...... آدم علیہ السلام سے آج تک سات ہزار تین سو اٹھارہ (۷۳۱۸) برس تو گزر چکے اندریں صورت کیا مؤلف کو اتنا عقل وفہم بھی نہیں ہے کہ سات ہزار برس سے پہلے قیامت کیوں کر آسکتی ہے اس سے مؤلف صاحب کا علم حساب میں بھی طاق ہونا ثابت ہوا۔

شعر
تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

شعر
حملہ بر خود مے کنی اے سادہ مرد
ہمچو آں شیریکہ بر خود حملہ کرد

۳...... حضرت اقدس نے مدت قیامت کی تحدید بعد گزرنے سات ہزار برس کے آدم علیہ السلام سے کس جگہ فرمائی ہے جو مخالف ہو۔ **قال انما العلم عند اللّٰہ یا ما المسئول عنها باعلم من السائل** کے۔

اقول: ۱...... شمس الہدایت کو اس حدیث کی صحت کا فرضی طور پر اقرار ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۱۶ سطر اوّل شمس الہدایت۔ اور فرضی کیوں نہ کہا جاوے چونکہ ثقات نے مثل مناوی وشیخ سیوطی وصاحب سراج منیر نے اس کو موضوع وضعیف کہا ہے اور اس حدیث کے مضمون کو مستقل

طور پر چونکہ مرزا صاحب نے وقوع قیامت سے روکنے والا ٹھہرایا ہے۔ دیکھو ازالہ صفحہ ۱۵۵ ''یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس گذرنے سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی''۔ لہٰذا ان پروار دکیا گیا کہ آج تک حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سات ہزار تین سو اٹھارہ برس تو گذر چکے۔ اندریں صورت کیا مرزا صاحب کو پھر بھی یہ حدیث وقوع قیامت سے روکنے والی معلوم ہوتی ہے۔ مع آنکہ طلوع الشمس من مغربہا اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض وغیرہ اشراط کا تحقق آپ کے نزدیک ہو چکا ہے۔ الغرض مرزا صاحب نے حدیث مذکور کو مانع مستقل ٹھہرایا ہے وقوع قیامت کے لئے۔ دیکھو ازالہ۔ لہٰذا یہ اعتراض ان پر وارد غیر مندفع ہی رہا اور امروہی صاحب نے بھی حسب عادت ٹال مٹول کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب اور امروہی صاحب دونوں نے علم حساب خوب پاس کیا ہوا ہے۔ بیت

تا مرد سخن نگفتہ باشد   عیب و ہنرش نہفتہ باشد

اس سے امروہی صاحب کی خوش فہمی بھی ثابت ہوگئی اور تینوں نمبروں کا جواب بھی ہو گیا۔

قولہ: صفحہ ۳۲۲ کی تردید ہو چکی ہے۔ صفحہ ۳۲۴ سطر ۲ **تمت الکتاب والیہ المرجع والمآب۔**

اقول: تم الکتاب چاہیے۔ کیا نحو میر نہیں پڑھا اور نیز **الیہ** کا مرجع کتاب ہو گی جو پہلے فقرہ متناسبہ میں مذکور ہے کیونکہ اللہ کا ذکر گو کہ فقرہ **واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین** میں ہوا ہے۔ مگر تمت الکتاب والیہ المرجع والمآب یہ دونوں فقرے کہیں متناسب اور پہلوں سے الگ الگ ہیں۔ پس معنی یہ ہوا کتاب شمس بازغہ ہی کی طرف مرجع اور باز گشت ہے۔ جو بالکل منافی ہے دیانت و درایت کے لئے۔

قولہ: صفحہ ۳۲۴ کا حاصل۔

ا...... میری نسبت لوگوں کا یہ مشہور کرنا کہ سید محمد احسن امروہی مرزا صاحب سے منحرف ہو گیا

ہے، بالکل جھوٹ اور لغو ہے۔ کیونکہ میں نے عرصہ انیس (۱۹) یا بیس (۲۰) سال میں اپنی تالیفات میں مرزا صاحب کے دعویٰ کو براہین ساطعہ سے ثابت کر دیا ہے۔ پس ایسے محقق کا برگشتہ ہونا (راہ راست پر آنا) کیا معنی رکھتا ہے۔

۲...... ہمارے رسائل کا آج تک کسی نے جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی باوجود وعدۂ جواب سکوت کیا اور مولوی محمد بشیر صاحب باوجود ہمارے شدید تقاضا کے عدم فرصت کا عذر پیش کرتے رہے۔

اقول: ا...... آپ خواہ کچھ بھی کہیں مگر سورج کو انگلی سے ہرگز نہیں چھپا سکتے۔ قادیان سے جانا آپ کا بھی دراہم معدودہ میں کسر واقع ہونے کی وجہ سے تھا جیسا کہ آنا جبر نقصان کے سبب سے ہوا۔ ''محقق'' کا لفظ جو آپ نے اپنے لئے لقب دیا ہے گویا اپنے منہ سے میاں مٹھو بننا چاہا ہے۔

۲...... ہاں صاحب مگر اس وجہ سے کہ

ع جواب جاہلاں باشد خموشی

قولہ: صفحہ ۳۲۵ سطر ۱۴۔ کتبہ السید محمد احسن امروہوی۔

اقول: امروہی چاہیے واؤ کے لانے کا کوئی قاعدہ نہیں۔ دیکھو شافیہ فصول اکبری اور نیز بوجہ تعریف محمد احسن اور نکارت امروہوی کے موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت بھی نہیں لہٰذا امروہی چاہیے تھا۔

قولہ: صفحہ مذکورہ سطر ۱۵۔ فی تاریخ ۲۳ اگست ۱۹۰۰ء یوم الخمیس۔

اقول: ''فی تاریخ'' اور ''یوم الخمیس''، متعلق ''کتبہ'' سے معنی یہ ہوا کہ لکھا ہے اس کتاب کو سید صاحب نے ۲۳ اگست ۱۹۰۰ء خمیس کے دن۔ ایہا الناظرون! کیا سید صاحب نے کتاب کو ایک دن میں لکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سید صاحب نے حسب

عادت اپنی کتاب کا خاتمہ بھی کلام کاذب پر کیا۔ خدا کے بندے خاتمہ کا فقرہ تو سچا بولا ہوتا۔

قولہ: صفحہ ۳۲۶ اور ۳۲۷ کا حاصل۔ ہم ایسے ہیں اور ہمارے رسائل ویسے فلاں صاحب سے منگالو۔

اقول: یہ ایسے ویسے صرف اپنے ہی منہ کی شکرخائی ہے۔ ورنہ مردم شناسوں کے ہاں جیسے ہیں تیسے ہی ہیں۔ فتدبّر۔ کسی اہل اسلام میں سے کسی کے منگانے کی امید مت رکھیں۔
بعض مقامات میں ہمارے ترکی بہ ترکی جوابوں پر امید ہے کہ آپ خفا نہ ہوں گے۔ کیونکہ بسم اللہ آپ ہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ ''آئندہ یار زندہ صحبت'' باقی مطمئن رہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَادِمْ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

''سیف چشتیائی'' کے عربی خطبہ کا اردو ترجمہ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

سب حمد و ثنا اس خدائے پاک کے لیے ہے جس نے اپنے رسل کرام علیہم السلام کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور ان کے آخر میں اس ذاتِ گرامی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا (مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبیین ہیں) اور آپ پر ہر کجی سے پاک وہ عربی قرآن نازل فرمایا۔ جس میں روشن ترین آیات اور قوی ترین دلائل ہیں۔ اگر سب جن وانس اس قرآن کی مثل لانے پر اکٹھے ہو جائیں تو اس کی چھوٹی سی سورت کی بھی مثل لانے سے ذلت کے ساتھ عاجز ہو جائیں گے اور گواہی دیتا ہوں کہ عبادت و پرستش کے لائق فقط خدا ہی ہے جو سب جہانوں کا معبود برحق ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد و رسول حبیب و خلیل اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ اور آپ کی آل کرام اور اصحاب عظام پر جنہوں نے آپ کی نصرت وحمایت کی اور ان کے تاقیامت مخلص تابعداروں پر بعدِ علم الٰہی اعلیٰ ترین صلوات و بقدرِ حلمِ الٰہی پاکیزہ ترین تسلیمات ہوں۔ خصوصاً ان لوگوں پر جو آپ کے دین محکم کے مجدّد ہیں۔ اور جو مدعی نبوت قادیانی کو شکست دے کر اس کی مِلّت کی شہ رگ کاٹنے والے ہیں۔ اے خداوند ان کی نصرت و مدد فرما جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کریں اور ہمیں انہی سے بنا۔ اور ان لوگوں کو مخذول و مغلوب کر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو نیچا دکھانے کی سعی کریں۔ اور ہمیں ایسے لوگوں میں شامل نہ فرما۔ اور ہمارا حال اُن لوگوں کے حال کے مشابہ نہ کر جن کے متعلق تیرا ارشاد ہے۔ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے عہد لیا جو کتاب دیئے گئے کہ ضرور اس کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اسے نہ چھپائیں گے پس انہوں نے اس کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور اس کو معمولی عوض کے بدلے بیچ ڈالا۔ پس انہوں نے بہت بڑا سودا کیا۔ نیز فرمایا۔ بے شک جو لوگ خدا کے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی عوض کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں وہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور نہ خدا ان سے قیامت کے دن ہمکلام ہوگا اور نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

حمد و ثناء کے بعد بندۂ فقیر خدا کی طرف ملتجی اور اسی کے ساتھ اس کے ماسوا سے مستغنی اسی کا بندہ اور اسی کے بندے کا فرزند مہر علی شاہ نسباً حسنی مذہباً حنفی مشرباً چشتی نظامی قادری ذہبی گویا ہے کہ ان مقاصد میں جن کی طرف رغبت وتوجہ کے ساتھ گردنِ ہمت بلند کی جاتی ہے۔ سب سے اعلیٰ وارفع کتاب وسنّت کا علم ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا

اختلاف پاتے۔ نیز فرمایا۔ یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تاکہ اس کے آیات میں غور وفکر کریں۔ اور عقل والے نصیحت حاصل کریں۔ نیز فرمایا۔ کیا پس وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! آگاہ ہو۔ میں قرآن اور اس کے ساتھ اسی کے مانند (سنت) دیا گیا ہوں۔

پس کتاب وسنت کا علم ان اہم ترین مقاصد سے ہے جن کی طرف مقصد کے سامان باندھے جاتے ہیں۔ اور ان عظیم ترین مطالب سے ہے جہاں طلب کی سواریاں بٹھائی جاتی ہیں اور ان موکد ترین امور سے ہے جن کے لیے اونٹوں اور گھوڑوں پر آبادیوں اور جنگلوں میں سفر طے کیا جاتا ہے۔ اور ان مضبوط ترین لند پہاڑی چوٹیوں سے ہے جہاں پر ڈاکوؤں کا فتنہ وفساد دفع کرنے کے لیے قیام کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کتاب اللہ کی وئی آیت نہیں اُتری مگر میں اس کے متعلق سب سے زیادہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور اگر میں یہ جانتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جانتا ہے جسے سفر اور سواری کے ذریعہ پایا جاسکتا ہے تو ضرور اس کے پاس حاضر ہوتا''۔

لہٰذا ہم جماعت اہلِ اسلام پر واجب ہے کہ کتاب وسنّت کا علم اُن اشخاص سے حاصل کریں جو اس کی اہلیّت رکھتے ہیں۔ پس سب سے مقدّم قرآن کی وہ تفسیر ہوگی جو خود قرآن سے حسبِ لغتِ عربیہ حضور نبی کریم علیہ السلام کی تفسیر کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بے شک ہم پر ہے قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کا اتباع کریں پھر ہم پر ہے اس کا بیان کرنا۔ نیز ارشاد باری ہے۔ بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ جس طرح خدا نے آپ کو دکھایا اس کے

مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور خیانت کرنے والوں کے لیے جھگڑنے والا نہ ہونا۔ نیز فرمایا۔ ہم نے آپ پر کتاب نہیں اُتاری مگراس لیے کہ لوگوں کو بیان فرمائیں وہ چیز جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور ہدائیت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے۔ نیز فرمایا۔ ہم نے آپ پر ذِکر نازل کیا تا کہ لوگوں کی طرف منزل کتاب کو ان کے لیے بیان کریں اور شاید وہ غور وفکر کریں۔

حضور نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں لوگو! آگاہ رہو میں قرآن اور اس کے ساتھ اسی کے مانند (سنّت) دیا گیا ہوں۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر رہبروں کے لیے چودھویں کا چاند اور تاریکی میں روشن ستارہ ہے۔ اور ہر اس چیز پر مقدم ہے جس کی مخالفت کی گنجائش مسلمان کے لیے ہر گز نہیں بخلاف مدعی نبوت قادیانی اور اس کی جماعت کے۔ کیونکہ ان لوگوں نے خلافِ منقول ومعقول اور غلط حیلوں کو قرآن کی تفسیر بنا کر حضور نبی کریم علیہ السلام کی تفسیر کے لیے بطور اصل قرار دیا، اگر چہ بعید از عقل تاویلات کیوں نہ کرنی پڑیں۔ جیسا کہ نزول مسیح علیہ السلام کے احادیث میں قادیانی تاویلات سے واضح ہو جائے گا۔

حضور علیہ السلام کی تفسیر کے بعد علمائے صحابہ کی تفسیر کا مقام ہے کیونکہ حضور علیہ السلام سے سننے اور سیکھنے کی سعادت کے ساتھ ساتھ ان حضرات نے نزول قرآن اور ان احوال کا بالمشافہہ معائنہ کیا جو قرآن کے سمجھنے میں مددگار ہو سکتے ہیں لہٰذا وہ اس معاملہ کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیات قرآنی سیکھ لیتا تو اس وقت تک مزید کی طرف توجہ نہ کرتا جب تک ان کے مطالب اور ان پر عمل پیرا ہونے کو اچھی طرح معلوم نہ کر لیتا۔

حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ جن حضرات سے ہم نے پڑھا وہ

فرماتے تھے کہ جب ہم حضور نبی علیہ السلام سے پڑھتے تو دس آیاتِ قرآنی پڑھنے کے بعد جب تک اُن پر عمل پیرا ہونا معلوم نہ کر لیتے آگے نہ بڑھتے۔ لہٰذا ہم نے علم اور عمل دونوں حاصل کیے۔

بہرحال صحابی کی تفسیر دوسروں کی رائے پر بلا شبہ مقدم ہے بخلاف مرزائیوں کے، کیونکہ ان کی جماعت کے دِلوں میں قادیانی کی نبوت پلادی گئی ہے۔ وہ لوگ اپنی رائے سے ایسی تفسیر کرتے ہیں جو قادیانی نبوت کی تائید کرے۔ گویا اُن کے ہاں اصل چیز یہی ہے۔ اور تفسیر اس کے تابع ہے جسے ہر ممکن طور پر اپنی اس رائے کی طرف لوٹاتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی نبی و رسول ہیں۔ اور جو اس کی نبوت کا منکر ہو وہ اسلام سے خارج اور ان کفار سے ہے جنھوں نے رسولوں کی رسالت سے انکار کیا۔ (خدا کی پناہ) انہوں نے اپنی ساری کوشش صرف کی مگر ان کا یہ غلط مقصد دور ہوتا گیا اور اپنی جانیں کھپادیں۔ مگر یہ مطلب ہٹتا ہی گیا۔ اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ہے کہ جو مقصد ان کے خیال میں تھا اس تک رسائی سے اُن کی اُمیدوں کے سلسلے ٹوٹ گئے۔ بھلا کہاں زمین کہاں آسمان۔ کُجا ثریا (تارے) کُجا ثریٰ (زمین کا نچلا حصہ) ہندی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ کیا پدّی کیا پدّی کا شوربا۔ ذرا گذشتہ زمانے کے مدعیان نبوت مسیلمہ وغیرہ کے حالات دیکھو جنھوں نے اپنے جھوٹے دعووں سے کئی ایک جاہلوں پر اپنا جادو چلایا جو انہیں خدا کی طرح محبوب رکھتے تھے۔ آخر کار وہ مدعیان اور ان کے مددگار سب دنیا و آخرت میں ذلیل ہوئے۔ علمائے اسلام کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے قادیانی اور اس کی اُمت کے فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لئے کئی کتابیں اور رسائل تصنیف کیے جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بہت سے علاقوں میں کافی مرزائیوں کو ہدایت فرما کر خالص توبہ کی توفیق بخشی والحمد للہ بسا اوقات میرے دِل میں خیال آتا تھا کہ کوئی ایسی کتاب تحریر کروں جو انعامِ الٰہی کے

مستحقین اہل ایمان کی راہ کو واضح کرے اور ان اہل بدعت لوگوں کے راہ سے بعید ہو جنہوں نے ارسطو وغیرہ فلاسفہ کے نقش پر چلتے ہوئے اَرباب کُتب منزلہ کے مسلک سے روگردانی کی اور کتاب وسنّت کو پس پشت ڈال دیا۔لیکن میرے اور اس مقصد کے مابین مختلف تفکرات ومشاغل کی کثرت حائل تھی یہاں تک کہ ایسے لوگوں نے اصرار کرتے ہوئے اس امر کی ضرورت ظاہر کی جن کی اُمیدوں کو پورا کرنے اور مطالبہ تسلیم کرنے کے بغیر مجھے چارہ نہ تھا۔لہٰذا مولوی محمد احسن امروہوی اور اس کے ہم مسلک لوگوں کو جنہوں نے میری کتاب شمس الہدایہ پر اعتراض کیے تھے جواب دینے اور مرزا قادیانی نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو غلطیاں کیں، اُن کی اصلاح اور اُس کے دعویٔ اعجاز کے ابطال کے لیے اپنے مقصد کی ابتداء کرتا ہوں اور اس کام میں اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرتے ہوئے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن گیر ہوں۔ خدا تعالیٰ میرا بہتر قوی حامی ہے۔اور حضور علیہ السلام بہتر شفیع ہیں۔ میرے ماں باپ اور جسم وجان سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں۔